تالیف:
حضرت مولانا احمد حسن محدث دہلوی
تفسیر
احسن التفاسیر
اردو
www.KitaboSunnat.com
ہدیہ منجانب
بلال گروپ آف انڈسٹریز
لاہور کراچی

وقف

سورة فاتحة الكتاب سبعة ايات مكية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم

ملك يوم الدين اياك نعبد

فى كتب مكنون

وقف

وقف

وإياك نستعين اهدنا الصراط

المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم

غير المغضوب عليهم ولا الضالين

وقف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس تفسیر کو پڑھنے اور اِس سے فائدہ اُٹھانے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ

# بلال گروپ آف اِنڈسٹریز

کے مالکان، اِنکے آباؤ اجداد، آل اولاد اور اہل وعیال کو اپنی دُعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں، خصوصاً یہ دُعا کہ اللہ تعالیٰ اُنکی تمام لغزشیں معاف فرمائے اور حسنات قبول فرمائے، اور خاتمہ بالخیر فرمائے: آمین ثم آمین

فون: 36-5716134

88-A مین گلبرگ ــــ لاہور

وقف

# اشاریہ روایات جلد ششم

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝

# قرآن مجید مترجم

ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی المتوفی ۱۲۳۰ھ

مع تفسیر

## احسن التفاسیر

اردو

جس میں احادیثِ حسنہ صحیحہ اور اقوالِ صحابہؓ و دیگر سلف سے قرآن حکیم کی تفسیر کی گئی ہے اور صحت روایت کا حد درجہ خیال رکھتے ہوئے معتبرہ و مسلمہ تفاسیر ابن جریر، ابن کثیر، معالم، خازن دُرِّ منثور اور فتح البیان کے اہم مطالب کا بہترین انتخاب ہے۔ نیز آیاتِ کریمہ کے شانِ نزول صحیح بہ التزام صحت سند لائے گئے ہیں

از تالیفاتِ عالیہ

عمدۃ المفسرین، سند المحدثین، علامۂ زمن حضرت مولانا سید احمد حسن ر المتوفی ۱۳۳۸ھ

مصنف تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ وغیرہ

تخریج احادیث

مولانا حافظ محمد ادریس کیلانی

## جلد ہفتم

جو منزل ہفتم پر مشتمل ہے

المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ۔ لاہور ۲

| | |
|---|---|
| ناشر | المکتبۃ السلفیۃ لاہور |
| مطبع | طفیل آرٹ پریس لاہور |
| طبع اول | محرم الحرام ۱۴۰۴ھ |
| | اکتوبر ۱۹۸۳ء |
| طبع دوم | شوال ۱۴۰۵ھ |
| | جولائی ۱۹۸۵ء |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذی اصطفی

# گذارشِ احوالِ واقعی!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے تفسیر احسن التفاسیر کی منقح شکل میں طباعت ثانیہ کی تکمیل کی توفیق بخشی۔ یہ مبارک تفسیر کم وبیش ستر سال پہلے افضل المطابع دہلی (ہند) دہلی میں اس دور کے ماحول کے مطابق سات جلدوں میں چھپی تھی۔ اور اب سالہا سال سے نایاب تھی۔ اس کے بعد اس دوران اُردو میں بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔ جن میں اکثر وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اُردو خواں طبقہ کو بہت نفع پہنچایا اور راہِ ہدایت دکھائی۔ جزاہ اللہ مولفیھا جزاء حسنًا۔

تاہم حالات حاضرہ و مذاہب موجودہ کے تقاضوں کا مناسب لحاظ رکھتے ہوئے احادیث نبویہ علی صاحبہا الف الف سلام و تحیۃ اور آثار سلف صالحین کی روشنی میں جہاں تک قرآن فہمی کا تعلق ہے تفسیر احسن التفاسیر کو ایک منفرد مرتبہ حاصل ہے اور طریق تفسیر البا سہل اور مربوط ہے کہ قاری کسی الجھن میں مبتلا نہیں ہوتا۔

بنا بریں آج سے رُبع صدی پہلے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خاکسار نے اس کی اشاعت جدید بطور جدید کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس کی پہلی جلد ۱۳۷۹ھ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ و للہ الحمد۔ ارادہ یہ تھا کہ ہر جلد پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے، ضروری مطبعی تصحیح کے ساتھ بہت ضروری مقامات پر نہایت مختصر حواشی دے دیئے جائیں نیز اجمالی تخریج بھی کر دی جائے۔ آخر الذکر کام اپنے عزیز مولوی حافظ عبدالرحمٰن صاحب کے ذمہ لگا دیا جس کو انہوں نے جب تک اور جس جگہ تک کیا بڑی محنت سے نبھایا۔ جزاہ اللہ ووفقہ لمرضیاتہ

افسوس! کچھ وجوہ کی بنا پر ہر جلد کے ساتھ تاخیر بہت ہو جاتی رہی جس کے نتیجے میں چار جلدوں کے بعد بعض پیش آمدہ اسباب کی وجہ سے حافظ عبدالرحمٰن صاحب وقت نہ دے سکے اور پانچویں جلد کی تخریج خاکسار نے خود کی۔ اور چھٹی اور ساتویں دونوں جلدوں کے لیئے مکرمی مولانا حافظ محمد ادریس کیلانی نے یہ خدمت انجام دی اور حافظ عبدالرحمٰن کا کام انہوں نے اپنے ذمہ لیا اور بتوفیقہ تعالیٰ اتمام تک پہنچایا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ۔

یہ ضرور ہے کہ خاکسار اپنے دوسرے مشاغل اور دو سال سے مسلسل بیماری کے باعث آخری جلدوں میں قبل کتابت وہ انداز اختیار نہ کر سکا جس کا شروع میں ارادہ کیا گیا تھا۔ بہرحال تقریباً ۲۴ سال کے طویل عرصے میں چھٹی ساتویں جلد کی یکجا طباعت سے تفسیر احسن التفاسیر مع مقدمہ مکمل ہو گئی ہے۔ فالحمد للہ بنعمتہ تتم الصالحات

اس سلسلے میں ان عزیزوں اور احباب کا شکریہ کرنا ضروری ہے جنہوں نے خاکسار کی اس میں کسی قسم کی بھی معاونت کی ہے۔ عزیزی مولوی حافظ عبدالرحمٰن صاحب گوڑوی سلمہ اللہ، مکرم مولانا ابوبکر صدیق

فاضل عربی و فارسی ۔ مولانا حافظ محمد ادریس صاحب کیلانی اور عزیزی مولوی حافظ احمد شاکر ناظم المکتبۃ السلفیہ لاہور ۔ حفظہ اللہ تعالیٰ و تولیھم

اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں اور دوستوں کو جزائے خیر دے اور توفیق مرضیات سے نوازے ۔ آمین

آخر میں بار بار محترم مولوی عبدالغفور صاحب امرتسری مرحوم و مغفور مالک ماہنامہ "نور" لاہور یاد آتے ہیں جنہوں نے ایک آڑے وقت میں خاکسار کا مالی تعاون فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عنایت فرمائے اور قرآن مجید کی اس تفسیر کو بھی ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے ۔ والحمد للہ اولاً و آخراً وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم تسلیماً کثیرا

خاکسار ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی
مدیر المکتبۃ السلفیہ ● شیش محل روڈ لاہور
صفر الخیر ۱۴۰۴ھ ● مطابق نومبر ۱۹۸۳ء

# فہرست مطالب تفسیر احسن التفاسیر جلد ہفتم

| مطالب | صفحہ |
| --- | --- |

تفسیر
احسن التفاسیر
منزل هفتم
ق — الناس
۳ — ۳۴۴

# تفسیر

# احسن التفاسیر

## منزل ہفتم

ق ———————— النّاس

۳ ———————— ۳۴۴

جلد ہفتم

سُورۂ ق سے والناس

(۱۱پاؤ) پارہ چھبیس سے تیسواں پارہ ختم

اٰيَاتُهَا ۴۵ ——— (۵۰) سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ (۳۴) رُكُوْعَاتُهَا ۳

اکثر سلف کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۞ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ

قسم ہے اس قرآن بڑے شان والے کی بلکہ اُن کو تعجب ہوا کہ آیا اُن کے پاس ایک ڈر سنانے والا اُنھیں میں کا تو کہنے لگے

الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۞ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ

منکر یہ تعجب کی چیز ہے ۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی یہ پھیر آنا

بَعِيْدٌ ۞ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۞

بہت دور ہے ۔ ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین اُن میں سے اور ہمارے پاس لکھا ہے جس میں سب یاد ہے ۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۞

کوئی نہیں پر جھٹلانے لگے ہیں سچے دین کو جب اُن تک پہنچا سو وہ پڑے ہیں اُلجھی بات میں ۔

اتا ۱۔ حروف مقطعات کا بیان سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے ۔ مشرکین مکہ یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرشتہ آکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی اور قرآن کو اللہ کا کلام ہونے کی تصدیق کرے گا تو ہم مان لیں گے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم جیسے انسان ہیں اُن کی باتوں کا ہمیں یقین نہیں آتا ۔ اس کا جواب تفصیل سے تو سورۂ انعام میں ہے ۔ مگر حاصل اُس کا یہ ہے کہ فرشتہ کو اصل صورت میں دیکھنا تو عام لوگوں کی طاقت سے باہر ہے ۔ سوائے اللہ کے رسول کے عام لوگوں میں سے فرشتہ کو جو کوئی اصلی صورت میں دیکھے گا وہ فوراً مر جائے گا ۔ اس لیے فرشتہ بھی ان لوگوں کے پاس آئے گا تو انسان کی صورت میں آئے گا ۔ پھر ان لوگوں کا شبہ بھی باقی رہے گا ۔ قسم کھا کر جو بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی وہ نبوت اور حشر کا ثبوت ہے جس کا ذکر آگے فرمایا ۔ حشر میں مشرکین مکہ کا شبہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد انسان کی خاک کی تمیز اور خاک سے کیونکر ہوگی ۔ اُس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ ہمارے پاس انسان کی خاک اسم وار لوح محفوظ میں تفصیل سے لکھی ہے ۔ جس سے ہر انسان کی خاک کی تمیز انسان کی عقل میں آسکتی ہے ۔ اس جواب کی کچھ صراحت آیندہ کی آیتوں کی تفسیر میں بھی آتی ہے ۔ حق سے مطلب یہاں قرآن ہے نبوت کے شبہ کا جواب سورۂ انعام کے جواب کے علاوہ یہاں جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی نادانی سے نبی آخر الزمان اور قرآن کے باب میں اُلجھی ہوئی باتیں کرتے ہیں کہ کبھی اللہ کے رسول کو جادوگر اور قرآن کو جادو بتلاتے ہیں اور کبھی ایسے ہی اور بکواس لگاتے ہیں ۔ اُن کو تو سیدھی سی ایک بات بتا دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ قرآن کو اللہ کا کلام نہیں جانتے ہیں تو یہ اور ان کے وہ جنات جو اُن کے نجومیوں اور کاہنوں کو آسمانی باتیں چرا چرا کر پہنچاتے ہیں ، سب مل کر قرآن جیسی کوئی سورت بنا کر پیش

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶

کیا نگاہ نہیں کی آسمان کو　اپنے اُوپر　کیسا ہم نے بنایا اُس کو　اور رونق دی　اور اُس میں نہیں کوئی سوراخ

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ

اور زمین کو پھیلایا　اور ڈالے اُس میں بوجھ　اور اگائے اُس میں　ہر قسم قسم

بَهِيْجٍ ۝۷ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۸ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

رونق کی چیزیں　سجھانے کو اور یاد دلانے کو　اُس بندے کو　جو رجوع رکھے　اور اُتارا ہم نے　آسمان سے

مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝۹ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا

پانی برکت والا　پھر اگائے ہم نے اُس سے باغ　اور اناج کٹتے کھیت کا　اور کھجوریں لمبی　اُن کا

طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱

گابھا ہے　تہ پرتہ　روزی دینے کو بندوں کے　اور جلایا ہم نے اُس سے ایک مُردہ شہر　بس یُوں ہے　نکل کھڑے ہونا۔

کریں۔ جب اُن سے یہ نہیں ہو سکا تو پھر قرآن کو اللہ کا کلام اور جن رسولؐ پر یہ کلام اُترا ہے اُن کو اللہ کا رسولؐ جاننے میں اِن لوگوں کو شبہ کرنے کا کیا موقع باقی رہا۔ صحیحینؒ کی ابوہریرہ کی حدیث گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیثِ قدسی میں فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کی عقل کے خلاف مَیں نے اُس کو ایک بُوند پانی سے پیدا کیا اور اُس کے مر جانے کے بعد پھر دوبارہ اُس کے جِلانے اور نیک و بدی جزا و سزا کی میں نے اپنے کلام میں خبر دی۔ لیکن اُس نے اُس کا انکار کر کے مجھ کو جھٹلایا۔ اور میرے کلام میں عقلی اعتراض نکالے اور اپنے خلاف عقل پیدائش کو مقبول گیا۔ اسی طرح صحیحینؒ کی ابوہریرہؓ کی دُوسری حدیث بھی گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کو ضرورت کے موافق معجزات دئے گئے ہیں مگر اور معجزات کے علاوہ قرآن ہی میرا ایک ایسا معجزہ ہے کہ موجودہ لوگوں کے سوا ناموجود لوگوں پر بھی قیامت تک اِس کا اثر باقی رہے گا۔ اِن آیتوں میں حشر نبوت اور قرآن کے اللہ کے کلام ہونے کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اُس کی تفسیر ہیں۔ اُس کے بعد آسمان زمین، زمین کے پہاڑ اور آسمان سے مینہ برس کر کھیتی باغ جو زمین کی پیداوار کے طور پر اُس مینہ سے پیدا ہوتے ہیں اُن سب کا ذکر فرما کر انسان کو یاد دلایا کہ جس نے بغیر نمونہ کے اِن سب عجائبات کو پیدا کیا۔ ایک دفعہ کے نمونہ کے بعد انسان کی دوبارہ پیدائش کو ایسے صاحبِ قدرت کی قدرت سے بعید جاننا کسی عقلمند کا کام نہیں ہے۔

۱۱۔ صحیحینؒ میں حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ حشر کے دن پہلے

۵۱ صحیح بخاری تفسیر سورۂ اخلاص۔ ص ۷۴۳، ج ۲ ۵۲ باب کیف نزل الوحی الخ ص ۷۴۴، ج ۲ ۵۳ صحیح مسلم باب ما بین النفختین ص ۴۰۶، ج ۲۔

ایک مینہ برسے گا جس سے حضرت آدمؑ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے جس قدر جسموں کی خاک زمین میں ہے اس خاک سے سب جسم بن کر اس طرح تیار ہو جائیں گے جس طرح اب مینہ سے ہر طرح کے درخت تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن جسموں میں رُوح پھونک دی جائے گی۔ اسی مناسبت کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جگہ جگہ مینہ سے ہر طرح کے درختوں کے پیدا ہونے کو اور حشر کے دن انسان کے دوبارہ پیدا ہونے کو تشبیہ دے کر فرمایا ہے۔ اس سورت کی اُوپر کی آیتوں میں اور سورۂ الم سجدہ اور سورۂ یٰسین میں اور کئی جگہ یہ گزر چکا ہے کہ جو لوگ حشر کے منکر ہیں ان کا بڑا شبہ یہ تھا کہ جب وہ مر جائیں گے اور اُن کی ہڈیاں، اُن کا گوشت پوست سب کچھ خاک ہو جائے گا اور وہ خاک کچھ ہَوا میں اُڑ جائے گی اور کچھ پانی کے ریلے میں بہہ جائے گی تو پھر وہ متفرق اور پریشان خاک کیونکر جمع ہو جائے گی اور اُس کا پتلہ کیونکر بنے گا۔ اوپر کی آیتوں میں اور جگہ جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے شبہ کا یہی جواب دیا ہے کہ ان منکرین حشر کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب پیدا کی ہے اِن لوگوں کی خاک اُڑ کر یا بہہ کر جہاں جاوے گی، وہ سب حال اُس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اسی پتے سے ہر ایک کی خاک جمع کر لی جائے گی۔ اور جس طرح ایک دانہ سے ہزار دانے اناج کے اور ایک گٹھلی سے تودہ کے تودہ میووں کے مینہ کے اثر سے سب کی آنکھوں کے سامنے خلاف عقل زمین میں سے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح حشر کے دن ایک مینہ کے اثر سے اللہ تعالیٰ اُن کے جسموں کو پیدا کرے گا۔ عقل کا کام یہ نہیں ہے کہ ایک چیز کا موجود ہونا ایک دفعہ آزما کر پھر دوبارہ اس چیز کے موجود ہو جانے سے انکار کرے۔ بلکہ عقل کا کام یہ ہے کہ ایک چیز کے وجود پر دوسری چیز کے وجود کو قیاس کرے تمام عالم کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تھکان کے اُن کی آنکھوں کے سامنے پیدا کر دیں۔ پھر کون سی عقل سے یہ لوگ اُن چیزوں کے دوبارہ پیدا ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ صحیحینؒ اور صحاح کی کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ اور صحابہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص بڑا گنہگار تھا اُس نے اپنے وارثوں کو وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد مجھ کو جلا کر آدھی خاک کو ہَوا میں اُڑا دینا اور آدھی کو دریا میں بہا دینا۔ وارثوں نے اُس شخص کے مرنے کے بعد اس کی وصیّت کے موافق عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جنگل اور دریا میں سے اُس کی خاک کو جمع کر کے پھر دوبارہ اُس کو زندہ کیا، اور اُس سے پوچھا کہ یہ وصیّت تُو نے کیوں کی تھی؟ اُس شخص نے جواب دیا، یا اللہ تو عالم الغیب ہے۔ گنہگاری کے سبب سے مجھ کو تیرے سامنے کھڑے ہونے سے خوف آتا تھا۔ اس واسطے مَیں نے وہ وصیّت کی تھی۔ اتنی بات پر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت فرما دی۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہُوا کہ جنگل یا دریا میں جہاں انسان کی پہلی خاک ہو گی وہی جمع کی جائے گی اور اُسی خاک کا دوبارہ پُتلا بنایا جائے گا ٭

لہ صحیح بخاری ص ۴۹۵ ج ۱ و ص ۱۱۸ ج ۲۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ

جھٹلا چکی ہے ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنویں والے اور ثمود اور عاد اور فرعون

وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ

اور بھائی لوط کے اور بن کے رہنے والے اور تبع کی قوم سب نے جھٹلایا رسولوں کو

فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ

پھر ٹھیک پڑا میرا ڈر کا اب کیا ہم تھک گئے پہلی بار بنا کر کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے

خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

ایک نئے بننے میں۔

ع ۱۵

**۱۲ تا ۱۵** - اہل مکہ نے حشر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا جو انکار کیا تھا۔ اوپر اُس کا ذکر تھا - ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی یہ تسکین فرمائی کہ سرکش لوگوں کا انبیاء کو جھٹلانا حشر کی باتوں کو مسخرا پن ٹھہرانا سب نبیوں کے زمانہ میں تھا۔ تمھارے زمانہ میں یہ بات کچھ نئی نہیں ہے۔ پھر فرمایا جیسا ان لوگوں نے کیا ویسا پایا کہ آخر کو سب طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آویں گے تو وہی نتیجہ ان کا ہوگا۔ پھر فرمایا ہر کام کا پہلے پہل کرنا مشکل ہوتا ہے بغیر کسی نمونہ کے جب ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے سب عالم کو پیدا کر دیا تو پھر اُسی نمونہ پر انسان کو دوبارہ پیدا کرنا عقل سے بعید نہیں ہے بلکہ دوبارہ پیدا ہونے سے ان کا انکار شیطانی دھوکا ہے جس میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔ خاکی انسان تو اپنی اصلی مادہ خاک سے ہی دوبارہ پیدا کیا جاوے گا جس نے لکڑی سے سانپ کو پتھر سے اُونٹنی کو۔ پانی سے انسان کو پیدا کر دیا۔ اس کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ خاک سے خاکی انسان کو دوبارہ پیدا کر دے۔ اوپر ابوہریرہ کی روایت سے صحیحین کی حدیث قدسی گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان نے مجھ کو جھٹلایا۔ جو ایک دفعہ کی اپنی پیدائش کو دیکھ کر پھر اُس نے اپنی دوبارہ پیدائش کا انکار کیا۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جزا و سزا کے منکروں کو اللہ تعالیٰ اپنے رُوبرو کھڑا کر کے ان کو وہ نعمتیں یاد دلائے گا جو انھیں دنیا میں دی گئی تھیں۔ جب وہ ان نعمتوں کا اقرار کریں گے تو ان سے پُوچھے گا کہ باوجود ان نعمتوں کے تم کو نیکی و بدی کی جزا و سزا کے لیے میرے روبرو کھڑے ہونے کا بھی کبھی خیال آیا تھا۔ وہ کہیں گے نہیں۔ اس پر فرمائے گا کہ اچھا جس طرح دنیا میں تم نے مجھ کو بھلا رکھا تھا۔ اسی طرح میں نے بھی تم کو اپنی رحمت کی نظر سے آج دور ڈال دیا۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی نظر رحمت سے اس دن دُور ڈال دے گا۔ اُس دن سوائے دوزخ کے اس کا اور کون سا ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ جسمانی حشر اور جسمانی جزا و سزا کے اکثر فلسفی حکماء

۵۱ صحیح بخاری تفسیر سورہ اخلاص۔ ص ۷۴۴ ج ۲ ۵۲ صحیح مسلم باب کتاب الزہد ص ۴۰۹ ج ۲۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ
اور ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی ہیں اُس کے جی میں۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى
اور ہم اُس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ جب لیتے جاتے ہیں

الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾
دو لینے والے داہنے بیٹھا اور بائیں بیٹھا۔

بھی قائل نہیں ہیں اور نہ شرعی تفصیل کے موافق جنّت و دوزخ کو وہ مانتے ہیں بلکہ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد نفس ہمیشہ کے لیے زندہ رہے گا اور اچھا نفس نیکیوں کے تصوّر سے ایک خوشی میں۔ اور بُرا نفس بدیوں کے تصوّر سے ایک طرح کے رنج میں رہے گا۔ یہ عقیدہ آسمانی کتابوں اور انبیاء کی تعلیم کے برخلاف اور مواخذہ اخروی کے قابل ہے۔ کنوئیں والوں کا تفصیلی قصّہ سورۂ فرقانؔ میں اور قوم تبع کا قصّہ سورۂ دخانؔ میں گزر چکا ہے۔ یہاں حاصل اسی قدر ہے کہ یہ دونوں قومیں بھی ہلاک شدہ لوگوں میں سے ہیں۔

۱۶—۲۲۔ اوپر کی آیتوں میں ذکر تھا کہ انسان کے مرجانے کے بعد جنگل میں دریا میں جہاں کہیں اس کی خاک ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے علم سے کسی جگہ کی خاک باہر نہیں ہے۔ اِن آیتوں میں فرمایا کہ خاک تو ظاہر آنکھوں سے نظر آتی ہوئی چیز ہے اللہ تعالیٰ کا علم تو ایسا بڑا ہے کہ وہ انسان کے دل کے خطرے تک کو جانتا ہے۔ صحیح مسلم[۱] کی حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ ہر ایک انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان تعینات رہتا ہے فرشتہ نیک کام کرنے کا خیال دل میں ڈالتا رہتا ہے۔ اور شیطان بد کام کرنے کا وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔ حافظ ابنِ کثیر[۲] نے اس صحیح حدیث کو اس آیت کی تفسیر قرار دیا ہے۔ اور معنی آیت کے یہ کیے ہیں کہ اس فرشتہ کے الہام یا شیطان کے وسوسہ کے سبب سے جو کچھ نیک و بد خیال آدمی کے دل میں آتا ہے۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اوپر جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسان کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ حبل الورید گردن کی وہ رگ ہے جس کے کٹ جانے سے آدمی مرجاتا ہے۔ صحیحین[۳] وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے جو حدیث قدسی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت کوئی شخص کسی نیک کام کرنے کی نیّت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فقط اس دل کے نیک ارادہ پر کراماً کاتبین کو ایک نیکی کے لکھنے کا حکم دیتا ہے۔ اور جب وہ شخص اس نیک ارادہ کے موافق نیک کام کرلیتا ہے تو جیسا وہ کام ہو دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کراماً کاتبین انسان کے قریب اور ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے علمِ غیب کی رُو سے بہ نسبت اُن فرشتوں

[۱] تفسیر ہذا جلد ۴ ص ۳۸۳ [۲] تفسیر ہذا جلد ۵ ص ۱۹۱ [۳] صحیح مسلم باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ الخ جلد ۲ ص ۳۷۶ [۴] صحیح بخاری باب من ھم بحسنۃ او سیئۃ ص ۹۶۰ ج ۲ و صحیح مسلم باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس ص ۷۸ جلد ۱۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ
نہیں بولتا ایک بات جو نہیں اس پاس ایک راہ دیکھتا تیار۔ اور آئی

سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾
بیہوشی موت کی تحقیق۔ یہ وہ ہے جس سے تو تل رہا کرتا تھا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾
اور پھونکا گیا نرسنگا۔ یہ ہے دن ڈر کے کا۔

کے انسان سے زیادہ نزدیک ہے کہ انسان کے دل کا ارادہ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے تبلانے اور جتلانے سے معلوم ہوتا ہے۔ یہی صحیح حدیث اس آیت کی تفسیر ہے اور یہی آیت کے صحیح معنی ہیں۔ حدیث قدسی جو اوپر گزری اس میں ذکر تھا کہ نیک ارادہ سے جب کوئی شخص کوئی نیک کام کر لیتا ہے تو خلوص نیت کے موافق دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں کراماً کاتبین لکھتے ہیں۔ اب آگے اس آیت میں فرمایا کہ ہاتھ پیروں کے عمل کی طرح آدمی کے منہ سے جو نیک و بد بات نکلے وہ بھی لکھی جاتی ہے، جو جزا و سزا سے متعلق ہیں علی بن طلحہ کے واسطے سے جو امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھی تو سب باتیں جاتی ہیں۔ مگر ہر جمعرات کو ان میں سے وہ باتیں چھانٹ لی جاتی ہیں جو جزا و سزا سے متعلق ہیں اس تفسیر کے مقدمہ میں اس کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ علی بن طلحہؓ کے واسطے سے جو روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہوتی ہے وہ تفسیر کے باب میں نہایت صحیح روایتوں میں شمار کی جاتی ہے۔ آیت کے لفظ ما یلفظ من قول ایسے عام ہیں کہ ان سے بھی حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ مستدرک[۱] حاکم میں ام عصمہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی شخص گناہ کر کے جلدی سے دو تین گھڑی میں توبہ استغفار کر لے تو اس کے اعمال نامہ میں وہ گناہ نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بدی لکھنے والا فرشتہ بدی کے لکھنے میں تھوڑی دیر توقف کیا کرتا ہے اور گنہگار کی توبہ استغفار کا منتظر رہتا ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بیہقی[۲] میں زبیرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ منظور ہو کہ قیامت کے دن وہ اپنے اعمال نامہ کو دیکھ کر خوش ہو تو وہ شخص استغفار کو اپنے اعمال نامہ میں بڑھائے۔ بیہقی کی سند میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ اب آگے دو فرشتوں کے تعینات ہونے کا اور آدمی کے قول فعل کے لکھے جانے کا سبب فرمایا کہ دنیا میں انسان کا رہنا چند روزہ ہے پھر آخر کو موت ہے اور پھر دوبارہ زندہ کر کے اس کو اس کے اعمال کے موافق جزا و سزا دی جائے گی۔ سکر نشہ کو کہتے ہیں۔ موت کے وقت آدمی پر نشہ کی بیہوشی چھا جاتی ہے۔ اس لیے موت کی شدت کو سکرات کہتے ہیں۔ مسند[۳] امام احمد اور طبرانی کی اوسط میں معتبر سند سے انسؓ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت

(۱) تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۲ ج ۴ (۲) الترغیب و الترہیب۔ باب فی الاستغفار ص ۸۰۲ (۳) ایضاً (۴) مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۴۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِىْ غَفْلَةٍ

اور آیا ہر ایک جی اس کے ساتھ ہے ایک ہانکنے والا اور ایک احوال بتانے والا تو بے خبر رہا اس

مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾

دن سے اب کھول دیے ہم نے تجھ پر سے تیرے اندھیرے اب تیری نگاہ آج تیز ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے لیے دنیا میں موت کی سختی سے بڑھ کر کوئی سختی نہیں ہے لیکن موت کے بعد جو سختیاں انسان کو پیش آنے والی ہیں وہ موت سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ موت کی سختی سے آخر آدمی کی جان نکل جاتی ہے، عذاب قبر اور عذاب دوزخ میں سختی بھی ہوگی اور جان بھی نہیں نکلنے کی ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ کی تفسیر میں علی بن طلحہؒ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ بُرے لوگوں کا حال ہے۔ براء بن عازب کی صحیح حدیث جو اوپر مسند امام احمدؒ ابو داؤد وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ بُرے لوگوں کو نزع کے وقت جب عذاب کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی اور طرح طرح کے عذاب کی خبر سناتے ہیں تو ان لوگوں کی روح جسم میں جگہ جگہ چھپتی پھرتی ہے آخر بڑی سختی سے فرشتے ان لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں۔ اسی طرح اچھے لوگوں کو آخری وقت پر جب رحمت کے فرشتے اللہ کی رضا مندی اور جنت کی نعمتوں کی خوشخبری دیتے ہیں تو وہ لوگ موت سے نہیں گھبراتے۔ بلکہ مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ صحیح[2] بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں اتنا اور زیادہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونے کا دل میں شوق رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے شوق کو پورا کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونے سے گھبراتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنی بارگاہ میں بلانا نہیں چاہتا۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عائشہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت موت سے تو ہم سب گھبراتے ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا شوق نہیں ہے، آپؐ نے اس کا جواب دیا کہ تندرستی کی حالت میں موت سے گھبرانا مقصود نہیں ہے۔ پھر آپؐ نے وہی مضمون فرمایا جو براء بن عازبؓ کی حدیث کا ہے۔ صحیح[3] مسلم میں ابی امامہؓ کی حدیث ہے۔ جس میں آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا تم لوگوں کو یہ اچھی طرح سے معلوم رہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا تو وہ بعد موت کے دیکھے گا موت سے پہلے دنیا کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اسی بنا پر موت کو بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کا وسیلہ جان کر حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ استفسار کیا تھا جس کا ذکر مع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے اوپر گزرا۔ ان حدیثوں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ آیت میں موت سے گھبرانے کی مذمت ہے۔ اور ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تندرستی کی حالت میں

[1] بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب ما یقال عند من حضرہ الموت ص ۱۴۲۔ الفصل الثالث [2] صحیح بخاری باب من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ص ۹۶۳ ج ۲ [3] فتح الباری تفسیر سورہ النجم ص ۲۴۴ ج ۴۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝۲۳ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ

اور بولا اُس کے ساتھ والا یہ جو میرے پاس تھا حاضر۔ ڈالو تم دونوں دوزخ میں ہر ناشکر

عَنِيْدٍ ۝۲۴ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۝۲۵ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ

مخالف کو۔ نیکی سے اٹکانے والا حد سے بڑھنے والا شبہے نکالتا جس نے ٹھہرایا اللہ کے ساتھ اور کو

موت سے گھبرانے کی مذمت شرع میں نہیں ہے بلکہ آخری وقت پر گھبرانے کی مذمت ہے۔ اور گھبراہٹ عقبیٰ کے منکر یا عقبیٰ سے غافل لوگوں کو ہوتی ہے اچھے لوگوں کو نہیں ہوتی۔ ان حدیثوں سے علماء نے یہ مطلب بھی نکالا ہے کہ آخری وقت پر جو قریب المرگ بیمار خوش نظر آوے تو یہ علامت اُس کی نجات کی ہے ورنہ مواخذہ کی۔ آئی بیہوشی موت کی تحقیق کا مطلب اوپر کی حدیثوں کے موافق یہ ہے کہ اُس وقت فرشتوں کے جتلانے سے ہر شخص کو حق حق تحقیق کے طور پر اپنا عقبیٰ کا انجام معلوم ہو جاتا ہے۔ صور کا کچھ حال تو سورۂ زمر میں گزر چکا۔ اور کچھ عم یتساءلون میں آوے گا۔ حاصل یہ ہے کہ صور کے پھونکے جانے سے پہلے شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا آئے گی جس سے ایسے سب آدمی مرجاویں گے جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ اس ٹھنڈی ہوا کا ذکر[۱] صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ وغیرہ کی روایتوں میں ہے۔ جو مفسر اس ہوا کو بھی صور گنتے ہیں وہ پہلے صور کا دوسرا صور شمار کرتے ہیں اور اُن کے نزدیک اسی دوسرے صور سے تمام دُنیا اُجڑ جاوے گی۔ اور تیسرے صور سے سب جی اٹھیں گے اور جو مفسر اس ہوا کو صور نہیں کہتے اُن کے نزدیک پہلے صور سے دُنیا اُجڑے گی اور دوسرے صور سے سب جی اٹھیں گے۔ بہرحال ان آیتوں میں آخری صور کا ذکر ہے کیونکہ اس صور کے بعد قیامت کا حال ہے۔ وعید عذاب کے وعدے کو کہتے ہیں اور وعدہ ثواب کے وعدے کو کہتے ہیں۔ اگرچہ قیامت کے دن عذاب و ثواب دونوں کا ظہور ہوگا لیکن یہاں عذاب سے ڈرانا مقصود تھا۔ اس لیے فقط وعید کا لفظ فرمایا۔ قیامت کے دن ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے رُوبرو لے جانے والا اور دوسرا عملوں کی گواہی دینے والا۔ قرآن و حدیث میں قیامت کے دن کی جن باتوں کا ذکر ہے اُس دن وہ سب باتیں انسان کے رُوبرو آجائیں گی اسی کو فرمایا کہ اُس دن انسان کی آنکھوں کے سامنے کا پردہ اُٹھ جائے گا۔ اور قیامت کے سب حالات دیکھنے کے لیے اس کی نگاہ خوب تیز ہو جائے گی۔

۲۳-۲۹- اوپر جن دو فرشتوں کا ذکر تھا کہ ایک اللہ کے رُوبرو لے جانے والا اور دوسرا عملوں کی گواہی دینے والا، ہر شخص کے ساتھ یہ دو فرشتے ہوں گے۔ ان آیتوں میں ساتھ والا ان ہی دونوں کو فرمایا ہے ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرے گا کہ جس انسان پر میں تعینات تھا وہ حاضر ہے۔ دوسرا یہ عرض کرے گا کہ یہ اس انسان کا عمل حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کے جواب میں دوزخیوں کے اوصاف

[۱] صحیح مسلم باب ذکر الدجال ص ۴۰۳ ج ۲

إِلٰهًا اٰخَرَ فَأَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ

پوجتا تو ڈالو اس کو سخت مار میں بولا اس کا ساتھی اے رب ہمارے میں

أَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ

نے اس کو شرارت میں نہیں ڈالا پر یہ تھا بھولا راہ سے دور فرمایا جھگڑا نہ کرو میرے پاس اور

قَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ أَنَا

میں بھیج چکا پہلے ہی تم کو ڈر کا بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ

ظلم نہیں کرتا بندوں پر جس دن ہم کہیں دوزخ کو تو بھر چکی اور وہ بولے

ع ۱۴ / ۲ — ۱۶

بیان فرما کر حکم دے گا کہ ان اوصاف کے لوگوں کو جہنم میں ڈال دو۔ کفار کے معنی بڑا کفر کرنے والا عنید کے معنی حق بات سے عناد رکھنے والا مناع للخیر کے معنے نیک کام سے روکنے اور ممانعت کرنے والا معتدی بُرے کاموں میں حد سے بڑھنے والا مُریب کے معنے توحید میں شک کرنے والا۔ صحیح مسلم[1] میں انس بن مالک سے روایت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو دوزخ کے عذاب کا جو حال میں نے دیکھا ہے اگر وہ حال تم کو نظر آ جائے تو تم کو ہنسی بہت کم آئے اور رونا بہت۔ عذاب شدید کی یہ حدیث گویا ایک مختصر تفسیر ہے سورۂ سبا میں گزر چکا ہے کہ شیاطین الجن والانس جو لوگوں کو بہکاتے ہیں اُن کا اور بہکنے والے لوگوں کا حساب کے وقت جھگڑا ہو گا۔ اُسی جھگڑے کا مختصر ذکر ان آیتوں میں ہے کہ جو شیاطین انسان کو دُنیا میں بہکاتے ہیں۔ جب قیامت کے دن بہکنے والے لوگوں کی طرف سے خدا تعالیٰ کے رُوبرو ان شیاطینوں کے بہکانے کی شکایت پیش ہو گی تو وہ شیاطین صاف کہہ دیں گے کہ یا اللہ پُورا بہکانا ہمارے اختیار میں نہیں تھا۔ ہم نے فقط بُرے کاموں کی طرف رغبت ان لوگوں کو دلائی تھی ان کے دل میں پہلے سے بُرائی بسی ہوئی تھی۔ یہ ہمارے کہنے میں آ گئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ آج میرے روبرو جھگڑنے کا دن نہیں ہے۔ رسولوں کی معرفت پہلے ہی میں نے حکم بھیج دیا تھا کہ جو کوئی شیطان کی پیروی کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ اور جو شرک کرے گا اُس پر سخت عذاب ہو گا۔ اس لیے آج جو حکم دیا گیا ہے وہ انصاف کی بنا پر ہے ظلم کی بنا پر نہیں ہے۔

۳۰ – ۳۵ – مسند امام احمد اور صحیحین[2] میں حضرت انسؓ بن مالک کی روایت سے خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفسیر اس آیت کی فرمائی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن دوزخ میں پڑنے کے قابل لوگوں کے گروہ دوزخ میں پڑتے جائیں گے اور دوزخ میں سے یہ آواز آتی رہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؛

---

[1] صحیح مسلم باب الامر بتحسین الصلوٰۃ واتمامہا ص ۱۸۰ ج ۱ [2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ قٓ ص ۷۱۸ ج ۲ و صحیح مسلم باب جہنم اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۲ ج ۲۔

هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا

کچھ اور بھی ہے ۔ اور نزدیک لائی گئی بہشت ڈر والوں کے واسطے دور نہیں یہ ہے جس کا

تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ

وعدہ اب تم کو ہر ایک رجوع رہنے یاد رکھنے والے کو جو ڈرا رحمٰن سے بن دیکھے اور

جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾

لایا دل میں رجوع ہے چلے جاؤ اس میں سلامت یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾

ان کو ہے وہاں جو چاہیں اور ہمارے پاس ہے کچھ زیادہ بھی ۔

یہاں تک کہ آخر اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک دوزخ میں رکھ دے گا ۔ جب اس وقت دوزخ میں سے بس بس کی آواز آوے گی ۔ اور جنت میں جو جنتی لوگوں کے جانے کے بعد جگہ خالی رہ جائے گی ۔ اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کر کے ان لوگوں سے جنت کی اس خالی جگہ کو بھر دے گا ۔ بخاری میں اس طرح کی روایت ابوہریرہؓ سے بھی ہے ۔ الم سجدہ میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے یہ فرمایا تھا میں تجھ کو جن و انس سے بھر دوں گا ۔ اسی کے موافق اللہ تعالیٰ دوزخ سے پوچھے گا کہ تو بھر چکی ۔ جب وہ هل من مزید کہے گی تو اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک اس میں رکھ دے گا ۔ بعضے مفسروں نے اور طرح سے بھی اس آیت کی تفسیر کی ہے ۔ لیکن وہ اس متفق علیہ حدیث کے مخالف ہے ۔ نزدیک لائی گئی بہشت ڈر والوں کے ۔ اس کا مطلب سلف نے دو طرح بیان کیا ہے ایک تو یہ کہ جس طرح اہل دوزخ کے دکھانے کے لیے دوزخ کو محشر کے میدان میں لایا جائے گا ۔ اسی طرح عرش معلیٰ کی دائیں طرف کی جگہ محشر کے میدان کے سامنے کر دی جائے گی ۔ جس سے اہل جنت میدان محشر میں سے جنت کو دیکھ لیں گے ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بہ نسبت گنہگاروں کے متقی لوگ پل صراط پر سے جلدی سے گزر جائیں گے ۔ اس لیے ان کو جنت کا راستہ قریب ہو جائے گا ۔ طبرانی مستدرکؓ حاکم میں عبداللہ بن مسعودؓ کی قیامت کے احوال میں ایک بڑی حدیث ہے اس میں ان دونوں کا ذکر پایا جاتا ہے ۔ اس واسطے یہ دونوں معنی صحیح ہیں ۔ طبرانی کی سندوں میں ایک سند اس حدیث کی صحیح ہے ۔ حاکم نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1] اوّاب کے معنی اللہ کی فرمانبرداری کی طرف جھکنے والا حفیظ کے معنی اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف جھکنے والا اور رجوع ہونے والا دل رکھتا ہے ۔ وہی اللہ سے ڈرے گا ۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کی نصیحت سنے گا ۔ اس قسم کی آیتوں اور حدیثوں کے مضمون کے موافق علمائے پابند شریعت کا صحیح مذہب بھی یہی قرار پایا ہے کہ عقل کی جگہ اور عقل کا ظرف دل ہے دماغ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے قدم مبارک کا ذکر آیات متشابہات میں سے ہے ۔ صحابہ اور تابعین کا طریقہ اس میں یہی ہے کہ

[1] الترغیب والترہیب ، باب فی الحشر وغیرہ ص ۱۹۰ ج ۴

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا

اور کتنی کھپا چکے ہم اُن سے پہلے سنگتیں اُن کی قوت زبردست تھی اُن سے پھر لگے کریدنے

فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ ﴿۳۶﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ

شہروں میں کہیں ہے بھاگنے کو ٹھکانا۔ اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر

قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

دل ہے یا لگا دے کان دل لگا کر اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین

وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ

اور جو اُن کے بیچ میں ہے چھ دن میں اور ہم کو نہ آئی کچھ ماندگی سو تو سہتا رہ اُس پر

مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿۳۹﴾

جو کہتے ہیں اور پاکی بول خوبیاں اپنے رب کی پہلے سورج نکلنے سے اور پہلے ڈوبنے کے

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿۴۰﴾

اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیچھے سجدے کے۔

اس طرح کی آیتوں پر ایمان لانا اور ان کی تفسیر کو اللہ تعالیٰ کے علم پر سونپنا چاہیے دوزخ کے بولنے کا جو ان آیتوں میں ذکر ہے۔ اُس میں صحیح مذہب یہی ہے کہ جس اللہ نے گوشت کے ایک ٹکڑے آدمی کی زبان میں گویائی کی قدرت دی ہے۔ وہ جس چیز میں چاہے قوتِ گویائی پیدا کر سکتا ہے۔ صحیح حدیثوں میں جنت اور دوزخ کا مناظرہ آیا ہے[۵۱]۔ اسی طرح کی آیتوں اور حدیثوں میں تاویل کا کرنا عقلی شریعت کا اپنے دل سے بنانا ہے۔ جو بڑے مواخذہ کی بات ہے۔ ہر مسلمان کو مواخذہ عقبیٰ سے ڈرنا اور اس طرح کی مواخذہ کی بات سے پرہیز کرنا لازم اور ضروری ہے۔ ہمارے پاس زیادہ ہے، سے جنت کی وہ نعمتیں مقصود ہیں جو کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سُنیں۔ نہ کسی کے دل میں اُن کا خیال گزر سکتا ہے۔ اس میں دیدارِ الٰہی کی نعمت بھی داخل ہے ؂

۳۶-۴۰۔ دوزخ کے عذاب کے ذکر کے بعد دنیا کے عذاب سے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کو ڈرایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کچھ قیامت پر ہی موقوف نہیں ہے۔ دنیا کے طرح طرح کے عذابوں سے بھی بہت سی پہلی ایسی قومیں ہلاک ہو چکی ہیں جو حال کے لوگوں سے قوت ثروت سب میں زیادہ تھیں۔ پھر باوجود اس قوت و ثروت کے اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی ٹھکانا انھوں نے نہ پایا۔ حال کے لوگ بھی اگر اپنی سرکشی سے باز نہ آویں گے تو ایک دن یہی نتیجہ اُن کا ہوگا۔ پھر فرمایا ہر شخص صاحبِ عقل نصیحت کو کان لگا کر سننے والے کو یہ پچھلی قوموں کی ہلاکت کے قصے سنکر بڑی عبرت پکڑنی چاہیے تاکہ کہیں یہی دن اُس کے

[۵۱] صحیح مسلم باب جہنم۔ اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۲ ج ۲

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾

اور کان رکھ جس دن پکارے پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے۔

يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ

جس دن سنیں گے چنگھاڑ تحقیق۔ وہ ہے دن

الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾

نکل پڑنے کا ہم ہیں جلاتے اور مارتے اور ہم تک ہے پہنچنا۔

آگے نہ آئے۔ مسند امام احمد صحیحین[1] وغیرہ میں ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو لوگوں کو ایک بڑے دشمن کے حملہ سے ڈرائے اور پھر یہ فرمایا ہے کہ جس آدمی نے اُس دشمن سے ڈرانے والے کی نصیحت مان کر دشمن کے حملہ سے بچنے کا کچھ سامان کر لیا وہ آفت سے بچ گیا۔ اور جس نے ایسا نہیں کیا وہ دشمن کے حملہ سے ہلاک ہو گیا۔ حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے ٹکڑے کی تفسیر ہے۔ مطلب آیت اور حدیث کا یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی اس طرح کی نصیحتیں جس طرح کی نصیحت اس آیت میں ہے جس نے مان لیں وہ دوزخ کے حملہ سے بچ گیا۔ ورنہ مرنے کے بعد بڑی دشواری کا سامنا ہے۔ اہلِ مکہ کی ساری سرکشی اس سبب سے تھی کہ وہ حشر کے قائل نہ تھے اس لیے آگے ان کو قائل کیا ہے کہ جس صاحبِ قدرت نے آسمان و زمین سب کچھ ایک دفعہ پیدا کر دیا اور ہزارہا برس ایک اسلوب پر دنیا کا انتظام چلایا۔ جو اس بات کو جتلاتا ہے کہ اُس صاحبِ قدرت کو دنیا کے پیدا کرنے میں کوئی درماندگی نہیں ہوئی اُس کی قدرت کے آگے انسان کی دوبارہ پیدائش کیا مشکل ہے جو کوئی اس کو مشکل سمجھتا ہے یہ اُس کی نادانی ہے۔ پھر اپنے رسول کی یہ تسلی فرمائی کہ باوجود اس نصیحت کے بھی یہ لوگ مخالفت سے باز نہ آویں گے تو وقت مقررہ آنے تک صبر کیا جائے اور اوقاتِ معین پر اللہ کی عبادت کی جائے وقت پر ان سرکشوں سے اللہ خود سمجھ لے گا۔ اللہ سچا ہے۔ اللہ کا کلام سچا ہے۔ وقت مقررہ پر رفتہ رفتہ مکہ کے سب سرکش زیر ہو گئے۔ اور مکہ فتح ہو گیا۔ وہ اوقات معین کی عبادت یہ ہے۔ سورج نکلنے سے پہلے صبح کی نماز ہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ظہر، عصر، رات کی نماز مغرب، عشاء۔ ادبار السجود۔ مغرب کی دو سنتیں فرضوں کے بعد۔

**ام تاہم** ۔ اوپر فرمایا تھا کہ اگر یہ اہلِ مکہ اپنی سرکشی کی باتوں سے باز نہ آویں تو صبر سکون سے کام لیا جائے۔ ان آیتوں میں فرمایا کہ اے نبی اللہ کے تمہارے صبر سکون کے بعد اگر اللہ کی حکمت یوں ہی مقتضی ہوئی کہ تمہارے مخالفوں میں کے کچھ لوگ دنیا کے عذاب سے بچ گئے اور اسی حالتِ مخالفت میں وہ مر گئے تو اُن کے مواخذہ کا وقت مقررہ دوسرے صور کی آواز ہے۔ جب دوسرے صور کی آواز سنو تو پھر جو کچھ ان مخالفوں پر گزرے گی، وہ

[1] صحیح بخاری۔ باب الانتہاء عن المعاصی ص ۹۵۹ ج ۲ و صحیح مسلم باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ ۲۴۸ ج ۲

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑیں وہ دوڑتے ۔ یہ اکٹھے کرنا ہم کو آسان ہے ۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو نہیں اُن پر زور کرنے والا ۔

سب کی آنکھوں کے سامنے آجائے گی ۔ اس دُوسرے صور کی آواز سے سب لوگ جی اُٹھیں گے اور قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کو جانے شروع ہوجائیں گے ۔ قبر کے عذاب کے علاوہ اس عذاب سے بڑھ کر جو سختیاں نافرمان لوگوں پر شروع ہوں گی اُن کی ابتدار دوسرے صور کی آواز ہے اس لیے اسی کو نافرمان لوگوں کے مؤاخذہ کا وقت مقتدر فرمایا۔ نافرمان لوگوں کو میدانِ محشر میں پسینے کی دوزخ اور سورج کی گرمی وغیرہ کی ایسی تکلیف ہوگی کہ وہ اس تکلیف سے گھبرا کر دوزخ میں جانا پسند کریں گے ۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے، جس میں اُس کا ذکر ہے ۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ۔ صحیح مسلم میں انس بن مالک اور ابوہریرہ سے اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمر سے جو روایتیں ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے دوسرے صور کی آواز سے آپ کا مزار مبارک شق ہوگا ۔ اور آپ مزار سے باہر تشریف لائیں گے ۔ اس لیے خاص طور پر آپ کو اس آواز کے سننے کا ارشاد اِن آیتوں میں فرمایا کہ آپ سے پہلے اس آواز کو کوئی نہ سُنے گا ۔ اکثر مفسرین نے مکان قریب کی تفسیر بیت المقدس کے اس ادھر پتھر کی کی ہے جو زمین سے بارہ میل کے قریب اُونچا اور آسمان سے اسی قدر قریب ہے ۔ ان کا قول ہے کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے ۔ اوپر گزر چکا ہے کہ صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس سے سب جسم بن کر تیار ہو جاویں گے ۔ پھر صور پھونکنے سے روحوں کا تعلق ان جسموں سے اسی طرح ہو جائے گا جس طرح اب ماں کے پیٹ میں بچہ کا جسم تیار ہو جانے کے بعد ہوجاتا ہے صحیح بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور مؤطا میں ابوہریرہ کی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کا سب جسم مٹی کھا جائے گی مگر ریڑھ کی ہڈی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا باقی رہے گا، اُسی ٹکڑے سے حشر کے دن انسان کا جسم تیار ہوگا ۔ اس حدیث کے ایک ٹکڑے میں صور سے پہلے اس مینہ کا ذکر ہے جس کا حال اوپر گزرا ۔ اس سے معلوم ہُوا کہ وہ ریڑھ کی ہڈی کا ٹکڑا مینہ کے برسنے کے بعد وہی کام دے گا جو اب ہر چیز کا بیج کام دیتا ہے ۔ آگے فرمایا کہ حشر کی جن باتوں کو آج یہ لوگ جھٹلا رہے ہیں صور کی آواز سنتے ہی اِن باتوں کا برحق ہونا ان کو معلوم ہو جائے گا ۔ کیونکہ وہی دن قبروں سے نکلنے کا ہے ۔ پھر حشر کی دلیل کے طور پر فرمایا کہ انسان کا نیست سے ہست ہونا اور پھر پوری عمر ہو جانے کے بعد اس کا مر جانا یہ تو سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اِس سے یہ نکلتا ہے کہ مرنے کے بعد جزا و سزا کے لیے انسان کو پھر جلایا جاوے گا

۱؎ الترغیب والترهیب، باب فی المحشر وغیرہ ص ۴۸۰ ج ۴ ۔ ۲؎ صحیح مسلم باب فضائل موسیٰ علیہ السلام ص ۲۶۷ ج ۲ ۔
۳؎ تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۰ ج ۴ ۴؎ تفسیر ہذٰا جلد ہٰذا ص ۴ ۵؎ صحیح بخاری باب قولہ ونفخ فی الصور (سورۃ الزمر) ص ۷۱۱ ج ۲ ۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝۴۵

سو تو سمجھا قرآن سے اس کو جو ڈرے میرے ڈر سے

تاکہ دنیا کا پیدا کرنا ٹھکانے سے لگے۔ اور جس نے پانی سے رحم جیسی تنگ جگہ میں انسان کا پتلا بنا کر اس میں روح پھونک دی اس کو خاک سے انسان کا دوبارہ پتلا بنانا کچھ مشکل ہے نہ اس پتلے میں روح کا پھونکنا کچھ مشکل ہے چنانچہ صور کی آواز سے ہی جب فوراً قبروں سے نکل کر ٹڈیوں کی طرح میدانِ محشر کی طرف یہ لوگ دوڑیں گے تو اُن کو خود معلوم ہو جائے گا کہ جس کام کو یہ لوگ مشکل سمجھتے تھے وہ اس صاحبِ قدرت کے نزدیک کس قدر آسان تھا۔ پھر فرمایا اے رسول اللہ کے تم کو، قرآن کو، حشر کی باتوں کو جس طرح یہ لوگ جھٹلاتے ہیں وہ ہم کو سب معلوم ہے تم اُن پر کچھ زبردستی مت کرو وقت مقررہ پر ہم خود اُن سے سمجھ لیں گے ؛

۴۵۔ شریعت میں جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے اُن باتوں کو معروف کہتے ہیں اور جن باتوں کی شریعت میں ممانعت ہے اُن باتوں کو منکر کہتے ہیں۔ صاحبِ شریعت انبیاء کا یہی کام ہے کہ وہ شریعت کی معروف باتوں کے کرنے اور منکر باتوں سے بچنے کو امت کے لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ اور شریعت میں اللہ کی مرضی اور نامرضی کی جو باتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ظاہر فرما دی ہیں۔ اسی واسطے فرمایا کہ جن لوگوں کے دل میں حشر اور اللہ کے سامنے کھڑے ہونے اور عقبیٰ کی باتوں کا خوف ہے اے رسول اللہ کے ایسے لوگوں کو قرآن کی آیتوں کے مضمون کے موافق نصیحت کر دینی چاہیے تاکہ تم کو نصیحت کرنے کا اور امت کے جو لوگ نصیحت مانیں اُن کو نصیحت کے ماننے کا اجر عقبیٰ میں حاصل ہو۔ اب انبیاء کے بعد امت میں جن علماء نے انبیاء کے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے کہ لوگوں کو وعظ نصیحت کر کے شریعت کی معروف باتوں کو لوگوں میں پھیلاتے ہیں اور منکر باتوں کو لوگوں سے چھڑواتے ہیں اور خود اپنی ذات سے شریعت کے پابند ہیں۔ ایسے علماء کو صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کا وارث فرمایا ہے۔ ترمذیؒ، مسند امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی میں حضرت ابودرداءؓ کی ایک بڑی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء نے اپنی وفات کے وقت کچھ روپیہ پیسہ دنیا میں نہیں چھوڑا ہے جس نے یہ علم شریعت دنیا کی چیزوں میں سے پایا وہی انبیاء کا وارث ہے اور اس نے بھی دنیا میں گویا ایک بڑی دولت پائی۔ اگرچہ ترمذی نے اس حدیث کی سند میں کلام کیا ہے لیکن اس کے بعض طریقے صحیح ہیں۔ صحیح مسلمؒ میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے جو شخص کوئی ایسی بات دیکھے جس کی شریعت میں ممانعت ہے تو ہاتھ سے زبان سے دل سے جس طرح ہو سکے اس کو مٹا دے۔ دل سے اس بُری بات کا مٹانا یہ ہے کہ دل سے اس بُری بات کو بُرا جانے اور خود بدوں میں شریک نہ ہو اسے یہ ایمانداری کا ایک ادنیٰ درجہ ہے اور جو لوگ فقط ریاکاری کی نیت سے علمِ دین پڑھتے ہیں کہ جاہل لوگ اُن کو بڑا عالم کہیں۔ یا جو علمِ دین پڑھ کر اوروں کو

۱؎ جامع ترمذی ابواب العلم ص ۹۰ جلد ۲ ۔ ۲؎ صحیح مسلم بیان کون النہی عن المنکر من الایمان الخ ص ۵۰ ج ۱۔

آیاتہا ۶۰ —— (۵۱) سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (۶۷) —— رکوعاتہا ۳

یہ سورت مکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝۱ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۲ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝۳ فَالْمُقَسِّمٰتِ

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو پھر چلنے والیاں نرمی سے پھر بانٹنے والیاں

اَمْرًا ۝۴ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَآءِ

حکم سے۔ بیشک جو وعدہ دیا جاتا تم کو سو سچ ہے اور بیشک انصاف ہونا ہے۔ قسم ہے آسمان

ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝۹

جالیدار کی۔ تم پڑ رہے ہو ایک جھگڑے کی بات میں۔ اس سے باز رہے وہی جو پھیرا گیا۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝۱۱

مارے گئے اٹکل دوڑانے والے وہ جو غفلت میں ہیں بھول رہے۔

تو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ وہ انبیاء کے وارثوں میں داخل نہیں ہیں بلکہ صحیح حدیثوں میں ان کے حق میں سخت وعید ہے[1]۔

آ تا ۱۱۔ الذّٰریات، الحاملات، الجاریات، المقسمات۔ یہ سب صفتیں ہیں جن کے موصوف کا کلام الٰہی میں کچھ ذکر نہیں ہے۔ اسی واسطے بعض مفسروں نے کچھ موصوف قرار دیا ہے اور بعضوں نے کچھ۔ لیکن سلف کا زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ ذٰریت کا موصوف وہ تیز ہوا ہے جو مینہ سے پہلے بادلوں کو اکٹھا کرتی ہے۔ حٰملٰت کا موصوف وہ بادل ہے جس میں پانی کا بوجھ ہو۔ جاریات وہ کشتیاں جو مینہ برسنے کے بعد دریا اور ندی نالوں میں چلتی ہیں جن سے تجارت ہوتی ہے۔ مقسمٰت کے موصوف وہ فرشتے ہیں جو تمام شہروں میں مینہ کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں[2]۔ اس قسم کے بعد یہ فرمایا کہ حشر اور اس دن کی جزا و سزا کا وعدہ جو اللہ کے رسول نے لوگوں سے کیا ہے۔ وہ ایسا ایک سچا وعدہ ہے جس میں کچھ شک نہیں ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ اہل مکہ قرآن کے جھٹلانے میں کوئی ٹھکانے کی بات نہیں کہتے۔ بے ٹھکانی باتیں بناتے ہیں ورنہ سمجھ دار کے لیے تو قرآن میں وہ نصیحتیں ہیں کہ سوائے بدبخت ازلی کے اور سب پر ان نصیحتوں کا اثر پڑتا ہے پھر فرمایا کہ جو لوگ دنیا کی پیدائش پر غور نہیں کرتے کہ جب سزا و جزا نہیں تو پھر آخر یہ دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ کس لیے پیدا کیا گیا ہے بلکہ بجائے اس کام کی بات پر غور کرنے کے دنیا کے مال و متاع کی غفلت اور بھول میں پھنس کر حشر کے باب میں یہ لوگ طرح طرح کی اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور مسخراپن سے پوچھتے ہیں کہ وہ سزا و جزا

[1] مشکوٰۃ شریف کتاب العلم ص ۳۷-۳۸ ملاحظہ فرمائیں [2] تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۱ ج ۴۔

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ⑫ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ⑬ ذُوْقُوْا

پوچھتے ہیں کب ہے دن انصاف کا جس دن وہ آگ پر اُلٹے سیدھے پڑیں گے۔ چکھو مزہ

فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ⑭ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ

اپنی شرارت کا یہ ہے جس کی تم شتابی کرتے تھے۔ البتہ ڈر والے

جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ⑮ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ

باغوں میں ہیں اور چشموں میں پاتے ہیں جو دیا اُن کو اُن کے رب نے وہ تھے اس سے پہلے

مُحْسِنِيْنَ ⑯ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ⑰ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ

نیکی والے وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے اور صبح کے وقتوں میں

يَسْتَغْفِرُوْنَ ⑱ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ⑲

معافی مانگتے۔ اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے کا اور ہارے کا۔

کا دن کب ہے۔ ایسے لوگوں پر خدا کی پھٹکار ہے اور وہ اللہ کے علمِ ازلی میں دوزخی قرار پا چکے ہیں۔ اے رسول اللہ کے ایسے لوگوں کو اتنا ہی جواب دیا جائے کہ یہ سزا کا دن جب ہوگا کہ ایسے لوگ آگ میں جلیں گے اور اللہ کے فرشتے اُن کو ذلیل کرنے کے لیے یہ کہیں گے کہ مسخراپن سے جس عذاب کی دُنیا میں تم لوگ جلدی کیا کرتے تھے سو آج اس عذاب کا مزہ چکھو۔ صحیح مسلم کی انس بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے آسودہ حال نافرمان لوگوں سے دوزخ کے پہلے ہی جھونکے کے بعد فرشتے پوچھیں گے کہ دُنیا کی جس آسودہ حالی نے تم کو دین سے غافل کر کے اس عذاب میں گرفتار کر دیا۔ اس عذاب کے آگے وہ آسودہ حالی کچھ تم کو یاد ہے یا نہیں۔ وہ لوگ قسم کھا کر کہیں گے کہ نہیں یہ حدیث فی غمرة ساھون کی گویا تفسیر ہے۔ کیونکہ آیت میں اس آسودہ حالی کی مذمت ہے جو دین سے آدمی کو غافل کر دے اور حدیث میں یہ صراحت ہے کہ یہ مذمت کچھ دنیا میں ہی نہیں بلکہ عقبیٰ میں بھی اللہ کے فرشتے اس کا اولاہنا دیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق حبك کے معنی آسمان کی خوبصورتی اور ہمواری کے ہیں۔ بعضے سلف کا قول ہے کہ پانی یا ریت میں ہوا سے خانے خانے پڑ کر ایک جالی جو ہو جاتی ہے اس کو حبك کہتے ہیں۔ ترجمہ میں یہی قول لیا گیا ہے۔

۱۵ تا ۲۳۔ اُوپر اہلِ دوزخ کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں اہلِ جنت کا ذکر فرمایا۔ ادنیٰ درجہ کا متقی وہ ہے جو شرک اور ریا کاری سے باز رہے۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کا جو شخص جس قدر پابند ہوگا اسی قدر اس کا مرتبہ متقیوں میں ہوگا۔ پاتے ہیں جو دیا اُن کو اُن کے رب نے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے نیک عملوں کی جزا میں اللہ تعالیٰ نے جو بے حساب جنت کی نعمتیں ان کو عنایت فرمائیں وہ انھوں نے بھر پائیں اور وہ لوگ ان نعمتوں سے

---

۱؎ صحیح مسلم باب فی الکفار ص ۳۷۴ ج ۲ ۲؎، ۳؎ تفسیر ابن کثیر ۲۳۲ ج ۴۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کو اور خود تمہارے اندر کیا تم کو سوجھ نہیں۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ

اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کی یہ بات

لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾

تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔

خوش اور راضی ہیں۔ صحیح بخاری، مسلم اور ترمذی کی ابوسعید خدری کی حدیث ایک جگہ ذکر کی جا چکی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت سے پوچھے گا کہ تمہارے عملوں کی جزا سے بڑھ کر اپنی رحمت سے جو نعمتیں میں نے تم کو دیں اُن سے تم خوش ہو وہ کہیں گے کہ یا اللہ ہم بہت خوش ہیں۔ یہ ٹکڑا اس حدیث کا آیت کے ٹکڑے کی پوری تفسیر ہے۔ بعضے مفسروں نے آیت کے اس ٹکڑے کے اور معنی بھی بیان کئے ہیں لیکن صحیح حدیث کے موافق صحیح معنی آیت کے یہی ہیں جو بیان کئے گئے۔ وہ تھے اِس سے پہلے نیکی والے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں یہ لوگ ریاکاری سے بچ کر خالص عقبیٰ کے ثواب کی نیت سے نیک عمل کیا کرتے تھے اُس کے بدلے میں ان کو جنت ملی ہے۔ صحیح مسلم کی حضرت عمرؓ کی حدیث مشہور ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سائل بن کر چند مسئلے پوچھے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے جوابات میں احسان کے یہ معنے بتلائے ہیں کہ عبادت کے وقت یا تو آدمی یہ خیال کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے ورنہ کم سے کم اتنا خیال تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو دیکھ رہا ہے۔ اسی لیے آیت میں محسنین کا لفظ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ قابلِ قبول عبادت میں بغیر ریاکاری کے خالص عقبیٰ کے ثواب کی نیت ضروری ہے۔

ابوداؤد اور نسائی میں معتبر سند سے ابو امامہ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بغیر عقبیٰ کے ثواب کی خالص نیت کے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔ وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے کا مطلب یہ ہے کہ رات کو سونا کم اور عبادت بہت یہ اُن لوگوں کی دنیا میں عادت تھی۔ صحیح بخاری و مسلم و نسائی اور ابوداؤد میں عمرو بن العاص سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو داؤد علیہ السلام کی عبادت کا طریقہ بہت پسند تھا۔ پھر فرمایا۔ داؤد علیہ السلام رات کا چوتھائی حصہ عبادت میں گزارا کرتے تھے۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص نے داؤد علیہ السلام کی عبادت کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یہ کہا کہ مجھ میں اس سے افضل عبادت

۵۱ صحیح مسلم باب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا ص ۳۸۰ ج ۲ وصحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ والنار ص ۹۶۹ ج ۲ ۵۲ صحیح مسلم کتاب الایمان ص ۲۷ ج ۱ ۵۳ الترغیب والترہیب۔ باب الترغیب فی الاخلاص والصدق الخ ص ۳۶ ج ۱ ۵۴ صحیح بخاری باب احب الصلوٰۃ الی اللہ صلوٰۃ داؤد ص ۱۵۲ ج ۱ ۵۵ صحیح مسلم باب نہی عن صوم الدہر الخ ص ۳۶۵ ج ۱۔

ادا کرنے کی طاقت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس سے افضل طریقہ عبادت کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے چوتھائی حصہ رات کا عبادت میں گزارا تو اُس کے حق میں یہ کہا جائے گا کہ وہ رات کو سویا کم اور افضل مرتبہ عبادت کا اُس نے ادا کیا۔ صبح کے وقتوں میں معافی مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی رات سے لے کر صبح صادق تک خاص طور پر قبولیت کے وقت میں یہ لوگ اپنے گناہوں کی معافی دنیا میں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے گناہوں کو معاف کر دیا۔ صحیح بخاری[۱] و مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تیسرا حصہ رات کا باقی رہتا ہے تو ہر رات کو اللہ تعالیٰ اول آسمان پر نزول فرما کر ارشاد فرماتا ہے۔ کون کون ہے جو استغفار کرتا ہے تاکہ میں اُس کی مغفرت کروں۔ اس حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر ہے۔ کیونکہ آیت میں صبح کی استغفار کی تعریف کی گئی ہے۔ اور حدیث میں اُس تعریف کا سبب سمجھایا گیا ہے۔ اُن کے مال میں حصہ تھا مانگنے اور رہ جانے کا اس کا مطلب یہ ہے کہ سوا عبادت بدنی کے مالی عبادت بھی ان لوگوں کی عادت تھی۔ یہ نفلی صدقہ کا ذکر ہے کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے۔ اور زکوٰۃ اکثر سلف کے نزدیک مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ طبرانی کبیر[۲] میں معتبر سند سے ابوامامہ کی حدیث ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھپا کر صدقہ خیرات کا کرنا، اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ سائل وہ ہے جو سوال کرے اور محروم وہ ہے جو باوجود تنگدست ہونے کے لحاظ کے مارے کسی سے سوال نہ کرے۔ اوپر سے حشر کا جو ذکر تھا۔ اب آگے اس سلسلہ کو پورا کرنے کے لیے فرمایا کہ جو صاحب قدرت آسمان سے مینہ برسا کر زمین سے مثلاً ایک اناج کے دانے سے ہزاروں دانے اور ایک میوے کی گٹھلی سے ہزاروں میوے کی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ اور جس نے خلاف عقل ایک بوند پانی سے انسان کو پیدا کر کے بچہ سے بڑھاپے تک اس میں طرح طرح کے نمونے رکھے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ سب باتیں ایسے لوگوں کے لیے پوری حشر کی نشانیاں ہیں جو علم ازلی الٰہی میں حق بات پر یقین لانے والے ٹھہرے ہیں۔ ہاں علم ازلی الٰہی میں جو گمراہ قرار پا چکے ہیں وہ ان سب نشانیوں کو آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر بھی طرح طرح کے شک و شبہ میں رہیں گے۔ اور اسی حالت میں مرکر آخر کو دوزخی ہو کر اُٹھیں گے۔ معتبر سند سے مسند[۳] امام احمد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث منکر نکیر کے سوال و جواب کے ذکر میں ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر میں جو نیک شخص اللہ کے فرشتوں کے سوال کا اچھی طرح جواب ادا کر دیتا ہے تو وہ فرشتے اُس شخص سے کہتے ہیں اے شخص۔ تو دنیا میں دین کی باتوں کو یقین جان کر اپنی زندگی بسر کرتا تھا جس یقین کے سبب سے تو دین کی باتوں سے غافل نہیں رہا اور اسی یقین کی حالت پر تو مرا۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ اسی حالت پر تو قیامت کے دن قبر سے اُٹھے گا۔ جو شخص ان فرشتوں کا جواب اچھی طرح نہیں دیتا اُس سے وہ فرشتے کہتے ہیں تو شک کی حالت

---

[۱] صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل ۱ ج ص ۲۵۸ ج ۱ و صحیح بخاری باب الدعاء والصلوٰۃ اخر اللیل ج ص ۱۵۳ ج ۱۔

[۲] الترغیب والترہیب۔ باب الترغیب فی صدقۃ السر ص ۳۵ ج ۲ [۳] الترغیب والترہیب۔ باب ماجاء فی عذاب القبر و نعیمہ ۱ ج ص ۲۶۰ ج ۴۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ

کیا پہنچی ہے تجھ کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے جب اندر آئے اُس کے پاس

فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ

تو بولے سلام۔ وہ بولا سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے پھر دوڑا اپنے گھر کو تو لایا

بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ

ایک بچھڑا گھی میں تلا ہوا پھر اُن کے پاس رکھا کہا کیا تم کھاتے نہیں پھر جی میں ڈر پایا اُن کے

خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ

ڈر سے بولے تو نہ ڈر اور خوشخبری دی اس کو ایک لڑکے ہشیار کی پھر سامنے سے آئی اُس کی عورت

میں جیا اور مرا، اور اسی حالت میں تو قیامت کے دن قبر سے اُٹھے گا۔ جن اہلِ یقین کا آیت میں ذکر ہے اُن کی حالت کی اور اُن کے مقابل اہلِ شک کی حدیث کے اس ٹکڑے میں تفسیر ہے۔ پھر قسم کھا کر فرمایا کہ جس طرح تم لوگ آپس میں بات چیت وعدہ وعید کرتے ہو اور اُس پر دنیا کے ہر طرح کے معاملات چلاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو جزا و سزا کا وعدہ تم سے کیا ہے اس پر اگر تم اپنی آپس کی باتوں کے برابر بھی بھروسا کرو گے تو عقبیٰ کی طرف سے یہ غفلت جو تمھارے دِل پر چھائی ہوئی ہے وہ جاتی رہے گی اور عقبیٰ کے درست کرنے کا خیال تمھارے دل میں جم جائے گا اور اللہ کے ساتھ تمھارا معاملہ اچھا ہو جائے گا۔ ورنہ مرنے کے بعد وہ تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ جو بیان سے باہر ہے۔ ترمذی[1] وغیرہ میں ابی بکرہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت نیک آدمی کی کیا علامت ہے۔ آپ نے فرمایا جس کی عمر بڑی ہو اور نیک کاموں میں مشغول رہے۔ اور بدآدمی وہ ہے جو اس حالت کے برخلاف ہو۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۲۴ تا ۳۰۔ یہ قصہ سورۂ ہود اور سورہ حجر میں گزر چکا ہے۔ حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ امام المفسرین[2] حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق جبرئیل و میکائیل و اسرافیل علیہم السلام آدمی کی صورت میں مہمانوں کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے پہل ان کو نہیں پہچانا کہ یہ فرشتے ہیں۔ اس واسطے اپنی مہمان نوازی کی عادت کے موافق اُن کے رُوبرو کھانا لاکر رکھا۔ جب آن مہمانوں نے کھانا نہ کھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جی میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ جب یہ کھانا نہیں کھاتے تو کسی ضرر کے ارادہ سے آئے ہیں۔ اللہ کے فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو خوف زدہ پاکر کہا کہ نبی اللہ کے تم کچھ خوف نہ کرو۔ یہ کہہ کر پھر حضرت ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔ مجاہد کی روایت کے حوالہ سے بعض تفسیروں[3] میں یہ جو لکھا ہے کہ یہ خوشخبری حضرت اسمٰعیلؑ کے پیدا ہونے کی تھی۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قصہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے

[1] جامع ترمذی۔ باب ما جاء فی طول العمر للمؤمن ص ۶۸۔ ج ۲ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۵ ج ۴ [3] تفسیر الدر المنثور ص ۱۱۴ ج ۶۔

فِیۡ صَرَّۃٍ فَصَکَّتۡ وَجۡہَہَا وَ قَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِیۡمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوۡا کَذٰلِکِ ۙ

بولتی - پھر پیٹا اپنا ماتھا اور کہا کہیں بڑھیا بانجھ وہ بولے یوں ہی

قَالَ رَبُّکِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۰﴾

کہا تیرے رب نے ۔ وہ جو ہے وہی ہے حکمت والا خبردار

اور وہاں قرآن شریف میں صاف حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام آچکا ہے۔ پھر قرآن شریف کے مخالف کوئی تفسیر کیونکر مقبول ہو سکتی ہے۔ غرض صحیح تفسیر یہی ہے کہ سورہ والصّٰفّٰت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیک اولاد کی دعا کے بعد جو خوشخبری ہے وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوشخبری ہے۔ اور اس قصے میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوشخبری ہے اور یہ خوشخبری پہلی خوشخبری کے چودہ برس کے بعد ہے اِس خوشخبری کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو برس کی تھی۔ اور آپ کی بی بی سارہ کی عمر ننانوے برس کی تھی۔ اور جوانی میں وہ بانجھ تھیں۔ اس واسطے یہ خوشخبری سُن کر انھوں نے تعجب سے اپنا مُنہ پیٹ لیا۔ جب اللہ کے فرشتوں نے اُن کی تسکین کی کہ جس طرح ہم نے خوشخبری دی ہے اللہ کا حکم یوں ہی ہے۔ اللہ بڑا حکمت والا ہے اور اُس کی حکمت کے بھید اُسی کو خوب معلوم ہیں۔ اس خوشخبری کے ایک برس بعد حضرت اسحٰقؑ پیدا ہوئے۔

---

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾

بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤں۔ وہ بولے ہم کو بھیجا ہے ایک لوگوں گنہگار پر۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ طِينٍ ﴿٣٣﴾ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾

کہ چھوڑیں ہم ان پر پتھر مٹی کے نشان پڑے تیرے رب کے ہاں بے حد چلنے والوں کو

**۳۱ تا ۳۴** ۔ خطب کے معنی حال اور قصہ کے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کے فرشتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کس مطلب کے لئے زمین پر تمہارا آنا ہوا ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو قوم لوط پر پتھر برسانے کے عذاب کے لیے بھیجا ہے۔ تفسیر سدی اور تفسیر حسن بصریؒ میں لکھا ہے کہ ان کنکروں پر خدا کی طرف سے ایک مہر کی سی صورت تھی جس سے وہ کنکر دنیا کے کنکروں سے الگ پہچانے جاتے تھے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نشان کئے ہوئے کنکر تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مختصر طور پر فقط کنکروں کے مینہ کا ذکر فرمایا ہے۔ سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ پہلے ان لوگوں کے رہنے کی بستیاں الٹی گئیں۔ اور پھر یہ پتھروں کا مینہ برسا۔ قوم لوط کے چار لاکھ آدمی تھے جو اس عذاب الٰہی سے ایک دم میں ہلاک ہو گئے۔ جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قوم لوط کی طرح فعل کرنے والے شخص کو سنگسار کرنا چاہیے۔ ان علماء نے ان پتھروں کے مینہ سے سنگساری کی دلیل پیدا کی ہے۔ ابوداؤد[۵۲] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور بیہقی میں حضرت علیؓ سے جو روایت ہے اس میں بھی اغلامی شخص کے سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کے موافق ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا قول اس کے برخلاف بھی ہے اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اسی واسطے شریعت کے احکام چھانٹ کر جن لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں جن کو کتاب الاحکام کہتے ہیں ان میں علماء نے یہی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل یا قول اس باب میں نہیں پایا جاتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کو اس مسئلہ میں ایک طرح کا شک اور اختلاف جو رہا اس سے اس قول کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ صحابہ کا شک تو اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے جو بیہقی[۵۳] میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایک ایسی صورت پیش آئی جس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کو جمع کیا۔ آخر حضرت علیؓ کے مشورہ کے موافق ایک شخص کو آگ میں جلا دینے کی صلاح قرار پائی۔ اس روایت کو علماء نے مرسل کہا ہے۔ اور صحابہ کرام کا اختلاف یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس مشورہ کے بعد بھی اس فتویٰ پر سب صحابہ کرام قائم نہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اغلامی شخص کو بلند مکان پر سے دھکا دے کر گرا دینے کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور بعضے صحابہؓ تلوار سے قتل کرنے کا اور بعض زنا کی سزا کا فتویٰ دیا کرتے تھے مگر اغلام کی صورت میں زنا سے کم سزا دینے کا کسی صحابی کا قول نہیں ہے۔ اسی واسطے فقہ حنفی اور شافعی میں یہ جو لکھا ہے کہ اغلامی شخص کے لیے فقط تھوڑی سی تعزیر کی سزا کافی ہے۔ اس پر تمام علماء نے اعتراض کیا ہے کہ یہ قول سب صحابہؓ کے مخالف ہے۔ بعضے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ معافی گناہ میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔ مگر اور علماء نے اس جواب کو غلط ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ یہ

[۵۱] [۵۲] ابوداؤد۔ کتاب الحدود۔ فیمن عمل عمل قوم لوط ص ج ۲

[۵۳] الترغیب والترہیب۔ باب الترہیب من اللواط ص ۲۸۳ ج ۳ [۵۴] الترغیب والترہیب۔ باب الترہیب من اللواط ص ۲۸۳ ج ۳

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ

پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوائے ایک گھر کے

مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

مسلمانوں سے اور رکھا اس میں نشان ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں دکھ کی مار سے۔

جواب صحابہؓ سے مخالفت کرنے کے لیے کچھ کافی جواب نہیں ہے۔ مسرف کے معنی حد سے بڑھا ہوا مرد اور عورت کی مباشرت کی حد سے بڑھ کر یہ لوگ لڑکوں سے بدفعلی کرتے تھے۔ اس لئے اللہ کے فرشتوں نے انھیں حد سے بڑھنے والے کہا۔ پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا۔ فرشتوں کے کلام میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہاں اس قصہ کو مختصر طور پر فرمایا ہے سورۂ حجر میں گزر چکا ہے کہ حضرت لوطؑ اور اُن کے ساتھ کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس بلا سے بچا دیا۔ ہاں حضرت لوطؑ کے رشتہ داروں میں سے اُن کی بی بی جو نافرمان لوگوں کی طرفدار تھی۔ وہ عذاب میں پکڑی گئی۔ اور رکھا اس میں نشان ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں۔ دکھ کی مار کا مطلب یہ ہے کہ قوم لوطؑ کی مثلاً چار بستیاں اُجڑ کر اب جو وہاں بدبودار پانی کا چشمہ ہے یا ثمود کی بستی حجر ملک شام کے راستہ میں اہل مکہ کو پڑتی ہے۔ ایسی چیزوں اور بستیوں کو دیکھ کر انھیں ڈرنا چاہئے۔ جن کے دل میں کچھ خدا کا خوف ہے۔ کیونکہ اُن لوگوں کے عذاب کی طرح حال کے لوگوں پر خدا کا عذاب آتے ہوئے کچھ دیر نہیں لگتی۔ تبوک جاتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ثمود کی اجڑی ہوئی بستی حجر پر سے ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ جب تک اس بستی سے گزر نہ ہو جائے خدا سے ڈرنا اور رونا چاہیے کس لیے کہ خدا کا عذاب آتے ہوئے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ثمود کے اصل قصہ میں جو روایتیں گزر چکی ہیں وہ آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں۔ احکام دین کی دلی تصدیق اور زبانی اقرار اور ہاتھ پیروں کا نیک عمل ان تینوں چیزوں کے مجموعہ کا نام فرقہ معتزلہ کے نزدیک ایمان ہے۔ اور سلف اہلسنت کے نزدیک نیک عمل فقط ایمان کے کامل ہونے کی شرط ہے۔ اِن آیتوں میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مومنین فرمایا ہے ان ہی کو پھر مسلمین فرمایا ہے۔ اس لیے صاحب کشاف اور معتزلی علماء نے اِن آیتوں کو اپنے مذہب کی اس طرح دلیل قرار دیا ہے کہ لفظ اسلام کے معنے میں اعتقاد قلبی داخل نہیں ہے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ قوم لوطؑ کے مسلمانوں میں تصدیق قلبی اقرار زبانی نیک عمل تینوں باتوں کا مجموعہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں مومنین اور مسلمین دونوں لفظ فرمائے۔ مفسرین اہل سنت نے فرقہ معتزلہ کی اس دلیل کو کئی طرح ضعیف ٹھہرایا ہے جس کی تفصیل بڑی تفسیروں میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اصل میں ایمان کا لفظ شریعت میں شرع کی باتوں پر دلی یقین رکھنے کے معنے میں بولا جاتا ہے۔ اور اسلام کا لفظ ظاہری اطاعت کے معنے میں بولا جاتا ہے۔ اب یہ ظاہری اطاعت کبھی تو دلی یقین کے ساتھ ہوتی ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کا قول اللہ تعالیٰ نے آیت اسلمت لرب العٰلمین میں نقل فرمایا ہے۔ اور کبھی یہ ظاہری اطاعت پورے دلی یقین کے ساتھ نہیں ہوتی۔ جس طرح آیت لم تومنوا۔ ولکن قولوا اسلمنا میں ہے۔ آیت فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین میں اسلام کا لفظ اسلمت لرب العٰلمین کے محاورہ کے موافق بولا گیا ہے۔ اس لیے صاحب کشاف وغیرہ نے اس آیت میں لفظ اسلام کو ولکن قولوا اسلمنا کے معنے میں جو لیا ہے یہ معنی اہلسنت کے نزدیک سیاق آیت کے مخالف ہیں۔ اور لفظ مومنین کے قرینہ سے لفظ مسلمین میں اسلام کے معنے اسلمت لرب العٰلمین کے محاورہ کے موافق اہلسنت کے نزدیک صحیح ہیں۔

لہ صحیح بخاری باب نزول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحجر، ص ۶۳ ج ۲ ؎ تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۶ ج ۴

وَفِي مُوسَىٰٓ إِذْ أَرْسَلْنَٰهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّىٰ

اور نشانی ہے موسیٰ کے حال میں جب بھیجا ہم نے اس کو فرعون پاس دے کر سند کھلی پھر اس نے منہ موڑا

بِرُكْنِهِۦ وَقَالَ سَٰحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذْنَٰهُمْ

اپنے زور پر اور بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ان کو

فِي ٱلْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلرِّيحَ ٱلْعَقِيمَ ﴿٤١﴾

دریا میں اور اس پر پڑا اولاہنا اور نشانی ہے عاد میں جب بھیجی ہم نے ان پر باؤ بے خیر

مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَٱلرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ

نہ چھوڑتی کوئی چیز جس پر گزری کہ نہ کر ڈالتی اس کو جیسے چورا اور نشانی ہے ثمود میں

إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا۟ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا۟ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ

جب کہا ان کو برتو ایک وقت تک پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا ان کو

ٱلصَّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا ٱسْتَطَٰعُوا۟ مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا۟

کڑاکے نے اور وہ دیکھتے تھے پھر نہ سکے کہ اٹھیں اور نہ ہوئے

مُنتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ ﴿٤٦﴾

کہ بدلہ لیں اور نوح کی قوم کو اس سے پہلے مقرر تھے وہ لوگ بے حکم ۔

ع ۲۳/۲

۳۸ تا ۴۶ - اوپر قوم لوط کی ہلاکت اور اس قصہ سے عبرت پکڑنے کا ذکر تھا ان آیتوں میں فرمایا کہ فرعون عاد و ثمود - اور قوم نوح کے قصے جو چند سورتوں میں تفصیل سے گزر چکے ہیں - یہ سب قصے عبرت کے قابل ہیں۔ پھر اس نے منہ موڑا اپنے زور پر - کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بڑے معجزے دیکھ کر بھی فرعون کو ہدایت نہیں ہوئی - اور اپنے لشکر اور اپنی بادشاہت کے زور پر اس نے اللہ کے رسول کی نصیحت پر کچھ توجہ نہ کی - فرعون پر اولاہنا یہ پڑا کہ وہ دین و دنیا میں ملعون ٹھہرا - پھر فرمایا فرعون نے اللہ کے رسول کو جادوگر اور دیوانہ بتلایا - حالانکہ اس وقت کے بڑے بڑے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے دیکھ کر ان کو اللہ کا رسول کہا تو فرعون ان جادوگروں کو سزا دینے پر آمادہ ہوگیا - عقیم بانجھ عورت کو کہتے ہیں - مطلب یہ ہے کہ اس ہوا میں کسی چیز کی پیداوار کا اثر خدا تعالیٰ نے نہیں رکھا تھا - بلکہ وہ خاص عذاب کی ہوا تھی - جس پر وہ ہوا گزرتی اس کو خاک سیاہ کر دیتی تھی - زمین کی پیداوار جب سوکھ جاتی ہے تو رمیم کہتے ہیں - جب کہا ان کو برتو ایک وقت تک - سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالنے کے بعد ثمود کو تین دن کی مہلت عذاب کے آنے میں دی گئی تھی - اسی کو یہاں ان لفظوں میں فرمایا۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا

اور آسمان بنایا ہم نے ہاتھ کے بل سے اور ہم کو سب مقدور ہے اور زمین کو بچھایا ہم نے

فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ

سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ۔ اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے شاید تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا

دھیان کرو ۔ سو بھاگو اللہ کی طرف میں تم کو اس کی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر اور نہ

تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾

ٹھیراؤ اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود میں تم کو اس کی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر ۔

۴۷ تا ۵۱ - اوپر پچھلی قوموں کے ہلاک ہو جانے کا ذکر فرما کر اِن آیتوں میں فرمایا کہ وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے ہلاک ہوئے ورنہ آسمان زمین دنیا کی تمام موجودات اِس بات کے سمجھنے کے لیے سمجھ دار کو کافی ہے کہ جس نے انسان کو اور انسان کی تمام ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا ۔ پوری تعظیم اور عبادت اُسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے ۔ اس حق میں اُس کا کوئی شریک نہیں ۔ اگر وہ لوگ اتنی بات سمجھ کر اللہ کا حق پورا ادا کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی اُن کا حق پورا ادا کرتا ۔ صحیح بخاری و مسلم کی معاذ بن جبل کی حدیث اُوپر گزر چکی ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں ۔ اگر یہ حق بندوں نے ادا کر دیا تو بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اُن کو اپنے عذاب سے بچا دے ۔ اس نصیحت کے بعد فرمایا ۔ اے رسول اللہ کے تم اہل مکہ کو جتلا دو کہ اگر وہ اپنی نجات چاہتے ہیں تو اللہ کی نافرمانی اور بُت پرستی چھوڑ کر خالص اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جائیں ورنہ گھڑی گھڑی اُن کو یہ بات سنا دو کہ میں کھُلم کھُلا اللہ کے عذاب سے تم لوگوں کو ڈرانے آیا ہوں ۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور میری اُمت کے نافرمان لوگوں کی مثال ایسی ہے جس طرح ایک شخص آگ جلا دے اور آگ کی روشنی سے جنگل کے کیڑے پتنگے اس آگ کے گرد جمع ہو کر اُسی میں گرنا شروع کر دیویں اور ہر چند وہ شخص اُن کیڑوں پتنگوں کو اُس آگ میں گرنے سے روکے مگر وہ باز نہ آئیں ۔ اسی طرح میں نافرمان لوگوں کو کمر سے پکڑ پکڑ کر دوزخ کی آگ سے بچانا چاہتا ہوں مگر یہ لوگ باز نہیں آتے اس آیت یا اس قسم کی اور آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم ہے کہ آپ اللہ کے عذاب سے لوگوں کو ڈرائیں ۔ اس حکم کی تعمیل میں جو کچھ کوشش اور تندہی آپ نے فرمائی ۔ یہ حدیث گویا اُس کی تفسیر ہے +

---

ل؎ صحیح بخاری ۔ کتاب التوحید ص ۱۰۹۶ ج ۲ و صحیح مسلم ۔ باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنۃ ص ۴۴ ج ۱ ۔ ۲؎ صحیح مسلم ۔ باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ الخ ص ۲۴۸ ج ۲ ۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

اسی طرح اُن سے پہلوں کو جو رسول آیا یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾

کیا یہی کہہ مرے ہیں ایک دوسرے کو۔ کوئی نہیں پر یہ لوگ شریر ہیں سو تو ہٹ آ اُن کی طرف سے اب تجھ پر نہیں اولاہنا۔

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو۔

۵۲ تا ۵۵۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے صاحب شریعت نبیوں کا سلسلہ دنیا میں شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ سلسلہ ختم ہوا۔ اور حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط حضرت شعیب کو جس طرح اُن کی قوموں نے اور حضرت موسیٰ کو فرعون اور اس کی قوم نے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے جھٹلایا اور دیوانہ جادوگر بتلایا۔ اس کا ذکر جگہ جگہ قرآن شریف میں گزر چکا ہے۔ اسی واسطے جب قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی ایذا دی اور جھٹلایا اور جادوگر دیوانہ اور قرآن شریف اور معجزوں کو جادو کہنا شروع کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وصیت کے طور پر جس طرح بڑے چھوٹوں کو ایک بات کہہ دیتے ہیں وہی حال ان نبیوں کے جھٹلانے والی قوموں کا ہے کہ ایک زبان ہو کر سب کے سب ایک ہی بات کہتے ہیں پھر فرمایا کہ وصیت تو ایک دوسرے کو کیا کریں گے۔ ایک قوم عذاب الٰہی سے جب اُجڑ چکی ہے جو اس کے بعد دوسری قوم پیدا ہوئی ہے بلکہ ایک زبان ہو کر یہ سب کے سب اس لیے ایک ہی بات کہتے ہیں کہ یہ سرکش لوگ ہیں اور ان سب کا بہکانے والا شیطان ایک ہی ہے اس لیے وہ اگلے پچھلے سب کے کانوں میں ایک ہی بات پھونکتا ہے اور یہ سب ایک زبان ہو کر ایک ہی بات کہتے ہیں تو ہٹ آ اُن کی طرف سے تجھ پر نہیں ہے اولاہنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باوجود ہر وقت کی نصیحت کے یہ لوگ راہ راست پر نہیں آتے تو اے رسول اللہ کے ان کی گمراہی کا تم پر کچھ الزام نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم نے اُن کو پوری نصیحت کر دی۔ اب تم زیادہ اُن کے درپے نہ ہو اللہ اِن سے خود سمجھ لے گا۔ مفسرین[۱] نے کہا ہے کہ جب آیت کا یہ ٹکڑا نازل ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو بڑا رنج ہوا۔ کیونکہ انھوں نے جانا شاید اب عذاب آئے گا۔ لیکن آیندہ کی آیت میں وعظ نصیحت کا حکم نازل ہو جانے سے پھر سب کی تسکین ہو گئی۔ مسند[۲] امام احمد کی حضرت ابوامامہؓ کی حدیث اُوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان دار آدمی کی نشانی یہ ہے کہ اُس کو دین کی اور نصیحت کی بات اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو باتیں دین میں منع ہیں ان سے اس کا دل گھبرانے لگتا ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں فرمایا کہ اللہ کے رسول کی نصیحت سے فائدہ ایمان والوں کو ہی ہے۔ یہ حدیث آیت کے اُس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔ کیونکہ جس چیز کو جو شخص اچھا جانے گا وہی اُس سے فائدہ اٹھائے گا۔ ایک شخص ایک چیز کو اچھا ہی نہیں جانتا تو وہ اُس چیز کو کام میں کیا لائے گا اور اُس سے فائدہ کیا اٹھائے گا۔

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۱۱۶ ج ۶ [۲] مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الایمان۔ فصل ثالث۔ ص

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ
اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو میں نہیں چاہتا

مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾
ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾
اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط

۵۶ تا ۶۰ ۔ صحیح بخاری[1] و مسلم[2] میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ ملت اسلام پر پیدا ہوتا ہے ۔ پھر ماں باپ اگر برے ہوئے تو ان کی صحبت سے وہ بچہ بگڑ جاتا ہے ۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب تک بچہ بولنا سیکھتا ہے اس وقت تک اس کی حالت ملت اسلام پر ہونے کی قائم رہتی ہے ۔ معنی اس حدیث کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مثلاً انسان کو جس طرح آنکھیں دیکھنے کے لیے اور کان سننے کے لیے دیئے ہیں ۔ اسی طرح ہر انسان کے دل میں حق بات کے قبول کرنے کی ایک صلاحیت رکھی ہے ۔ اسی صلاحیت پر ہر بچہ ہوتا ہے ۔ اب جو لوگ علم ازلی الٰہی میں نیک قرار پا چکے ہیں وہ اس صلاحیت کے سبب سے نیک راستہ سے لگ جاتے ہیں ۔ اور جو لوگ علم الٰہی میں بد قرار پا چکے ہیں ۔ وہ اس صلاحیت کو کام میں نہیں لاتے بلکہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور طرح طرح کی نافرمانی کرتے ہیں اور اسی حال میں بغیر توبہ کے مر جاتے ہیں وہ علم الٰہی کے موافق آخر کو دوزخی قرار پائیں گے ۔ علم الٰہی کا نتیجہ کسی شخص کو دنیا میں معلوم نہیں اس لیے شریعت میں ہر شخص کو نیک کام کرنے اور برے کام سے بچنے کی تاکید ہے ۔ اب جو کوئی اس کے برخلاف عمل کرے گا وہ مواخذہ کے قابل ہے کیونکہ دنیا کے پیدا کیے جانے سے پہلے علم الٰہی کا نتیجہ یہی ٹھہرا تھا کہ دنیا کے پیدا کیے جانے کی صورت میں جب بعضے لوگوں کو نیک و بد کا اختیار دے کر دنیا میں پیدا کیا جائے گا تو یہ لوگ باوجود اللہ کے رسولوں کی فہمایش کے بدی سے باز نہ آئیں گے اور آخر کو جہنم میں جائیں گے ۔ اب جبکہ دنیا میں آنے کے بعد بعضے لوگوں نے علم الٰہی کے نتیجہ کے موافق اعمال کیے تو اس نتیجہ کے موافق سزا بھی ان کو بھگتنی چاہیے ۔ حاصل یہ کہ علم الٰہی اور تقدیر الٰہی میں بغیر برائی کرنے کے کسی کے ذمہ کوئی برائی نہیں لگائی گئی ہے بلکہ برائی کے ظہور میں آنے سے پہلے مثلاً یہ بات علم الٰہی میں تھی کہ فرعون اور ابوجہل کو آزادی دے کر دنیا میں پیدا کیا جائے گا تو یہ شریر النفس ایسی ایسی برائیاں کریں گے اور ان برائیوں کی سزا میں ان کا ٹھکانا آخر کو دوزخ ہوگا ۔ علم الٰہی کا یہی نتیجہ لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے اسی کا نام تقدیر الٰہی ہے دنیا میں نیک و بد عمل کی آزادی ہر ایک کو اس لیے دی گئی ہے کہ دنیا نیک و بد کے امتحان کی جگہ ہے ۔ اگر اسی آزادی میں کچھ مجبوری کا دخل ہوتا تو پھر امتحان باقی نہیں رہ سکتا تھا ۔ اسی واسطے قیامت کی علامت کے

[1] صحیح بخاری باب اللہ اعلم بما کانوا عاملین ص ۹۷۶ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ ص ۳۳۶ ج ۲۔

يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

اُن سے وعدہ ہے ۔

ظاہر ہوجانے کے بعد ایک مجبوری کا وقت جب آجائے گا تو اُس وقت کا ایمان اس وقت کی توبہ کچھ قبول نہیں [۱] ہے۔ اِس حدیث اور آیت وما خلقت الجن والانس الالیعبدون کا مطلب ایک ہے اس لیے یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں اپنی عبادت کے ساتھ اپنی رزاقی کا ذکر جو فرمایا اُس کی تفسیر ترمذی [۲] ابن ماجہ صحیح ابن حبان مستدرک حاکم میں ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص خالص دل سے میری عبادت میں لگا رہے گا۔ میں اُس کو روزی رزق سے تنگ حال نہ رکھوں گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے اُس کو صحیح کہا [۳] ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث قدسی ابی امامہ کی روایت سے مستدرک [۴] حاکم میں ہے اس کو بھی حاکم نے صحیح کہا ہے۔ عرب میں لوگوں کے پاس غلام بہت تھے۔ وہ لوگ اپنے غلاموں کو یا تو کسی کمائی کے کام میں لگا کر اس آمدنی کو اپنے خرچ میں لاتے تھے۔ یا اُن غلاموں سے اپنے گھر کے کام کاج میں مدد لیتے تھے۔ اِسی واسطے فرمایا کہ اِن دونوں باتوں میں سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کوئی بات نہیں چاہتا۔ وہ خود تمام عالم کا رازق ہے۔ کسی کی کمائی کی اُسے کیا پروا ہے۔ اسی طرح وہ ایسا صاحبِ قوت ہے کہ کسی کی مدد کا وہ اپنے کام میں محتاج نہیں۔ صحیح مسلم [۵] میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بعضے بندوں سے فرمائے گا۔ اے شخص میں نے تجھ سے دُنیا میں کھانا مانگا تُو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ میں نے تجھ سے پانی مانگا تُو نے مجھ کو پانی نہیں دیا۔ میں بیمار پڑا تُو میری خیریت پُوچھنے کو نہیں آیا۔ وہ شخص کہے گا یا اللہ تو بھوک پیاس بیماری۔ اِن سب باتوں سے پاک ہے، میں کس طرح تجھ کو کھانا پانی دیتا اور کیونکر تیری خیریت پوچھنے آتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ اس اپنے بندے کو سمجھائے گا کہ دُنیا میں میرا فلانا بندہ بھوکا تھا تو نے اُس کو کھانا نہیں دیا۔ اگر تُو اُس کو کھانا دیتا تو وہ کھانا گویا مجھ کو پہنچتا اور آج اُس کا اجر تجھ کو پہنچ جاتا۔ پھر اسی طرح پیاسے اور بیمار کا ذکر فرمائے گا۔ اِس سے

[۱] صحیح مسلم۔ باب بیان الزمن الذی لایقبل فیہ الایمان ص ۸۸ ج ۱ [۲] مشکوٰۃ شریف۔ باب فی النصائح ص ۴۴۰ فصل ثانی۔ وترغیب ترہیب، باب الترغیب فی العبادۃ ص ۲۰۲ ج ۴ [۳] ایضاً ص ۲۰۳ [۴] ایضاً ص ۲۰۱ [۵] صحیح مسلم باب فضل عیادۃ المریض ص ۳۱۸ ج ۲

آیاتہا ۴۹ — (۵۲) سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ (۷۶) — رکوعاتہا ۲

یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴

قسم ہے طور کی اور لکھی کتاب کی کشادہ ورق میں اور آباد گھر کی

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ

اور اونچی چھت کی اور اُبلتے دریا کی بیشک عذاب تیرے رب کا

لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹ وَّتَسِيْرُ

ہونا ہے اُس کو کوئی نہیں ہٹانے والا جس دن لرزے آسمان کپکپا کر اور پھریں

الْجِبَالُ سَيْرًا ۝۱۰ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ

پہاڑ چل کر سو خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کو جو باتیں

معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات تو سب ضرورتوں سے بے پرواہ ہے۔ لیکن اُس نے اپنی مخلوق کی ضرورتوں کے رفع کرنے کو وہ مرتبہ دیا ہے جس کا ذکر اس صحیح حدیث میں ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس مرتبے کے حاصل کرنے کی جہاں تک ہو سکے کوشش کرے۔ آخر سورہ میں اہلِ مکہ کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ لوگ عذاب کی جلدی گھڑی گھڑی کیا کرتے ہیں۔ پچھلی امتوں کے عذاب کا حال اُن کو سنا دیا گیا۔ اگر اِن امتوں کی طرح یہ لوگ بھی نافرمانی سے باز نہ آئے تو ایک دن وہی خرابی اُن کے نصیب میں ہے۔ فقط وقت مقررہ آنے کی دیر ہے۔ ذنوب بڑے ڈول کو کہتے ہیں۔ عرب کے ملک میں پانی کی قلت ہے۔ اس واسطے قبیلہ کے کنویں میں سے ایک بڑا ڈول بھرا جاتا تھا۔ اور وہ پانی آپس میں حسبِ حصہ رسد بانٹ لیتے تھے۔ اسی سبب سے پھر رفتہ رفتہ ذنوب حصہ کے معنی میں بولا جانے لگا۔

۱ تا ۱۶۔ طور وہ پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں۔ کتاب مسطور کے معنے لوح محفوظ کشادہ ورق لوح محفوظ کے صفحہ کو فرمایا۔ ہر ایک آسمان پر ہر آسمان کے فرشتوں کی عبادت کا ایک مکان بنا ہوا ہے۔ ساتویں آسمان کے فرشتوں کے عبادت کا مکان جو بنا ہوا ہے، اُس کا نام بیت المعمور ہے۔ صحیح بخاری[1] میں ابو ہریرہؓ سے اور صحیح مسلم[2] میں انس بن مالک سے معراج کی ذکر کی جو حدیث ہے اُس میں بیت المعمور کا بھی ذکر ہے۔ غرض کعبہ کی سیدھ پر یہ مکان ساتویں آسمان پر ہے۔ اور ساتویں آسمان کے فرشتوں کا یہی کعبہ ہے۔ سقف مرفوع کے معنے آسمان۔ اکثر سلف نے بحر مسجور کی یہی تفسیر کی ہے کہ قیامت کے

[1] صحیح بخاری باب المعراج ص ۵۴۸ ج ۱۔ [2] صحیح مسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۹۱ ج ۱۔

خَوۡضٍ یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۱۲﴾ یَوۡمَ یُدَعُّوۡنَ اِلٰی نَارِ جَہَنَّمَ دَعًّا ﴿ؕ۱۳﴾ ہٰذِہِ

بناتے ہیں کھیلتے جس دن دھکیلے جاویں دوزخ کو دھکیل کر یہ ہے

النَّارُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ بِہَا تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحۡرٌ ہٰذَاۤ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا

وہ آگ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ۔ اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں

تُبۡصِرُوۡنَ ﴿ۚ۱۵﴾ اِصۡلَوۡہَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ سَوَآءٌ عَلَیۡکُمۡ ؕ

سوجھتا ۔ بیٹھو اس میں پھر صبر کرو یا نہ صبر کرو تم کو برابر ہے۔

اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

وہی بدلا پاؤگے جو تم کرتے تھے ۔

دن دُنیا کے دریا آگ ہو جائیں گے اور آیت اذا البحار سجرت سے اس تفسیر کی تائید بھی ہوتی ہے۔ اس قسم کے بعد فرمایا کہ جس نافرمانی کی حالت میں یہ لوگ ہیں۔ اسی حالت میں جو لوگ اُن میں سے مرجاویں گے تو جس عذاب کا اِن لوگوں سے وعدہ ہے وہ ضرور قیامت کے دن اس طرح اُن کو بھگتنا پڑے گا کہ اُس عذاب کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ پھر فرمایا جس دُنیا کی زندگی کے بھروسہ پر انسان اُس عذاب سے غافل ہے۔ وہ دُنیا ہمیشہ رہنے کی چیز نہیں ہے بلکہ آسمان پہاڑ جو آج ایسے مضبوط نظر آتے ہیں۔ پہلا صور شروع ہوتے ہی آسمان پہلے لرزنے لگے گا۔ پھر پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑ جائے گا۔ پہاڑ اُڑتے پھریں گے۔ پھر فرمایا اُس دن حشر کے جھٹلانے والوں اور دین کی باتوں کو کھیل تماشا ٹھہرانے والوں کی بڑی کم بختی ہے کہ دوزخ میں دھکیل کر اللہ کے فرشتے اُن سے یہ کہیں گے۔ اَب خوب آنکھیں کھول کر اُس آگ کو دیکھو جس سے ڈرانے کی نصیحت کو تم جھٹلاتے اور جادو بتلاتے تھے۔ اِب اس آگ میں تم کو چیخنا چلانا یا اُس کی تکلیف پر صبر کر کے بیٹھ رہنا سب برابر ہے۔ اور تم کو جو سزا ملی ہے کچھ بلا سبب نہیں ہے بلکہ دُنیا میں جو تم نافرمانی کرتے تھے یہ اُس کا خمیازہ ہے صحیح بخاری[۱] و مسلم میں ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام دین کو مینہ سے اور اُمت کے لوگوں کو زمین سے تشبیہ دی ہے۔ اور زمین کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔ ایک کھیتی اور باغات کی زمین جس کو مینہ سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ اُس میں طرح طرح کے اناج اور میوہ جات پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر اُن اناج کے بیج اور میووں گٹھلیوں سے آگے کی پیداوار کا سلسلہ چلتا ہے۔ دوسرے وہ نشیب کی زمین جس میں پانی اکٹھا ہو کر چشمے اور تالاب ہو جاتے ہیں اور اُن سے آدمیوں اور جانوروں کو طرح طرح کا فائدہ پہنچتا ہے۔ تیسرے وہ سخت زمین جس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اُس میں جو مینہ برستا ہے وہ رائگاں جاتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ زمین کی پہلی دو قسموں سے اُمت کے وہ لوگ مقصود ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے سلسلہ بہ سلسلہ خود بھی نفع دینی حاصل کیا اور لوگوں کو بھی نفع دینی پہنچایا۔ بعضوں نے علم دینی کی

[۱] صحیح بخاری باب فضل من علم وعلم ص ۱۸ ج ۱ و صحیح مسلم باب مثل ما بعث بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ ص ۲۴۷ ج ۲۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿17﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ

جو ڈر والے ہیں باغوں میں ہیں اور نعمت میں میوے کھاتے جو دیئے اُن کو اُن کے رب نے

وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿18﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ

اور بچایا اُن کو اُن کے رب نے دوزخ کی مار سے کھاؤ اور پیو رچتے بدلہ اُس کا

تَعْمَلُوْنَ ﴿19﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ

جو تم کرتے تھے تکیے بیٹھے تختوں پر برابر بچھی قطار اور بیاہ دیں ہم نے اُن کو گوریاں

عِيْنٍ ﴿20﴾

بڑی آنکھوں والیاں

تعلیم سے وہ بیج بویا جس کا سلسلہ اناج کے بیج اور میوہ کی گٹھلیوں کی طرح قیامت تک چلے گا۔ بعضوں نے علمِ دین کی کتابیں تصنیف کر کے اُن کتابوں کو ایک چشمۂ فیض بنایا۔ تیسرے قسم سے وہ لوگ مقصود ہیں جن کے دنیا میں پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی میں یہ جان لیا تھا کہ کوئی آسمانی کتاب رسولوں کی نصیحت اِن لوگوں کے دل پر اثر نہ کرے گی۔ اور آخر کار اپنی نافرمانی کی سزا میں یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اِن آیتوں میں اُن میں سے تیسری قسم کے لوگوں کے انجام کا ذکر ہے۔ اور یہ حدیث اِن آیتوں کی گویا تفسیر ہے۔

۱۷ تا ۲۰۔ اوپر کی آیتوں میں اہلِ دوزخ کا ذکر فرما کر اِن آیتوں میں اہلِ جنت کا ذکر فرمایا۔ اہلِ جنت کے لیے یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ اُن کی توحید کے طفیل سے اللہ تعالیٰ اُن کے کمتر درجہ کے گناہ معاف فرما کر اُن کو جنتی بنا دے گا۔ چنانچہ صحیح بخاری[1] و مسلم کی عبداللہ بن عمر کی حدیث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بعضے بندوں سے فرمائے گا کہ جس طرح تمہارے گناہوں کو دنیا میں میں نے لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ آج بھی میں تمہارے اُن گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ اس لیے جنت کی نعمتوں میں اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے بچانے کی نعمت کا ذکر فرمایا۔ سررمصفوفہ کے معنے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے چھپر کھٹ کے کئے ہیں۔ صحیح مسلم[2] اور ترمذی میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب جنتی لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ پکار کر یہ کہے گا کہ اے اہلِ جنت اب تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی مرو گے نہیں۔ ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ جنت کی نعمتوں کے باب میں ابو ہریرہؓ کی صحیحین[3] کی روایت اوپر گذر چکی ہے کہ وہ نعمتیں نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں۔ نہ کسی کے دل میں اُن کا خیال گزر سکتا ہے۔ غرض نعمتیں وہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اُن کی ہمیشگی وہ جس کی انتہا نہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جب جنت نصیب کرے گا اُس وقت اِن نعمتوں کی تفصیل معلوم ہو گی۔ اب تو زبان اور قلم اِن کے بیان سے عاجز ہے۔

[1] صحیح بخاری باب ستر المؤمن علی نفسہ ص ۸۹۶ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا ص ۳۸۰ ج ۲ [3] ایضاً ص ۳۷۸ ج ۲

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور جو یقین لائے اور ان کی راہ چلے اُن کی اولاد ایمان سے پہنچا دیا ہم نے ان تک اُن کی اولاد کو

وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾

اور گھٹا یا نہیں اُن سے اُن کا کیا کچھ ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے۔

۲۱ تا ۲۳۔ عقبیٰ میں ماں باپ سے اولاد کو اور اولاد سے ماں باپ کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے فائدہ پہنچائے گا چنانچہ تفسیر ابن ابی حاتم اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے اس آیت کی تفسیر یوں ہے کہ قیامت کے دن بعضے جنتی لوگ جنت میں داخل ہونے کے بعد اپنے ماں باپ اور بی بی بچوں کا حال فرشتوں سے پوچھیں گے کہ وہ سب کہاں ہیں۔ فرشتے کہیں گے اُن کے اعمال اس قابل نہ تھے کہ اس درجہ کی جنت میں وہ داخل ہوتے یہ جنتی لوگ اللہ سے دُعا کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اُن سب کو ایک جگہ اعلیٰ درجہ کی جنت میں اکٹھا کر دے گا۔ طبرانی کی سند میں ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن غزوان ضعیف ہے۔ لیکن یہ روایت مسند بزار میں بھی ہے۔ اُس میں یہ راوی نہیں ہے۔ اس بزار کی روایت اور ابن ابی حاتم کی روایت سے طبرانی کی سند کا ضعف بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ معتبر سند سے مسند امام احمدؒ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعضے جنتی لوگوں کا درجہ ایکا ایک ہی بڑھ جائیگا۔ وہ لوگ کہیں گے یا اللہ ہمارے اعمال تو اس قابل نہ تھے یہ ہمارا درجہ کیونکر بڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمھاری اولاد نے تمھارے حق میں دُعا کی تھی اس لیے تمھارا درجہ بڑھا ہے۔ جس شخص کے تین یا دو نابالغ بچے مر جائیں اُس کا جنتی ہونا اوپر حضرت ابوہریرہؓ کی صحیحین اور صحیح مسلمؒ کی حدیث میں گزر چکا ہے اور مسند امام احمدؒ اور ابوداؤد کی حضرت معاذ جہنی کی حدیث بھی اوپر گزر چکی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جن کی اولاد قرآن شریف پڑھ کر اُس کی موافق عمل کرے گی اُن کے ماں باپ کے سروں پر قیامت کے دن ایسا تاج رکھا جائے گا کہ جس کی روشنی آفتاب سے بڑھ کر ہوگی۔ اب آگے ماں باپ کی تسلی بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جنتی ماں یا باپ کی اولاد کو یہ درجہ محض اپنی رحمت سے دے گا تاکہ اولاد کے اور ماں باپ کے ایک جگہ ہو جانے سے ماں باپ کا دل خوش ہو جائے۔ اس درجہ کے معاوضہ میں ماں باپ کے عملوں میں سے کوئی عمل نہ گھٹایا جائے گا۔ معتبر سند سے تفسیر عبدالرزاق اور تفسیر ابن ابی حاتم میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس کا جو قول ہے اُس کے موافق آیت کے یہی معنی ہیں جو بیان کئے گئے۔ ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص کا عمل اُس کے ساتھ ہے اگر نیک عمل ہے تو نجات کا سبب ہے ورنہ ہلاکت کا۔ مسند امام احمد اور ابوداؤد میں معتبر سند سے براء بن عازب

۱؎ تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۲ ج ۴ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ۴؎ صحیح مسلم باب فضل من یموت لہ ولد فیحتسبہ ص ۳۳۰ ج ۲ ۵؎ مشکوٰۃ شریف کتاب فضائل القرآن۔ فصل ثانی ص ۱۸۶ ۶؎ تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۲ ج ۴ ۷؎ مشکوٰۃ شریف باب فیما یقال عند من حضرۃ الموت فصل ثالث ص ۱۴۲۔

وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور ریل لگا دیے ہم نے ان کو میوے اور گوشت جس چیز کا جی چاہے۔

يَتَنَازَعُوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَلَا تَاۡثِيۡمٌ ﴿۲۳﴾

جھپٹے ہیں وہاں پیالہ نہ بکنا ہے اس شراب میں اور نہ گناہ میں ڈالنا۔

وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ كَاَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٌ

اور پھرتے ہیں ان کے پاس چھوکرے ان کے گویا وہ موتی ہیں

مَّكۡنُوۡنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾

غلاف میں۔ اور منہ کیا ایکوں نے دوسرے کی طرف آپس میں پوچھتے۔

کی ایک بڑی حدیث ہے۔ اس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال و جواب کے بعد نیک شخص کی قبر میں ایک اچھی صورت کا آدمی آتا ہے اور کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں۔ یہ شخص اپنی عمل کی حالت سے خوش ہو کر قیامت کے جلدی قائم ہونے کی ہر وقت دعا مانگتا رہتا ہے اور بد لوگوں کا حال قبر میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔ سورۂ مدثر میں آئے گا کہ جن کے نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیے جائیں گے وہ اپنے نیک عمل کے سبب رہائی پائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کے اعمال نامے اُلٹے ہاتھ میں دیے جائیں گے وہ اپنی کمائی میں پھنسے رہ جائیں گے۔ اور سیدھے ہاتھ کے اعمال نامے والے حساب و کتاب اور وزن اعمال تک ایک حالت منتظرہ میں رہ کر پھر جنت میں چلے جائیں گے۔ غرض یہ ہے کہ ایک آیت مختصر ہے اور دوسری آیت مفصل۔ دونوں آیتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ بیہقی نے معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جنت کے میوے جنت کے کھانے جنت کی شراب غرض جنت کی سب چیزیں دنیا کی سب چیزوں سے بالکل مزہ میں الگ ہیں۔ دنیا کی چیزوں سے فقط ان کے نام ملتے ہوئے ہیں اسی لیے جنت کے میوے اور کھانے وغیرہ کو دنیا کے میوے اور کھانے سے تشبیہ دے کر کوئی تفسیر نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ دنیا کی شراب پینے کے بعد جس طرح آدمی کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی اور بیہودہ باتیں اس کے منہ سے نکلنے لگتی ہیں۔ جنت کی شراب میں یہ بات نہیں ہے۔ جام شراب کا دور پر دور چلے گا اور کبھی کوئی بیہودہ بات کسی جنتی کے منہ سے نہ نکلے گی۔

۲۴ تا ۲۸۔ جو موتی کام میں لایا جائے وہ ذرا میلا ہو جاتا ہے۔ ان غلاموں کا رنگ ایسا آبدار ہو گا جس طرح بے کام میں لایا ڈبیا میں رکھا ہوا موتی آبدار ہوتا ہے۔ بعضے مفسروں نے لکھا ہے کہ مشرکوں کے نابالغ بچے جو مر جاتے ہیں یہ وہی ہیں۔ لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ جنت میں اگرچہ غلام اور

لہ الترغیب والترہیب۔ فصل فی ان اعلیٰ ما یخطر علی البال او یجوزہ العقل الخ ص ۱۰۳۹ ج ۴۔

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا

بولے ہم تھے اپنے گھر میں ڈرتے رہتے پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر اور بچایا

عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ

ہم کو لُو کے عذاب سے ۔ ہم آگے سے پکارتے تھے اس کو بے شک وہی ہے نیک

الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾

سلوک رحم والا ۔ اب تو سمجھا کہ تو اپنے رب کے فضل سے پریوں والا نہیں اور نہ دیوانہ ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا

کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم راہ دیکھتے ہیں اس پر گردش زمانہ کی تو کہہ تم راہ دیکھو

خدمتگاری کی کچھ ضرورت نہیں وہاں سب کام اللہ کے حکم سے خود ہو جایا کریں گے لیکن عزت اور احتشام بڑھانے کے لیے ادنیٰ اہل جنت کو اسی ہزار غلام دیے جائیں گے۔ چنانچہ ترمذی میں[۱] ابوسعید خدری کی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ اگرچہ ترمذی نے اس سند میں رشدین بن سعد کو منفرد کہا ہے جو بعضے علماء کے نزدیک ضعیف ہے لیکن صحیح ابن حبان کی سند میں رشدین نہیں ہے۔ اب آیت میں یہ ذکر ہے کہ یہ جنتی لوگ دنیا میں عذاب سے ڈرا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اس عذاب سے بچانے کی دعا کیا کرتے تھے۔ یہ حالت کو یاد کرکے جنت میں اس کا تذکرہ یوں آپس میں کریں گے کہ اللہ بڑا غفور الرحیم ہے کہ اس نے ہماری دنیا کی وہ التجا سن لی اور ہم کو عذاب آخرت سے بچا لیا۔ صحیح بخاری[۲] و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندوں کا ذکر الٰہی سننے کو جو فرشتے زمین پر آتے ہیں جب وہ آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں یا اللہ تیرے بندے دوزخ کے عذاب سے خوفزدہ ہو کر اس عذاب سے تیری پناہ چاہتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے ان کو عذاب آخرت سے اپنی پناہ دی۔ حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔ کیونکہ آیت کا اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص عذاب آخرت سے دنیا میں ڈرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو عذاب سے بچائے گا۔

۲۹ تا ۴۳۔ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتیں ہیں کہ موسم حج میں باہر کے مسافر لوگ مکہ کو آتے تھے۔ اہل مکہ ان دنوں میں کچھ آدمی اطراف مکہ میں بٹھا دیتے تھے کہ وہ ان مسافروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح طرح سے مذمت کریں کسی سے کہہ دیں کہ یہ کاہن ہیں کسی سے کہہ دیں کہ یہ دیوانے ہیں کسی سے کہہ دیں کہ یہ شاعر ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو۔ بلکہ تم اللہ کے کلام کے موافق عام لوگوں کو نصیحت کرتے جاؤ یہ لوگ جھوٹے

[۱] جامع ترمذی باب ما جاء مالا دنی اهل الجنة من الکرامة ص ۹۳ ج ۲ [۲] صحیح بخاری باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ ص ۹۴۸ ج ۲ و صحیح مسلم باب فضل مجالس الذکر ص ۳۴۴ ج ۲۔

[۳]

فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا

میں بھی تمھارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں ۔ کیا اُن کی عقلیں یہی سکھاتی ہیں اُن کو

أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾

یا لوگ شرارت پر ہیں ۔ یا کہتے ہیں یہ بات بنا لایا کوئی نہیں پر اُن کو یقین نہیں

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ

پھر چاہیے کہ لے آویں کوئی بات اِسی طرح کی اگر وہ سچے ہیں ۔ کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی

غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ

آپ یا وہی ہیں بنانے والے یا اُنھوں نے بنائے آسمان اور زمین

ہیں ۔ اللہ نے اپنے فضل سے تم کو نبوت کی نعمت دی ہے ۔ تم اللہ کے رسول ہو ۔ عرب میں شاعر بہت ہوتے تھے اور عرب کا یہ بھی ایک دستور تھا کہ ہجو کے ڈر سے شاعروں کے منہ پر اُن کی مذمت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ جن شاعروں کو مخالف سمجھتے تھے ان شاعروں کی موت کی تمنا کیا کرتے تھے ۔ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر خیال کر کے اپنی قوم کے دستور کے موافق آپ کی وفات کا انتظار کیا کرتے تھے ۔ اس لیے فرمایا کہ اپنے گمان میں یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا عقلمند گنتے ہیں ۔ اُن کی عقل میں اتنی بات نہیں آتی کہ یہ اللہ کا کلام نہ ہوتا تو یہ لوگ جو عرب کے فصیح لوگوں میں کہلاتے ہیں اُس کے موافق کچھ کلام بنانے سے عاجز کیوں ہو جاتے ۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اِن لوگوں سے کہہ دو کہ غیب کا یہ حال تو کسی کو معلوم نہیں کہ کس کی موت کب آنے والی ہے ۔ لیکن اے رسول اللہ کے اِن لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم لوگ میری موت کا انتظار کرو میں تمھاری موت کا انتظار کرتا ہوں ، انجام ہر ایک کا معلوم ہو جائے گا ۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اللہ کے رسول کی موت کے انتظار کرنے والے بدر کی لڑائی میں ختم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کے بعد اپنے رسول کی جو مدد کی اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اسلام کی جو کچھ ترقی ہوئی وہ ظاہر ہے ۔ عرب میں مکہ کے لوگ بڑے عقلمند کہلاتے تھے اس لیے یہ بھی فرمایا کہ اُن کی عقلوں نے یہی اُن کی رہبری کی ہے کہ یہ دیوانوں کی سی باتیں کرتے ہیں کبھی اللہ کے رسول کو دیوانہ کہتے ہیں اور کبھی شاعر حالانکہ دیوانہ وہ ہے جو معمولی باتیں بھی ڈھنگ سے نہیں کرتا ۔ اور شاعر غیر معمولی دور دور کی باتوں کی تک بندی کرتا ہے ۔ پھر فرمایا کہ شیطان کے بہکانے سے بہک کر یہ لوگ حد سے زیادہ سرکش ہو گئے ہیں ۔ اور مر کر پھر جینے کا اُن کو یقین نہیں ، اس واسطے یہ لوگ ایسی خلاف عقل باتیں کرتے ہیں ۔ کاہن جاہلی زمانہ میں وہ لوگ تھے جو جنات کی نذر نیاز کرتے تھے ۔ اور وہ جنات چوری سے آسمان پر کی کچھ باتیں سن کر اُن کاہنوں سے آ کر کہہ دیتے تھے اور وہ آیندہ کی جھوٹ سچ خبریں لوگوں کو بتایا کرتے تھے ۔

۳۵ تا ۴۳ ۔ قد افلح المؤمنون میں گزر چکا ہے کہ مشرک لوگ اللہ کے خالق اور رزاق ہونے کے قائل تھے

بَلْ لَّا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ

کوئی نہیں یہ یقین نہیں کرتے کیا اُن کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی

الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ

داروغہ ہیں۔ کیا اُن پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر سُن آتے ہیں تو لے آئے

مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾

جو سنتا ہے اُن میں ایک سند کھلی کیا اُس کے یہاں بیٹیاں اور تمھارے یہاں بیٹے۔

صرف اللہ کی توحید میں اِن لوگوں نے فتور ڈال رکھا تھا۔ اس لیے اللہ کے خالق اور رازق ہونے میں متبنی آیتیں قرآن شریف میں ہیں سب استفسار کے طور پر ہیں (مثلاً ھل من خالق غیر اللہ وغیرہ)۔ یہ استفسار ایسی جگہ پر ہوتا ہے جہاں کسی واقف کار آدمی سے اُس کے قائل کرنے کے لیے پوچھا جائے کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ یہ بات یوں ہے۔ ان آیتوں میں اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ اگرچہ اللہ کے خالق و رازق ہونے کے قائل ہیں مگر جب اللہ کے حکم کو نہیں مانتے تو اُن کی سرکشی تو یہ جتلاتی ہے کہ یا تو یہ لوگ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا انھوں نے اپنے آپ کو خود پیدا کر لیا ہے۔ یہ لوگ دُنیا میں بڑے عقلمند کہلاتے ہیں۔ ان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ کوئی کام بغیر کسی کام کے کرنے والے کے نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ خود بخود کیونکر پیدا ہو گئے۔ اسی طرح پیدا ہونے سے پہلے یہ لوگ بالکل معدوم تھے۔ پھر معدوم شخص اپنے آپ کو کیونکر موجود کر سکتا ہے۔ جب یہ دونوں باتیں عقل کے خلاف ہیں اور اللہ کے خالق رازق ہونے کے یہ لوگ قائل ہیں تو اللہ کے رسول بھی تو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ جو تمھارا خالق و رازق ہے اُس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ پھر فرمایا اللہ کے خالق و رازق ہونے کی شہادت میں تو آسمان و زمین اِن لوگوں کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ اُنھوں نے یا اُن کے جھوٹے معبودوں نے کوئی آسمان و زمین پیدا کیا ہو تو لائیں دکھلائیں۔ اصل یہ ہے کہ اُن کے جی میں عقبیٰ کا یقین نہیں ہے ورنہ اپنی عاقبت یہ ایسی خراب نہ کرتے۔ پھر فرمایا اللہ کے رسول کی بد دُعا سے اِن پر رزق کی تنگی ہوئی اور سخت قحط پڑا وہ تو اُن کو معلوم ہے اِن کے یا اِن کے جھوٹے معبودوں کے اختیار میں اللہ تعالیٰ کے خزانے تھے یا اللہ تعالیٰ کے انتظام کی داروغائی ان کو یا اُن کے جھوٹے معبودوں کو تھی تو پھر اُنھوں نے اس قحط کو کیوں نہیں رفع کیا۔ جب اُن کے جھوٹے معبودوں سے اتنا بھی نہ ہو سکا تو پھر ان کو اللہ کے شریک ٹھہرانے کا کیا حق ہے۔ صحیحین میں عبداللہ بن مسعود کی روایت سے اس قحط کے قصہ کا ذکر آیا ہے۔ پھر فرمایا جس شرک کو اُنھوں نے حق اور ملت ابراہیمی ٹھہرا رکھا ہے۔ اللہ نے جو اپنے رسول پر آسمان سے وحی بھیجی ہے اُس میں تو اُس کی جا بجا مذمت ہے۔ پھر اُن کے پاس کوئی آسمان تک سیڑھی ہے جس سے آسمان پر چڑھ کر اُنھوں نے یہ جان لیا کہ جس

لے صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الدخان ص ۷۱۴ ج ۲۔

أَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ أَجۡرًا فَهُم مِّن مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمۡ عِندَهُمُ
کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ نیگ سو اُن پر چٹی کا بوجھ ہے۔ کیا اُن کو خبر ہے

ٱلۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُونَ ﴿٤١﴾ أَمۡ يُرِيدُونَ كَيۡدًاۖ فَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ
چھپی کی سو وہ لکھ رکھتے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا سو جو منکر ہیں

هُمُ ٱلۡمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ أَمۡ لَهُمۡ إِلَٰهٌ غَيۡرُ ٱللَّهِۚ سُبۡحَٰنَ ٱللَّهِ عَمَّا
وہی آتے ہیں داؤ میں کیا اُن کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوائے وہ اللہ نرالا ہے اُن کے

يُشۡرِكُونَ ﴿٤٣﴾
شریک بتانے سے۔

طریقہ پر یہ لوگ ہیں وہ حق ہے مگر ایسا ہے تو اُس کو تابع کیا جائے ورنہ اللہ کے رسول کی نصیحت کو مان کر شرک کو چھوڑا جائے۔ پھر فرمایا اِن لوگوں کو اپنی عقل پر یہاں تک بھروسہ ہے کہ اپنی عقلی باتوں سے آسمانی وحی کے مقابلہ کو مستعد ہیں۔ کیا عقلمند ایسے ہی ہوتے ہیں کہ اپنی اولاد میں جب بیٹی ہو تو اُس کو بُرا سمجھتے ہیں، اور اللہ کے فرشتوں کو یہ لوگ اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا اللہ کے رسول اللہ کا حکم سنانے پر اُن لوگوں سے کچھ اُجرت مانگتے ہیں کہ اُس چٹی کے بوجھ سے یہ لوگ اللہ کا حکم سننے سے بھاگتے ہیں۔ پھر فرمایا کیا اُن کے پاس لوحِ محفوظ ہے کہ اُس میں سے اللہ کی مرضی کی باتیں یہ لکھ لیتے ہیں اور اُن کو اپنا دین ٹھہراتے ہیں اور وحی آسمانی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے رسول پر جو دین کی باتیں اترتی ہیں اُن کو نہیں مانتے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ جو اللہ کے رسول کی وفات کے منتظر ہیں تو کیا اللہ کے رسول کے ساتھ کوئی ایسا فریب کرنے والے ہیں جس سے اللہ کے رسول کو کچھ ضرر پہنچے گا۔ اگر ایسا کریں گے تو یہ بات ان لوگوں کو یاد رہے کہ ان کا وہ فریب اُن ہی پر اُلٹ پڑے گا۔ اللہ کے رسول کو کچھ ضرر اُس سے نہ پہنچے گا۔ یہ آیت قرآن شریف کے کلام الٰہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی دلیل ہے کیونکہ یہ سورہ انفال میں گزر چکا ہے کہ قریش نے دار الندوہ میں جمع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تلواروں سے وار کرنے کا فریب جو سوچا تھا وہ عین ہجرت کی رات کا مشورہ تھا۔ اور یہ آیت ہجرت سے پہلے کی مکّی ہے۔ ہجرت کی رات کے بعد جو حصّہ قرآن شریف کا نازل ہوا وہ مکّی نہیں کہلاتا۔ غرض ہجرت کی رات جو کچھ ہونے والا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی خبر اس مکّی آیت میں پہلے سے ہی دی ہے جو ایک معجزہ ہے۔ سورۂ انفال میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ قریش کے جتنے آدمی اس دار الندوہ کے مشورہ میں شریک تھے بدر کی لڑائی میں وہ سب مارے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو فرمایا تھا کہ اللہ کے رسول کے مخالفوں کا فریب اُن ہی پر اُلٹ پڑے گا۔ آخر کو ویسا ہی ہوا کہ بجائے اس کے کہ وہ مخالف لوگ اللہ کے رسول پر تلواروں کا حملہ کرتے خود اُن ہی مخالفوں پر تلواروں کا حملہ ہو کر وہ سیدھے جہنم کو چلے گئے۔ پھر

وَاِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ

اور اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے گرتا کہیں بدلی ہے گاڑھی سو تو چھوڑ دے اُن کو

حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ كَیْدُهُمْ

جب تک ملیں اپنے دن سے جس میں اُن پر کڑکا پڑے گا۔ جس دن کام نہ آئے گا اُن کو اُن کا داؤ

شَیْـًٔا وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ

کچھ اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی۔ اور اُن گنہگاروں کو ایک مار ہے اس سے ورے

فرمایا کیا اللہ کے سوا ان لوگوں کا کوئی جھوٹا معبود ایسا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے اُن لوگوں کو چھڑائے پھر آخیر کو فرمایا اللہ کی شان ان سب شرک کی باتوں سے بالاتر ہے۔ اور مشرک لوگ اپنی اِن شرک کی باتوں کا خمیازہ ایک دن بھگتنے والے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالک کی حدیث اُوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس دوزخی پر کم سے کم دوزخ کا عذاب ہوگا اُس سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اے شخص تیرے پاس ساری دُنیا ہو تو اس کے بدلے میں دے کر اس عذاب سے نجات چاہے گا۔ وہ کہے گا کہ ہاں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے بدنصیب تجھ سے تو دُنیا میں یہ ایک چھوٹی سی بات چاہی گئی تھی کہ تو شرک نہ کیجیو مگر تُو نے نہ مانا۔ اب اللہ کا وعدہ ہے کہ مشرک کی نجات نہیں ہو سکتی۔ یہ حدیث اور اِس قسم کی اور حدیثیں آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر ہیں کہ مشرک کو اللہ کے عذاب سے کوئی چیز نہیں چھڑا سکتی۔

۴۴ تا ۴۸۔ سورۂ انفال میں گزر چکا ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ اگر قرآن اور یہ دین سچا ہے تو اللہ ہم پر آسمان سے پتھروں کا مینہ برسا دے یا کوئی اور عذاب بھیج دے تاکہ اس دین کا سچا پن ہم کو معلوم ہو جائے اور سورۂ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے کہ قریش میں کے چند آدمیوں نے کہا تھا کہ عذاب کے طور پر آسمان کا کوئی ٹکڑا ابھی ہم پر گر پڑے تو بھی اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے۔ غرض قریش کی ایسی ایسی باتوں کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے کہ ان لوگوں کی ڈھٹائی اب یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ قوم عاد یا قوم شعیب کی طرح آسمان پر کوئی عذاب کا بادل کا ٹکڑا بھی اِن کو نظر آئے گا تو جب بھی انھیں عذاب کا یقین نہ آئے گا اور اس عذاب کے بادل کو جس طرح قوم عاد نے معمولی بادل بتلایا تھا ویسا ہی یہ کہیں گے پھر فرمایا کہ جب اِن لوگوں کی سرکشی اس درجے کو پہنچ گئی ہے تو اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ سمجھانے اور نصیحت کرنے کا موقع اب باقی نہیں رہا۔ وقت مقررہ آنے کی دیر ہے پھر ان کو ان کی سرکشی کی سزا مل جائے گی۔ دُنیا میں کچھ عذاب ان پر آئے گا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ عذاب آخرت میں گرفتار رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے دُنیا کا عذاب بدر کی لڑائی میں آیا کہ ستر آدمی بڑے بڑے سرکش قریش کے بڑی ذلت اور خواری سے اس لڑائی میں مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور ہر ایک شخص کی آنکھیں تو اس قابل نہیں ہیں کہ وہ دُنیا کی آنکھوں سے عذاب آخرت کو دنیا میں دیکھ سکے مگر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سرکشوں کے عذابِ آخرت کا حال

۱؎ صحیح مسلم باب فی الکفار ص ۳۷۴ ج ۲

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ
پر بہت اُن کے نہیں جانتے ۔ اور تو ٹھہرا رہ اپنے رب کے حکم پر تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع
اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں جس وقت اٹھتا ہے اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیٹھ دیتے وقت تاروں کے ۔

بھی دنیا میں دکھلا دیا۔ اسی واسطے آپ نے اُن سرکشوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کا وعدہ سچا پا لیا۔ چنانچہ مسند امام احمد صحیح بخاریؒ و مسلم میں انس بن مالک کی روایت میں اس قصہ کا ذکر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تسلی فرمائی کہ اگر ان لوگوں کی یہی سرکشی باقی رہی تو عذاب آخرت سے پہلے اُن پر کوئی دُنیا کا عذاب آ جائے گا وقت مقررہ تک حکم الٰہی کا انتظار اور اُس وقت تک صبر کرنا چاہیے۔ بدر کی لڑائی کے وقت اس وعدہ کا ظہور ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے اللہ تعالیٰ نے جتلا دیا تھا کہ اس بدر کی لڑائی میں قریش پر آفت آئے گی۔ چنانچہ صحیح مسلمؒ میں انس بن مالک کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ بتلا دی تھی کہ یہاں ابوجہل کی لاش پڑی ہوگی اور یہاں فلاں شخص کی۔ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ اللہ کے ان مخالفوں سے تمہاری جان کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ یہاں مکی سورۃ میں تو مختصر طور پر فرمایا۔ پھر مدنی سورہ سورۂ مائدہ میں صراحت سے فرمایا۔ واللہ یعصمك من الناس۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے فرما دیا تھا کہ میری جان کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ حضرت عائشہؓ کی ترمذیؒ اور مستدرک حاکم کی روایت میں اس کا ذکر ہے۔ اگرچہ ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے مگر حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۴۸ تا ۴۹ - ابو جعفر بن جریرؒ نے کھڑے ہونے کی تفسیر سوتے سے اٹھنے کے وقت کی کی ہے اور اس تفسیر کی تائید اُن صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے جو صحاحؒ میں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوتے سے اٹھ کر اکثر اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو کوئی سوتے سے اٹھ کر اللہ کی توحید بیان کرے اور پھر دُعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اُس شخص کی دُعا قبول فرماتا ہے۔ سفیانؒ ثوری اور سلف نے کھڑے ہونے کی تفسیر کسی مجلس سے اٹھنے کی کی ہے اور دُعا کفارۃ المجلس کی حدیث جو ترمذیؒ وغیرہ میں ہے۔ اس تفسیر کی تائید میں پیش کی ہے جس کو ترمذی نے صحیح کہا ہے لیکن حقیقت میں بات یہ ہے کہ آیت کا مطلب عام ہے اور دونوں قسم کی حدیثیں آیت کی تفسیر قرار پا سکتی ہیں رات کی تسبیح کی تفسیر اکثر مفسروں نے تہجد کی اور تاروں کے ڈوبنے کے وقت کی تسبیح کی تفسیر صبح کی دو سنت رکعتوں کی کی ہے۔ صحیحینؒ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نفل نمازوں میں سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی دو سنتوں کا خیال رہتا تھا۔ فقہ حنبلی میں اسی سبب سے لکھا ہے کہ یہ دونوں رکعتیں واجب ہیں۔ اس پر اور علماء نے

۵۱ صحیح بخاری باب قتل ابی جہل ص ۵۶۶ ج ۲ ۵۲ صحیح مسلم۔ باب غزوہ بدر ص ۱۰۲ ج ۲ ۵۳ تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۵ ج ۴ ۵۴ صحیح بخاری باب فضل من تعار من اللیل فصلی ص ۱۵۵ ا و تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۵ ج ۴ ۵۵ تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۵ ج ۴ ۵۶ جامع ترمذی باب ما جاء فی القوم یجلسون ولا یذکرون اللہ ص ۱۹۶ ج ۲ ۵۷ صحیح بخاری باب تعاهد رکعتی الفجر الخ ص ۱۵۶ ج ۱۔

آیاتہا ۶۲ (۵۳) سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ (۲۳) رکوعاتہا ۳

یہ سورت اکثر سلف کے نزدیک مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

قسم ہے تارے کی جب گرے بہکا نہیں تمھارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا۔ اور نہیں بولتا اپنے

الْهَوٰى ﴿۳﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ

چاؤ سے یہ تو حکم ہے جو پہنچتا اس کو سکھایا سخت قوت والے نے زور آور نے

صحاح کی اس حدیث کے مضمون کے موافق اعتراض کیا ہے۔ جس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کو آپ نے رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا۔ اس شخص نے کہا کہ میں اس سے زیادہ کوئی نماز نہ پڑھوں گا۔ آپ نے فرمایا اس سے زیادہ نفلی نماز ہے جس کے پڑھنے نہ پڑھنے کا تجھ کو اختیار ہے۔ اس حدیث سے علما نے وتر کے واجب ہونے کے قول کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

۱ تا ۳۰۔ تاروں کے ڈوبنے کے وقت کی قسم میں جو کچھ قدرت کا بھید ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن اتنا تو ظاہر ہے کہ جس طرح انسان کا سونا جاگنا، ہر سال کھیتی کا کٹ جانا اور اسی بیج سے دوسرے سال پھر پیداوار کا ہو جانا وغیرہ۔ جہاں یہ سب چیزیں اللہ کی قدرت اور حشر کا نمونہ ہیں۔ اسی طرح تاروں کا وقت مقررہ پر نکلنا اور وقت مقررہ پر چھپ جانا یہ بھی اس کی قدرت اور حشر کا ایک نمونہ ہے۔ چنانچہ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی نمونہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ ضال وہ شخص ہے جو جہل کے سبب سے بہکا ہوا ہو۔ غاوی وہ جو جان بوجھ کے حق بات کو چھوڑ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی اہلِ مکہ میں پلے، بڑے ہوئے اور نبوت سے پہلے اہلِ مکہ آپ پر دیوانگی یا جھوٹ کا کوئی الزام نہیں لگاتے تھے۔ اسی واسطے فرمایا کہ یہ اللہ کے رسولؐ جو تم لوگوں کے ہمیشہ کے رفیق ہیں اور تم کو ان کا حال ہر طرح کا خوب معلوم ہے۔ نہ وہ دیوانے ہیں نہ ملتِ ابراہیمی سے کچھ بے راہ ہوئے ہیں نہ اپنی ذاتی غرض سے انھوں نے خود یہ قرآن بنایا ہے بلکہ آسمانی وحی کے ذریعہ سے اللہ کا جو حکم ان کو پہنچا ہے وہی تم کو وہ سناتے ہیں۔ اب بعد اس کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حال فرمایا کہ وہ بڑے صاحب قوت ہیں۔ ان کی قوت کے سبب سے وحی کے لانے اور اللہ کے رسول تک پہنچانے میں شیطان کا کچھ دخل نہیں ہے۔ کیونکہ جبرئیل علیہ السلام کی قوت سے شیطان ڈرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ انفال میں گزر چکا ہے کہ بدر کی لڑائی کے وقت پہلے تو شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں مشرکین کے لشکر میں موجود رہا۔ جب لشکرِ اسلام کی مدد کو فرشتے آئے اور شیطان نے جبرئیلؑ کو پہچانا تو بھاگ گیا۔ قومِ لوط کے قصے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت کا ذکر گزر چکا ہے کہ انھوں نے قومِ لوط کے لاکھوں آدمیوں کے رہنے کی چار بستیاں

فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارے آسمان کے پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر
اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ
یا اس سے بھی نزدیک۔ پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا جھوٹ نہیں کہا دل نے جو دیکھا اب کیا تم اس سے جھگڑتے
عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا
ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔ اور اس کو اس نے دیکھا ہے ایک دوسرے اتارے میں پرلے حد کی بیری پاس اس پاس ہے

اپنے ایک پر پر اٹھا کر آسمان تک ان کو بلند کیا اور پھر ان کو الٹ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دو دفعہ دیکھا ہے۔ ایک دفعہ شروع نبوت میں جو وحی کے رک جانے کا زمانہ تھا۔ اور دوسری دفعہ معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ان دونوں دفعہ کا ذکر ان آیتوں میں ہے پہلی دفعہ کے دیکھنے اور دوسری دفعہ کے دیکھنے میں دس برس کے قریب کا آگا پیچھا ہے۔ اذا الشمس کورت معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے اسی لیے اس میں فقط پہلی دفعہ کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ اور یہ سورت معراج کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس میں دونوں دفعہ کا ذکر ہے۔ پہلی دفعہ کے دیکھنے کا مختصر قصہ یہ ہے کہ اقرأ کی اوّل آیتیں مالم یعلم تک نازل ہونے کے بعد تین برس کے قریب تک وحی بند رہی جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج تھا۔ اس رنج کے زمانہ میں آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں آسمان کے مشرقی کنارے پر دیکھا۔ مشرقی کنارہ آسمان کا وہ ہے جہاں سے سورج نکلتا ہے۔ یہ کنارہ اس کنارے سے بلند ہے جہاں سورج غروب ہوتا ہے اس لیے اس کو اونچا کنارہ فرمایا۔ صحیح مسلم[۵۱] میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے رک جانے کے تذکرہ میں فرمایا کہ اسی زمانہ میں پہلے جو فرشتہ میرے پاس مقام حرا میں آیا تھا اس کو میں نے زمین اور آسمان کے مابین میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا جس سے میں ڈر کر زمین پر گر پڑا۔ ایک دفعہ دو تین دن کے لیے وحی اور بھی رک گئی ہے جس کے بعد سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی ہے وہ وحی کا رکاؤ اس کے علاوہ ہے۔ بعضے راویوں کو ان دونوں رکاؤ میں دھوکا ہو گیا ہے۔ صحیح بخاری[۵۲] و مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا تو حضرت جبرئیلؑ کے چھ سو پر تھے۔ فاستویٰ وھو بالافق الاعلیٰ کا مطلب وہی ہے جو جابر بن عبداللہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین و آسمان کے مابین میں آسمان کے مشرقی کنارہ پر جبرائیل علیہ السلام کو ایک کرسی پر سیدھا بیٹھے دیکھا۔ ثم دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنی فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ کا مطلب قتادہ[۵۳] وغیرہ مفسرین کے مشہور قول کے موافق یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آدمی کی صورت میں اس آسمان کے مشرقی کنارہ سے

[۵۱] صحیح مسلم باب بدأ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۹۰ ج ۱ [۵۲] صحیح مسلم باب ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ الخ ص ۹۸ ج ۱ و صحیح بخاری تفسیر سورۃ النجم ص ۷۲۰ ج ۲ [۵۳] تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۹ ج ۴۔

جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ۭ۱۵ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝۱۷

بہشت رہنے کی جب چھا رہا تھا اُس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا بہکی نہیں نگاہ اور حد سے نہیں بڑھی

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝۱۹ وَمَنٰوةَ

بیشک دیکھے اُس نے اپنے رب کے بڑے نمونے بھلا تم دیکھو تو لات اور عزّیٰ اور منات

الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝۲۰ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝۲۱ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝۲۲

تیسرا پچھلا کیا تم کو بیٹے اور اُس کو بیٹیاں تو تو یہ بانٹ بھونڈا۔

اتر آئے اور زمین پر اتر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے نزدیک آگئے کہ فقط دو گز یا اُس سے بھی کم کا فرق رہ گیا۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق وحی پہنچائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق جس کو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں معتبر سند سے روایت کیا ہے۔ یہاں قاب کے معنے مقدار کے ہیں اور قوس کے معنے گز کے۔ بعضے مفسروں نے آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا نزدیک ہوا کہ فقط دو گز یا اس سے بھی کم کا فرق رہ گیا۔ یہ تفسیر انس بن مالکؓ کی اُس حدیث کی بنا پر ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں شریک بن عبداللہ کی روایت سے ہے۔ لیکن زہری قتادہ وغیرہ ثقہ لوگوں نے انس بن مالکؓ کی شریک بن عبداللہ کی روایت کے برخلاف روایت کیا ہے۔ اس لیے شریک بن عبداللہ کی روایت کی صحت میں علماء کو کلام ہے۔ ما کذب الفؤاد ما رأى کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری آنکھوں سے دو دفعہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک قوت بصارت جو پیدا کی تھی اُس دل کی بصارت سے آپ نے اللہ تعالیٰ کو دو دفعہ دیکھا۔ اب تم کیا اس سے جھگڑتے ہو اُس پر جو اُس نے دیکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ معراج سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی اصلی صورت میں دیکھا تھا اُس کا اور معراج کا مشرکین مکہ انکار کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی تنبیہ فرمائی کہ بیت المقدس کی جن چیزوں کا حال تم لوگوں نے پوچھا اللہ کے رسولؐ نے وہ سب حال تم سے صحیح صحیح بیان کر دیا جس کو تم لوگ جھٹلا نہ سکے۔ پھر اللہ کے رسولؐ اللہ کی قدرت سے عادت کے خلاف جس طرح ایک دم میں بیت المقدس پہنچ گئے اور بیت المقدس کی سب چیزوں کو دیکھا، اسی طرح اُس رات میں آسمان کے عجائبات بھی انھوں نے دیکھے۔ اُن کی دیکھی ہوئی چیزوں کو اوپری باتوں کے جھگڑے نکال کر جو تم لوگ جھٹلاتے ہو یہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بیت المقدس کی حالت نے تمھاری سب اوپری باتوں کی جڑ اُکھیڑ دی ہے۔ اب تمھارا کیا منہ ہے کہ تم دیکھی ہوئی باتوں کے مقابلہ میں اوپری باتوں سے جھگڑا نکال سکو۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی اور باتوں کی تصدیق کیلیے

لہ تفسیر الدر المنثور ص ۱۲۳ ج ۶، ۲ صحیح بخاری باب قول اللہ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما ص ۱۱۲۰ ج ۲ ۳ تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۹ ج ۴ و صحیح مسلم باب ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ ص ۹۸ ج ۱ ۴ صحیح مسلم باب الاسرا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ ص ۹۶ ج ۱۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ
یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ نے نہیں اتاری اُن کی کوئی سند

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى (۲۳)
نہیں وہی نری اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیوں کے چاؤ ہیں اور پہنچی اُن کو اُن کے رب سے راہ کی سوجھ

أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّى (۲۴) فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَى (۲۵) وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ
کہیں آدمی کو ملتا ہے جو چاہے سو اللہ کے ہاتھ ہیں پچھلی اور پہلی اور اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں

ع ۲۵

اپنی دیکھی ہوئی بیت المقدس کی چند چیزوں کا حال جب قریش نے مجھ سے پوچھا تو مجھ کو اس بات کا خیال ہوا کہ صرف معراج کی رات ایک ہی دفعہ میں نے بیت المقدس کو دیکھا ہے اور یہ لوگ بارہا اُدھر کا سفر کر چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ میری یاد میں اور ان کے دیکھنے میں کچھ اختلاف پڑ جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اُس وقت بیت المقدس کو میری نظروں کے سامنے کر دیا اور میں نے قریش کی سب باتوں کا جواب اس طرح دے دیا کہ وہ کسی بات کو جھٹلا نہ سکے۔ اس آیت میں قریش کے قائل کرنے کا مختصر جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔ بیت المقدس کی حالت کی تصدیق کے بعد اہلِ مکہ کو معراج کی باتوں کے جھٹلانے کا موقع باقی نہیں رہا تھا اس لیے معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہٰی کے پاس جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی اصلی صورت میں جو دیکھا تھا اُس کا ذکر فرمایا تاکہ اہلِ مکہ جان لیں کہ جس طرح معراج کی رات کا جبرئیل علیہ السلام کا دیکھنا ہے ویسا ہی اُس سے پہلے کا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی کا یہ نام پرلی حد کی بیری اس لیے قرار پایا کہ اس بیری کی پرلی طرف کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ فرشتوں کی معلومات کی یہ بیری کا پیڑ گویا حد ہے۔ اکثر روایتوں کے موافق یہ بیری کا پیڑ ساتویں آسمان پر ہے۔ بعضی روایتوں میں چھٹے آسمان پر جو اس کا ذکر ہے بعضے علماء نے تو اس کو راوی کا سہو بتلایا ہے۔ بعضوں نے دونوں روایتوں میں یوں مطابقت کی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر ہے اور ٹہنیاں ساتویں آسمان پر ہیں۔ ماویٰ رہنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس جو جنت ہے وہ جبرئیل علیہ السلام کے رہنے کی جگہ ہے اور شہیدوں کی روحیں بھی اُسی میں رہتی ہیں اس لیے اس جنت کا نام جنت الماویٰ ہے۔ اس بیری کے پیڑ پر طرح طرح کے رنگ تھے ان کو تو آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں وہ کیا رنگ اور کس چیز کے تھے۔ اُس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا اُس کو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک طرح کے سنہری جانور اور فرشتے تھے پھر فرمایا اللہ کے حکم سے جن چیزوں نے اُس بیری کے درخت کو ڈھانک رکھا ہے اور اُس ڈھانکنے سے جو زینت اور خوبی اُس بیری کے پیڑ میں پیدا ہو گئی ہے اُس کا بیان کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ یہ سب باتیں اس بیری کے متعلق صحیح[1] حدیثوں میں ہیں اور وہ حدیثیں آیت کی گویا تفسیر ہیں آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استقلال کا ذکر فرمایا ہے کہ اگرچہ آپ نے آسمانوں پر جنت دوزخ اور بہت سے عجائبات دیکھے مگر اصلی خیال آپ کا رسالت کے کام کی طرف متوجہ رہا۔ اس لیے اِن عجائبات کی طرف آپ کی نظر زیادہ مائل نہیں ہوئی چنانچہ جو توجہ آپ نے

[1] صحیح مسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۹۱ ج ۱ و باب ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ ص ۹۷ ج ۱ و صحیح بخاری باب المعراج ص ۵۴۹ ج ۱۔

لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى ﴿٢٦﴾

کام نہیں آتی اُن کی سفارش کچھ مگر جب حکم دے اللہ جس کے واسطے چاہے اور پسند کرے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ

اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے زنانے نام اور اُن کو اس

بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾

کی کچھ خبر نہیں۔ نری اٹکل پر چلتے ہیں۔ اور اٹکل کام نہ آوے ٹھیک بات میں کچھ

۵۰ نمازوں کے معاف کرانے میں حضرت موسیٰؑ کے مشورہ کے موافق مصروف کی وہ توجہ عجائبات کے دیکھنے میں نہیں کی اب جن مفسروں نے یہ لکھا ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی اصلی صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا، یہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت اس کے مخالف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں خود اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ امام نوویؒ اور امام حافظ ابن خزیمہؒ وغیرہ نے حضرت عائشہؓ کے قول پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کوئی مرفوع حدیث اس باب میں اپنے قول کی تائید میں ذکر نہیں کی۔ اسی واسطے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے مقابلہ میں حضرت عائشہؓ کا قول مقبول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تفسیر کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کا زیادہ اعتبار ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام نووی کے اس اعتراض پر بڑا تعجب ظاہر کیا ہے اور حقیقت میں تعجب کی بات ہے کہ خود صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت کی مرفوع حدیث موجود ہے اور امام نووی نے اس حدیث کی شرح بھی کی ہے۔ جس حدیث کا حاصلؒ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اُمت کے سب لوگوں سے پہلے میں نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کو پوچھا اور آنحضرت نے فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ کو جو میں نے اصلی صورت میں دیکھا سورۂ نجم میں اُسی کا ذکر ہے پھر باوجود اس کے امام نوویؒ نے حضرت عائشہؓ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت عائشہ سے کوئی مرفوع روایت اس باب میں نہیں ہے۔ یہی وجہ حافظ ابن حجر کے تعجب کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس کے قولوں کے اختلافات کو یوں رفع کر دیا ہے کہ صحیح مسلمؒ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایتیں ہیں اُن میں اُنھوں نے صاف بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایک قوت بصارت پیدا کی تھی اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی معمولی آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے نہ دیکھنے میں حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں متفق ہیں۔ رہا خاص معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنا، یہ اکثر سلف کی روایتوں سے نہیں پایا جاتا۔ حافظ ابن قیمؒ نے زادالمعاد میں اس مسئلہ کا

۵۱ صحیح مسلم مع شرح نووی ص ۹۷ ج ۱ ۵۲ ۵۳ صحیح مسلم باب ولقد راٰہ نزلۃ اخری ص ۹۸ ج ۱

۵۴ صحیح مسلم باب ولقد راٰہ نزلۃ اخری ص ۹۸ ج ۱ ۵۵

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی۟ۙ عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِکَ

سوتو دھیان نہ کر اُس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دُنیا کا جینا۔ یہاں ہی تک

مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ

پہنچی ہے اُن کی سمجھ تحقیق تیرا رب ہی بہتر جانے جو بہکا اُس کی راہ سے اور وہی بہتر جانے

بِمَنِ اهْتَدٰی ﴿۳۰﴾

جو آیا راہ پر۔

یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس سورۃ میں تو جبرئیلؑ علیہ السلام کی قربت اور رؤیت کا ذکر ہے لیکن معراج کی حدیثوں میں اللہ تعالیٰ کی قربت اور رؤیت کا ذکر ہے۔ معراج کی حدیثیں سورۂ بنی اسرائیل میں گزر چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے معراج کا اور معراج کی رات آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرح طرح کی نشانیاں جو دیکھیں اُس کا ذکر فرمایا اور پھر قریش میں کے بت پرست لوگوں کی بتوں کی مذمت فرمائی اور فرمایا اللہ کے رسول جو نصیحت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اللہ کے حکم کے موافق ہے۔ اللہ کے حکم میں کہیں بت پرستی کی اجازت نہیں ہے۔ شیطان کے بہکانے سے ان بت پرستوں نے یہ بُت پرستی اپنی طرف سے تراش لی ہے۔ پھر آخر کو نتیجہ کے طور پر یہ فرمایا کہ ان لوگوں کی دانائی کا یہ حال ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتلاتے ہیں اور جس خدا نے سب کچھ پیدا کیا اُس خدا کی عبادت میں اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں کو شریک کرتے ہیں اور اگرچہ آسمانوں کا حال اُن کو معلوم نہیں لیکن جب اللہ کے رسولؐ نے تفصیلی حال معراج کا اور آسمانوں کا بیان کیا تھا تو اُن کو عقل دوڑانی چاہیے تھی کہ بغیر تائید غیبی کے اس طرح غیب کا حال کون بیان کر سکتا ہے۔ لیکن بجائے اس عقل دوڑانے کے انھوں نے یہ کیا کہ ملک شام اور مسجد بیت المقدس کی جو چیزیں ان لوگوں کی دیکھی ہوئی تھیں اور اللہ کے رسول نے معراج کے سفر میں سے ان چیزوں کا مفصل حال ان لوگوں سے بیان کر دیا۔ جب بھی ان لوگوں نے نافہمی سے معراج کو سچا نہ جانا اور طرح طرح کے وہم اور گمان کے شبہات اُس میں نکالتے رہے۔ آخر کو فرمایا کہ راہ پر آنے والوں کو اور گمراہ ہونے والوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ یہ کچھن ان لوگوں کی گمراہی کے ہیں۔ اے رسول اللہ کے تم کو ان لوگوں کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرنا چاہیے۔ یوں تو مکہ میں کچھ اوپر تین سو بُت تھے جن کی پوجا ہوتی تھی لیکن جن تین بتوں کا نام ان آیتوں میں ہے یہ زیادہ مشہور تھے اس لیے ان ہی کا ذکر فرمایا جس میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ کی قدرت کی تو سینکڑوں نشانیاں اللہ کے رسولؐ نے آسمانوں پر معراج میں دیکھیں اور ہزاروں نشانیاں زمین پر سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ان بتوں نے کیا پیدا کیا جو یہ بت پرست لوگ ان بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اوّل تو مشرکین مکہ قیامت کے قائل ہی نہ تھے لیکن قیامت کا قایم ہونا فرضی طور پر مان کر یہ کہتے تھے کہ اگر قیامت قائم ہوئی بھی تو جن بتوں کو ہم پوجتے ہیں۔ یہ نیک لوگوں کی مورتیں ہیں وہ نیک لوگ ہماری شفاعت کر کے ہم کو دوزخ کے عذاب سے چھڑائیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان تو انسان اللہ کے فرشتے جو ہر وقت اللہ کی جناب میں حاضر رہتے ہیں،

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ

اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں تاکہ وہ بدلہ دے برائی والوں کو ان کے کیے کا اور بدلہ دے

الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا

بھلائی والوں کو بھلائی سے جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر

وہ بھی مشرک کی شفاعت نہیں کر سکتے کیونکہ شفاعت کے لیے اللہ کی اجازت ضروری ہے۔ مشرک کی شفاعت کیلئے اللہ کی اجازت ممکن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرما چکا ہے کہ جو مشرک بغیر توبہ کے مر جائے گا اس کی بخشش نہ ہوگی۔

۳۱ تا ۳۲۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین میں ہر طرح کی حکومت اور بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو بے فائدہ کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا بلکہ اس لیے پیدا کیا ہے کہ اس جہان کے بعد پھر دوسرا جہان پیدا کیا جائے اور اس میں نیک و بد کی جزا و سزا کی جائے۔ پھر نیکیوں کی نشانیاں بتلائیں کہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ کبیرہ گناہ کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جس گناہ پر حد شرعی ہے یا عقبیٰ میں جس گناہ پر عذاب کا وعدہ آیا ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔ جس کبیرہ گناہ کی شریعت میں مذمت زیادہ ہے وہ فاحشہ ہے۔ مثلاً ہمسایہ کی عورت سے بدکاری کرنا۔ بہ نسبت عام بدکاری کے اس کی مذمت شریعت میں زیادہ ہے۔ بغرض فاحشہ کو خاص قسم کے گناہوں میں منحصر کر دینا اکثر علماء کے برخلاف ہے۔ جمہور مفسرین نے لفظ لمم کے معنے صغیرہ گناہ کے لیے ہیں اور بعضے مفسروں نے لمم کے معنے گناہ کے ارادہ اور قصد کے بھی کئے ہیں۔ اسی واسطے تینوں ترجموں میں یہاں اختلاف ہے۔ فارسی اور اردو کا مرادی ترجمہ جمہور کے قول کے موافق ہے اور اردو کا لفظی ترجمہ بعضے مفسروں کے قول کے موافق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے صغیرہ گناہ کی تعریف یہ کی ہے کہ جس گناہ پر حد شرعی دنیا میں اور عذاب کا وعدہ آخرت میں نہ ہو وہ گناہ صغیرہ ہے۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جو لوگ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہیں گے اگر ان سے کچھ صغیرہ گناہ ہو تو اور نیک عملوں کے طفیل سے وہ صغیرہ گناہ خود بخود معاف ہو جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا ان الحسنات یذھبن السیئات اور کبیرہ گناہ کر کے کوئی شخص دنیا میں توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور اس کی رحمت بہت بڑی ہے۔ اور کبیرہ گناہ کر کے بغیر توبہ کے کوئی شخص مر جائے گا اور وہ کبیرہ گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا تو بھی اللہ چاہے گا تو بخشش دے گا۔ غرض انسان کے دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے جب اولاد آدم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے نکالا تھا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ یہ گروہ جنتیوں کا ہے اور یہ گروہ دوزخیوں کا۔ اور ہر ایک انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اسی وقت اس کا نیک و بد عمل اور خاتمہ کا حال اللہ کے حکم سے اللہ کا فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ اسی واسطے فرمایا کہ کسی کو اپنے متقی ہونے پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ جس کا انجام اور خاتمہ متقیوں کے ساتھ ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ کو ہی خوب معلوم ہے۔ صحیح مسلم میں زینب بنت ابی سلمہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابیہؓ نے اپنی لڑکی کا نام نیکی رکھا تھا۔ آنحضرت

لہ تفسیر الدر المنثور ص ۱۲۷ ج ۶ ۔ ۲ تفسیر الدر المنثور ص ۱۲۸ ج ۶ ۔ ۳ صحیح مسلم باب استحباب تغییر الاسم القبیح الخ ص ۲۰۸ ج ۲

اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ
کچھ آلودگی بیشک تیرے رب کی بخشش میں سمائی ہے وہ تم کو خوب جانتا ہے جب بنا نکالا تم کو زمین سے اور جب

اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾
تم بچے تھے ماں کے پیٹ میں سو مت بولو اپنی ستھرائیاں وہ بہتر جانتے اس کو جو بچ چلا۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾
بھلا تو نے دیکھا اسے جس نے منہ پھیرا اور لایا تھوڑا سا اور سخت نکلا کیا اس کے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ دیکھتا ہے

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کا نام بدل کر زینب رکھ دیا۔ اور فرمایا جس کا انجام نیک ہونے والا ہے اس کا حال اللہ کو ہی خوب معلوم ہے۔ صحیح بخاری صحیح مسلم، مسند امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی شخص کسی شخص کے نیک اور متقی ہونے کی تعریف کرے تو اس کو چاہیے یہ کہدے کہ میں اپنے گمان میں اس شخص کو نیک اور متقی جانتا ہوں اور اصل حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ترمذی، ابوداؤد، موطا وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت جب جنتی ہونا اور دوزخی ہونا تقدیر الٰہی پر منحصر ہے تو عمل سے آخر کیا فائدہ ہے۔ آپ نے فرمایا جو لوگ علم الٰہی میں جنتی ٹھہر چکے ہیں مرنے سے پہلے وہ کچھ بدعمل بھی کرلیں تو ممکن ہے لیکن خاتمہ اُن لوگوں کا ضرور نیک حالت پر ہوتا ہے۔ اور جو لوگ علم الٰہی میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں بیچ میں وہ لوگ کچھ نیک عمل بھی کرلیں تو ممکن ہے لیکن خاتمہ ایسے لوگوں کا ضرور بُری حالت پر ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شریعت میں خاتمہ کا بڑا اعتبار ہے اور خاتمہ ہی کو علم الٰہی کا نتیجہ شرع میں قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاتمہ سے پہلے متقی ہونے کے غرور سے منع فرمایا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کسی کو اپنا آخری وقت معلوم نہیں کہ موت کب اور کونسی گھڑی آجائے۔ اس واسطے جہاں تک ہو سکے آدمی کو ہر وقت نیک کام میں لگا رہنا چاہیے تاکہ جب آخری وقت ایک دم کے دم میں آجائے وہ بھی نیک حالت کا ہو۔

۳۳ تا ۴۱۔ تفسیر مقاتل تفسیر ابن جریر تفسیر خازن وغیرہ میں جو مجاہد وغیرہ سے روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص ولید بن مغیرہ اسلام کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ اُس کا یہ حال دیکھ کر مشرکین مکہ نے اس کو طرح طرح سے بہکایا اور اُن میں سے ایک شخص نے ولید سے یہ بھی کہا کہ تو مجھ کو اتنے روپے دے اور اسلام سے پھر جا۔ اگر قیامت ہوئی اور اسلام سے پھر جانے کے بدلہ میں تیرے اوپر کچھ عذاب ہوا تو وہ عذاب میں اپنے ذمہ لے لوں گا۔ اس بہکانے سے ولید اسلام سے پھر گیا۔ اور اس بہکانے والے شخص سے جس قدر روپے ٹھہرے تھے اُس میں سے کچھ تو اُس شخص کو دیے اور کچھ روک رکھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اور پہلے تو ولید کے حق میں فرمایا اے رسول اللہ کے اس شخص کا حال دیکھنے کے قابل ہے کہ یہ راہ راست پر آکر اپنی بے وقوفی سے اس سے پھر گیا اور پھر وہ بیوقوفی

سلہ صحیح بخاری باب ماجاء فی قول الرجل ویلک ص ۱۰۱۹ ج ۲ سلہ جامع ترمذی باب ماجاء ان الاعمال بالخواتیم ص ۳۵ ج ۲ سلہ تفسیر الدر المنثور ص ۱۲۹ ج ۶۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

کیا اُس کو خبر نہیں پہنچی جو ہے ورقوں میں موسیٰ کے۔ اور ابراہیم کے جس نے پورا اتارا۔ کہ اٹھاتا نہیں اٹھانے والا بوجھ کسی

اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ

دوسرے کا اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا اور یہ کہ اُس کی کمائی اُس کو دکھائی ہے پھر اس

يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

اُس کو بدلہ دینا ہے اُس کا پورا بدلہ۔

بھی ادھوری چھوڑ دی کہ اُس جھوٹے قرارداد کے روپے بھی پورے ادا نہیں کیے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس قرار داد کی رُو سے بھی اُس نے اپنے آپ کو عذاب سے پورا سبکدوش نہیں کیا اُس کے بعد اُس بہکانے والے شخص کے حق میں فرمایا کہ کیا اس کو علم غیب ہے کہ ایک شخص کا عذاب دوسرا شخص اپنے ذمہ لے لے تو یہ ذمہ داری صحیح ہو جاتی ہے۔ شریعت محمدی کے تو اہل مکہ منکر تھے۔ لیکن سوائے شریعت محمدی کے اہل مکہ کے نزدیک اُس زمانہ میں دو شریعتیں مشہور تھیں ایک تو توراۃ کے موافق شریعت موسوی دوسرے مشرکین مکہ برائے نام اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر کہتے تھے اس لیے فرمایا کہ ان دونوں مشہور شریعتوں میں بھی اس طرح کی ذمہ داری کے صحیح ہونے کا کہیں پتا نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف ان دونوں شریعتوں میں یہ ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کے گناہوں کا بوجھ دوسرا نہ اٹھاوے گا۔ ہر شخص اپنا کیا خود بھگتے گا۔ اور اپنے کیے کا پورا پورا بدلہ پاوے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پوری پوری کی۔ اس لیے ابراھیم الذی وفّٰی فرمایا۔ ابو جعفر ابن جریر نے وفّٰی کے یہی معنے قتادہ وغیرہ کی[1] روایت سے بیان کیے ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔ مفسروں نے وان لیس للانسان الا ماسعٰی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں کافر انسان مقصود ہے۔ کلمہ گو گنہگاروں کی شفاعت کے باب میں جو صحیح حدیثیں ہیں اُن سے اور اس قسم کی اور آیات اور حدیثوں سے اس تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے۔ اس لیے یہی تفسیر صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس تفسیر سے تمام آیات اور احادیث میں مطابقت اچھی طرح ہو جاتی ہے۔ مثلاً اس آیت اور حدیث ابو ہریرہ سے جو سب[2] صحاح کی کتابوں میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی۔ اور استغفار کی اجازت نہیں دی اور آیت والذین جاءوا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ اور حدیث بریدہ جو صحیح مسلم[3] مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قبرستان کی زیارت کے وقت اہل ایمان صاحب قبور کے لیے مغفرت کی دعا کی اجازت دی ہے۔ ان سب آیات اور حدیثوں کو ایک جگہ کیا جائے تو اُن میں ایک طرح کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے لیکن مغفرت کی دعا کی آیات اور حدیثیں اہل اسلام کے حق میں اور ممانعت کی آیات اور حدیثیں غیر اہل اسلام کے حق میں سمجھی جاویں تو پھر یہ اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔ اور سب آیات اور احادیث میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اور حاصل مطلب یہ ٹھہرتا ہے کہ اہل اسلام کو مرنے کے بعد دوسرے شخص کے نیک عمل کا فائدہ پہنچتا ہے۔ غیر اہل اسلام کو نہیں پہنچتا

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۲۹ ج ۶ [2] صحیح مسلم فصل فی جواز زیارۃ قبور المشرکین الخ ص ۳۱۴ ج ۱ [3] ایضاً۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰی ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ
اور یہ کہ تیرے رب تک پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی ہے ہنساتا اور رُلاتا اور یہ کہ وہی ہے مارتا اور

اَحْیَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ﴿۴۶﴾ وَ
جِلاتا اور یہ کہ اُس نے بنایا جوڑا نر اور مادہ ایک بوند سے جب ٹپکائی اور

اَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ﴿۴۹﴾
یہ کہ اُس پر لازم ہے دوسرا اٹھانا اور یہ کہ اُس نے دولت دی اور پونجی اور یہ کہ وہی ہے رب شعرٰے کا۔

کیونکہ اس کے کُفر کے سبب سے خود اُس کی ذات کے نیک عمل کا نہ کچھ ثواب اُس کو ملتا ہے نہ دوسرے شخص کے عمل کا۔
چنانچہ سورہ فرقان میں گزر چکا ہے کہ قیامت کے دن اہلِ کفر اور ریا کاروں کے عمل کچھ کام نہ آئیں گے۔

۴۲ تا ۵۵۔ تیرے ربّ کی طرف پہنچنا ہے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور انسان کی تمام ضرورت کی چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا یہ سب تو ان منکرینِ حشر کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب جبکہ دُنیا میں ہر صاحب عقل مثلاً مکان کا بنانا باغ کا لگانا، اور اس قسم کے جو کام کرتا ہے وہ کسی نتیجہ کو پیش نظر رکھ کر کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی شان اور حکمت سے یہ بعید ہے کہ اُس نے دنیا کے اتنے بڑے کارخانہ کو بغیر کسی نتیجہ کے یُوں ہی بے فائدہ پیدا کیا ہے۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ دنیا کا سارا کارخانہ اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ دُنیا بھر کے نیک و بد کے حساب اور جزا و سزا کے لیے تمام مخلوق کو ایک دن اللہ تعالیٰ کے رُو برو کھڑا ہونا پڑے گا تاکہ دُنیا کا پیدا کیا جانا بے ٹھکانے نہ رہے، جو لوگ اس کے منکر ہیں اُن کی عقل ٹھکانے نہیں ہے۔ مسند بزار اور طبرانی[1] کی معاذ بن جبلؓ کی صحیح حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عمر اور جوانی کس کام میں صَرف کی عمل کیا کیا کیے۔ روپیہ پیسہ کیونکر کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ ان باتوں کے جواب کے لیے ہر ایک انسان کو ضرور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے رُو برو کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہ حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔ وہی ہنساتا رلاتا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوشی اور غمی کے سبب ایسے پیدا کیے ہیں جن سے اُس کی بہت بڑی قدرت ظاہر ہوتی ہے اور انسان کو اُن سے اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کا بڑا موقع ملتا ہے مثلاً بڑے سے بڑے امیر شخص کو عزیزوں کے مرنے یا کسی سخت مرض وغیرہ کے سبب سے کبھی ایسا رنج و غم پیش آجاتا ہے کہ ہر گھڑی اُسے رونے سے کام رہتا ہے، اُس کا مال اُس کے یار مددگار اُس کے ہنسی خوشی رہنے کی کوئی صُورت نہیں نکال سکتے۔ اور کبھی غریب سے غریب آدمی کو ایسی ہنسی خوشی سے رہنے کا ایسا سامان غیب سے پیدا ہو جاتا ہے کہ جو بیان سے باہر ہے مگر اتنی بات ہے کہ خود دُنیا ناپائیدار اور اُس کی خوشی اور رنج یہ سب ہرتی پھرتی چھاؤں ہے وہ شخص بڑے ٹوٹے میں ہے جس نے یہاں کے عارضی ہنسی خوشی سے رہنے کے خیال میں عقبیٰ کا ہمیشہ کا رونا مول لیا۔ ابنِ ماجہ[2] میں انس بن مالکؓ سے اور مستدرک[3] حاکم میں عبداللہ بن قیسؓ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب

[1] الترغیب والترہیب فصل فی ذکر الحساب وغیرہ ص ۵۶، ج ۴ [2] الترغیب والترہیب فصل فی بکاءھم وشھیقھم ص ۹۱۸ ج ۴ [3] الترغیب والترہیب فصل فی بکاءھم وشھیقھم ص ۹۱۹ ج ۴۔

وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿٥٠﴾ وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ

اور یہ کہ کھپا دیئے عاد اگلے　اور ثمود　پھر باقی نہ چھوڑا　اور نوح کی قوم　پہلے اس سے　وہ تو تھے

كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ﴿٥٢﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ﴿٥٣﴾ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ﴿٥٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ

اور بھی　ظالم　اور شریر　اور الٹی بستی کو ٹپکا　پھر اس پر چھایا جو چھایا　اب تو کیا کیا نعمتیں

رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ﴿٥٥﴾

اپنے رب کی جھٹلائے گا۔

رہتے روتے اہلِ دوزخ کے آنسو سوکھ جائیں گے تو آنسوؤں کی جگہ ان کی آنکھوں سے خون بہنے لگے گا مگر وہاں کا رونا کچھ کام نہ آئے گا۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی یزید بن ابان رقاشی ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن ابن معین اور ابن عدی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ وہی ہے مارتا اور جلاتا کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی عمر پوری ہو جانے کے بعد اس کا مرنا اور اس میں انسان کا لاچار ہونا یہ تو سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر جس کی قدرت میں یہ ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد نیک و بد کے حساب و کتاب کے لیے انسان کو پھر دوبارہ پیدا کرے۔ جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ خدا کو جھٹلاتے ہیں۔ قیامت کے دن جس کا خمیازہ بھگتیں گے۔ ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انسان نے مجھ کو جھٹلایا۔ میں نے اپنے کلام میں اس کے دوبارہ پیدا کرنے کی خبر دی اور وہ اس کا منکر ہے۔ ایک قطرہ منی عورت کے رحم میں جا کر کبھی اس سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی یہ بھی اللہ کی ایک قدرت ہے جس میں انسان کا کچھ اختیار نہیں ورنہ جو لوگ لڑکی کے پیدا ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں وہ لڑکی کے نہ پیدا ہونے کا فرور کوئی علاج کرتے۔ اس پر لازم ہے دوسرا اٹھانا کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں لیکن جب اس نے اپنے کلام میں انسان کے دوبارہ پیدا کرنے کا وعدہ کیا ہے تو اس پر اس وعدہ کا پورا کرنا لازم ہے۔ اسی نے دولت دی اور پونجی کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں امیر و غریب بھی اللہ کی قدرت کی ایک نشانی ہے کہ کسی کے پاس حد سے زیادہ دولت ہے اور کوئی غریب نہ پونجی گزر کے قابل رکھتا ہے۔ لیکن دنیا کا وہ امیر بڑا بے نصیب ہے جس نے یہاں کی امیری کے نشہ میں اپنی عقبیٰ خراب کر لی۔ کیونکہ عقبیٰ کی تکلیف کے آگے دنیا کی امیری کی راحت تو کبھی یاد بھی نہ آوے گی اور عقبیٰ کی ناقابل برداشت تکلیف اس نشہ کے طفیل سے ایسے لوگوں کو اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ صحیح مسلم کی انسؓ بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے امیر جو دنیا کی راحت میں پھنس کر عقبیٰ سے غافل رہے۔ اور آخر کو دوزخی قرار پائے۔ دوزخ کے پہلے ہی جھونکے میں دنیا کی سب راحت بھول جائیں گے۔ وہی ہے رب شعریٰ کا۔ شعریٰ ایک بہت بڑا تارا ہے جس کو عرب کے بعضے قبیلے اسلام سے پہلے پوجا کرتے تھے۔ اس تارہ کی چال اور تاروں سے الگ ہے اور تاروں کی چال آسمان کی چوڑائی میں ہے اور یہ تارہ آسمان کی لمبائی کو طے کرتا ہے۔ اس نادر بات کو اس تارے میں دیکھ کر ایک شخص ابوکبشہ نے عرب میں اس تارے کی پرستش کا رواج پھیلایا۔ جس طرح ابوکبشہ نے

لہ صحیح بخاری تفسیر سورۃ قل ہو اللہ احد۔ ص ۷۴۳ ج ۲ ۔ لہ صحیح مسلم۔ باب فی الکفار ص ۳۷۴ ج ۲۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿٥٦﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
یہ ایک ڈر سنانے والا ہے پہلے سنانے والوں میں کا ۔ آ پہنچی آنے والی کوئی نہیں اُس کو اللہ کے سوائے
كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿٦٠﴾
کھول کر دکھانے والا کیا تم اس بات سے اچنبھا کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ۔

شعریٰ کی پرستش کا ایک نیا رواج عرب میں پھیلایا۔ اسی طرح اسلام کو ایک نیا رواج خیال کر کے اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے[1]۔ یہ ابو کبشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی پشت پرے کا نانا ہے جو قبیلے شعریٰ کی پوجا کرتے تھے اُن کو اس آیت میں یہ تنبیہ فرمائی کہ جس کی قدرت میں شعریٰ کا پیدا کرنا اس کا طلوع و غروب اس کی انوکھی چال کا مقرر کرنا ہے۔ عبادت کے قابل وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ شعریٰ کو خدا کی خدائی میں کچھ دخل نہیں جو اس کو خدا کا شریک قرار دیا جائے۔

اب آگے چند پچھلی قوموں کے عذاب میں پکڑے جانے اور ہلاک ہو جانے کا ذکر فرما کر قریش کو یہ تنبیہ فرمائی کہ اگر یہ لوگ اپنی سرکشی اور اللہ کے رسول کی مخالفت سے باز نہ آویں گے تو ان ہی قوموں کا سا انجام ان کا ہوگا۔ ان قوموں کے قصے تفصیل سے اوپر گزر چکے ہیں۔ فبای الاء ربک تتمارٰی میں پچھلی امتوں کی ہلاکت کے ذکر کو نعمت شمار کرنے کا یہ مطلب ہے کہ پچھلے لوگوں کی بری عادت سے حال کے لوگوں کو آگاہ کر دینا بھی حال کے لوگوں کے لیے ایک بے بہا نصیحت کی نعمت ہے۔

۵۶ تا ۶۲۔ مشرکین مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا رسول اور صحف ابراہیمی کو وحی آسمانی اور اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پابند جانتے تھے اس لیے فرمایا کہ جب تم لوگ انسان کا اللہ کا رسول ہونا اور اس پر اللہ کے کلام کا نازل ہونا مانتے ہو تو پھر نبی آخر الزمان کے رسول اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں تم لوگوں کو تعجب کس بات کا ہے۔ اللہ کے انتظام میں ہر چیز کی دنیا میں عمر مقرر ہے اس لیے دنیا کی جو عمر مقرر کی گئی ہے وہ اب ختم ہونے کو ہے اور اس کے ختم پر قیامت آنے والی ہے۔ جس طرح اس وقت دنیا کے کاروبار میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں اُس طرح لگے رہیں گے کہ ایک دفعہ ہی دنیا کے اجڑنے کا صور پھونک دیا جائے گا۔ عقبہ بن عامر کی حدیث معتبر سند سے طبرانی میں[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خرید و فروخت کے لیے کپڑے کے جو تھان بازار میں دکاندار کھول کر پھیلا وے گا اس کو اسے لپیٹنا اور دودھ والے جانوروں کا دودھ دوھ کر اس کا پینا اور آب نوشی اور آب پاشی کے ذریعوں کی مرمت کر کے اُن کے پانی کا برتنا نصیب نہ ہوگا کہ آن واحد میں قیامت قائم ہو جائے گی۔ قیامت کی سختیاں جب سر پر آجائیں گی تو سوا اللہ تعالیٰ کے اُن کو کوئی ٹال نہ سکے گا۔ مشرک کے لیے خدا کا وعدہ ہے کہ اس دن اس کی کوئی سختی نہ ٹالی جائے گی۔ ملت ابراہیمی کو بگاڑ کر اہل مکہ نے گھر گھر جو بت پرستی کا شرک پھیلا رکھا ہے اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نبی آخر الزمان کو آخری شریعت دے کر بھیجا ہے مگر ازلی کم بختوں کی کم بختی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اللہ کی شریعت کو ہنسی کھیل میں اڑاتے ہیں۔ پھر جو لوگ راہ راست پر آ گئے تھے اُن کو فرمایا کہ ان ازلی کم بختوں کو بتوں کے آگے سر جھکانے دو تم خالص دل سے اللہ کے آگے سر جھکاؤ۔ بدنی مالی ہر طرح کی عبادت میں نیت کا خالص رکھنا نہ چھوڑو۔

[1] صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ ص ۵ ج ۱۔ [2] الترغیب والترہیب۔ فصل فی النفخ فی الصور الخ ص ۲۰۷ ج ۴۔

وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی

صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباس کی جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ والنجم پڑھی اور اُس کے آخر پر سجدہ کیا۔ اور اُس وقت جو مسلمان آپ کے پاس موجود تھے سب نے سجدہ کیا فقط قریش میں کے ایک عمر رسیدہ شخص نے بجائے سجدہ کے اپنی ہتھیلی پر ذرا سی مٹی لے کر اُس مٹی پر اپنی پیشانی ٹیک لی۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں پھر مَیں نے دیکھا کہ یہ شخص حالتِ کفر میں مارا گیا۔ بخاریؒ کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ سجدہ کی سورتوں میں والنجم پہلی سورت ہے اور جس شخص نے سجدہ نہیں کیا وہ امیہ بن خلف تھا۔ صحیحین میں زید بن ثابت سے روایت ہے کہ مَیں نے سورہ والنجم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سُنائی اور آپ نے سورہ کے آخر پر سجدہ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اس سورہ میں سجدہ کا جو حکم ہے وہ سجدہ تلاوت کا حکم ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ بخاری کی عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین مکہ کے سجدہ کرنے کا جو ذکر ہے اُس کا تفصیلی قصہ سورۃ حج میں گزر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت سورہ والنجم مکہ میں نازل ہُوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو مشرکین کے رُوبرو پڑھا اور اُس آیت تک پہنچے جس میں لات و عزّیٰ اور مناۃ بتوں کا نام ہے تو شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے سکتہ کے وقت کچھ کلمے ایسے پڑھ دیئے جن سے اِن بتوں کی تعریف اور اُن کی شفاعت کا ذکر نکلتا تھا۔ مشرکین مکہ نے جب اپنے بتوں کی تعریف سُنی تو اُس سے خوش ہو کر آخر سُورۃ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا۔ اس کے بعد فوراً حضرت جبرئیلؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئے اور اُنھوں نے شیطان کی اس شرارت کا حال کھول دیا۔ شیطان کی یہ شرارت ایسی تھی جیسے اُس نے جنگِ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہو جانے کی خبر لوگوں کے کان میں پھونک دی تھی۔ محی الدین ابنِ عربی، قاضی عیاض اور بعضے علماء نے اگرچہ اس قصہ کے صحیح ہونے میں کلام کیا ہے مگر اس قصے کو کئی سندوں سے معتبر راویوں نے مرسل طور پر روایت کیا ہے۔ بغیر صحابی کے ذکر کے تابعی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت کرے تو اُس کو مرسل کہتے ہیں۔ اس مرسل روایت کے تین طریقہ صحیح کی شرط پر ہیں جس سبب سے ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت ہو کر اس قصہ کو بے اصل نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

---

۱؎ صحیح بخاری تفسیر سورۃ النجم ص ۷۲۱ ج ۲ و صحیح مسلم باب سجود التلاوۃ ص ۲۱۵ ج ۱ ۲؎ صحیح بخاری تفسیر سورۃ النجم ص ۷۲۱ ج ۲ ۳؎ صحیح مسلم۔ باب سجود التلاوۃ ص ۲۱۵ ج ۱، و صحیح بخاری باب من قرأ السجدۃ ولم یسجد ص ۱۴۶ ج ۱ ۴؎ دیکھیے صفحہ گزشتہ ۵؎ تفسیر ہذا جلد ۴ ص ۲۸۴۔

آیاتہا ۵۵ — (۵۴) سُورَۃُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ (۳۷) — رکوعاتہا ۳

یہ سورۃ مکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ

پاس آ لگی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند اور اگر دیکھیں کوئی نشانی ٹال دیں اور کہیں یہ جادو ہے

مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

چلا آتا۔ اور جھٹلایا اور چلے اپنے چاؤ پر اور ہر کام ٹھہر رہا ہے وقت پر اور پہنچ چکے ہیں اُن کو

(۱ تا ۵۔ مسند امام احمد صحیح بخاری صحیح مسلم ترمذی۔ مستدرک حاکم میں چند صحابہ کی روایتوں سے جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ چاہا۔ اس پر چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعضے علما نے اس آیت کے معنے میں یہ جو لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شق القمر کا معجزہ جو ہوا ہے اُس کا ذکر اِس آیت میں نہیں ہے۔ بلکہ جس شق القمر کا اس آیت میں ذکر ہے وہ ایک قیامت کی نشانی ہے جب اور نشانیاں قیامت کی ظاہر ہوں گی۔ اس وقت یہ نشانی بھی ظاہر ہو گی۔ یہ قول قرآن شریف اور صحیح حدیثوں کے مضمون کے مخالف ہے کیونکہ قرآن شریف اور صحیح حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ یہ معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوا اور مشرکوں نے اس کو جادو بتلایا اور یہ کہا کہ ہماری آنکھوں پر تو جادو کا اثر چھایا ہوا ہے۔ باہر کے آنے والوں مسافروں سے اُس کا حال پوچھنا چاہیے۔ اس صورت میں اگر اس وقت یہ معجزہ ظاہر نہیں ہوا تو پھر اُن لوگوں نے جادو کس چیز کو بتایا اور مسافروں سے اُنھوں نے کس بات کی تصدیق چاہی۔ بعض روایتوں میں دو دفعہ شق القمر ہونے کا جو ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اُس کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ راوی کا سہو ہے جو دو ٹکڑوں کو دو دفعہ کا لفظ روایت کر دیا ہے۔ یہ جو ایک اعتراض مشہور ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تفہیماتِ الٰہیہ میں شق القمر کے معجزہ کا انکار کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ شاہ صاحب نے تو تفہیمات میں یہ لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرب قیامت کے ساتھ شق القمر کا ذکر فرمایا ہے۔ اس لیے اس لحاظ سے یہ قیامت کے قریب ہونے کی ایک نشانی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نشانی دکھا کر لوگوں کو اس نشانی سے آگاہ کیا ہے۔ اس واسطے یہ آپ کا ایک معجزہ ہے۔ اس سے معجزہ کا انکار کب نکلتا ہے۔ بلکہ جس لحاظ سے شق القمر معجزہ ہے اس کی تفہیماتِ الٰہیہ کی اس عبارت میں ایک تفصیل ہے۔ اور یہ تفصیل کچھ شق القمر پر منحصر نہیں۔ قیامت کی ہر ایک نشانی کے حق میں یہی بات کہی جا سکتی ہے جو شاہ صاحب نے شق القمر کے حق میں کہی ہے۔ مثلاً حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آخری زمانہ میں آنا قیامت کی ایک نشانی ہے

؎۱ صحیح بخاری تفسیر سورۃ القمر ص ۷۲۱ ج ۲ و جامع ترمذی تفسیر سورۃ القمر ص ۱۸۴ ج ۲ ۔

مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾

احوال جتنے میں ڈانٹ ہوسکتی ہے۔ پوری عقل کی بات ہے پھر کام نہیں کرتے ڈر سنانے والے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نشانی سے لوگوں کو آگاہ کرنا یہ آپؐ کا معجزہ ہے۔ شق القمر اور قیامت کی اور نشانیوں میں فرق اتنا ہی ہے کہ اور نشانیوں کے بیان فرمانے کا معجزہ تو آپ کا ظاہر ہو چکا۔ اور وہ نشانیاں اپنے وقت پر ظاہر ہو کر ان نشانیوں کے ظاہر ہونے کے معجزہ کی تصدیق اس وقت ہوگی۔ اور شق القمر میں یہ دونوں باتیں ہو چکیں۔ اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی۔ نشانی سے مقصود یہی شق القمر ہے۔ جادو چلا آتا کا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح اور جادو کی باتیں ہیں ویسی ہی ایک بات یہ بھی ہے۔ اور ہر کام ٹھہر رہا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ علم الٰہی میں نیک و بد قرار پا چکے ہیں۔ اس لیے بد لوگ اپنی بدی سے باز نہ آئے اور معجزہ کو جادو بتلایا۔ اب آگے فرمایا کہ رسولوں کے جھٹلانے والی پچھلی امتوں کے عذاب میں گرفتار ہو جانے کا حال جو جگہ جگہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے اس میں بھولے بھٹکے کے راہ پر لانے اور سرکشی سے باز آنے کے لیے بڑی حکمت سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن علم الٰہی کے موافق ازلی کمبختی جن کے سر پر سوار ہے ڈرانے والوں کی ڈر کی باتوں کا ان کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا ہے اس لیے وہ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں جیسی باتیں یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ان باتوں کی قدر ان لوگوں کو اس وقت معلوم ہوگی جب ان کو آگ میں جھونک دیا جاوے گا۔ اور انھیں ذلت دینے کے لیے اللہ کے فرشتے ان سے گھڑی گھڑی پوچھیں گے کہ جن چیزوں سے تم لوگ دنیا میں نہیں ڈرتے تھے بلکہ ان کے ڈرنے کو جادو کی سی وہمی باتیں بتلاتے تھے۔ اب ذرا خوب آنکھیں کھول کر دیکھ لو کہ اس آگ میں ان سانپ بچھوؤں میں کچھ اثر ہے یا یہ جادو کی سی وہمی خیالی چیزیں ہیں۔ چنانچہ سورۂ والطور میں یہ ان لوگوں کے ذلت دینے کا ذکر گزر چکا ہے۔ ابو داؤد نسائی اور ترمذیؒ[1] میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا تو جبرئیل علیہ السلام نے دوزخ کے عذاب کی سختیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ جب دنیا میں بنی آدم تیرے رسولوں کی معرفت اس عذاب کا حال سن لیویں گے تو وہ اس سے بچنے کی ایسی کوشش کریں گے کہ شاید دوزخ خالی رہے اور ان میں سے ایک شخص بھی اس میں نہ جاوے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کی وہ خواہشیں اور لذتیں جبرئیل علیہ السلام کو دکھائیں جن کے سبب سے لوگ دوزخ میں جاویں گے تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ اب تو مجھ کو یہ خوف ہے کہ شاید بنی آدم میں سے بہت کم لوگ دوزخ سے نجات پاویں گے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی خواہشوں میں پھنس کر عقبیٰ سے غافل ہو جانا ہی گویا دوزخ کا سیدھا راستہ ہے۔ مسند بزار[2] میں انس بن مالک سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن سورج کے غروب ہونے کے قریب خطبہ پڑھا جس میں لوگوں کو طرح طرح کی نصیحت کی اور فرمایا جس طرح اب تھوڑا سا دن باقی ہے اسی طرح قیامت کے آنے میں اب تھوڑا سا عرصہ باقی ہے۔ عقبیٰ کے لیے جو کچھ کرنا ہے وہ

[1] جامع ترمذی۔ باب ماجاء حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات ص ۹۳ ج ۲ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۰ ج ۴۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ

سو تو ہٹ آن کی طرف سے جس دن پکارنے والا ان دیکھی چیز کو نیچی آنکھیں نکل پڑیں

مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ

قبروں سے جیسے ٹڈی بکھر رہی ۔ دوڑتے جاویں پکارنے والے پاس کہتے منکر

هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝

یہ دن مشکل آیا ۔

بچستی سے کیا جاوے۔ ان آیتوں میں قیامت کے قریب ہونے کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن موسیٰ بن خلف ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے۔ لیکن ابن حبان نے اس کو ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے ۔

۶ تا ۸۔ اُوپر ذکر تھا کہ علم الٰہی کے موافق ازلی کمبختی جن کے سر پر سوار ہے۔ ڈرانے والوں کی ڈر کی باتوں کا اُن کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے ان آیتوں میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کے دل پر معجزہ اور نصیحت کا کچھ اثر نہ ہو تو اُن کو راہ پر لانے کی زیادہ کوشش نہ کی جائے بلکہ ایسے لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے دوسرے صور کی آواز سے جب یہ لوگ قبروں سے نکل کر ٹڈیوں کی طرح میدان محشر کی طرف شرمندہ شکل نیچی نگاہ کیے ہوئے دوڑیں گے۔ اُس وقت اُن کا کیا سب ان کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ صحیح بخاری[1] و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ بعضے علماء کے قول کے موافق۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوسرے صور کے وقت بد لوگوں کی قبروں پر ایک آگ تعینات ہو جائے گی جو اُن کو گھیر کر حساب و کتاب کے لیے محشر کے میدان میں لے جاوے گی۔ بعضے علماء نے ابوہریرہؓ کی اس حدیث کو علامات قیامت کے سوال کی تفصیل قرار دیا ہے۔ اِس صورت میں یہ آگ وہ ہے جس کا ذکر حذیفہ بن اسید کی صحیح مسلم[2] کی روایت میں ہے کہ قیامت سے پہلے عدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر شام کے ملک کی طرف لے جائے گی۔ پھر وہیں وہ لوگ مریں گے اور حشر کے وقت وہیں سے اُٹھیں گے۔ ترمذی[3] میں ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھے لوگ تو حشر کے دن قبروں سے اُٹھ کر اپنے اپنے عملوں کے موافق بعضے تو سواریوں پر محشر کے میدان تک جاویں گے۔ اور بعضے پیدل اور بُرے لوگوں کو فرشتے اُن بد لوگوں کے مُنہ کے بل گھسیٹتے ہوئے محشر کے میدان تک لے جاویں گے۔ ترمذی نے اِس حدیث کو حسن کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ محشر کے میدان کی ذلتوں کے سوا بد لوگوں کو قبروں سے اُٹھنے کے ساتھ ہی ذلت کے وہ سامان پیش آجاویں گے جس سے وہ شرمندہ شکل ہو جاویں گے اور اُن کی نگاہ نیچی ہو جائے گی۔ اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے اور یہ حدیثیں آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں۔ ان سختیوں کو دیکھ کر بد لوگ یہ کہیں گے کہ آج کا دن مشکل آیا ۔

[1] صحیح بخاری باب کیف الحشر ص ۹۶۵ ج ۲ [2] صحیح مسلم فی امارات الساعۃ ص ۳۹۳ ج ۲ [3] جامع ترمذی باب ماجاء فی شان الحشر۔ ص ۶۷ ج ۲ ۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾

جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا ہمارے بندے کو اور بولے دیوانہ ہے اور جھڑک دیا۔

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَ

پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں دب گیا ہوں بدلہ لے پھر ہم نے کھول دیئے دہانے آسمان کے ریلے سے پانی کے اور

فَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ

بہا دیئے زمین سے چشمے پھر مل گیا پانی ایک کام پر جو ٹھہر رہا تھا۔ اور سوار کیا اُس کو ایک تختوں اور

أَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ

کیلوں والی پر۔ بہتی ہماری آنکھوں کے سامنے بدلہ اُس کی طرف سے جس کی قدر نہ جانی تھی۔ اور اس کو ہم نے رہنے دیا نشان پھر کوئی

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

ہے سوچنے والا۔ پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈر کا اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

سوچنے والا۔ جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈر کا ہم نے بھیجی اُن پر

رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ

باؤ ٹھہری سنانے کی ایک نحوست کے دن جو چلے گئے۔ اکھاڑ مارتی لوگوں کو جیسے وہ جڑیں کھجور کی ہیں

مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

اکھڑی پڑی۔ پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈر کا اور ہم نے آسان کیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی

مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ

سوچنے والا۔ جھٹلائے ثمود نے ڈر سنانے والے پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہے ہم میں اکیلا ہم اس کے کہنے پر چلیں گے

ع ۲۲ / ۸

۹ تا ۲۶ ۔ تفسیر عبدالملک بن جریج اور تفسیر ابن کثیر[1] میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی سے روایت ہے کہ ہمیشہ معمولی مینہ تو بادلوں سے برستا ہے قوم نوح کے طوفان کے وقت بغیر بادلوں کے اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھول دیئے تھے جس سے طوفان کا عذاب آیا۔ صحیح حدیث[2] میں اوپر گزر چکا ہے کہ نیک روحوں کے آسمان پر لے جانے کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بد روحوں کے لیے نہیں کھلتے اور معراج کی صحیح حدیثوں میں آسمان کے دروازوں کا ذکر موجود ہے۔ پھر باوجود اس کے فلسفی اصول پر بعضے مفسروں نے آسمان کے دروازوں کی جو تاویل کی ہے وہ تاویل قرآن شریف اور صحیح حدیثوں کے مخالف ہے۔ جن رسولوں کے قصے اس سورۃ میں ہیں اُن کی تفصیل تو اور سورتوں میں گزر چکی ہے یہاں اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ جب قریش میں کے منکر لوگوں نے ایسا بڑا ظاہر معجزہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا دیکھا اور پھر بھی اُس معجزے پر ایمان نہ لائے اور اُس کو جادو بتلایا تو اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۴ ج ۴ [2] مشکوۃ شریف باب فیما یقال عند من حضرہ الموت فصل ثالث ص ۱۴۱ و ۱۴۲۔

إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ أَءُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ

تو لو ہم غلطی میں پڑے اور سودا میں۔ کیا اتری اسی پر سمجھوتی ہم سب میں سے کوئی نہیں یہ جھوٹا ہے

أَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۶﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً

بڑائی مارتا۔ اب جان لیں گے کل کو کون ہے جھوٹا بڑائی مارتا۔ ہم بھیجتے ہیں اونٹنی اُن کے جانچنے کو

لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شِرْبٍ

سو دیکھتا رہ اُن کو اور ٹھہرا رہ۔ اور سنا دے اِن کو کہ پانی کا بانٹا ہے اُن میں ہر باری

مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾

پہنچتا ہے۔ پھر پکارا انھوں نے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹا۔ پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈر کا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَٰحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

ہم نے بھیجی اُن پر ایک چنگھاڑ پھر رہ گئے جیسے روندی باڑ کانٹوں کی۔ اور ہم نے آسان کیا

الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا

قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا۔ جھٹلائے لوط کی قوم نے ڈر سناتے ہم نے بھیجی

عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا ءَالَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَٰهُم بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ

اُن پر باؤ پتھراؤ کی سوائے لوط کے گھر کے۔ اُن کو بچا دیا ہم نے پچھلی رات سے، فضل سے اپنی طرف کے ہم یوں

نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾

بدلہ دیتے ہیں اُس کو جو حق ملنے اور وہ ڈرا چکا اُن کو ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے ڈر کا۔

نے قوم نوح سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک پچھلی قوموں کا طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہوجانے کا ذکر فرما کر اخیر کو فرمایا ہے کہ اے رسول اللہ کے اِن منکروں سے پوچھو کہ ان منکروں میں کونسی خصوصیت ہے کہ یہ لوگ پچھلے عذاب الٰہی میں پکڑی ہوئی قوموں کے سے کام کریں گے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اُن کو کسی عذاب میں نہ پکڑے گا۔ کیا اللہ کی طرف سے اُن کے پاس کوئی نوشتہ آگیا ہے کہ یہ لوگ جو چاہیں گے سو کریں گے۔ اور اللہ ان سے کچھ مواخذہ نہ کرے گا۔ ان کو اپنے جتھے کا یہ گھمنڈ ہے کہ اِن کے جتھے کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرکے عذاب الٰہی کو ٹال دیں گے۔ پھر فرمایا کہ تھوڑے دنوں میں اُن کا یہ جتھا شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کے دن منکروں کے جتھے کی شکست کھانے اور بھاگنے کا مطلب اچھی طرح میری سمجھ میں آیا۔ فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہوکر ہلاک ہوجانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی اور یہ سورۃ قصص میں گزر چکا ہے کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد عام عذاب سے پھر کوئی قوم ہلاک نہیں ہوئی۔ اس لیے پہلے صاحب شریعت رسول نوح علیہ السلام کی قوم سے اس طرح کی قوموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو عام عذاب سے ہلاک ہوئی ہیں اور فرعون اور

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۶ ج ۴۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ

اور اس سے لینے لگے اس کے مہمان پھر ہم نے مٹا دیں اُن کی آنکھیں اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈر کا اور پڑا

صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

اُن پر صبح کو سویرے عذاب جو ٹھہرا رہا تھا اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈر کا اور ہم نے آسان کیا

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا

قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا۔ اور پہنچے فرعون والوں پاس ڈر کے جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ

ہماری نشانیاں ساری پھر پکڑی ہم نے اُن کو پکڑ زبردست کی قابو میں لے کر اب تم میں جو منکر ہیں کچھ بہتر ہیں اُن سب سے

ع ۱۸ ۹

اس کی قوم پر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان آیتوں میں قریش کی تنبیہ مقصود ہے۔ اس سبب سے اس طرح کی قوموں کا سلسلہ وار ذکر فرمایا۔ لیکن اختصار کی نظر سے اہل مدین کے ذکر کو یہاں محذوف فرما دیا۔ یہ جو فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے اُن کو جھڑکا۔ اس کی تفسیر سورۃ شعراء میں گزر چکی ہے کہ اُن کی قوم نے اُن کو پتھروں سے کچل ڈالنے کی دھمکی دے کر جھڑکا تھا۔ ولقد انذرھم بطشتنا فتماروا بالنذر کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے آنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہر چند عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ مگر اُن کی قوم نے اُن کی نصیحت نہ سُنی اور اس نصیحت کو جھٹلاتے رہے۔

۳۷ تا ۴۸۔ سورۃ اعراف، سورۃ ہود، سورۃ شعراء، سورۃ نمل، سورۃ والصافات وغیرہ میں حضرت لوط اور اُن کی امت کے لوگوں کا قصہ گزر چکا ہے کہ حضرت لوط کی امت کے لوگوں میں لڑکوں سے بدفعلی کرنے کی عادت تھی، جس کو اغلام کہتے ہیں۔ اس عادت کے چھڑا دینے کے لیے مدتوں حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا۔ مگر اُن میں سے ایک شخص بھی راہ راست پر نہ آیا۔ یہاں اس سورۃ میں اُن لوگوں کے اندھے ہونے کا جو ذکر ہے اس کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل نوعمر خوبصورت لڑکوں کی صورت میں حضرت لوط کے پاس مہمان بن کر آئے۔ حضرت لوط نے اُن فرشتوں کو نہیں پہچانا اور امت کے لوگوں کی عادت سے خوفزدہ ہو کر ان مہمانوں کی خبر کو اُن لوگوں سے چھپایا۔ مگر حضرت لوط کی بی بی نے قوم کے لوگوں کو اُن مہمانوں کی خبر کر دی۔ وہ لوگ حضرت لوط کے گھر پر چڑھ کر آئے۔ حضرت لوط نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا۔ اُن لوگوں نے دروازہ توڑ کر گھر کے اندر گھسنے کا ارادہ کیا۔ اُس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک پر مار کر جتنے وہ لوگ آئے تھے سب کو اندھا کر دیا۔ یہ رات کا وقت تھا۔ یہ لوگ حضرت لوط علیہ السلام کو یہ دھمکی دے کر چلے گئے کہ صبح کو ہم تم سے سمجھ لیں گے آخر صبح کو وقت مقررہ آتے ہی وہ تمام بستی جبرئیل علیہ السلام نے اُلٹ دی اور پھر پتھروں کا مینہ برسا اور سب ہلاک ہو گئے۔ اب اُن کی بستی کی جگہ ایک بدبودار پانی کا چشمہ ہے فذوقوا عذابی ونذر کو گھڑی گھڑی تاکید کے لیے فرمایا تاکہ قریش اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے اور ان کی نصیحت کے نہ ماننے کا کیا نتیجہ ہے۔ آیت

أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ

یا تم کو فارغ خطی لکھی گئی ورقوں میں کیا کہتے ہیں ہم سب کا میل ہے بدلہ لینے والے۔ اب شکست کھاوے گا میل

وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ إِنَّ

اور بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر بلکہ وہ گھڑی ہے ان کے وعدے کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی جو

الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ

لوگ گنہگار ہیں غلطی میں ہیں اور سودا میں۔ جس دن گھسیٹے جاویں گے آگ میں اوندھے منہ۔

ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

چکھو مزہ آگ کا۔

وقف لازم

سیہزم الجمع ویولون الدبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ بدر کی لڑائی سے سات برس پہلے مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور بدر کی لڑائی میں بالکل اس کے موافق ظہور ہوا چنانچہ صحیح بخاری[1] میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی کے میدانِ جنگ میں لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی فتح کی دعا کی اور پھر آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے اس جھونپڑی میں سے نکلے جو میدان جنگ میں صحابہ نے آپ کے لیے ڈال دی تھی۔ حاصل یہ ہے کہ لشکر اسلام کی فتح کا عام وعدہ تو اللہ نے اپنے رسول سے کیا تھا۔ مگر یہ بات معلوم نہ تھی کہ کون سی لڑائی میں اس وعدہ کا ظہور ہوگا۔ بدر کی لڑائی کے وقت مسلمانوں کے لشکر کی تعداد کم اور دشمنوں کے لشکر کی تعداد زیادہ دیکھ کر جب آپ نے فتح کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس لڑائی کے وقت اس آیت کے وعدہ کا ظہور ہوگا۔ اس لیے آپ نے یہ آیت پڑھی اور آپ کے اس آیت کے پڑھنے سے حضرت عمرؓ اور صحابہ کو آیت کا مطلب خاص طور پر معلوم ہوگیا۔ مسلم کی مسند[2] میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ حدیث حضرت عمرؓ سے سنی ہے۔ اس لیے اب اس بات کا وہم باقی نہیں رہا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو بدر کے قصے کے وقت موجود نہیں تھے پھر انھوں نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر سنی۔ اب آگے فرمایا کہ دنیا میں جو قریش کی شکست کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کا ظہور تو ہوگا لیکن اصل وعدہ تو ان سے آخرت کے عذاب کا ہے جس کے ظہور کا وقت قیامت ہے جو بڑی آفت کا دن ہے اور نہایت کڑوی گھڑی ہے جس میں اس طرح کے نافرمان لوگ آگ میں اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے اور ان کے ذلیل کرتے کو اللہ کے فرشتے یہ کہیں گے لو آج اس آگ کا مزہ چکھو جس کو دنیا میں تم لوگ جھٹلاتے تھے۔ طبرانی میں معتبر سند سے انسؓ بن مالک کی حدیث[3] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دوزخ کی آگ کی ایک چنگاری دنیا میں لا کر مشرق میں رکھی

[1] صحیح بخاری باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم الآیۃ ص ۵۶۴ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر الخ ص ۹۳ ج ۲۔ [3] الترغیب والترہیب۔ فصل فی شدۃ حرہا وغیر ذٰلک ص ۸۰۰ ج ۴۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾

ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر۔ اور ہمارا کام یہی ایک دم کی بات ہے جیسے پلک نگاہ کی۔

جائے تو ملک مغرب کے شہروں میں اس کی حرارت پائی جائے گی۔ اس مضمون کی حدیثیں[1] اوپر گزر چکی ہیں کہ دوزخ کی آگ تین ہزار برس تک دہکائی گئی ہے اور اس کی حرارت دنیا کی آگ سے انہتر حصے زیادہ ہے۔ غرض جن آیتوں میں دوزخ کی آگ کا مبہم طور پر ذکر آیا ہے یہ حدیثیں اور اس قسم کی اور حدیثیں ان آیتوں کی تفسیر ہیں۔ اور یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] کہ میں لوگوں کی کولی بھر بھر کر دوزخ کی آگ سے اُن کو بچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن لوگ اپنی خواہش نفسانی میں پھنس کر اس آگ میں گر جانے کی ایسی جرأت کر رہے ہیں جس طرح کیڑے پتنگے روشنی پر گرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس آگ سے بچنے کی توفیق دے۔ اور ہر شخص کے دل میں اپنے رسول کی کوشش کا اثر پیدا کرے۔

۴۹ تا ۵۵۔ مسند[3] امام احمد اور صحیح مسلم ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے جو شانِ نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ قریش کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قضاء وقدر کی باتیں سن کر اُن باتوں میں طرح طرح کی بحث کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قریش میں کے دینِ اسلام کے منکر لوگ قرآن شریف کے کلامِ الٰہی ہونے کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کے اور ضروریات دین کے جس طرح منکر تھے اُسی طرح قضاء وقدر کے بھی وہ لوگ جو منکر تھے یہ انکار اور رہے اور صحابہؓ کے آخر زمانہ میں بصرہ کے ایک شخص معبد الجہنی کے سبب سے اہلِ قبلہ میں ایک اختلاف قضاء وقدر کے مسائل میں جو پڑا ہے یہ اختلاف اور ہے۔ حاصل اِس اختلاف کا یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے جو کچھ نیک و بد دُنیا میں ہونے والا تھا اس سب کو اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ اَب جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ اللہ کے علمِ ازلی اور لوحِ محفوظ کے نوشتہ کے موافق ہو رہا ہے۔ یہ قول عام صحابہ اور تابعین کا آیاتِ قرآنی اور صحیح حدیثوں کے موافق ہے مگر فرقہ معتزلہ میں سے ایک گروہ معبد جہنی کا پیرو اُس کے مخالف ہے اِس فرقہ کا نام فرقہ قدریہ ہے اُن کا کہنا یہ ہے کہ بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ مستقل طور پر خود کرتا ہے۔ بندہ کے کسی کام کے کرنے سے پہلے بندے کے کام سے اللہ کے علمِ ازلی کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ قدریوں میں کے بعض متاخرین تقدیرِ الٰہی کے تو قایل ہیں لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ نیکی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے موافق ہے اور بدی بندہ خود کرتا ہے۔ تقدیرِ الٰہی کو بدی میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اہلِ سُنت کا مذہب یہ ہے کہ بدی کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور بد کام کرنے والا بندہ ہے۔ اسی بات میں اہلِ سنت نے فرقہ قدریہ کے رد میں صدہا کتابیں لکھی ہیں۔ غرض جس طرح اللہ کی توحید اور آنحضرتؐ کے رسول برحق ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے اِسی طرح قضاء وقدر پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ چنانچہ

[1] جامع ترمذی۔ باب ماجاء ان نارکم ھذہ جزء من سبعین الخ وباب منہ ص ۹۶ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ الخ ص ۲۴۸ ج ۲ [3] صحیح مسلم باب کل شیء بقدر ص ۳۳۶ ج ۲۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾

اور ہم کھپا چکے ہیں تمھارے ساتھ والوں کو پھر ہے کوئی سوچنے والا اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی ورقوں میں ۔

صحیح مسلم[1] میں حضرت عمرؓ کی اس حدیث میں جس میں جبرئیل علیہ السلام نے لوگوں کی تعلیم کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے چند مسئلے پوچھے ہیں ۔ اُس حدیث میں قضاء وقدر پر ایمان لانے کا ذکر بھی اسی طرح ہے جس طرح اللہ ورسول پر ایمان لانے کا ذکر ہے ۔ اسی واسطے ابوداؤد[2] و مسند امام احمد وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں قضا و قدر کے منکر لوگ پیدا ہوں گے وہ اس امت کے مجوس ہیں اُن کی بیمار پرسی کو اور اُن کے جنازہ کے ساتھ دینداروں کو نہیں جانا چاہیے ۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح مجوس لوگ کہتے ہیں کہ نیکی کا تعلق نور سے ہے اور بدی کا تعلق اندھیرے سے ہے ۔ قدریہ فرقہ کا مذہب بھی اس کے قریب ہے ۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرقے کو اس امت کا مجوس فرمایا ایک فرقہ جبریہ ہے جس فرقہ نے قضاء قدر کے مسئلہ سے یہ بات نکالی ہے کہ بندہ بالکل مجبور ہے جو کچھ نیک و بد بندہ کرتا ہے وہ سب خدا کی طرف سے ہے بندہ کا اس میں کچھ اختیار نہیں ۔ اہل سنّت نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کسی شے کے موجود ہونے سے پہلے اس کا حال صحیح اندازہ سے معلوم کر لینا اور بات ہے اور کسی شخص کو کسی کام پر مجبور کرنا اور بات ہے ۔ قضاء و قدر کے مسئلہ سے یہ بات کیونکر نکل سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بندہ کا اختیار اور ارادہ سلب کر کے بندہ کو مجبور کر دیا ہے ۔ رہی یہ بات کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ بنی آدم کو اختیار و ارادہ دے کر دنیا میں پیدا کیا جائے گا تو اتنے آدمی اپنے اختیار اور ارادہ کو نیک کاموں میں مصروف کریں گے ۔ اور اتنے بد کاموں میں پھر آخر اُن بدآدمیوں کو نیک پیدا کرنا بھی تو خدا کی قدرت میں تھا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی قدرت میں تو سب کچھ ہے مگر یہ صورت جبر کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اختیار اور ارادہ کے موافق بد کو مجبور کر کے نیکی پر لگاتا اس طرح کا مجبوری کا ایمان خدا کی جناب میں مقبول نہیں ۔ اسی واسطے جب قیامت کی علامتیں نمودار ہو جائیں گی تو پھر کسی کا ایمان اور کسی کی توبہ قبول نہ ہو گی اور نامہ اعمال کے کاغذ لپیٹ کر فرشتے آسمان پر چلے جائیں گے اور توبہ کے دروازے بند ہو جائیں گے ۔ بعضے علماء نے تو قضاء و قدر کے ایک ہی معنی بتلائے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ قدر اور تقدیر کے معنے تو اس ازلی اندازہ کے ہیں جو اپنے علمِ ازلی کے موافق اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے اور قضاء وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق اب دُنیا میں روزانہ ہو رہا ہے ۔ آیت فقضاھن سبع سمٰوت سے اس قول کی تائید نکلتی ہے ۔ اور ان آیتوں کی ترتیب بھی اسی قول کے موافق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انا کل شیءٍ خلقناہ بقدر میں تقدیر کا ذکر فرما کر پھر وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر میں اس ایجاد کا ذکر فرمایا ہے ، جس کا ظہور روزانہ دُنیا میں ہو رہا ہے ۔ حاصل مطلب اِن دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے موافق اور اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے ۔ ایک ذرہ بھی اس کی تقدیر اور اُس کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے

[1] صحیح مسلم ۔ کتاب الایمان ۔ ص ۲۷ ج ۱ [2] سنن ابوداؤد ۔ باب فی القدر ۔ پارہ ۳۰ ص

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ

اور ہر چھوٹے اور بڑے لکھنے میں آچکے جو لوگ ڈر والے ہیں باغوں میں اور نہروں میں بیٹھے سچی

صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے۔

ع ۳ (۱۵) ۱۰

باہر نہیں ہے۔ اللہ کی قدرت ایسی زبردست ہے کہ ایک کلمہ کُن کے کہنے سے پلک جھپکانے میں جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ کسی چیز کے پیدا ہونے میں کچھ دیر نہیں لگتی اور آدمی میں اللہ تعالیٰ نے ایک صفت پیدا کی ہے جس کا نام اختیار ہے اس اختیار میں آدمی ایسا بے بس نہیں ہے جس طرح رعشہ والا آدمی اپنے ہاتھ کی لغزش میں بے بس ہے بلکہ رغبت کی چیز کی طرف رغبت اور نفرت کی چیز سے نفرت آدمی اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ اس اختیار کو اللہ تعالےٰ نے اپنے علم ازلی سے معلوم کیا اور اس معلوم کرنے پر تقدیر کی بناء اور بندہ کے اختیار پر عذاب و ثواب کی بناء رکھی ہے۔ پھر فرمایا اسی بناء پر قریش کے ہمخیال جن پچھلے لوگوں نے اپنا اختیار اللہ کے رسولوں اور اللہ کے کلام کے جھٹلانے میں صرف کیا۔ طرح طرح کے عذابوں سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اُن کو ہلاک کر دیا اور عقبیٰ کا سخت عذاب جدا اُن کو بھگتنا پڑے گا۔ ہر نصیحت پکڑنے والے کو اس سے نصیحت پکڑنی چاہیے تاکہ حال کے لوگوں کا بھی وہی انجام نہ ہو جو اُن کے ہم خیال لوگوں کا ہوا کس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر انسان کے پیچھے دو کاتب مقرر ہیں جو اُس کا چھوٹا بڑا نیک و بد سب قول و فعل لکھتے رہتے ہیں اور یہ انتظام سزا و جزا کے لیے ہے جو اگلے پچھلے سب لوگوں سے متعلق ہے اب آگے اللہ کے عذاب سے ڈر کر اللہ کے کلام سے نصیحت پکڑنے والوں کا ذکر فرمایا کہ اُن کے نیک عملوں کی جزاء میں اُن کے رہنے کو باغ ملیں گے جن میں پانی، دودھ شراب اور شہد کی نہریں جاری ہوں گی اور طرح طرح کے میوے اور ہر طرح کی راحت کے سامان مہیا ہوں گے اور اُس ذی اقتدار بادشاہ کی بارگاہ میں اُن کی بڑی عزت ہوگی کہ وہ بادشاہ جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کے خاص اقتدار کی طرح اُس کے اقتدار کی کوئی حد نہیں ہے۔

صحیح مسلم[1] میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادنیٰ اہل جنت کو دنیا کی بادشاہت سے دس گنا ساز و سامان راحت کا جنت میں دیا جائے گا۔ اس قسم کی اور بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں قیامت کے دن اہل جنت کی جو عزت و توقیر ہوگی اُس کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم باب اثبات الشفاعة واخراج الموحدین من النار۔ ص ۱۰۶۔

آیاتہا ۷۸ (۵۵) سُورَۃُ الرَّحْمٰنِ مَكِّيَّةٌ (۹۷) رکوعاتہا ۳

سورۃ الرحمٰن مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴ اَلشَّمْسُ

رحمٰن نے سکھایا قرآن بنایا آدمی پھر سکھائی اس کو بات سورج

وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝۶ وَالسَّمَاۗءَ رَفَعَهَا

اور چاند ایک حساب سے ہے اور گھانس اور درخت لگے ہیں سجدے ہیں۔ اور آسمان کو اونچا کیا

وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ

اور رکھی ترازو کہ مت زیادتی کرو ترازو میں اور سیدھی ترازو تولو انصاف سے

اگرچہ سلف نے اس سورہ کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ لیکن معتبر سند سے مسند امام احمد میں اسماء بنت ابی بکر سے جو حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے کیونکہ وہ کہتی ہیں کہ انھوں نے ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں یہ سورۃ پڑھتے ہوئے سنا۔

---

۱ تا ۱۳۔ اگرچہ سورہ نحل میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس قدر احسان کیے ہیں کہ ان احسانات اور اس کی نعمتوں کا شکریہ کرنا تو درکنار اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کا ہر ایک شخص اگر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی نعمت کی گنتی بھی کرنی چاہے تو یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طاقت سے باہر ہے لیکن جن و انسان کے فقط یاد دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں اکتیس قسم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ہر ایک قسم کی نعمت کے ذکر کے بعد جن و انسان سے تنبیہ کے طور پر یہ پوچھا ہے کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس اللہ نے انسان کو، انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی دوسرے کو اس کی عبادت میں شریک ہونے کا حق نہیں ہے۔ ترمذی[۱] اور مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہؓ کے روبرو یہ سورۃ پڑھی۔ صحابہؓ اس سورۃ کو سن کر چپکے بیٹھے رہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ بہ نسبت تم لوگوں کے جن لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے زیادہ قدر دان ہیں کیونکہ جنات کے روبرو میں نے ایک رات یہ سورۃ پڑھی تھی تو انھوں نے ہر دفعہ آیت فبای الاء ربکما تکذبن کے بعد یہ کہا تھا کہ ولا بشیء من نعمتك ربنا نكذب فلك الحمد۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ

---

۱؎ تفسیر الدر المنثور ص ۱۳۹ ج ۶ ۲؎ جامع ترمذی تفسیر سورۃ الرحمٰن۔ ص ۱۸۴ ج ۲۔

وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَ

اور مت گھٹاؤ تول اور زمین کو رکھا واسطے خلق کے اس میں میوہ ہے اور

النَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ

کھجوریں جن کے میوہ پر غلاف ہے۔ اور اناج جن کے ساتھ بھس ہے اور پھول خوشبو کے پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝

رب اپنے کی جھٹلاؤ گے تم دونوں۔

ہر دفعہ اس آیت کے بعد یہ دعا پڑھنی سنت ہے۔ کیونکہ جنات نے آپ کے رو برو یہ دعا پڑھی اور آپ نے اس کو پسند کیا۔ اسی کا نام تقریری حدیث ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس سورۃ کے شروع سے آٹھ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عجائبات قدرت کو ذکر فرمایا ہے۔ پھر سات آیتوں میں دوزخ کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر پندرہ آیتوں میں جنت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس صورت میں دوزخ کا ذکر نعمتوں میں اس طرح سے شامل ہوا کہ جو شخص پہلی کی آٹھ آیتوں پر یوں عمل کرے گا کہ دنیا کی عجائبات قدرت سے خدا کو پہچانے گا اور اللہ کے کلام اور اللہ کی مرضی کے موافق نیک کام کرے گا وہ دوزخ کی آفتوں کی بچنے کی نعمت اور جنت کے حاصل ہونے کی نعمت کو پائے گا۔ غرض یہ ہے کہ بعض مفسروں نے یہ جو اعتراض کیا ہے کہ دوزخ کا ذکر نعمتوں میں کیونکر شامل ہو سکتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب اس تفسیر سے جو اوپر بیان کی گئی ہے اچھی طرح نکل سکتا ہے۔ سورۃ نحل میں گزر چکا ہے[1] کہ مشرکین مکہ ایک شخص غلام کا نام لیتے تھے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں سکھاتا ہے اس کا ایک جواب تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں دیا ہے اور دوسرے جواب سے یہاں مشرکین کو جھٹلایا ہے کہ یہ قرآن اللہ کے رسول کو کسی بشر نے نہیں سکھایا بلکہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا ہے جس کا نام رحمان بھی ہے۔ یہ نام اس لیے فرمایا ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے اس نام کے منکر تھے۔ چنانچہ اس کا ذکر سورہ فرقان میں گزر چکا ہے۔ قرآن کے سکھانے کا ذکر انسان کی پیدائش کے ذکر سے پہلے فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسان کا پیدا کرنا علم دین سیکھنے اور اس کے موافق عمل کرنے کے لیے ہے۔ آیت وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔ بیان سے مقصود بات چیت اور زبان کی گویائی ہے جس کے سبب سے انسان قرآن کی تلاوت اور اس کے یاد کرنے کے قابل ہوا۔ سورج چاند اپنے برجوں اور منزلوں کو حساب سے طے کرتے ہیں جس کے سبب سے دن و رات پیدا ہو کر سال اور مہینہ معلوم ہوتا ہے جس پر لوگوں کے ہزاروں کام منحصر ہیں۔ نجم کے معنے وہ پیڑ جو بیل کی طرح زمین پر ہی بڑھتے ہیں، زمین سے اونچے نہیں ہوتے۔ سورہ نحل میں گزر چکا ہے کہ ان چیزوں کا سجدہ ان کے سایہ کا ڈھلنا ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ اللہ کے گناہ جیسے مثلاً نماز نہ پڑھنا یہ حق اللہ کہلاتے ہیں اور یہ خالص دل کی توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور بندوں کے گناہ جیسے کسی کا مال چرا لینا یہ حق العباد کہلاتے ہیں۔ فقط توبہ سے یہ گناہ معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق سے اس کے حق کی معافی یا کچھ تلافی نہ ہو جائے۔ کم تولنا یا کم ناپنا بھی حق العباد میں ہے۔

[1] تفسیر ہذا جلد ۳ ص ۳۷۰۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾

بنایا آدمی کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا اور بنایا جان کو آگ کی ڈیک سے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنی رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں مالک دو مشرق کا اور مالک دو مغرب کا پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے چلائے دو دریا بھڑ چلتے اُن میں ہے ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

پھر کیا کیا نعمتیں اپنی رب کی جھٹلاؤ گے تم دونوں نکلتا ہے ان میں سے موتی اور مونگا پھر کیا کیا نعمتیں

اس لیے پورا تولنے کی تاکید فرمائی۔ زیادہ تفصیل اس کی ویل للمطففین میں آئے گی۔ مگر حق العباد سے ڈرنے کے لیے صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی وہ حدیث کافی ہے جو اوپر گزر چکی ہے کہ حق العباد میں لوگوں کی نیکیاں ہر صاحب حق کو اُس کے بدلے میں مل جائیں گی اور یہ لوگ نیکیوں کے ثواب سے محروم ہو کر سیدھے جہنم کو چلے جائیں گے۔ کھجور عرب کا ایک خاص میوہ ہے اس لیے میووں کے عام ذکر کے بعد اس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ اکمام وہ غلاف ہیں جن میں کھجور کا خوشہ پھوٹنے کے وقت چھپا ہوا ہوتا ہے۔ حب کے معنے ہر طرح کے اناج کا بیج۔ علی بن طلحہ کی روایت سے حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ عصف کے معنے گھاس کے ہیں ریحان کے معنے خوشبودار درخت کے ہیں۔

۱۴ تا ۲۵۔ ترمذی نسائی، مسند بزار وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کا پتلا بنانے کے لیے پہلے مٹی لی۔ پھر اس میں پانی ملا کر چھوڑ دیا کہ سیاہ رنگ کا بودار گارا ہو گیا اور یہاں تک سوکھا کہ ٹھیکرے کی طرح ہو گیا۔ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ سورۂ آل عمران، سورۂ حج، سورۂ والصافات اور اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے پتلے کی مختلف حالتیں جو فرمائی ہیں یہ حدیث ان سب حالتوں کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان سورتوں کی آیتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے بلکہ ان چند حالتوں میں سے کسی آیت میں کوئی حالت ہے اور کسی میں کوئی اور۔ حقیقت میں وہ سب حالتیں ایک ہی پتلے کی ہیں۔ ان آیتوں میں پتلے کی آخری حالت کا ذکر ہے اور سورۂ آل عمران میں ابتدائی حالت کا اور سورہ حجر اور والصافات میں درمیانی دو حالتوں کا۔ مارج دہکتی ہوئی آگ کا وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ جاڑے کا مشرق و مغرب الگ ہے جس سے دن چھوٹا ہوتا ہے اور گرمی کا الگ جس سے دن بڑھ جاتا ہے۔ ان آیتوں میں دونوں کا ذکر ہے۔ دریا سے مقصود میٹھی ندیاں اور سمندر ہے اور یہی حال زمین کے اندر کا ہے کہ کھودنے سے کہیں میٹھا پانی نکلتا ہے اور کہیں کھاری اور قدرت کی روک کے سبب سے ایک دوسرے پر غالب نہیں آتا۔ سورۂ فرقان میں اس کی تفصیل زیادہ ہے۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ سمندر میں جہاں میٹھی ندیاں گرتی ہیں وہاں موتی اور مونگا پیدا ہوتا ہے اس لیے دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے کا نکلنا فرمایا۔

لہ صحیح مسلم۔ باب تحریم الظلم۔ ص ۳۲۰ ج ۲ ؎ تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۱ ج ۴

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ۔ اور اسی کے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ پھر کیا کیا

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے جو کوئی ہے زمین پہ نبڑنے والا ہے ۔ اور رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی

وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور عظمت والا ۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

ہر دن اس کو ایک دھندا ہے ۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ۔

ع ۱۱

جہازوں اور کشتیوں کو پہاڑوں سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خشکی میں پہاڑ قدرت کا نمونہ ہیں اسی طرح دریا میں جہاز اور کشتیاں۔ پھر فرمایا زمین پر جو کچھ ہے وہ ہمیشہ رہنے والا نہیں ۔ اس سب کے پیچھے فنا لگی ہوئی ہے ۔ باقی رہنے والی وہی ایک ذات وحدہ لاشریک ہے ۔ اب جس کی قدرت میں انسان کا پیدا کرنا اور فنا کرنا ہے اسی نے یہ جتلایا ہے کہ دنیا کا یہ سب کارخانہ اس نے بے فائدہ نہیں پیدا کیا بلکہ اس لیے پیدا کیا ہے کہ دنیا میں جو نیکی و بدی ہو رہی ہے ہر نیک و بد کے مرجانے کے بعد پھر انسان کو دوبارہ پیدا کر کے نیکی و بدی کی جزا و سزا کا فیصلہ ایک دن کیا جائے گا جو لوگ اس کے منکر ہیں انھوں نے دنیا کی حالت پر اچھی طرح غور نہیں کیا ۔ صاحب غور وہی ہیں جنھوں نے دنیا کو چند روزہ سمجھ کر یہاں کچھ ایسا کر لیا جس سے دوبارہ زیست میں ان کو سرخروئی حاصل ہو۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی شداد بن اوس کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سمجھدار وہی شخص ہے جو دنیا میں موت کے بعد کا کچھ سامان کرلے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے ۔[۵۱]

۲۹ تا ۳۰۔ یہ تو سورہ دخان میں گزر چکا ہے کہ ہر شب قدر کو سال بھر کے انتظام کی لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو نقل اتروا دیتا ہے اسی کے موافق سال بھر کا انتظام دنیا کا جلتا رہتا ہے ۔ اس انتظام الٰہی کے سبب سے ہر روز دنیا میں ہزاروں باتیں ایسی پیش آتی رہتی ہیں جن سے روز اللہ تعالیٰ کی ایک نئی شان اور نئی قدرت معلوم ہوتی رہتی ہے کوئی چلتا پھرتا بھلا چنگا دم بھر میں مرجاتا ہے ۔ کوئی اس طرح کی بیماری سے کہ جس سے کسی طرح بچنے کی امید نہ تھی تندرست ہو جاتا ہے ۔ کوئی امیری سے غریبی کے حال کو پہنچ جاتا ہے ۔ کوئی غریب سے امیر ہو جاتا ہے ۔ صحیح بخاری، ابن ماجہ، طبرانی وغیرہ میں مرفوع اور موقوف روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کسی کا گناہ بخشتا ہے کسی کی تکلیف دور کرتا ہے کسی کو امیر کرتا ہے کسی کو غریب کرتا ہے ۔ اسی طرح سب باتیں اللہ کی شان اور قدرت کی نشانیاں ہیں ۔ زمین پر اللہ تعالیٰ کے روزمرہ طرح طرح کے انتظامات جو جاری ہیں ۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی شان معلوم ہوتی ہے ۔ یہاں تک

[۵۱] ترمذی شریف ص ۸۲ ج ۲ [۵۲] صحیح بخاری تفسیر سورۃ الرحمٰن ص ۷۲۳ ج ۲ و تفسیر الدر المنثور ص ۱۴۳ ج ۶۔

سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ

ہم بہت جلد فارغ ہوتے ہیں تمہاری طرف اے دو بوجھل قافلو۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ اے فرقے جنوں کے

وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

انسانوں کے اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمان اور زمین کے کناروں سے

فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

تو نکل بھاگو نہیں نکل سکنے کے بن سند پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

زمین پر کے اُن زمین کے انتظامات کی تفسیر ہوئی۔ اب اسی طرح آسمان پر ہر گھڑی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے طرح طرح کے احکامات سے اللہ تعالیٰ کی شان معلوم ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ طبرانی تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ ہمیشہ پچھلی رات کو اللہ تعالیٰ لوحِ محفوظ پر نظر ڈالتا ہے۔ اور بہت سے حکموں کو جو لوحِ محفوظ میں لکھے ہیں بحال رکھتا ہے اور بہت موقوف اور منسوخ فرما دیتا ہے اور اسی کے موافق ملائکہ کو طرح طرح کے حکم اللہ تعالیٰ ہر وقت دیتا ہے جس سے ملائکہ کو طرح طرح کی اللہ کی شان اور قدرت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ صحابہؓ کے اس اختلاف کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ بعضے صحابہ کے نزدیک نیک بختی اور بدبختی اور موت، اور حیات کے احکام میں کچھ ردّ و بدل نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ اس کے مخالف ہیں۔ اور مسند امام نسائی ابنِ ماجہ وغیرہ میں جو روایتیں ہیں کہ صلہ رحم سے عمر بڑھ جاتی ہے دعا کی اور قضا و قدر کے حکم کی لڑائی ہوتی ہے اور سوا دُعا کے اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو قضا و قدر کے حکم کو پھیر دیوے۔ اور ترمذیؒ ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی کی دعاءِ قنوت کی روایت میں یہ ہے کہ قضاء و قدر کے مضر حکم سے یا اللہ مجھ کو بچا۔ ان سب روایتوں سے اُن صحابہ کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے جن کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوحِ محفوظ کے تمام حکموں میں رد و بدل فرماتا ہے۔ کسی حکم کی کچھ خصوصیت نہیں ہے لیکن علمِ الٰہی میں کچھ ردّ و بدل نہیں ہوتا۔ بلکہ سال بھر کے انتظام کا نوشتہ جو فرشتوں کو دیا جاتا ہے علمِ الٰہی کے موافق صلہ رحمی یا دعا کے سبب سے اس میں ردّ و بدل ہو جاتا ہے جو ردّ و بدل علمِ الٰہی کا پورا نتیجہ ہے مثلاً ایک شخص کے لوحِ محفوظ کے چند سال کے حسابی اتارے میں بدعمل لکھے ہیں جس سے وہ شخص بدبخت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چند سال کے بعد علمِ الٰہی کا یہ نتیجہ لکھا ہوا ہے کہ اس شخص کا خاتمہ بخیر ہوگا۔ اس نتیجہ کے ظاہر ہونے کے بعد لوحِ محفوظ اور اعمال نامہ کے پچھلے حساب میں ردّ و بدل ہو جاتا ہے۔ علمِ الٰہی کے نتیجہ کے وقت سے پہلے فرشتوں کا علم اس ردّ و بدل سے قاصر ہے۔ سورہ رعد میں اس کی تفصیل زیادہ گزر چکی ہے۔

۳۱ تا ۳۶۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو اس سے بہت عالی اور برتر ہے کہ اُس کو کسی کام سے فرصت اور فراغت حاصل کرنے کی ضرورت ہو کیونکہ یہ تو مخلوق کی شان ہے کہ ایک کام سے فارغ ہولں تو دوسرا کام کریں۔ لیکن جس طرح اُردو کے محاورہ

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۴۳ ج ۶ [2] مشکوٰۃ شریف باب البر والصلۃ فصل ثانی ص ۴۱۹ [3] جامع ترمذی باب ماجاء فی القنوت فی الوتر ص ۸۶ ج ۱۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
چھوڑتے ہیں تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے پھر تم بدلا نہیں لے سکتے ۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبَانِ ﴿٣٦﴾ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
جھٹلاؤ گے ۔ پھر جب پھٹ جاوے آسمان تو ہو جاوے گلابی جیسے تیل کی تلچھٹ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبَانِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
جھٹلاؤ گے ۔ پھر اس دن پوچھ نہیں اس کے گناہ کی کسی آدمی سے اور نہ جن سے ۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾
جھٹلاؤ گے ۔ پہچانے پڑیں گے گنہگار اپنے چہرے سے پھر پکڑا جائے گا ماتھے کے بال سے اور پاؤں سے ۔

میں بولا جاتا ہے کہ سو کام چھوڑ کر یہ کام کیا جائے گا حالانکہ ایسے موقع پر نہ سو کام ہوتے ہیں نہ اُن کا چھوڑنا حقیقت میں مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ جس کام کے کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے یہ محاورہ کی بات کہی جاتی ہے۔ اصل میں اس بات سے اس کام کا ضروری ہونا جتلایا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت اور اُس کے حساب و کتاب اور سزا و جزا کے جو لوگ منکر ہیں اُن کی تنبیہ کے لیے عربی کے محاورہ کے طور پر یہ فرمایا ہے کہ جس حساب اور سزا و جزا کے یہ لوگ منکر ہیں ہمارے نزدیک وہ ایسا ایک اہم کام ہے کہ وقت مقررہ پر خاص توجہ سے ہم اُس کو کریں گے۔ اب آگے جنّات اور انسان کے منکرِ حشر گروہ کو فرمایا کہ اس حساب و کتاب اور سزا و جزا سے بھاگ کر آسمان و زمین کے کسی کونے میں یہ لوگ جا سکتے ہوں تو چلے جائیں اور حساب و کتاب اور سزا کے مخمصے سے چھوٹ جائیں۔ پھر فرمایا کہ بھلا اللہ کی حکومت اور بادشاہت سے نکل کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ قبروں سے اٹھتے ہی ایک آگ اس طرح کے لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر کر محشر کے میدان کی طرف لے جاتی ہے گی۔ آگے اُسی آگ کے شعلوں اور دھوئیں کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ اُس آگ سے بچنے کے لیے اُن کی مدد کر کے کوئی اُن کو بچا نہیں سکتا اور نہ یہ خود کہیں بھاگ سکتے ہیں۔ قیامت کے دن کی باتوں سے لوگوں کو دنیا میں خبردار کر دینا یہ اللہ کا احسان ہے۔ اس لیے اِن باتوں کے ذکر کو نعمت فرمایا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ابوہریرہؓ کی اسی حدیث کو بعضے علماء نے قبروں کے اُٹھنے کے وقت کا حال قرار دیا ہے اور بعضے علماء نے اس کو علامات قیامت میں شمار کیا ہے۔

۳۷ تا ۴۵۔ پہلے صور سے جب ساری دُنیا اُجڑے گی، ایک دفعہ تو آسمان اس وقت پھٹے گا اور پھر حشر کے لیے دُوسرا صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے سب لوگ قبروں سے اُٹھیں گے۔ اُس وقت نیا آسمان پھٹے گا اور اُس میں دروازے ہو جائیں گے جن دروازوں سے حشر کے انتظام کے فرشتے زمین پر اتریں گے۔ اِن آیتوں میں آسمان کی اِسی دُوسری حالت کا ذکر ہے۔ کیونکہ اس کے بعد مجرموں کے دوزخ میں ڈالے جانے کا حال ہے جو دُوسرے صُور کے بعد ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

لہ صحیح بخاری۔ باب کیف الحشر ص ۹۶۵ ج ۲ ۔ لہ صحیح مسلم فصل فی امارات الساعۃ ص ۳۹۳ ج ۲ ۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ یہ دوزخ ہے جس کو جھوٹ بتاتے گنہگار۔

یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ

پھرتے ہیں بیچ اس کے اور کھولتے پانی کے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے اور جو کوئی

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

ڈرا کھڑے ہونے سے اپنے رب کے آگے اس کو ہیں دو باغ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے جن میں بہت سی ٹہنیاں ہیں۔

کی صحیح مسلم اور ترمذی کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ستر ہزار نکیلیں لگا کر دوزخ کو محشر کے میدان میں لایا جائے گا اس وقت کی دوزخ کی لپٹ سے آسمان کا طرح طرح کا رنگ بدلے گا۔ اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے کہ کبھی آسمان کا رنگ گلابی ہو جائے گا اور کبھی سُرخ۔ صحیح مسلم کی انس بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ جو گنہگار اپنے گناہوں کا انکار کریں گے تو اُن کے مُنہ پر مہر لگا کر اُن کو گونگا کر دیا جائے گا۔ اور اُن کے ہاتھ پیروں سے اُن کے گناہوں کی گواہی ادا کرائی جائے گی۔ اس گواہی کے بعد اُن گونگوں سے پھر کچھ نہ پوچھا جائے گا بلکہ اُن کے سیاہ چہرے اور کرنجی آنکھوں کی نشانی سے فرشتے ان کو پہچان لیں گے کہ یہ دوزخی ہیں پھر اُن کی پیشانی کے بال اُن کے پنجوں میں باندھ دیں گے اور اس طرح اُن کی ایک گٹھڑی بنا کر اُن کو دوزخ میں جھونک دیں گے۔ جب اُن کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا تو اُن کو ذلیل کرنے کیلئے فرشتے کہیں گے کہ یہ وہی آگ ہے جس کو دُنیا میں تم جھٹلاتے تھے۔ پھر آگ میں جلنے اور پیاس کے وقت نہایت درجہ کا کھولتا ہوا پانی پینے میں اُن کی ہمیشہ کی زندگی بسر ہو گی۔ کبھی کبھی عذاب کے طور پر یہ کھولتا ہوا پانی اُن کے سر پر بھی ڈال دیا جائے گا۔ اس پانی کے پینے اور سر پر ڈالنے سے اُن کی انتڑیاں باہر نکل پڑیں گی۔ ابو سعید خدریؓ ابو ہریرہؓ اور ابو امامہؓ کی حدیثیں مسند امام احمد ترمذیؒ وغیرہ کی روایت سے جو اس باب میں ہیں سورہ محمدؐ میں وہ گزر چکی ہیں۔ حاکم نے ان حدیثوں کو صحیح کہا ہے۔ دنیا میں اِن باتوں کو نصیحت کے طور پر ذکر کر کے انسان کو اِن باتوں سے ڈرا دینا یہ اللہ کا ایک احسان ہے اس لیے اِن باتوں کے ذکر کو احسان فرمایا۔

۴۶ تا ۵۳۔ جن لوگوں کے دل میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور حساب و کتاب کا خوف ہے۔ اور وہ لوگ اس خوف کے سبب سے فرض اور نفل عبادت کے بجا لانے اور گناہوں سے بچنے میں احکام شرع کے پابند ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کی بڑی عزت فرمائے گا۔ چنانچہ صحیح بخاریؒ و مسلم وغیرہ میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں حشر کی گرمی اور پسینے کے وقت سات شخصوں کو عرش کے سایہ میں جگہ ملنے کی عزت کا ذکر ہے۔ ان سات شخصوں میں ایک شخص وہ ہے جس کو کوئی مالدار حسین عورت بدکاری کا پیغام دے اور وہ شخص اللہ کے خوف سے بدکاری نہ کرے۔

[1] صحیح مسلم باب جہنم اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۱ ج ۲ و ترمذی شریف باب ما جاء فی صفۃ النار ص ۹۴ ج ۲۔ [2] صحیح مسلم فصل فی بیان ان الاعضاء منطقۃ شاھدۃ یوم القیٰمۃ ص ۴۰۹ ج ۲۔ [3] جامع ترمذی باب ما جاء فی صفۃ شراب اھل النار ص ۹۵ ج ۲۔ [4] صحیح بخاری باب الصدقۃ بالیمین ص ۱۹۱ ج ۱ و صحیح مسلم باب فضل اخفاء الصدقۃ ص ۳۳۱ ج ۱۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں دو چشمے بہتے ہیں پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی

تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

جھٹلاؤ گے۔ ان میں ہر میوے قسم قسم کے ہیں۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ

لگے بیٹھے بچھونوں پر جن کے استر تافتے کے اور میوہ ان باغوں کا جھک رہا ہے پھر کیا کیا

اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ ان میں عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں نہیں ساتھ سلایا ان کو کسی آدمی نے اُن سے پہلے اور نہ

اس باب میں اور بھی حدیثیں ہیں۔ اِن آیتوں میں بھی ایسے لوگوں کی عزت کا یہ ذکر ہے کہ ایک جنت اُن کے نیک عمل کے بدلے میں اور ایک اُن کے خوف کے بدلے میں اس طرح اُن کو دو جنتیں ملیں گی۔ بعضے مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ فقط آیتوں کے قافیہ کے لیے جَنَّتَانِ فرمایا تاکہ قرآن میں تُکَذِّبَانِ وغیرہ کا قافیہ مل جائے ورنہ جنت سب کو ایک ہی ملے گی اس قول کو اور علماء نے چند طرح سے غلط ٹھہرایا ہے۔ جن پیڑوں میں ٹہنیاں زیادہ ہوں گی اُن کا سایہ بھی بہت ہوگا اور ٹہنیوں میں میوہ زیادہ ہوگا اس لیے اِن پیڑوں کی ٹہنیوں کا ذکر فرمایا۔ درختوں کی پرورش پانی سے ہوتی ہے اس لیے چشموں کا ذکر فرمایا۔ سلف کا بیان ہے کہ ان دو چشموں میں سے ایک پانی کا ہوگا اور ایک شراب کا۔ جس سے یہ میوے نہایت مزہ دار ہو جائیں گے۔ قسم قسم کے میوہ کا یہ مطلب ہے کہ خشک و تر جس طرح کے میوے کو جی چاہے وہ اِن پیڑوں میں لگا ہوا ہوگا۔ بیہقی کی روایت[۵۱] سے حضرت عبداللہ بن عباس کی صحیح حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ جنت کی چیزوں کے دنیا میں فقط نام ہی نام ہیں۔ اس لیے جنت کے میووں کو دنیا کے میووں سے تشبیہ دے کر کچھ زیادہ تفسیر نہیں کی جا سکتی۔ اسی لحاظ سے صحیح بخاری[۵۲] و مسند امام احمد وغیرہ کی ابوہریرہؓ کی روایتوں میں ہے کہ جتنی جگہ میں گھوڑے کا کوڑا رکھا جاتا ہے جنت کی اتنی جگہ تمام دنیا سے بہتر ہے۔

۵۴ تا ۶۱۔ معتبر سند سے بیہقی[۵۳] میں عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ جس بچھونے کا استر ریشمی کپڑے بیش قیمت کا ہوگا۔ اس بچھونے کے ابرے کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کیا ہوگا۔ استبرق دلدار ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں[۵۴]۔ مجاہد کے قول کے موافق جنت کی میوہ دار شاخیں ایسی حالت پر ہوں گی کہ کھڑے بیٹھے لیٹے سب طرح ان شاخوں میں کا میوہ جنتی لوگ کھا سکیں گے۔ صحیح بخاری[۵۵] و مسلم میں عبداللہ بن اوفیٰ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک کر دیکھ لیوے تو مشرق سے مغرب تک ساری زمین پر

۵۱ الترغیب والترہیب۔ فصل فی ان اعلیٰ ما یخطر علی البال الخ ص ۱۰۳۹ ج ۴ ۵۲ صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ والنار ص ۹۷۲ ج ۲ و ص ۱۲ ج ۱ ۵۳ تفسیر الدر المنثور ص ۱۴۷ ج ۶ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۷ ج ۴ ۵۴ تفسیر الدر المنثور ص ۱۴۷ ج ۶ ۵۵ صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ والنار ص ۹۷۲ ج ۲۔

جَآنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِاَیِّ

کسی جن نے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ وہ کیسے جیسے لعل اور مونگا پھر کیا کیا

اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ اور کیا بدلا ہے نیکی کا مگر نیکی پھر کیا کیا نعمتیں

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾

اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

اس کی خوبصورتی کی چمک پھیل جائے۔ بعض روایتوں میں یوں بھی ہے کہ اس کے حُسن کی چمک سے سورج اور چاند کی روشنی ماند ہو جائے۔ آیت کانھن الیاقوت والمرجان کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ طبرانی[1] میں حضرت اُمِّ سلمہ کی بہت بڑی حدیث ہے اس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت اُمِّ سلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ دُنیا کی ایماندار عورتوں کا درجہ جنت میں بڑھ کر ہوگا یا جنت کی عورتوں کا آپ نے فرمایا نیک عملوں کے اجر کے سبب سے دُنیا کی عورتوں کا درجہ جنت میں بڑھ کر ہوگا۔ اُن کے چہروں پر اللہ کے حکم سے عجیب طرح کا نور آ جائے گا۔ طبرانی کی اس حدیث کی سند میں ایک راوی سلیمان بن ابی کریمہ ہے جس کے ثقہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مسند ابی یعلیٰ[2] اور بیہقی میں بھی اس مضمون کی روایتیں ہیں جن سے اُمِّ سلمہؓ کی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔ بیہقی کی سند میں ایک راوی اسمٰعیل بن رافع کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف بتلایا ہے۔ لیکن امام بخاریؒ نے اس کو ثقہ کہا ہے جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ دُنیا کی عورتیں حُسن اور درجہ میں حُوروں سے جنت میں بڑھ کر ہوں گی اُن کے قول کی بنیاد اس حدیث پر ہے۔ اور جو علماء حُوروں کے بڑھ کر رہنے کے قائل ہیں اُن کے قول کی بنیاد عوف بن مالک کی صحیح مسلم[3] کی اس حدیث پر ہے جس میں آپ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اور یہ دُعا کی کہ یا اللہ تو اس میت کو بہ نسبت دنیا کے گھر کے اور دنیا کی بی بی کے عقبیٰ میں اچھا گھر اور اچھی بی بی دے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقبیٰ کی بیبیاں دنیا کی بیبیوں سے اس طرح اچھی اور بہتر ہوں گی جس طرح وہاں کا گھر دنیا کے گھر سے اچھا اور بہتر ہوگا۔ ظاہراً یہی آخری قول قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد ایک قوی حدیث پر ہے۔ لیکن یہ حدیث عام ہے اس میں سے زیادہ نیک عمل والی دنیا کی عورتوں کو خاص ٹھہرانا چاہیے۔ کیونکہ دوسرے قول کی بنیاد جن حدیثوں پر ہے اُن کے باہمی تقویت کا حال بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ نیچی نگاہ والیوں کا مطلب حضرت عبداللہ[4] بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ ہے کہ سوائے اپنے شوہر کے دوسرے غیر مرد کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں گی۔ نہیں ساتھ سُلایا اُن کو کسی آدمی نے اُن سے پہلے نہ کسی جن نے اس کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے موافق یہ ہے کہ وہ کواری ہوں گی۔ آیت کے اس ٹکڑے کو علماء نے اس بات کی دلیل ٹھہرایا ہے کہ جنات بھی جنت میں جاویں گے۔ صحیح بخاری[5] و مسلم کی معاذ بن جبلؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ خالص دل سے اللہ کی عبادت کریں۔ اور اس حق کے

[1] الترغیب والترہیب فصل فی وصف نساء اہل الجنۃ ص ۸۸ و ج ۴ [2] الترغیب والترہیب۔ فصل فی وصف نساء اہل الجنۃ ص ۳ و ج ۴

[3] الترغیب والترہیب۔ فصل فی وصف نساء اہل الجنۃ ص ۱ و ج ۴ [4] صحیح مسلم۔ فضل الدعاء للمیت ص ۳۱۱ ج ۱ [5] تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۸ ج ۴

[6] ایضاً [7] صحیح بخاری کتاب التوحید ص ۱۰۹۷ ج ۲ و صحیح مسلم باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنۃ قطعاً ص ۴۴ ج ۱۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾

اور ان دو کے سوا اور دو باغ ہیں پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے گہرے سبز جیسے سیاہ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ان میں دو چشمے ہیں اُبلتے ہوئے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

ادا ہونے کے بعد بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو دوزخ کے عذاب سے بچا کر جنت میں داخل کرے آیت ھل جزاء الاحسان الا احسان کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے ؀

۶۲ تا ۷۱۔ صحیحین ترمذی وغیرہ میں چند صحابہ سے جو روایتیں ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں اور ہر درجہ کا فاصلہ دوسرے درجہ تک سو برس کے راستہ کا ہے۔ ہر درجہ میں اس قدر گنجایش ہے کہ تمام دنیا کے لوگ ایک درجہ میں رہ سکتے ہیں جس جنت کا نام فردوس ہے۔ وہ سب درجوں میں اعلیٰ درجہ کی جنت ہے۔ اسی واسطے آپ نے اِن ہی روایتوں میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے جنت الفردوس کی خواہش کرنی چاہیے۔ میٹھے پانی کی اور شہد اور دُودھ اور شراب کی نہریں اِس جنت الفردوس سے جاری ہو کر اور جنتوں میں گئی ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ جو لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ شاید صاحبِ مشکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ عبادہ بن صامت کی روایت سے یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں نہیں ہے ورنہ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد اور صحیح مسلم کے مجاہدین کے ثواب کے باب میں یہ حدیث موجود ہے۔ بخاری کی روایت ابوہریرہؓ کی ہے اور مسلم کی روایت ابوسعید خدری کی ہے۔ اِسی جنت الفردوس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ جنتیوں کے درجوں سے مقصود جنت کی منزلیں اور جنت کے مکانوں کے قطعات ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلم کی ابوسعید خدری کی روایت میں ہے کہ جو جنتی لوگ جنت کی نیچی کی منزل میں ہوں گے۔ ان کو جنت کی اوپر کے منزل کے لوگ تاروں کی طرح نظر آئیں گے۔ غرض اِن آیتوں میں پہلے تو یہ فرمایا کہ جن لوگوں کے دل میں خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ہوگا اُن کو جنت کی دو منزلیں ملیں گی۔ ایک اُن کے نیک عمل کے بدلے میں۔ اور ایک خوفِ الٰہی سے بُرے کاموں سے بچنے کے بدلے میں پھر اِن منزلوں کے ساز و سامان کا ذکر فرمایا کہ بعض منزلوں میں اعلیٰ درجہ کا ساز و سامان۔ اور بعض میں اُن سے کم درجہ کا مثلاً ایک جگہ فاکہۃ فرمایا اور دُوسری جگہ کل کا لفظ نہیں فرمایا۔ ہر طرح کی منزلوں کے ساز و سامان کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جس قدر خوفِ الٰہی انسان کے دل میں ہوگا اسی قدر ساز و سامان والی جنت کی دو منزلیں اُس کو ملیں گے۔ امت کے سب لوگوں سے بڑھ کر اللہ کا خوف تو اللہ کے رسول کے دل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ انسؓ بن مالک کی صحیح بخاری و مسلم کی حدیث جس میں بعضے صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو کم ٹھہرا کر آپؐ سے بڑھ کر عبادت کرنے کا قصد کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

۱؎ صحیح بخاری باب درجات المومنین فی سبیل اللہ الخ ص ۳۹۱ ج ۱ و صحیح مسلم۔ باب ما اعداللہ تعالیٰ للمجاھدین الخ ص ۱۳۵ ج ۲

۲؎ مشکوٰۃ شریف باب فی صفۃ الجنۃ واھلھا۔ فصل اوّل ص ۴۹۶ ۳؎ صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ والنار ۹۷۰ ج ۲ و ص ۴۶۱ ج ۱ و صحیح مسلم باب الجنۃ وصفۃ نعیمھا و اھلھا ص ۳۷۸ ج ۲۔ ۴؎ صحیح بخاری کتاب النکاح ص ۷۵۷ ج ۲ و صحیح مسلم باب استحباب النکاح الخ ص ۴۴۹ ج

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۶۹﴾ فِيهِنَّ

اُن میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔ اُن میں نیک

خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۷۱﴾

عورتیں ہیں خوبصورت۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ اب اللہ کے رسول کے بعد جس قدر خوفِ الٰہی امّت کے علماء اور صلحاء کے دل میں ہوگا۔ اسی قدر ساز و سامان کی جنّت کی دو منزلیں اُن کو ملیں گے۔ ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جنّت کے اعلیٰ منزلوں کا ذکر فرمایا تو بعضے صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ وہ منزلیں اللہ کے رسولوں کی ہوں گی۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں لیکن جن لوگوں کا یقین اللہ کے احکاموں پر پُورا ہے اُن کو بھی یہ منزلیں ملیں گی اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ امّت کے علماء اور صلحاء میں سے ان کے ایمان اور عقبیٰ کے خوف کے موافق جنّت کی منزلوں کی درجہ بندی ہوگی۔ اس درجہ بندی کا ذکر سورۃ النساء کی آیت ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیّن والصدیقین والشھداء والصالحین میں گزر چکا ہے۔ مدھامتن کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس گہرے سبز رنگ کی فرمائی ہے جس کی سبزی میں سیرابی کی زیادتی سے سیاہی کی جھلک پیدا ہو جائے۔ پہلے دو جنّتوں کے پیڑوں میں ٹہنیوں کی زیادتی کا ذکر تھا جو یہاں نہیں ہے۔ نضاختان کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے لبالب کی فرمائی ہے۔ پہلے کے دونوں چشموں میں لبالب ہونے کے بعد بہنے کا ذکر تھا جو یہاں نہیں ہے۔ خیرات حسان کے معنے خوبصورت خوش اخلاق عورتیں۔ پہلے کانھن الیاقوت والمرجان فرمایا تھا جو یہاں نہیں ہے۔ یہاں حور مقصورات فی الخیام ہے۔ وہاں فیھن قاصرات الطرف فرمایا تھا۔ جو عورتیں غیر مرد سے خود اپنی نگاہ کو روکیں اور جن عورتوں کی نگاہ کسی روکنے والے کے حکم سے روکی جائے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ متکئین علی رفرف خضر کے معنے سبز قالین وہاں ایسے بچھونے فرمائے تھے جن کے استر دلدار ریشمی کپڑے کے تھے اور ابرے کی تعریف بیان سے باہر تھی۔ یہاں فقط سبز قالین فرمائے ہر نفیس چیز کو عرب عبقری کہتے ہیں۔ مفسرین نے اگرچہ اس میں بڑا اختلاف کیا ہے کہ اس رکوع میں جنّت کی جن دو منزلوں کا پہلے ذکر فرمایا ہے۔ وہ اعلیٰ ہیں یا پچھلی دو منزلیں اعلیٰ ہیں لیکن ساز و سامان کے مقابلہ سے تو اول کی دونوں منزلیں اعلیٰ معلوم ہوتی ہیں۔ جس طرح امیر آدمی دنیا میں دو مکان بنا کر دل بہلانے کے لیے کبھی ایک میں رہتے ہیں کبھی دوسرے میں۔ اسی طرح خدا کے خوف سے بُرا کام چھوڑنے والوں کو عقبیٰ میں دل بہلانے اور نقل مکان کرنے کیلئے جنّت میں دو مکان دیئے جائیں گے۔

ۍ حوالہ کے لیے دیکھئے صفحہ گزشتہ ۲ۍ تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۹ ج ۴ ۳ۍ ایضاً۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ

گوریاں روکی رہتیاں خیموں میں پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ۔ نہیں چھُوا اُن کو

اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ

کسی آدمی نے پہلے اُن سے اور نہ کسی جان نے پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ۔ تکیہ لگائے بیٹھے سبز

خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ

چاندنیوں پر اور قیمتی بچھونوں پر خوش طرح پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے ۔ بڑی برکت ہے نام کو تیرے رب کا

ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾

جو بزرگی رکھتا ہے تعظیم والا ۔

ع ۳ ۳۳ ۱۴

۷۲ تا ۷۷ ۔ صحیح بخاری صحیح مسلم ترمذی وغیرہ میں چند صحابہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جنت کے خیمے دنیا کے خیموں کی طرح کپڑے کے نہیں ہوں گے بلکہ ساٹھ میل کی چوڑائی کے اندر سے خالی موتی ہوں گے۔ ان موتیوں کے وہ خیمے ہوں گے ۔ ایک ایک خیمہ کے ستر ستر دروازے ہوں گے ۔ تفسیر حسن بصری میں لکھا ہے کہ یہی دنیا کی نیک عورتیں اچھی صورت کی ہو کر جنت میں پیدا ہوں گی ۔ اُن کو قرآن شریف میں حور فرمایا ہے لیکن اور مفسروں نے اِس قول پر اعتراض کیا ہے کہ حوریں اولاد آدم میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ ایک مخلوق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں پیدا کی ہے ۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت معاذ بن جبل کی جو حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے خاوند کو دنیا میں کچھ ایذا دیتی ہے تو وہ حور جو جنت میں اِس مرد کو ملنے والی ہے اس عورت کو اپنی جگہ پر بُرا کہتی ہے اور یہ بھی کہتی ہے کہ اس مرد کو کیوں ایذا دیتی ہے یہ تو تیرے پاس چند روزہ مہمان ہے ۔ پھر ہمارے پاس آنے والا ہے ۔ اِس حدیث سے اور اس قسم کی اور احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حوریں دنیا کی مخلوق سے جُدا ہیں ۔

۷۸ ۔ ترمذی اور مستدرک حاکم میں حضرت انس رضی سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان کو لازم ہے کہ یا ذالجلال والاکرام کا وظیفہ کبھی نہ چھوڑے صحیح مسلم میں ثوبان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام ۔ معنے ان دونوں ناموں کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب عظمت ہے اس کی عظمت کے آگے کسی کو کسی طرح کی بزرگی کا حق حاصل نہیں ہے ۔ اس واسطے اس کی عبادت میں کسی طرح کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا اور جو باتیں اللہ کی ذات کے لائق نہیں ہیں ۔ اُن سے اللہ کی پاکی اور اکرام بندوں کو لازم ہے ۔

۵۱ صحیح بخاری باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ وانھا مخلوقۃ ص ۴۶۰ ج ۱ و صحیح مسلم باب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا ص ۳۸۰ ج ۲ الخ ۵۲ جامع ترمذی آخر ابواب النکاح ص ۱۴۷ و ۱۴۸ ج ۱ ۵۳ جامع ترمذی آخر ابواب الدعوات ص ۲۱۴ ج ۲ ۵۴ صحیح مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۲۱۸ ج ۱ ۔

آیاتہا ۹۶ (۵۶) سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۴۶) رکوعاتہا ۳

یہ سورۃ مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝٣ إِذَا رُجَّتِ

جب ہو پڑے ہو پڑنے والی نہیں اس کے ہو پڑنے میں جھوٹ اتارتی ہے چڑھاتی جب لرزے

الْأَرْضُ رَجًّا ۝٤ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝٥ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ۝٦ وَّكُنْتُمْ

زمین کپکپا کر اور ٹکڑے ہوں پہاڑ ٹوٹ کر پھر ہو جائیں گرد اڑتی اور تم ہو جاؤ

ا تا ۱۲۔ مشرکین مکہ قیامت کے منکر تھے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے چند سورتوں میں قیامت کا حال بیان فرما کر ان کے انکار کو توڑا ہے۔ حاصل معنے ان آیتوں کے یہ ہیں کہ اب تو یہ لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں لیکن جب قیامت قائم ہو جائے گی اور دوسرے صور کی آواز سن کر یہ لوگ قبروں سے ٹڈیوں کی طرح نکل کھڑے ہوں گے اور ان کے قبروں سے نکلتے ہی ایک آگ ان پر تعینات ہو جائے گی جو ان کو محشر کے میدان تک گھیر کر لے جائے گی۔ ابوہریرہؓ کی حدیث میں اس آگ کا ذکر ہے۔ اگرچہ اس حدیث کے معنے میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ آگ علاماتِ قیامت میں سے ہے جو قیامت سے پہلے عدن سے نکلے گی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قیامت کے دن قبروں سے اٹھنے کے وقت یہ آگ بدلوگوں کے ساتھ ہوگی۔ یہ دونوں قول اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔ لیکن ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں یوم القیامۃ کا لفظ موجود ہے جس سے دوسرے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ غرض اس آگ سے ان لوگوں کو میدانِ محشر میں اور دوزخ میں طرح طرح کی تکلیفیں پیش آئیں گی۔ اس وقت ان کو اس انکار کی حقیقت کھل جائے گی کہ اس وقت یہ اپنی کسی تکلیف کو ٹال نہ سکیں گے۔ قیامت کے حال میں اوتارتی چڑھاتی جو فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگ جو بڑھ چڑھ کر گزران کرتے اور اپنی اس دنیا کی خوشحالی کے سبب سے عقبیٰ سے بالکل غافل تھے۔ قیامت کے دن وہ ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور دنیا کی جس خوشحالی نے ان کو عقبیٰ سے غافل کر دیا تھا اس دن کے عذاب کے آگے وہ دنیا کی چند روزہ خوشحالی ان کو یاد بھی نہ رہے گی۔ اسی طرح جو ایماندار لوگ دنیا میں گری ہوئی حالت سے اپنی گزر کرتے تھے وہ اس دن نہایت چڑھتی بڑھتی حالت سے ہو جائیں گے اور دنیا کی وہ اپنی گری ہوئی حالت ان کو یاد بھی نہ رہے گی۔ صحیح مسلم کی اسی مضمون کی انس بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے اس سے حضرت عبداللہ بن عباس کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ زمین کا ہلنا اور پھٹنا اور پہاڑوں کا غبار کی طرح اڑنا اگرچہ یہ پہلے صور کے وقت ہوگا لیکن یہ قیامت کے شروع ہو جانے کی باتیں ہیں اس لیے دوسرے صور کے بعد کی باتوں کے ساتھ ان کا بھی ذکر فرمایا۔ اب قیامت کے دن سب لوگوں کی تین قسمیں جو ہوں گی ان کا ذکر فرمایا۔ داہنے ہاتھ والوں کی تفسیر میں

له دیکھیے تفسیر ہذا جلد ہذا ص ۷۰۔ سله تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۴۔ سله صحیح مسلم باب فی الکفار ص ۳۷۴ ج ۲۔

أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَأَصْحٰبُ
تین قسم پھر داہنے والے کیسے داہنے والے اور بائیں

الْمَشْئَمَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ
والے کیسے بائیں والے اور اگاڑی والے وہ لوگ ہیں

الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ
پاس والے باغوں میں نعمت کے ۔ انبوہ ہے پہلوں میں اور تھوڑے ہیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے رُوحیں نکالنے کے وقت حضرت آدمؑ کی سیدھی طرف تھے اور بائیں ہاتھ والے وہ لوگ ہیں جو حضرت آدمؑ کی بائیں جانب تھے۔ یہ مسلم بن یسار کی حضرت عمرؓ والی حدیث کا مضمون ہے جس کے موافق حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے داہنے اور بائیں ہاتھ والوں کی تفسیر کی ہے۔ یہ حدیث مؤطا ترمذی[1] اور ابوداؤد میں ہے۔ اگرچہ بعضے علماء نے اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلم بن یسار نے حضرت عمرؓ کو نہ دیکھا نہ اُن دونوں کی کبھی ملاقات ہوئی۔ پھر یہ روایت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے لیکن مؤطا مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کی سندیں ایسی ہیں اُن میں یہ اعتراض نہیں ہے اس لیے یہ حدیث معتبر ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو تفسیر کی ہے وہ صحیح ہے۔ اس حدیث کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اُن کی پشت سے اُن روحوں کو نکالا جو قیامت تک دنیا میں آنے والی تھیں۔ اور داہنی جانب کی روحوں کو جنتی لوگوں کی روحیں اور بائیں جانب کی روحوں کو دوزخی لوگوں کی رُوحیں فرمایا۔ صحیح مسلم[2] کی ابوذرؓ کی اُس حدیث سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کے داہنے ہاتھ کی طرف اہل جنت کی اور بائیں ہاتھ کی طرف اہل دوزخ کی روحیں دیکھیں۔ بعضے مفسروں نے داہنے ہاتھ والوں کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نیک عمل لوگ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ وہ لوگ جن کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر ان سب باتوں کو شامل اور سب پر صادق آتی ہے کیونکہ جو لوگ پیدا ہونے کے پہلے جنتی قرار پاچکے ہیں وہ ضرور دنیا میں عمل بھی نیک کریں گے اور قیامت کے دن اُن کا اعمال نامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا داہنے ہاتھ والوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول کیا یا امتوں میں سے وہ لوگ جو نیک عملوں میں پیش قدمی کرتے رہے اُن کو آگے والے اور مقرب فرمایا۔ مقرب وہ جن کے درجے جنت میں بڑے بڑے ہوں گے۔

۱۳تا۲۶۔ یہ مقربین کی تفصیل ہے کہ وہ پہلے لوگوں میں بہت ہیں اور پچھلوں میں تھوڑے۔ اس[3] میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ پہلوں سے مقصود حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لوگ ہیں یا اسی امت کے پہلے لوگ۔ اکثر سلف کا یہی قول ہے کہ اوّلین و آخرین اسی اُمت کے پہلے اور پچھلے لوگوں کو فرمایا ہے۔ آیت کنتم خیر امۃ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۲ ج ۴ و تفسیر الدر المنثور ص ۱۵۴ ج ۶ [2] جامع ترمذی تفسیر سورۃ الاعراف ص ۱۵۵ ج ۲ [3] صحیح مسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ ص ۹۲ ج ۱ [4] دیکھیے تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۴ ج ۴۔

الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ

پچھلوں میں بیٹھے ہیں جسڑاؤ تختوں پر تکیہ دیئے اُن پر ایک دوسرے کے سامنے اُن کے

عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا

پاس لڑکے سدا رہنے والے آبخورے اور کوزے اور پیالہ ستھری شراب کا سر

يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ

نہ دُکھے جس سے اور نہ بکنا لگے اور میوہ جونسا چن لیویں اور گوشت اُڑتے جانوروں

مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا

کا جس قسم کو جی چاہے۔ اور گوریاں بڑی آنکھوں والیاں گویا برابر پلتے موتی کے بدلا اُس کا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

جو کرتے تھے نہیں سنتے وہاں بکنا اور نہ جھوٹ لگانا۔ مگر ایک بولنا سلام سلام

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾

اور داہنے والے کیسے داہنے والے رہتے بیری کے درختوں کانٹے جھاڑے ہوئوں میں اور کیلے تہ پر تہ

سے اور اسی مضمون کی بہز بن حکیم کی اس حدیث سے جس کو ترمذیؔ ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ جب یہ امت اور امتوں سے بہتر ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ مقربین کی تعداد بہ نسبت اس امت کے اور امتوں میں زیادہ ہو۔ بہز بن حکیم کی حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ یہ بہز بن حکیم بن معاویہ اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہیں اگرچہ صحیح بخاری و مسلم میں ان کی کوئی روایت نہیں ہے۔ لیکن ابن عدی نے اس سند کو قابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔ مقربین کی جنت میں سازوسامان یہ ہوگا کہ سونے کے تاروں کے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ نوعمر خوبصورت خادم پانی کے آبخورے۔ شراب کے جام، طرح طرح کے میوے کے طباق اور کباب کیلئے رکابیاں لیے ہوئے حاضر ہوں گے۔ شراب وہ ہوگی کہ جس سے دنیا کی طرح نہ سر میں درد ہوگا نہ حواس میں کچھ فتور پڑے گا۔ آبدار موتی کی صورت حوریں ہم نشینی کے لیے موجود ہوں گی۔ مخلدون کا یہ مطلب ہے کہ وہ نوعمر خادم ہمیشہ نوعمری کی حالت پر رہیں گے۔ صحیح قول یہی ہے کہ وہ نوعمر لڑکے حوروں کی طرح جنت میں جدا پیدا کئے گئے ہیں اولادِ آدم میں سے نہیں ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ جنتی لوگ آپس میں سلام علیک جو کریں گے اسی کی آواز چاروں طرف سے آئے گی اور کسی طرح کی ایسی بیہودہ کوئی بات چیت نہ ہوگی جس سے جنت کے عیش میں کچھ خلل پڑے۔ سورہ رحمٰن میں گزر چکا ہے کہ مقربین کی جنت کی منزلیں بھی بلند ہوں گی اور اُن کا سازوسامان بھی اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔

۲۷ تا ۳۸۔ مقربین کے حال کے بعد یہ داہنے ہاتھ والوں کا حال فرمایا۔ طائف کے پاس ایک جگہ ہے جس کا نام وج ہے۔ وہاں بیری اور کیلے کے درختوں کا سایہ بہت ہے۔ اس جگہ کو سایہ اور ٹھنڈک کے سبب سے اہل مکہ بہت پسند کرتے تھے

[۵] جامع ترمذی تفسیر سورۃ آلِ عمران ص ۱۴۶ ج ۲۔

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا
اور چھاؤں لمبی اور پانی بہایا ہوا اور میوے بہت نہ ٹوٹا اور نہ

مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾
روکا اور بچھونے اونچے ہم نے وہ عورتیں اٹھائیں ایک اٹھان پر پھر کیا ان کو کنواریاں ۔

اس لیے فرمایا کہ جنت میں بھی سایہ دار درخت ہوں گے ۔ بلکہ اتنی بات بڑھ کر ہو گی کہ دنیا کی بیریوں میں کانٹے ہوتے ہیں جنت کی بیریوں میں سایہ ہوگا، پھل ہوں گے مگر کانٹے نہ ہوں گے ۔ دُنیا کے لمبے درختوں کا نیچے کا حصہ پھل سے خالی ہوتا ہے ۔ جنت کے درخت ایسے نہیں ہیں ان میں جڑ کے پاس سے ہی میوے کی شاخیں شروع ہو جاتی ہیں ۔ معتبر سند[1] سے بیہقی کی عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ جنت کی چیزوں کے فقط نام دُنیا کی چیزوں سے ملتے ہیں ورنہ جنت کی چیزوں کے آگے دُنیا کی چیزوں کی کچھ حقیقت نہیں ۔ اس لیے ان بیروں اور کیلوں کے مزہ کو دنیا کے بیر اور کیلوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے ۔ صحیح بخاری[2] مسلم اور ترمذی میں ابوسعید خدری سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بعضے سایہ دار درخت ایسے ہیں کہ ان کا سایہ سوار آدمی سے بھی سو برس کے عرصہ میں طے نہیں ہو سکتا ۔ ترمذی[3] نے اس حدیث کو ظل ممدود کی تفسیر قرار دیا ہے ۔ حضرت عبداللہ[4] بن عباس کی معتبر روایتوں کے موافق جنت میں نہ سورج ہے نہ دھوپ ۔ وہاں تو ہمیشہ ایسا وقت رہے گا جیسا وقت دنیا میں طلوع فجر سے سورج کے نکلنے تک رہتا ہے اس لیے وہاں کا سایہ فقط تفریح کے لیے ہوگا ۔ مسند[5] امام احمد اور ترمذی میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جنت میں دُودھ شہد شراب اور میٹھے پانی کے دریا ہیں جن میں سے یہ چیزیں بہہ کر جنت کے ہر ایک مکان کی نہروں میں آئیں گی اور ہمیشہ وہ نہریں جاری رہیں گی ۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور یہی حدیث ماء مسکوب کی تفسیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میٹھے پانی کے دریا میں سے جنت کی نہروں میں پانی گرے گا اور ہمیشہ جاری رہے گا حضرت عبداللہ[6] بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق جنت کی نہروں کے کنارے اور اُن میں گہرائی نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم سے مسطح زمین پر وہ نہریں جاری ہوں گی تاکہ بغیر دقت کے اُن میں سے دودھ شہد شراب پانی ہر چیز لی جا سکے ۔

صحیح بخاری[7] و مسلم کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث مشہور ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز پڑھتے میں جنت اور دوزخ کو دیکھا اور جنت کے انگور کی بیل میں سے ایک خوشہ توڑنا چاہا اور پھر اللہ کا حکم نہ ہونے سے وہ خوشہ آپ نے نہیں توڑا اور فرمایا کہ اگر میں اس خوشہ کو توڑ لیتا تو قیامت تک لوگ اس کے انگور کھایا کرتے ۔ یہ حدیث وفاکهة کثیرة کی گویا تفسیر ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے میوے کا ایک ایک خوشہ ہزاروں

[1] الترغیب والترہیب ۔ فصل فی ان اعلیٰ ما یخطر علی البال الخ ص ۱۰۳۹ [2] صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ والنار ص ۹۷۰ ج ۲ و صحیح مسلم باب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا ص ۳۷۸ ج ۲ [3] جامع ترمذی تفسیر سورۃ الواقعۃ ص ۱۶۴ ج ۲ [4] الترغیب والترہیب ۔ فصل فی انہار الجنۃ ص ۹۶۳ ج ۴ ۔
[5] جامع ترمذی باب ما جاء فی انہار الجنۃ ص ۹۴ ج ۲ [6] الترغیب والترہیب ۔ فصل فی انہار الجنۃ ص ۹۶۲ ج ۴ [7] صحیح بخاری باب صلوٰۃ الکسوف جماعۃ الخ ص ۱۴۳ ج ۱ و صحیح مسلم ۔ کتاب الکسوف ص ۲۹۸ ج ۱ ۔

عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۱۴

پیار دلاتیاں ایک عمر کیاں واسطے داہنے والوں کے ۔ انبوہ ہے پہلوں میں اور انبوہ ہے پچھلوں میں۔

آدمیوں کے ہزار ہا برس کے کھانے کے قابل میوے سے لدا ہوا ہے لا مقطوعۃ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جس طرح دنیا کے میوے خاص خاص موسم پر ہوتے ہیں اور موسم کے بعد اُن کی پیداواری کا سلسلہ مقطوع اور منقطع ہو جاتا ہے۔ جنت کے میووں کا یہ حال نہیں ہے بلکہ وہاں ہر موسم میں کل میوے موجود ہوں گے۔ لا ممنوعۃ کی تفسیر انہی کے قول کے موافق یہ ہے کہ لیٹے بیٹھے ہر حالت میں جنتی لوگ جنت کے پیڑوں کا میوہ کھا سکیں گے۔ کسی حالت میں کچھ رکاؤ نہ ہوگا۔ فراش مرفوعہ کا یہ مطلب ہے کہ کئی کئی بچھونے اوپر تلے بچھانے سے وہ بچھونے اُونچے ہو جائیں گے ترمذیؒ میں ابوسعید خدری کی جو روایت ہے اُس سے اُن بچھونوں کی اُونچائی پانسو برس کے راستہ کی معلوم ہوتی ہے۔ ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب کہہ کر یہ کہا ہے کہ رشدین بن سعد اس حدیث کی روایت عمرو بن الحارث سے تن تنہا کرتا ہے۔ یہ رشدین بن سعد اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن صحیح ابن حبان اور بیہقی کی سند میں عبداللہ بن وہب نے بھی اس حدیث کو عمرو بن الحارث سے روایت کیا ہے اور عبداللہ بن وہب کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ اس لیے یہ حدیث حسن کے درجہ سے کسی طرح کم نہیں ہے انا انشأناھن انشاء کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ ہے کہ جنت کی عورتیں ہمیشہ ناکتخدا عورت کی حالت میں رہیں گی۔ عربا کے معنی اپنے شوہر سے الفت کرنے والیاں اترابا کے معنی ہم عمر۔

۳۹ تا ۴۰۔ ترمذیؒ میں حضرت بریدہؓ کی حدیث ہے جس کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ اُن میں سے اسّی صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی اور چالیس صفیں اور اُمتوں کی ہوں گی۔ اس حدیث سے یہ حساب تو صحیح معلوم ہو گیا کہ بہ نسبت اور اُمتوں کے اس امت کے جنتی لوگ دوگنے ہوں گے۔ اب جنتی لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں اور سورۃ فاطر میں دو قسمیں فرمائی ہیں۔ ایک تو اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں جن کو نیک کاموں میں سبقت لے جانے والے اور مقرب فرمایا ہے دوسرے بیچ کی راس کے لوگ جن کو سیدھے ہاتھ والے فرمایا ہے اِن دونوں قسموں کے ذکر میں یہ جو فرمایا ہے کہ مقرب لوگ پہلے لوگوں میں بہت ہوں گے اور پچھلوں میں تھوڑے اس کی تفسیر میں تابعیوں کے زمانہ سے اب تک یہ اختلاف چلا آتا ہے کہ پہلے اور پچھلے لوگوں سے اس امت کے اگلے اور پچھلے مراد ہیں یا پہلے لوگوں سے پہلی امتیں مراد ہیں اور پچھلے لوگوں سے یہ امت مراد ہے۔ اوپر آیت ثلۃ من الاولین و قلیل من الاخرین کی جو تفسیر گذر چکی اس میں اس اختلاف کو تو رفع کر دیا گیا۔ رہی اس آیت کی تفسیر اس تفسیر کی بابت طبرانیؒ میں ابی بکرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس آیت میں

[۱] جامع ترمذی باب ماجاء فی ثیاب اهل الجنة ص ۹۰ ج ۲ [۲] ایضاً [۳] الترغیب والترہیب۔ فصل فی فرش الجنة ص ۹۸۴ ج ۲ [۴] تفسیر الدر المنثور ص ۱۵۸ ج ۶ [۵] جامع ترمذی باب ماجاء فی کم صف اهل الجنة ص ۹۱ ج ۲ [۶] تفسیر الدر المنثور ص ۱۵۹ جلد ۶۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ
اور بائیں والے کیسے بائیں والے آنچ کی بھاپ میں اور جلتے پانی میں اور چھاؤں میں

یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا
دھوئیں کی۔ نہ ٹھنڈی اور نہ عزت کی وہ لوگ تھے اس سے پہلے آسودہ اور ضد

یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ
کرتے تھے اس بڑے گناہ پر اور تھے کہتے کیا جب ہم مرگئے اور ہوگئے مٹی اور

عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾
ہڈیاں کیا ہم کو پھر اٹھانا ہے کیا ہمارے باپ داداؤں کو بھی اگلے۔ تو کہہ اگلے اور پچھلے

لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾
سب اکٹھے ہونے ہیں ایک دن مقرر کے وقت پر پھر تم جو ہو اے بہکے ہوؤ جھٹلانے والو

اوّلین اور آخرین سے مقصود اسی امت کے لوگ ہیں۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہیں۔ اگرچہ بعضے علماء نے اس میں کلام کیا ہے لیکن صاحب مجمع الزوائد نے اس کو ثقہ لکھا ہے۔ بعضے مفسروں نے اس آیت سے آیت ثلۃ من الاولین وقلیل من الآخرین کو منسوخ جو کہا ہے وہ قول صحیح نہیں ہے ؛

۴۱ تا ۵۶۔ مقربین اور دائیں ہاتھ والوں کے بعد یہ بائیں ہاتھ والوں کے حال کا ذکر فرمایا۔ سموم اس گرم ہوا کو کہتے ہیں جو آدمی کے جسم کے اندر گھس جاتی ہے اور دل اور جگر کو جلا دیتی ہے۔ یحموم کے معنے دھواں زقوم وہ کانٹے دار درخت دوزخ میں ہوگا جو بھوک کے وقت دوزخیوں کو کھلایا جائے گا۔ ترمذیؒ نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تھوڑا سا زقوم بھی زمین پر آن پڑے تو اس کی بدبو سے تمام اہل دنیا کی زندگی تلخ ہو جاتے۔ ترمذی اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ معتبر سند سے بیہقی مسند امام احمد وغیرہ میں ابی امامہ اور ابی درداء سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زقوم اہل دوزخ کو کھلایا جاتے گا اور اُس کے کانٹے اُن کے حلق میں پھنسیں گے تو ایسا گرم پانی ان کو پلایا جائے گا جس سے اُن کی انتڑیاں کٹ کر نکل پڑیں گی۔ سورہ والمرسلات میں آئے گا کہ حساب سے فارغ ہونے تک ایسے لوگوں پر دوزخ کی آگ کا دھواں سایہ کی طرح چھایا رہے گا جس میں سے بڑی بڑی چنگاریاں آگ کی اُن لوگوں پر جھڑتی رہیں گی۔ اسی کا ذکر ان آیتوں میں فرمایا کہ اس دھوئیں کے سایہ میں نہ تو کچھ ٹھنڈک ہے نہ وہ سایہ کچھ اُن کی عزت بڑھانے کے لیے ہوگا بلکہ وہ تو ان پر آگ کی چنگاریاں برسانے کا گویا ایک بادل ہوگا۔ ان آیتوں میں ایسے لوگوں کے عذاب میں پکڑے جانے کا سبب بھی بتلایا کہ یہ لوگ اپنی خوشحالی میں ایسے بدمست ہوگئے تھے کہ اللہ کی عبادت میں بتوں کو شریک کرتے تھے اور دنیا کی

لہ جامع ترمذی باب ما جاء فی صفۃ شراب اھل النار ص ۹۵ ج ۲ ؎ الترغیب والترہیب۔ فصل شراب اھل النار ص ۸۰۴ ج ۴ ؎ ایضًا فی فصل طعام اھل النار ص ۸۹۹ ج ۴ وجامع ترمذی باب ما جاء فی طعام اھل النار ص ۹۵ و ۹۶ ج ۲۔

لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ

البتہ کھاؤ گے ایک درخت سینڈھ کے سے پھر بھرو گے اس سے پیٹ پھر پیوگے اس پر ایک

الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ

جلتا پانی ۔ پھر پیوگے جیسے پیویں اونٹ تونس والے ۔ مہمانی ہے ان کی انصاف کے دن ہم نے

خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ

تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے بھلا دیکھو تو جو پانی ٹپکاتے ہو اب تم اس کو بناتے ہو

خوشحالی کے نشہ میں عقبیٰ کے منکر تھے ۔ حالانکہ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ اس طرح کے سب اگلے پچھلوں کو جمع کرکے اُن کو زقوم اور کھولتا پانی اس طرح کھلایا پلایا جایا کرے گا جس طرح اصرار سے مہمان کو کھانا پانی کھلایا پلایا جاتا ہے ۔ ھیم اُن اونٹوں کو کہتے ہیں جن کو تونس ہو جاتی ہے اور کتنا ہی پانی وہ پی جائیں لیکن اُن کی پیاس نہیں بجھتی ۔ نزل اس کھانے کو کہتے ہیں جو مہمان کے سامنے رکھا جاتا ہے ۔

صحیح مسلم[1] کی انس بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ۔ دوزخ کا تفصیلی حال جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ تم لوگوں کو معلوم ہو جاتے تو تمھاری ہنسی کم ہو جاتی اور ہر وقت تم روتے رہو ۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کا انتظام قائم رہنے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا جو کچھ حال بیان فرمایا ہے وہ مختصر ہے ۔ تفصیلی بیان دوزخ کا اس سے بہت زیادہ ہے ۔

۵۷ تا ۶۱ ۔ اوپر ذکر تھا کہ بائیں ہاتھ والے نافرمان لوگ اس لیے عقبیٰ کے عذاب میں پکڑے جائیں گے کہ دنیا میں یہ لوگ حشر اور قیامت کی باتوں کو جھٹلاتے تھے ۔ ان آیتوں میں ان منکرینِ حشر کے انکار کو ضعیف کرنے کی چند باتیں ذکر فرمائی ہیں اور فرمایا ہے کہ اگرچہ ان لوگوں کو زبانی اس بات کا اقرار ہے کہ ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے لیکن ان کے دل میں اس کا پورا یقین نہیں ہے ۔ ورنہ یہ کسی عقلمند کا کام نہیں ہے کہ ایک دفعہ ایک کام کا ہو جانا آنکھوں کے سامنے دیکھے زبان سے اس کے ہو جانے کا اقرار کرے اور پھر دوبارہ اسی کام کے ہو جانے کا منکر ہو ۔ سورۃ الزمر میں گزر چکا ہے ولئن سئلتھم من خلق السموٰت والارض لیقولن اللہ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کے اقرار پر یہ لوگ اس لیے مجبور ہیں کہ اس کے انکار کا کوئی راستہ یہ لوگ نہیں پاتے ۔ اسی واسطے یہاں فرمایا کہ جس بات کے انکار کرنے کا کوئی راستہ یہ لوگ نہیں پاتے اس کا اقرار بھی یہ لوگ دل سے نہیں کرتے اتنا نہیں سمجھتے کہ مرد عورت کی صحبت کے بعد عورت کے رحم میں منی جاتی ہے تو خلاف عقل اس ایک قطرہ پانی سے اُن کو اُن کے بڑوں کو کس نے پیدا کیا ۔ پھر ایک ہی طرح کے پانی کے قطرہ سے سب پیدا کئے اُن میں کوئی بڈھا ہو کر مرتا ہے اور کوئی اس عمر کو نہیں پہنچتا ۔ کہیں میاں بی بی کی بار ہا صحبت ہوتی ہے ہزارہا منی کے قطرے رحم میں جاتے ہیں اور ایک چوہے کا بچہ بھی نہیں پیدا ہوتا ۔

جس صاحب قدرت نے آدم علیہ السلام کے مٹی کے ایک پتلے میں سلسلہ بہ سلسلہ قیامت تک کی یہ سب جانیں

[1] صحیح مسلم باب الامر بتحسین الصلوٰۃ واتمامھا الخ ص ۱۸۰ ج ۱ ۔

أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾

یا ہم بنانے والے ہیں۔ ہم نے ٹھہرا دیا تم میں مرنا اور ہم ہار نہیں رہے۔

عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ

اس سے کہ بدل لاویں تمہاری طرح کے اور اٹھا کھڑا کریں تم کو جہاں تم نہیں جانتے اور جان چکے ہو پہلا

الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

اٹھان پھر کیوں نہیں یاد کرتے۔

پیدا کریں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے اور تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔ اُس کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ تمہاری سمجھ سے باہر پھر دوبارہ جس حالت میں چاہے تم کو پیدا کر دے۔ ترمذیؒ ابو داؤد صحیح ابن حبان میں ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا پتلا بناتے وقت تمام زمین کی مختلف قسم کی مٹی لی ہے اس لیے بنی آدم میں کوئی گورا ہے کوئی کالا، کوئی نیک مزاج کوئی بدمزاج۔ ترمذی اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث سے بھی انسان کی سمجھ سے باہر اللہ کی قدرت کا نمونہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مٹی کے پتلے میں مختلف قسم کی مٹی ملا کر ایک کر دیا۔ اور پھر سلسلہ بسلسلہ قیامت تک اُس کا اثر مختلف رکھا گیا۔ دنیا میں کوئی طبیب ایسا ہے کہ مختلف تاثیر کی چند دواؤں کا ایک نسخہ تجویز کرے اور پھر ہر مفرد دوا کا جُدا جُدا اثر بھی باقی رکھے۔

۶۲۔ دُنیا میں جب کوئی آدمی ایسا بڈھا یا ایسا بیمار ہو جاتا ہے کہ اُس کو اپنی زیست کا بھروسہ کم ہوتا ہے تو زندگی کی راحت سے بسر کرنے کے جو سامان ہیں مثلاً مکان کا بنانا یا نوکری تجارت یا کسی اور دھندے کا کرنا اس طرح کا زیست سے نا امید اور بے بھروسہ آدمی پھر اُن راحت کے سامانوں میں زیادہ دل نہیں لگاتا کیونکہ یہ سمجھتا ہے کہ جب جینا ہی بے بھروسہ ہے تو زیست کو راحت سے بسر کرنے کے سامان کی کیا ضرورت ہے۔ کس لیے کہ جب زیست ہی نہیں تو زیست کو راحت سے بسر کرنے کا موقع کہاں ہے یہی حال منکرین حشر کا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زیست پر اُن لوگوں کو پورا یقین نہیں ہے۔ اس لیے دوبارہ زیست کو راحت سے بسر کرنے کے جو سامان ان کو بتلائے جاتے ہیں کہ اللہ کو ایک جانو اللہ کی مرضی کے موافق کام کرو۔ کوئی کام بُرا اللہ تعالیٰ کی خلافِ مرضی ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی کی التجا کرو تو یہ باتیں ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اس خرابی کے دفع کرنے کے لیے شروع میں مرنے کے بعد پھر جینے پر ایمان لانا ضروری ٹھہرایا ہے اور منکرین حشر کو قرآن شریف میں جگہ جگہ طرح طرح کی مثالوں سے اللہ تعالیٰ نے قایل کیا ہے تاکہ پہلے اُن لوگوں کے جی میں مرنے کے بعد پھر جینے کا یقین پورے طور پر پیدا ہو جائے تو پھر اُس دوبارہ زیست کی راحت سے بسر کرنے کے جو سامان ان لوگوں کو بتلائے جائیں گے۔ اُن سامانوں کے بہم پہنچانے کا فکر بھی اُن کے دل میں خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ اِس آیت میں ایک سیدھی سی مثال سے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو سمجھایا ہے کہ پہلے تم بالکل نیست و نابود تھے، ہم نے تم کو پیدا کیا تم مرو گے تو اس سے بڑھ کر اور کون سی بات ہو سکتی ہے کہ پہلے کی طرح تم بالکل نیست و نابود

لہ ترمذی شریف تفسیر سورۃ البقرۃ ص ۱۴۰ ج ۲ و ابو داؤد۔ باب فی القدر۔ پارہ ۳۰ ص۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَآءُ

بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو کیا تم اُس کو کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کرنے والے اگر ہم چاہے

لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾

کر ڈالیں اس کو روندن پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے۔ ہم قرضدار رہ گئے بلکہ ہم بے نصیب ہوتے۔

أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ

بھلا دیکھو تو پانی جو تم پیتے ہو کیا تم نے اتارا اُس کو بادل سے یا ہم ہیں

ٱلْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلنَّارَ

اتارنے والے اگر ہم چاہیں تو کر دیں اس کو کھاری پھر کیوں نہیں حق مانتے۔ بھلا دیکھو تو آگ

ہو جاؤ گے۔ پھر کیا اتنی بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی جس طرح ہم نے پہلی دفعہ تم کو پیدا کیا۔ دوبارہ اسی طرح ہم کو پیدا کرنا کیا مشکل ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے مشکل اور آسان کام سب یکساں ہیں۔ لیکن یہ دنیا کے تجربہ کی ایک بات ہے کہ ایک دفعہ جو کوئی ایک کام کر لیوے تو دوسری دفعہ اس کو وہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے سورہ روم میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ بھی سمجھایا ہے کہ جب ایک دفعہ ہم نے تم کو پیدا کر دیا تو اپنے دنیا کے تجربہ کے موافق تمھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ بہ نسبت پہلی دفعہ کے ہم کو دوسری دفعہ تمھارا پیدا کرنا بہت آسان ہے۔ قرآن شریف کی اکثر آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خالق اور رازق ہونے کے یہ مشرک لوگ قائل تھے اس لیے ان لوگوں کی مانی ہوئی بات سے اُن کو قائل کیا گیا ہے کہ بغیر کسی نمونہ کے جب ایک کام کا ایک دفعہ ہو جانا تم لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے جس کا تم لوگوں کو بھی اقرار ہے تو پھر اسی نمونہ کے موافق اس کام کے دوبارہ ہو جانے کو کوئی صاحب عقل مشکل نہیں تبلا سکتا۔

۶۳تا۷۴ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں اپنے رزاق ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ حاصل معنے ان آیتوں کے یہ ہیں کہ انسان کے رزق کا دارمدار زمین کی پیداوار پر اور زمین کی پیداوار کا دارومدار مینہ کے برسنے پر ہے اور یہ سب کی آنکھوں کے سامنے کی بات ہے کہ کھیتی کرنے والے لوگ زمین میں بیج ڈال کر ایسے بے بس ہو جاتے ہیں کہ ایک سال بھی بیج ڈالنے کے بعد مینہ نہ برسے یا برسے تو سمندر کا سا کڑوا پانی بیج کا جلا دینے والا برسے تو بجائے ڈھیر کے ڈھیر اناج کے ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو۔ اور پانی پینے تک کو لوگ ترس جائیں اور بیج کے نقصان پر طرح طرح کے افسوس وحسرت کی باتیں مونہہ سے نکالنے لگیں۔ اسی طرح رزق انسان کے منہ تک پہنچنے کے سامانوں میں ایک بڑا سامان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو دنیا میں پیدا کیا جس سے اناج طرح طرح سے پکا کر کھایا جاتا ہے۔ اگر بالفرض ایک سال زمین کی پیداوار حسب دلخواہ ہو لیکن اس سال تمام روئے زمین کی آگ بجھ جاتے تو جانوروں کی طرح کوئی انسان بھی کچا اناج کھا کر تندرست نہ رہ سکے اوپر کی آیتوں کے اور ان آیتوں کے نازل فرمانے سے مشرکوں کو یوں قائل کرنا مقصود ہے کہ اپنے خالق اپنے رزاق کی تعظیم اور عبادت میں یہ لوگ غیروں کو جو شریک ٹھہراتے ہیں تو ان غیروں کو یہ رتبہ ان لوگوں نے آخر کس استحقاق سے دیا ہے کچھ تبلائیں تو سہی۔ آخر کو اپنے رسول کو فرمایا کہ یہ کم عقل لوگ بتوں کی پوجا میں لگے

الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ

جو سلگاتے ہو کیا تم نے اٹھایا اُس کا درخت یا ہم ہیں اٹھانے والے۔ ہم نے

جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

وہ بنائی یاد دلانے کو اور برتنے کو جنگل والوں کی۔ سو بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُ

سو میں قسم کھاتا ہوں تارے ڈوبنے کی اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم بے شک

لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ

یہ قرآن ہے عزت والا۔ لکھا چھپی کتاب میں۔ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنے ہیں۔ اتارا ہے

رہیں تو تم اُن کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ اور ہر وقت اللہ کی عبادت میں لگے رہو وقت مقررہ آنے پر ان کا کیا خود اُن کے آگے آجائے گا۔ صحیح بخاری و مسلم کی ابو موسیٰ اشعری کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے زیادہ بردبار کون ہوگا کہ مشرک لوگ شرک کرتے ہیں اور وہ رزق پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو جو اپنی رزاقی کی صفت ان آیتوں میں جتلائی ہے۔ یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔ اس ملک میں جس طرح بانس کا پیڑ ہے کہ دو بانسوں کے رگڑنے سے آگ نکلتی ہے۔ اسی طرح عرب میں بھی بعضے درخت ہیں کہ اُن کی دو لکڑیوں کے رگڑنے سے آگ نکلتی ہے۔ ہری چیزوں سے آگ کا نکلنا یہ بھی اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے اس طرح کی آگ سے جنگل میں مسافروں کے بہت کام نکلتے ہیں اس لیے مسافروں کا ذکر فرمایا۔ دنیا کی آگ کو جہنم کی آگ کی یاد دہی اس واسطے فرمایا کہ آدمی جب دنیا کی آگ کی بھی برداشت نہیں کر سکتا تو جو آگ اس سے انہتر درجہ بڑھ کر تیز ہے اس سے بچنے کی تدبیر سے غافل نہ رہنا چاہیے۔

۷۵ تا ۸۲۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عباس کی روایت سے جو شانِ نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ مینہ برسا اس مینہ کے برسنے کے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی قدرت سے اس مینہ کا برسنا اپنے دل میں سمجھتے ہیں وہ اللہ کی نعمت کے شکر گزار ہیں، اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تاروں کی گردش کے اثر سے یہ مینہ برسا ہے، انھوں نے اللہ کی نعمت کی کچھ قدر نہ جانی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فلا اقسم سے وتجعلون رزقکم انکم تکذبون تک کی یہ آیتیں نازل فرمائیں بغیر ذکر شانِ نزول کے یہ حدیث ابو سعید خدری وغیرہ کی روایت سے صحیحین میں بھی ہے۔ عربی زبان کا محاورہ ہے کہ قسم کے پہلے ایک لا آیا کرتا ہے، جس طرح لا واللہ میں ہے معنے اس لا کے یہ ہوتے ہیں کہ جس بات پر قسم کھائی گئی ہے وہی صحیح ہے۔ اس قسم کی بات کے مقابلے میں جو کوئی کچھ اور بات کہتا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ حاصل معنے ان آیتوں کے یہ ہیں

۱؎ صحیح بخاری باب الصبر والاذیٰ ص ۹۰۱ ج ۲ و صحیح مسلم باب فی الکفار ص ۳۷۴ ج ۲۔ ۲؎ صحیح بخاری باب قول اللہ عزوجل وتجعلون رزقکم انکم تکذبون ص ... و صحیح مسلم باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء ...

مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ تَجۡعَلُوۡنَ

جہاں کے صاحب نے اب کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو اور اپنا حصّہ

رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۸۲﴾

یہی لیتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو۔

کہ دہریہ لوگوں کے اعتقاد کی طرح جن تاروں کے اثر سے یہ اللہ کی قدرت کے منکر لوگ مینہ کے برسنے کے قائل تھے انھیں تاروں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن کلامِ الٰہی ہے۔ اور جس طرح جگہ جگہ اس کلامِ الٰہی میں ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی قدرت اور اللہ کے حکم سے ہوتا ہے بے اس کی قدرت اور حکم کے نہ تاروں کے اثر سے کچھ ہوتا ہے نہ چاند کے اثر سے اِس کے سوا، جن لوگوں کا جو کچھ اعتقاد ہے اِس سے کلامِ الٰہی کا جھٹلانا اُن کی قسمت میں ہے ورنہ اِن لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ جس کی قدرت میں تاروں کا طلوع و غروب ہے اس کے حکم سے مینہ برستا ہے تاروں میں کوئی مستقل تاثیر ہوتی تو وہ خود ایسی متغیر حالت پر کیوں ہوتے غرض جو خود اپنی ذات سے متغیر ہو اُس میں ہمیشہ کے لیے کوئی مستقل تاثیر کہاں سے آسکتی ہے۔ کتٰب مکنون سے مقصود لوحِ محفوظ ہے۔ قرآن کو عزّت والا اس لیے فرمایا کہ اس کی عزّت اور آسمانی کتابوں سے بلند ہے جس کے سبب سے اُس سے اور پچھلی سب آسمانی کتابیں منسوخ ہیں۔ تاروں کے طلوع غروب کی قسم کو بڑی قسم اس لیے فرمایا کہ تاروں کے روز کے طلوع غروب سے اللہ کی بڑی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قدرت نے توحید کا راستہ بتلا دیا۔ جس کا ذکر سورہ انعام میں گزر چکا ہے۔ اس قصّہ سے جو لوگ اپنے آپ کو ملّتِ ابراہیمی پر کہتے ہیں۔ اگر وہ سمجھیں تو اُن کے لیے یہ بڑی قسم ہے۔ اِن آیتوں میں یہ جو فرمایا کہ قرآن شریف کو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ اور علماء نے اس سے یہ بات نکالی ہے کہ بے وضو آدمی قرآن کو ہاتھ نہ لگائے، اور اس مذہب کی تائید میں چند روایتیں بھی اُن علماء نے ذکر کی ہیں لیکن کوئی روایت ضعف سے خالی نہیں ہے اسی واسطے امام المفسّرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعضے تابعیوں کا مذہب یہ ہے کہ بلا وضو قرآن شریف کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جن علماء نے لایمسّہ کی ضمیر کو قرآن کی طرف پھیرا ہے اور مطھّرون کے معنے قرآن کے چھونے والے آدمیوں کے کیے ہیں، انھوں نے بے وضو آدمی کے قرآن کو ہاتھ نہ لگانے کا مسئلہ اس آیت سے نکالا ہے اور جن علماء نے اِس ضمیر کو لوحِ محفوظ کی طرف پھیرا ہے اور مطھّرون کے معنے فرشتوں کے کیے ہیں اُن کے نزدیک آیت کو اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں۔ اب آگے فرمایا۔ جب بڑی قسم کے بعد تم لوگوں کو یہ جتلا دیا گیا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور تم کو یُوں بھی اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی تصدیق ہوگئی کہ تم ایسا کچھ کلام بنا کر پیش نہیں کر سکتے تو پھر تم کو اس کلام کے جھٹلانے پر کمر باندھ کر اس کے جھٹلانے کو اپنے نصیبوں کا نوشتہ ٹھہرانا، اُس کے مان لینے میں سستی کرنا ہرگز جائز نہیں۔

ؔ۵ تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۸ ج ۴۔

فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿۸۳﴾ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ

پھر کیوں نہیں جس وقت جان پہنچے حلق کو اور تم اس وقت دیکھتے ہو اور ہم اس کے پاس

إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُونَهَآ

ہیں تم سے زیادہ پر تم نہیں دیکھتے پھر کیوں نہیں اگر تم نہیں کسی کے حکم میں کیوں نہیں پھیر لیتے

إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿۸۷﴾ فَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ

اس کو اگر ہو تم سچے ۔ سو جو اگر وہ ہوا پاس والوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے

وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿۸۹﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنْ أَصْحَٰبِ الْيَمِينِ ﴿۹۰﴾ فَسَلَٰمٌ لَّكَ مِنْ

اور باغ نعمت کا اور جو اگر وہ ہوا داہنے والوں میں ۔ تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے

أَصْحَٰبِ الْيَمِينِ ﴿۹۱﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّآلِّينَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ

والوں سے اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں بہکوں میں سے ۔ تو مہمانی ہے

حَمِيمٍ ﴿۹۳﴾ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿۹۴﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ

جلتا پانی اور ڈالنا آگ میں بے شک یہ بات بھی ہے لائق یقین کے سو بول پاکی

بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۹۶﴾

اپنے رب کے نام سے جو سب سے بڑا ہے ۔

ع ۲۲ / ۱۶

۸۳ تا ۹۶ - اوپر ذکر تھا کہ جن لوگوں نے محض عقل سے حشر کا انکار کیا ہے اور اس انکار کے سبب سے عقبیٰ کا کچھ سامان وہ لوگ نہیں کرتے، یہ اُن لوگوں کی کم عقلی اور اُن کی سمجھ کا فتور ہے، کیونکہ عقلی تجربہ سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو دُوسری دفعہ کا پیدا کرنا بہ نسبت پہلی دفعہ کے پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اور طرح اُن لوگوں کو سمجھایا ہے، کہ عقلی تجربہ سے حشر کے ہونے میں شک باقی نہ رہنے کے بعد اگر ان کے دِل میں یہ وہم بس گیا ہے، کہ یہ انتظام الٰہی جو ان لوگوں کو جتلایا اور بتلایا گیا ہے، کہ مرنے کے بعد پھر جینا ہوگا۔ اور سزا اور جزا ہوگی۔ اس انتظام میں جو بات اُن کی مرضی کے خلاف ہوگی، اُس کو یہ لوگ روک سکتے ہیں، تو اس عقلی تجربہ سے ان کا یہ وہم بھی یوں رفع ہو سکتا ہے کہ جس وقت حشر کا موقعہ پیش آئے گا، اُس وقت تو یہ لوگ مٹی کا ڈھیر ہو کر پڑے ہونگے۔ اب دنیا میں ان کا زور اُنکی طاقت سب کچھ قائم ہے، اور انتظام الٰہی کے موافق اُن کی اولاد اِن کے عزیز و اقارب کی رُوح اُن کی آنکھوں کے سامنے قبض ہوتی ہے۔ اور مریض کے سرہانے اِن اوپر والوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے فرشتے قبض روح کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ لیکن نہ ان کو وہ اللہ کے فرشتے نظر آتے ہیں، نہ ان لوگوں میں یہ قدرت ہے، کہ اپنے رشتہ داروں کی رُوح کو یہ لوگ نہ نکلنے دیویں۔ اسی طرح حشر کے خلاف مرضی انتظام کا روکنا ان کی طاقت سے باہر ہے، اور یہ یاد رہے، کہ جب یہ لوگ اپنے عزیزوں کے اور اپنے مرنے

آیاتھا ۲۹ —— (۵۷) سُورَةُ الْحَدِيدِ مَدَنِيَّةٌ (۹۴) —— رکوعاتھا ۴

یہ سورۃ مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور وہی زبردست حکمت والا۔ اسی کو راج ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ

آسمانوں کا اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ سب چیز کر سکتا ہے۔ وہ ہے پہلا

کو نہیں روک سکتے تو مرنے کے بعد حشر ضرور ہوگا۔ تاکہ دنیا کا پیدا کرنا ٹھکانے لگے۔ غرض جب عقلی تجربہ سے نہ حشر کے قائم ہونے میں یہ لوگ شک کر سکتے ہیں نہ انتظام الٰہی کے روکنے کی ان کو طاقت ہے تو یہ یقینی باتیں عقبیٰ کے پاک کرنے کی ان لوگوں کو انتظام الٰہی کے موافق جو بتلائی جاتی ہیں ان کو نہ ماننا اور ان پر عمل نہ کرنا ان لوگوں کی کم عقلی کی نشانی ہے۔ اب اس فہمایش کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا کہ باوجود اس قدر فہمایش کے اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو اس کا تم کچھ اندیشہ نہ کرو وقت مقررہ آجانے کے بعد جن کو اللہ کی طرف سے ہدایت ہونی ہے وہ خود ہو جائے گی۔ تم اللہ کے حکم کے موافق اللہ کی عبادت میں مصروف رہو۔ مسند امام احمد صحیح مسلم[۱] ابو داؤد۔ ابن ماجہ نسائی وغیرہ میں جو روایتیں ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ سبحٰن ربی العظیم کو رکوع میں اور سبحٰن ربی الاعلیٰ کو سجدہ میں آپ نے پڑھنے کو فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا[۲] سبحٰن اللہ العظیم وبحمدہ کے ایک دفعہ کے کہنے سے ایک پیڑ جنت میں لگایا جاتا ہے۔ بیہقی[۳] میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سورۃ واقعہ کے پڑھنے سے فقر و فاقہ دفع ہوتا ہے۔ اس باب میں اور بھی روایتیں ہیں جس سے ایک روایت سے دوسری کو قوت ہو جاتی ہے۔ موت کے وقت اچھے لوگوں کو جنت کی خوشخبری اور برے لوگوں کو دوزخ کی غمناک خبر جو فرشتے سناتے ہیں اُس کا حال براء بن عازب کی حدیث کے حوالہ سے اوپر گزر چکا ہے۔

**۱ تا ۳**۔ یہ تسبیح کی سورتیں بعض تو سبح کے لفظ سے شروع ہوتی ہیں۔ اور بعض یسبح کے لفظ سے۔ جس سے یہ مطلب کہ زمین و آسمان کی کل چیزیں ہر زمانہ میں ہر وقت اللہ کو یاد کرتی اور اُس کے نام کی تسبیح پڑھتی ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے کہ پہاڑ۔ پیڑ۔ ان سب بے جان چیزوں کی ایک طرح کی خاص تسبیح ہے جو انسان کی سمجھ سے باہر ہے اُس میں متاخرین مفسروں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس تفسیر میں نہیں لکھا جا سکتا کیونکہ یہ تفسیر بالکل سلف کے اقوال کے تابع ہے۔ عزیز کے معنے یہ ہیں کہ اُس کی قدرت کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔ حکیم کے یہ معنے ہیں کہ اس کا

[۱] مشکوٰۃ شریف باب الرکوع الفصل الثانی ص ۸۲۔ [۲] جامع ترمذی باب ماجاء فی فضل التسبیح والتهلیل والتکبیر والتحمید ص ۲۰۰۔
[۳] مشکوٰۃ شریف کتاب فضائل القرآن الفصل الثالث ص ۱۸۹۔

وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَ

اور پچھلا اور باہر اور اندر اور وہ سب چیز جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ

آسمان اور زمین چھ دن میں پھر بیٹھا تخت پر جانتا ہے جو اندر جاتا ہے

کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے لہ ملک السمٰوٰت والارض کا مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اُس کا محتاج ہے اور اُس کے حکم کا تابع ہے۔ یحیی ویمیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ اُس نے انسان کو پیدا کیا، اور وقت مقررہ پر اُس کی قبض رُوح کرے گا۔ اور نیک و بد کے حساب و کتاب کے لیے پھر وہ انسان کو زندہ کرے گا۔ وھو علی کل شیء قدیر کا یہ مطلب ہے کہ یہ سب باتیں اُس کی قدرت میں ہیں، کوئی چیز اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔ سورہ حدید، سورۂ حشر، سورہ صف، سورۂ جمعہ اور سورۂ تغابن۔ ان سورتوں کو مسبحات کہتے ہیں۔ مسند امام احمد، ترمذی، نسائی وغیرہ میں عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے اِن سورتوں کو پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اِن سورتوں میں ایک آیت ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ اگرچہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی بقیہ بن ولید ضعیف ہے۔ لیکن اُس کی روایت مقبول ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے جس آیت کا ذکر اس حدیث میں ہے وہ آیت ھوالاوّل والآخر والظاھر والباطن ہے صحیح مسلم، ترمذی، بیہقی وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے جو روایت ہے اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، الاوّل کے معنے یہ ہیں کہ اللہ کی ذات سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ الآخر کے معنے یہ ہیں کہ تمام مخلوقات فنا ہو جانے کے بعد اسی کی ذات باقی رہے گی الظاھر کے معنے یہ ہیں کہ اللہ کا حکم سب پر غالب ہے، اور سب اُس کے زیر حکم ہیں۔ الباطن کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے دل کا حال جانتا ہے۔ وھو بکل شیءٍ علیم کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اس لیے کسی چیز کا ظاہر باطن کوئی حال اُس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

۴ تا ۶۔ تفسیر ابن جریرؒ تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور صحابہ سے پیدائش عالم کے باب میں جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ عرش کے بعد سب سے پہلے پانی پیدا ہوا اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا پھر جب اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان اور سب مخلوقات کا پیدا کرنا منظور ہوا تو اتوار سے لے کر جمعہ تک چھ روز میں سب کچھ پیدا کیا۔ زیادہ تفصیل اس کی سورۂ اعراف اور سورۂ دخان میں گزر چکی ہے۔ استوی علی العرش کے جو معنے ترجمہ میں بیان کیے گئے ہیں وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک قول کے موافق ہیں۔ لیکن یہ استوی وہ ہے جو اُس کی ذاتِ پاک کو سزاوار ہے۔ کیونکہ نہ اُس کی ذات کو مخلوقات میں سے کسی کی ذات کے ساتھ کچھ مناسبت ہے نہ اُس کی

لہ جامع ترمذی باب ماجاء فیمن یقرأ من القرآن عند المنام ص ۹۹ ج ۲ لہ تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۲ ج ۴ لہ صحیح مسلم باب الدعاء عند النوم ص ۳۴۸ ج ۲ و جامع ترمذی (ابواب الدعوات) ص ۱۹۷ ج ۲ لہ تفسیر فتح البیان ص ۴۷ ج ۱ و تفسیر ابن جریر ص ۹۰ ج ۱ طبع جدید

فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ

زمین میں اور جو اُس سے نکلتا ہے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو اُس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے

اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۴ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ

جہاں کہیں تم ہو۔ اور اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ہے۔ اسی کو راج ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور

اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَهُوَ

اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور اس کو

عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

خبر ہے جیوں کی بات کی۔

صفات کو کسی کی صفات کے ساتھ اسی واسطے سلف نے اس طرح کی آیتوں کی تفسیر میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ان آیتوں کے ظاہر معنے کو مدار تلاوت اور ایمان قرار دیتے ہیں اور اُن کی تفصیل کو اللہ کے علم پر سونپتے ہیں۔ مخلوقات میں عرش بڑی چیز ہے۔ چنانچہ معتبر سند سے تفسیر سعید بن منصور میں مجاہد کا قول ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جس طرح ایک جنگل کے میدان کے مقابلہ میں ایک آدمی کے ہاتھ کا چھلہ اور یہی حال کرسی کا عرش کے مقابلہ میں ہے۔ مجاہد کے اس قول کی تائید ابوذر کی اس مضمون کی اُس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابن حبان نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ اب آگے جو فرمایا، اُس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً زمین میں اناج کا بیج یا میوہ کی گٹھلی جو کچھ بویا جاتا ہے، اور آسمان سے مینہ برس کر جو اس کا پودا زمین سے نکلتا ہے۔ یا جو نیک عمل آسمان پر جاتا ہے وہ ذرا ذرا، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اور ان چیزوں کے دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق ان سب چیزوں کا حال لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے وھو معکم اینما کنتم کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اور اکثر سلف کے قول کے موافق یہ ہے کہ انسان کی کوئی حالت اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اسی واسطے فرمایا کہ جو عمل انسان کرتا ہے وہ اللہ دیکھتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی صحیح حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ انسان اللہ کی عبادت اس طرح دل لگا کر کرے کہ گویا عبادت کے وقت اللہ تعالیٰ انسان کو دیکھ رہا ہے۔ لہ ملک السموٰت والارض ایک دفعہ انتظام دنیا اور دوسری دفعہ انتظام آخرت کے ساتھ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ دنیا میں جلانا مارنا اور عقبیٰ میں جزا و سزا سب اس کے اختیار میں ہے۔ کوئی اس کے اختیار میں اس کا شریک نہیں۔ آسمان کے پیدا کرنے کے ذکر میں آسمان کی حرکت سے رات دن جو پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اُن کا ذکر فرمایا کہ اُن میں بھی قدرت کا یہ بڑا نمونہ ہے کہ کبھی دن بڑا ہو جاتا ہے اور کبھی رات اور کبھی دونوں برابر ہو جاتے ہیں پھر فرمایا کہ جس طرح ان انتظامات میں سے کوئی شے اللہ کے علم سے باہر نہیں۔ اسی طرح انسان

۵۱ تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۵ ج ۴ ۵۲ تفسیر الدر المنثور ص ۱۷۱ ج ۶ ۵۳ صحیح مسلم کتاب الایمان ص ۲۷ ج ۱۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ

یقین لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور خرچ کرو جو تمہارے ہاتھ میں دیا اپنا نائب کر کر کہ جو لوگ تم میں

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ

یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اُن کو نیگ بڑا ہے اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر اور رسول

يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ

بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ اپنے رب پر اور لے چکا ہے تم سے تمہارا اقرار اگر ہو تم ماننے ۔ وہ ہے

ظاہری کاموں کے علاوہ انسان کی دلی نیّت تک کا حال اُس سے چھپا ہوا نہیں۔ اسی واسطے اُس غیب دان نے دلی ارادہ اور نیّت کی بنا پر نیک کاموں کے قبول اور نا قبول کو اور اُن کی زیادتی اور کمی کو نیت پر منحصر رکھا ہے مسند[1] امام احمد میں معتبر سند سے محمود بن لبید کی حدیث ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جن نیک عملوں میں انسان کی نیّت دنیا کے دکھاوے کی ہوگی۔ ایسے عملوں کا اجر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کچھ نہ ملے گا۔ بلکہ ایسے ریاکار لوگوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جن لوگوں کے دکھانے کو تم نے یہ عمل دنیا میں کئے تھے اِن ہی لوگوں سے اِن عملوں کا اجر مانگ لو۔ صحیح بخاری[2] وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی حدیث قدسی ہے جس میں نیّت کے پوری خالص ہوتے اور نہ ہونے پر دس سے لے کر سات سو درجہ تک نیک عملوں کے ثواب کا ذکر ہے۔ یہ حدیثیں آیت وھو علیم بذات الصدور کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ اُن میں اللہ تعالیٰ کے انسان کے دل کا حال جاننے اور اس پر عمل کے قبول نا قبول کی اور اجر کی کمی وزیادتی کی بنا قرار دینے کی تفصیل ہے ۞

۷ تا ۱۰۔ سورۃ کے شروع سے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور توحید اور بندوں کے ذرا ذرا حال سے اپنے واقف ہونے کا ذکر فرما کر یہاں سے قریش کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر اور اللہ کے رسول کے سچے ہونے پر ایمان لانے اور دنیا کی اُلفت چھوڑنے اور خدا کی راہ میں کچھ مال خرچ کرنے کی نصیحت شروع کی ہے۔ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ دنیا میں جس قدر مال ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس لیے اصل مالک سب چیزوں کا اللہ تعالیٰ ہے۔ عارضی طور پر چند روز دنیا کے مال اور دنیا کی چیزوں کے لوگ مالک اور وارث بن جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ عارضی قبضہ والے لوگ سب مر جائیں گے تو اللہ کا پیدا کیا ہوا مال اللہ کے قبضہ میں چلا جائے گا۔ اور حسن بصری وغیرہ تابعین نے لکھا ہے کہ دنیا کا مال وملک جس طرح ہرتا پھرتا پہلے لوگوں کے قبضہ سے موجودہ لوگوں کے قبضہ میں آتا ہے۔ اسی طرح موجودہ لوگوں کے فنا ہو جانے کے بعد یہی مال وملک پچھلے لوگوں کے قبضہ میں چلا جائے گا۔ حقیقت میں ان دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ مال وملک والے خاص خاص لوگوں کے مر جانے کے بعد دوسرے قول کے موافق ظہور ہوگا اور ساری دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد اوّل قول کے موافق ظہور ہوگا۔ آیت انا نحن نرث الارض ومن علیھا سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور دوسرے قول کی تائید ابو ہریرہؓ کی صحیح مسلم[3] کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت

[1] مشکوٰۃ شریف باب فی الریاء والسمعۃ فصل ثالث ص ۴۵۶ [2] صحیح بخاری باب من ھم بحسنۃ او سیئۃ ص ۹۶۰ ج ۲ [3] صحیح مسلم۔ کتاب الزھد ص ۴۰۶ ج ۲

الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ

جو اتارتا ہے اپنے بندوں پر آیتیں صاف کہ نکال لاوے تم کو اندھیروں سے اُجالے میں۔ اور

اِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۹ وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ

اللہ تم پر نرمی رکھتا ہے مہربان اور تم کو کیا ہوا کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور اللہ

مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ

کو ہی بچ رہتا ہے ہر کچھ آسمانوں میں اور زمین میں۔ برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتح سے پہلے

وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَ

اور لڑائی کی ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو خرچ کریں اس سے پیچھے اور لڑیں۔ اور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالدار آدمی نے جو کچھ کھایا پہنا وہ تو گیا گزرا ہوا۔ جو اللہ کے نام پر دیا وہ عقبیٰ کا ذخیرہ ہے، اور جو چھوڑ مرا وہ وارثوں کے نصیب کا ہے۔ دنیا میں کوئی تجارت ایسی نہیں کہ جس میں ایک کے سات سو ہوں۔ عقبیٰ میں صدقہ خیرات کا اجر ایک کا سات سو تک اور کبھی اس سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اس لیے عقبیٰ کے اجر کو بڑا فرمایا۔ قرآن شریف کا کلام الٰہی ہونا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا اکثر آیتوں میں طرح طرح سے اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو سمجھا دیا۔ اس لیے صدقہ خیرات کے ذکر کے بعد پھر ایمان کا ذکر دوبارہ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ بغیر شرک سے باز آنے اور خالص ایماندار ہو جانے کے صدقہ خیرات کا کچھ اجر عقبیٰ میں نہیں مل سکتا بنی آدم کے دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سب بنی آدم سے توحید پر قائم رہنے کا عہد جو لیا ہے۔ اس کا ذکر سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔ یہاں اس عہد کے ذکر کے ساتھ یہ فرمایا کہ تم لوگ اس عہد پر قائم ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس عہد کے یاد دلانے کے لیے اپنے رسول کو بھیجا ہے جن پر اپنا کلام نازل فرمایا ہے اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا کلام تم لوگوں کو ہر وقت سنا کر وہ عہد تمہیں یاد دلاتے ہیں، اور توحید پر قائم رہنے کا رستہ تم کو بتلاتے ہیں تو پھر تم کو اب شرک سے باز آنے اور اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک مان لینے میں کیا عذر ہے۔ پھر فرمایا یہ اللہ کی تم لوگوں پر ایک مہربانی ہے کہ وہ اپنے رسول پر صاف صاف طرح طرح کی فہمایش کی آیتیں نازل فرما کر تمہیں شرک کے اندھیرے سے نکالنا اور تمہارے دل کو ایمان کے نور سے روشن کرنا چاہتا ہے

ایمان کے دوبارہ ذکر کے ساتھ صدقہ خیرات کا ذکر تاکید کے طور پر پھر ان لفظوں میں فرمایا جن کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام کو ہر طرح کی مدد کی زیادہ ضرورت تھی۔ پھر فتح مکہ کے بعد غنیمت کا مال آن کر اہل اسلام غنی ہو گئے اسی واسطے فتح مکہ سے پہلے عین ضرورت کے وقت جن صحابہ نے اپنا مال اسلام کی مدد میں خرچ کیا ان کو بہت بڑا اجر مل گیا۔ پھر فرمایا یوں تو فتح مکہ سے پہلے اور پیچھے جس کسی نے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کیا اس کا اجر رائگاں نہ جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے سب کاموں کی خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے اجر کا وعدہ فرمایا ہے اس لیے اس کو قرض سے مشابہت دی۔ قرضاً حسناً کے معنے یہ ہیں کہ

ع ۱۰ ۱۷

كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ

سب کو وعدہ دیا ہے اللہ نے خوبی کا۔ اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ کون ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو

قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اچھی طرح قرض پھر وہ اُس کو دونا کر دے اس کے واسطے اور اُسے ملے نیک عزت کا۔ جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں اور عورتوں

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا

کو دوڑتی چلتی ہے اُن کی روشنی اِن کے آگے اور ان کے داہنے خوشخبری ہے تم کو آج کے دن باغ ہیں نیچے بہتی جن کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ

نہریں سدا رہیں اُن میں یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد ملنی۔ جس دن کہیں گے دغاباز مرد

دنیا کا کچھ دکھاوا نہ ہو۔ بلکہ جو کچھ خرچ کیا جائے۔ خاص عقبیٰ کے ثواب کی نیت سے ہو۔ جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ۲ھ میں زکوٰۃ فرض ہوئی ہے۔ اور اس بات کے بھی قائل ہیں کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔ اُن کے نزدیک اِس سورۃ کی صدقہ خیرات کی آیتوں میں زکوٰۃ بھی شریک ہے۔ اور جو علماء اس سورۃ کو مکی اور زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت کے بعد کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اِن آیتوں میں زکوٰۃ کا حکم نہیں ہے۔ فقط نفلی صدقہ کا حکم ہے۔

اِس باب میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ رمضان کے روزے ہجرت کے بعد مدنی آیت سے فرض ہوتے ہیں۔ اور مسند امام احمد نسائی ابن ماجہ صحیح ابن حبان مستدرک حاکم میں قیس بن سعد بن عبادہ کی جو حدیث ہے اس میں ہے کہ صدقہ فطر کی تاکید زکوٰۃ کے فرض ہونے تک تھی۔ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ فطر کا نہ کسی کو حکم کرتے تھے نہ کسی کو منع کرتے تھے۔ اس حدیث کے باقی کے راوی سب ثقہ ہیں فقط ایک راوی ابو عمار کوفی ہیں۔ بعضے علماء نے انہیں کلام کیا ہے لیکن امام احمد اور ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ اِس سے زکوٰۃ کے ہجرت کے بعد فرض ہونے کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ۲ھ میں زکوٰۃ کے وصول کا انتظام کیا گیا ہے۔ شاید اسی سبب سے بعضے علماء کو ۲ھ میں زکوٰۃ کے فرض ہونے کا شبہ پڑا ہے ورنہ ضمام بن ثعلبہ کا قصہ جو صحیح بخاریؒ[۱] وغیرہ کی روایت میں ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمام کو ارکانِ اسلام بتلائے ہیں اُس میں زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ حالانکہ وہ قصہ ۵ھ کا ہے۔ نماز اور روزوں کے بعد زکوٰۃ فرض ہوئی ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کو اسلام کا تیسرا رکن کہتے ہیں ✽

۱۲ تا ۱۵۔ معتبر سند[۲] سے طبرانی اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پل صراط پر گزرنے کے وقت اندھیرا ہوگا۔ اس لیے ہر ایماندار مرد اور عورت کو اُن کے عملوں کے موافق میدانِ محشر میں نور دے کر پل صراط پر گزرنے کا حکم ہوگا اور فرشتے اُن کو پل صراط سے گزرتے ہی جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دیں گے۔ غرض اِسی نور کا ذکر اِن آیتوں میں ہے اور یہ حدیث اُس کی تفسیر ہے۔ منافقوں کے دل میں

[۱] صحیح بخاری باب القراءۃ والعرض علی المحدث الخ ص ۱۵ ج ۱۔

[۲] الترغیب والترہیب فصل فی الحشر وغیرہ ص ۳۸۰ ج ۴۔

وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ

اور عورتیں ایمان والوں کو ہماری راہ دیکھو ہم بھی سلگالیں تمھاری روشنی سے کسی نے کہا الٹے چلے جاؤ پیچھے

فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ

پھر ڈھونڈو روشنی ، پھر کھڑی کر دی اُن کے بیچ میں ایک دیوار جس کو ایک دروازہ ۔ اس کے اندر میں مہر ہے اور باہر

مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؁ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ

کی طرف عذاب ۔ یہ اُن کو پکارتے ہیں کیا ہم نہ تھے تمھارے ساتھ وہ بولے کیوں نہ تھے لیکن تم نے بچلا دیا

نورِ ایمان نہیں ہے ۔ اسی واسطے اُن کو یا تو سرے سے نور نہ دیا جائے گا یا دیا جائے گا تو ایسا کہ جلدی سے بجھ جائے گا ۔ اس لیے کچھ دور تک تو یہ منافق لوگ ایماندار لوگوں کے نور کی جھلک میں راستہ چلیں گے ۔ پھر ایمانداروں کے سواریوں پر اور اُن کے پیدل ہونے کے سبب سے جب یہ منافق لوگ اندھیرے میں پیچھے رہ جائیں گے تو اس وقت یہ منافق لوگ ایمانداروں سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ تاکہ تمھاری روشنی سے ہم بھی کچھ جھلک پاکر اس اندھیرے کو طے کر لیں فرشتے ان منافقوں کو جھڑک کر جواب دیں گے کہ پیچھے پلٹ جاؤ اور وہاں روشنی تلاش کرو ۔ فرشتوں کے اس جواب کے دو مطلب ہیں ۔ ایک تو یہ کہ پلٹ کر میدانِ محشر میں جاؤ ۔ جہاں سب کو نور ملا ہے ۔ دُوسرا مطلب یہ کہ پلٹ کر دُنیا میں جاؤ اور نفاق سے توبہ کرو جب کچھ نور ملے ۔ فرشتوں کا یہ جواب ایک جھڑکی کے طور پر ہوگا ۔ ورنہ اُن کو معلوم ہے کہ میدانِ محشر میں اب کچھ نور مل سکتا ہے نہ دوبارہ دنیا میں جانا ہو سکتا ہے ۔ یہ باتیں ہو ہی رہی ہوں گی کہ اتنے میں ایماندار لوگوں اور منافقوں کے درمیان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیوار کھڑی کر دی جائے گی ۔ جس کے پرلی طرف جنت ہو گی اور ورلی طرف جہنم بعضے سلف کا قول ہے کہ یہ دیوار وہی اعراف ہے جس کا ذکر سورہ اعراف میں گزرا اس دیوار کے حائل ہو جانے کے وقت منافق لوگ ایماندار لوگوں سے پکار کر کہیں گے کہ اس وقت ہمارا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیے ۔ کیونکہ دنیا میں تم ہمارے ساتھی تھے ۔ اس کے جواب میں ایماندار لوگ کہیں گے کہ تم اوپری طور پر ہمارے ساتھ تھے ۔ دل سے تو تم بچلے ہوئے تھے اور اہلِ اسلام کی بُرائی چاہتے تھے ۔ اور دین کی باتوں کی طرف سے ایک شک کی حالت میں پڑے ہوئے تھے اور طرح طرح کی بے اصل آرزوؤں میں اپنی عمر گزارتے تھے مثلاً یہ خیال کرتے تھے کہ اہلِ اسلام کو کافروں کے ہاتھ سے کچھ ضرر بھی پہنچا تو ہم امن میں رہیں گے ۔ کیونکہ ہمارا میل جول دونوں جانب سے ہے ۔ یہاں تک کہ اسی شیطانی بہکاوے میں تم مر گئے اس لیے آج تمھارا ٹھکانا دوزخ ہے جو بہت بُرا ٹھکانا ہے ۔ جس سے کچھ بدلہ دے کر بھی تمھارا چھٹکارا نہیں ہو سکتا ۔ سورۂ آلِ عمران میں گزر چکا ہے کہ قیامت کے دن ساری زمین بھر کے برابر سونا بھی نجات کے لیے کافی نہ ہوگا ۔ مسند امام احمد صحیح بخاری[1] و مسلم وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ گو آدمی خالص نیت سے ایک کھجور بھی اللہ کے نام پر دے گا تو قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے نجات پانے کے لیے یہ تھوڑی سی خیرات بھی اُس کے کام آئے گی ۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ شرک و نفاق ایسی چیز ہے ۔ اس کے

[1] صحیح بخاری باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ ص ۱۹۰ ج ۱ و صحیح مسلم باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ ص ۳۲۶ ج ۱

أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّى جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ
اپنے آپ کو اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہکے خیالوں پر جب تک آپہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکایا

بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَأْوَاكُمُ
اللہ کے نام سے اس دغاباز نے۔ سو آج تم سے نہیں قبول چھڑوائی دینی اور نہ منکروں سے تم سب کا گھر

النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ
دوزخ ہے۔ وہی ہے رفیق تمہاری اور بری جگہ جا پہنچے۔ کیا وقت نہیں پہنچا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں ان کے دل

لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ
اللہ کی یاد سے اور جو اترا سچا دین اور نہ ہوں اُن جیسے جن کو کتاب ملی اس سے پہلے

فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۱۶﴾ اعْلَمُوا أَنَّ
پھر لمبی گذری اُن پر مدت پھر سخت ہوگئے ان کے دل اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔ جان رکھو کہ

اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۷﴾ إِنَّ
اللہ جلاتا ہے زمین کو اس کے مرے پیچھے۔ ہم نے کھول کر سنا دئیے تم کو پتے اگر ہو بوجھ والے۔ جو لوگ

سبب سے قیامت کے دن زمین بھر کے سونا بھی نجات کے لیے کارآمد نہیں اور توحید ایسی چیز ہے کہ جس کے سبب سے قیامت کے دن ایک کھجور بھی نجات کے لیے کارآمد ہے۔ صحیح حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاکاری کو چھوٹا شرک فرمایا ہے اس لیے جس طرح آدمی کو شرک ونفاق سے بچنا چاہیے۔ اسی طرح ریاکاری سے بھی اُسے بچنا چاہیے۔

۱۶ تا ۱۹۔ اگرچہ تفسیر سدی وغیرہ میں لکھا ہے کہ یہ آیتیں منافقوں کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اور معنے یہ ہیں کہ جو لوگ ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اُن کے دل کفر اور نفاق کے سبب سے سخت ہو رہے ہیں۔ باوجود قرآن کے ہر روز نازل ہونے کے ابھی وہ نوبت نہیں پہنچی کہ ان لوگوں کے دل نرم ہوں اور اُن لوگوں کے دل میں خوفِ الٰہی سمائے۔ لیکن صحیح شان نزول وہی ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مہاجرین لوگ آپس میں کچھ ہنسی اور دل لگی کی باتیں کرنے لگے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور ہنسی دل لگی اور دنیا میں زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا۔ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا خوف آدمی کے دل میں سمانے کی یہی نشانی ہے کہ آدمی کے دل سے ہنسی دل لگی اور دنیا کی محبت کا خیال جاتا رہتا ہے چنانچہ صحیح بخاری، ترمذی، مسند امام احمد ابن ماجہ کی حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوذرؓ کی روایتیں اُوپر گذر چکی ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ جس قدر اللہ کا خوف میرے دل میں ہے اس کا حال اگر تم لوگوں کو معلوم ہو جاتے تو تم لوگ عورتوں بچوں میں رہنا بسنا چھوڑ کر جنگل میں نکل جاؤ۔ اور اپنا ہنسنا کم اور رونا

۱؎ مشکوٰۃ شریف باب فی الریاء والسمعۃ فصل ثالث۔ ص ۴۵۶ ۲؎ صحیح مسلم کتاب التفسیر ۴۲۱ ج ۲۔

الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ

خیرات کرنے والے ہیں اور عورتیں اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح قرض تو اُن کو ملتے ہیں دوگنے اور ان کو

اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ

نیک ہے عزت کا۔ اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور سب اس کے رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور احوال بتانے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

اپنے رب کے پاس اُن کو ہے اُن کا نیگ اور اُن کی روشنی اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں وہ ہیں

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾

دوزخ کے لوگ ۔

ع ۹/۲ ۱۸

زیادہ کردو۔ اس حدیث کی روایت کے بعد حضرت ابوذرؓ کہا کرتے تھے کہ بجائے انسان ہونے کے میں درخت ہوتا۔ اور اس درخت کی لکڑی کسی کام میں آجاتی تو اچھا ہوتا۔ ان آیتوں میں صدقہ خیرات دینے والے مسلمان مرد اور عورتوں اور صدیق اور شہیدوں کا ایک ساتھ جو ذکر ہے اس سے بعضے مفسروں نے یہ بات نکالی ہے کہ صدیق اور شہدا کا ایک ہی درجہ ہے۔ لیکن صحیح مذہب یہی ہے کہ صدیق کا درجہ شہید سے بڑھ کر ہے کیونکہ صحیحینؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ نیچے کے درجہ کی جنت کے لوگوں کو اُوپر کے درجہ کی جنت کے لوگ ایسے نظر آئیں گے جس طرح زمین پر سے تارے نظر آتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت اتنا بلند درجہ ہم لوگوں کو کب نصیب ہوگا۔ یہ تو شاید انبیاء کا درجہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول کے حکموں کی تصدیق زیادہ ہے۔ اور مسند امام احمدؒ میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شہیدوں کے چار درجے ہیں۔ پہلا درجہ وہ ہے کہ کامل ایماندار شخص ہے اور اس نے درجہ شہادت کا دشمن سے مقابلہ کرکے پایا۔ دُوسرا درجہ وہ ہے کہ ایماندار شخص ہے اور اتفاقاً کوئی تیر اُس کے آ کر لگ گیا اور وہ شہید ہو گیا۔ تیسرا درجہ وہ ہے کہ ایک ایماندار کسی قدر گنہگار شخص ہے اور اُس نے درجہ شہادت کا پایا۔ چوتھا درجہ وہ ہے کہ نہایت درجہ کا گنہگار شخص درجہ شہادت کا پائے۔ حضرت عمرؓ کی حدیث کی سند کو علی بن مدینی نے صالح کہا ہے۔ اور شرح جامع صغیر میں اس حدیث کو حسن اور ترمذی نے اُس کو حسن غریب کہا ہے۔ اگرچہ اس کی سند میں عبداللہ ابن لہیعہ ہے۔ لیکن یہ روایت ابنِ مبارک کی ابن لہیعہ سے ہے جو حسن کے درجہ کی ہے۔ ابنِ لہیعہ خود بھی صدوق ہے۔ ان دونوں روایتوں کے مضمون کو ملانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ بعضے شہیدوں اور صدیق کے درجہ میں بہت بڑا فرق ہے۔

[1] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم الخ ص ۹۶۰ ج ۲۔ و جامع ترمذی باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم الخ ص ۲۶۷ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واھلہا ص ۳۷۰ ج ۲ [3] جامع ترمذی باب ماجاء فی فضل الشہداء عند اللہ ص ۲۳۴ ج ۱ و مشکوٰۃ شریف کتاب الجہاد فی فضائلہ فصل ثالث ص ۳۳۵ ۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ

جان رکھو کہ دنیا کا جینا یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنے آپس میں اور بہتات ڈھونڈنی مال کی

وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ

اور اولاد کی۔ مانند مینہ کے جو خوش لگا کسانوں کو اس کا سبزہ اگنا پھر زور پر آتا ہے۔ پھر تو دیکھے زرد ہو گیا پھر ہو جاتا ہے

حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا

روندن۔ اور پچھلے گھر میں سخت مار ہے۔ اور معافی بھی ہے اللہ سے اور رضامندی۔ اور

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ⑳ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ

دنیا کا جینا تو یہی ہے جنس دغا کی دوڑو اپنے رب کی معافی کو اور بہشت کو

۲۰ تا ۲۱۔ اوپر کی آیتوں میں دُنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو کر منسی مذاق میں پڑ جانے کی ممانعت تھی اور صدقہ خیرات کی رغبت۔ اِن آیتوں میں کھیتی کی مثال دے کر دنیا کی زندگی کی ناپائداری کا حال سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح مینہ کے برس جانے سے اوّل اوّل کھیتی خوب سرسبز ہوتی ہے۔ جس سے کاشتکاروں کا دل بہت خوش ہوتا ہے۔ پر چند روز میں وہ سب سرسبزی جا کر اُن سرسبز پیڑوں پر زردی چھا جاتی ہے۔ آخر کو وہ سب پیڑ کٹ جاتے ہیں۔ اور ان کا نام ونشان بھی زمین پر کہیں باقی نہیں رہتا۔ یہی حال انسان کی زندگی کا ہے کہ بچپنے سے اخیر جوانی تک قوت جسمانی بڑھتی جاتی ہے اور مال اور اولاد کی زیادتی کا آپس میں فخر دن بدن زیادہ ہوتا جاتا ہے مگر اس سب کی وہی حالت ہے جس طرح بچے کھیل کی کوئی چیز بناتے ہیں اور دم بھر میں اس کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کوئی دن میں انسان کی نہ وہ قوت جسمانی رہتی ہے نہ مال اولاد کی زیادتی کا کچھ ثمرہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ مال واولاد دنیا ہی میں رہ جاتے ہیں اور مال واولاد پر فخر کرنے والے دنیا سے خالی ہاتھ اٹھ جاتے ہیں اس واسطے اِس دھوکے کی دنیا میں جنھوں نے کچھ عقبیٰ کا سامان کر لیا۔ ان سے اُن کا خدا راضی وخوش رہے گا، اور اُن کے گناہ معاف فرما کر ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ ورنہ سخت عذاب کا سامنا ہے۔ اب آخر کو فرمایا کہ جب دنیا کی زندگی ایسی بے بنیاد ہے تو اس پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس چند روزہ زندگی میں ہمیشہ کی راحت کا کچھ سامان کر لینا اور اسی دوڑ دھوپ میں تازیست لگے رہنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ بڑا صاحب فضل ہے۔ تھوڑی سی عمر کی دوڑ دھوپ کے اجر میں وہ بہت کچھ دے سکتا ہے۔ بعض آیتوں اور حدیثوں میں جنت کا ذکر اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت کے ساتھ ہے اور بعض میں نیک عملوں کی جزا کے ساتھ اس کا سبب یہ ہے کہ پیدا کرنے کی صحت سے رکھنے اور رزق دینے کی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انسان پر اس قدر ہیں کہ اُن بیشمار نعمتوں کے مقابلہ میں انسان کی تھوڑی سی عمر کے نیک عمل جنت کے مستحق ہونے کے لیے کافی نہیں۔ اس لیے جنت میں داخل ہونے کا حق تو ہر ایک کو محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہو گا۔ رہا جنت کے عالی درجہ اور متوسط اور ادنیٰ درجہ کا ملنا یہ درجہ بندی عملوں کے موافق ہو گی۔ چنانچہ صحیح بخاری[1] ومسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص

[1] صحیح بخاری، باب القصد والمداومۃ علی العمل ص ۹۵۷ ج ۲۔

عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ

جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا رکھی ہے واسطے اُن کے جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ بڑائی

فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ

اللہ کی ہے دیوے اس کو جس کو چاہے۔ اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔ کوئی آفت

مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ

نہیں پڑتی ملک میں اور نہ آپ تم میں جو نہیں لکھی ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو۔ بیشک

اپنے عمل کے سبب سے جنت میں نہیں داخل ہو سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ بھی آپ نے فرمایا جب تک اللہ کا فضل اور اس کی رحمت میرے شاملِ حال نہ ہو۔ مَیں بھی فقط عملوں کے سبب سے جنت میں نہیں جا سکتا اور یہ تو سورہ واقعہ میں گزر چکا ہے کہ عملوں میں سبقت کرنے والے لوگوں کو عالی درجہ کی جنت ملے گی اور داہنے ہاتھ والے عام نیک لوگوں کو اس سے نیچے کے درجہ کی جنت ملے گی۔ اس قسم کی آیتوں اور حدیثوں سے یہ بات صاف کھل جاتی ہے کہ جنت کا داخل ہونا اللہ کی رحمت سے ہوگا۔ اور جنت کی درجہ بندی عملوں کے موافق ہوگی اور اسبات کے کھل جانے کے بعد جن آیتوں اور حدیثوں میں جنت کا ذکر اللہ کے فضل اور رحمت کے ساتھ ہے۔ ان میں اور عملوں کی جزا میں جنت کے ملنے والی آیتوں اور حدیثوں میں پوری مطابقت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بخاریؒ و مسلم میں بھی ابو سعید خدری کی شفاعت کی بہت بڑی حدیث ہے۔ جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جب ملائکہ انبیاء صلحاء سب کی شفاعت سے گنہگار لوگ جنت میں داخل ہو چکیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا سب کی شفاعت تو ہو چکی، اب ارحم الراحمین باقی ہے۔ یہ فرما کر ایسے کلمہ گو دوزخیوں کو ایک لپ بھر کر دوزخ سے جنت میں ڈالے گا، جنھوں نے عمر بھر کوئی نیک عمل نہیں کیا۔ اب بعض آیتوں اور حدیثوں میں جنتیوں کے ذکر کے ساتھ ایمان اور نیک عمل دونوں کا جو ذکر ہے اور بعض میں محض ایمان کا اُن میں اس صحیح حدیث سے پوری مطابقت ہو جاتی ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جس طرح ایک جنگل کے میدان کے مقابلے میں آدمی کی انگلی کا ایک چھلہ۔ اور سلف کی روایتوں کے موافق جنت کرسی میں ہے۔ اس لیے جنت کا عرض آسمان و زمین کے برابر ہونا اور طول کا اس سے بھی بڑا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔

۲۲ تا ۲۴۔ اس آیت کی تفسیر میں علماء مفسرینؒ کے چار قول ہیں۔ پہلا قول تو یہ ہے کہ جو جانی یا مالی کوئی آفت یا مصیبت لوگوں پر دنیا میں آتی ہے، اُس مصیبت کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اُس مصیبت کے پہنچنے کا سارا حال لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جن لوگوں پر وہ مصیبت اور آفت آتی ہے اُن کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اُس مصیبت کا حال لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اُس

ل۵ صحیح بخاری کتاب الرّد علی الجهمیة ص ۱۱۰۶ ج ۲ و صحیح مسلم باب اثبات رؤیة المؤمنین فی الآخرة ربهم الخ ص ۱۰۲ ج ۱ ۲ ۵ تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۵ ج ۴ ۳ ۵ تفسیر ابنِ کثیر ص ۳۱۳ ج ۴۔

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ

یہ اللہ پر آسان ہے تا تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ ریجھا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿٢٣﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ

اور اللہ نہیں چاہتا ہے کسی اتراتے بڑائی مارنے کو وہ جو آپ نہ دیں اور سکھاویں لوگوں کو نہ دینا۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٤﴾

اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہی ہے بے پرواہ سب خوبیوں سراہا۔

مصیبت کا حال لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس مصیبت کے اور مصیبت والوں کے اور تمام دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کا حال لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ بعضے مفسروں نے لکھا ہے کہ یہ آخری قول سب قولوں سے اچھا ہے۔ یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم[۵۲] میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کا حال لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے آخری قول جو اُوپر بیان کیا گیا ہے وہی قول اس صحیح حدیث کے مضمون کے موافق ہے۔ حضرت عبداللہ[۵۳] بن عباسؓ نے فرمایا کہ ایسا آدمی تو دُنیا میں کوئی نہیں ہے کہ راحت سے کسی قدر خوشی اور مصیبت سے کسی قدر رنج اس کے دل پر نہ ہوتا ہو اس لیے مطلب آیت کا یہ ہے کہ رنج اور مصیبت کے وقت بالکل بے صبر ہو جانا اور راحت کے وقت اترانا نہیں چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر طرح کا رنج اور ہر طرح کی راحت تقدیر الٰہی کے موافق ہے۔ بندہ کی بے صبری اور بندہ کا اترانا بے فائدہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آگے اترانے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ[۵۴] بن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس آیت میں دنیا کی مصیبت اور برائی کا ذکر ہے۔ شیطان کے بہکانے سے دین کی کوئی برائی آدمی کو پیش آ جائے تو اس پر ضرور بڑا قلق کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول حضرت ابی امامہ کی اس حدیث کے موافق ہے جو مسند[۵۴] امام احمد کی روایت سے اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایماندار شخص کی نشانی یہ ہے کہ اس کو دین کی بُری بات بُری اور بھلی بات بھلی معلوم ہونے لگتی ہے۔ فرقہ قدریہ کا ذکر اُوپر گزر چکا ہے کہ وہ لوگ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے سب چیزوں کا اندازہ ہونے اور لوحِ محفوظ میں لکھے جانے کے قایل نہیں ہیں اور کہتے ہیں جو کچھ دُنیا میں ہوتا ہے وہ بغیر کسی ازلی اندازہ اور علم الٰہی کے از سرِ نو ہوتا ہے اور ہر ایک چیز کے ہو جانے کے بعد اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہو جاتا ہے۔ مفسرین[۵۵] نے لکھا ہے کہ اس آیت سے فرقہ قدریہ کے مذہب کی پوری غلطی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوحِ محفوظ میں علمِ ازلی الٰہی کے موافق پہلے سب کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اب دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے موافق ہوتا ہے۔ تمام ملک کی آفت جیسے عام قحط یا عام وبا۔ جان کی آفت جیسے عزیز و اقارب کا مر جانا انسان کو آیندہ کا حال معلوم نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ اس لیے

---

[۵۲] صحیح مسلم باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام ص ۳۳۵ ج ۲ [۵۳] تفسیر الدر المنثور ص ۱۷۶ ج ۶۔

[۵۴] مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان فصل ثالث ص [۵۵] تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۴ ج ۴۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو کہ لوگ سیدھے رہیں

اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں انسان کو سمجھایا ہے کہ اللہ کا علم ایسا نہیں ہے۔ اس کے علم میں حال کی موجود چیزیں اور آئندہ کی موجود ہونے والی چیزیں دونوں برابر ہیں۔ اس واسطے اس کو دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے تمام دنیا کا حال لوحِ محفوظ میں لکھ لینا کچھ مشکل نہیں، اور یہ بھی سمجھایا کہ اس لوحِ محفوظ کے نوشتہ کے حال سے تم لوگوں کو اِس لیے خبردار کیا ہے تاکہ تم آفت کے وقت بہت رنج اور بے صبری نہ کرو۔ اور یہ سمجھ لو کہ جو آفت آئی وہ تقدیر کے نوشتہ کے موافق ہے۔ جو کبھی ٹلنے والی نہیں۔ معتبر سند سے ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعضے بندوں کا درجہ عقبیٰ میں بڑھانا چاہتا ہے اور جب ان بندوں کے عمل اس درجہ کے قابل نہیں ہوتے تو ان پر کوئی مصیبت دُنیا میں آتی ہے جس میں ان کو صبر کی توفیق دیتا ہے جس صبر کے اجر میں وہ اس درجہ کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی اور بھی صحیح حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے نصیب میں جو مصیبت اور آفت لکھی گئی ہے وہ حکمت سے خالی نہیں۔ مصیبت کے بعد راحت کے باب میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ راحت کے وقت اتراؤ نہیں۔ کیونکہ دنیا کی راحت دنیا کی راحت والے سب ناپائیدار چیزیں ہیں۔ ایسی ناپائیدار حالت ہرگز اترانے کے قابل نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ دنیا کی چند روزہ راحت پر اترانے سے تکبر، بخل۔ غرض ایسی ایسی باتیں انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں جو اللہ کو پسند نہیں۔ پھر فرمایا کہ جو شخص اللہ کی نصیحت پر عمل کرنے سے مُنہ موڑے گا تو اللہ کو اُس کی کچھ پروا نہیں لیکن اُس کے سب کام حکمت سے بھرے ہوئے لائق حمد و ثنا کے ہیں جو کسی طرح مُنہ موڑنے کے قابل نہیں۔ معتبر سند سے طبرانی کی کبیر[۵۱] اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اترانے والے لوگ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے رُوبرو کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُن پر بہت غصّہ سے نگاہ ڈالے گا۔ اِن آیتوں میں جو اترانے کی ممانعت ہے، یہ حدیثیں گویا اُس کی تفسیر ہیں ۔

۲۵۔ اوپر جنت کے لیے دوڑ دھوپ کرنے کا ذکر تھا، اِن آیتوں میں اس دوڑ دھوپ کا طریقہ سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہم نے رسول بھیجے جن کی تصدیق کے لیے اُن کو طرح طرح کے معجزے دیئے، اُن پر اسلامی کتابیں نازل فرمائیں۔ پھر ہر زمانہ کے لوگوں میں سے جنھوں نے اللہ کے رسولوں کی نصیحت کو مانا، اور اللہ کے حکم کے موافق عمل کیا۔ وہ جنت کی دوڑ دھوپ کے طریقے میں کامیاب ہُوئے اور جو اسی طریقے کے برخلاف رہے وہ دُنیا میں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہُوئے اور عقبیٰ میں اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نبی آخرالزماں کے عہد کے لوگوں کا انجام بھی اِسی عادتِ الٰہی کے موافق ہوگا۔ معتبر سند[۵۳] سے بیہقی وغیرہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ کہ جس طرح نماز روزہ وغیرہ آسمانی کتابوں کے ذریعے سے اللہ کی امانتیں ہیں، اسی طرح ترازو کے ذریعے سے پُورا تولنا بھی اللہ

[۵۱] الترغیب والترہیب الترغیب فی الصبر ص ۱۷۵ ج ۴ [۵۲] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی التواضع والترہیب من الکبر الخ ص ۲۸۱ ج ۳۔

[۵۳] الترغیب والترہیب الترہیب من منع الزکوٰۃ ص ۱۷۷ ج ۱۔

بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

انصاف پر اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں اور تا معلوم کرے اللہ کون

يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۲۵

مدد کرتا ہے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی بن دیکھے۔ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔

ع ۲۶ ۱۹

کی ایک امانت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول آسمانی کتابوں کے ساتھ ترازو کے ذکر کیے جانے کی گویا تفسیر ہے معتبر سند سے مستدرک حاکم میں بریدہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کم تولنے اور کم نلپنے سے اکثر قحط کی آفت آتی ہے۔ کم تولنے کی زیادہ مذمت ویل للمطففین میں آئے گی۔ حاصل یہ ہے کہ کتاب آسمانی اور ترازو اس لیے ہیں کہ جن سے لوگ سیدھے راستہ پر رہ کر جنت کی دوڑ دھوپ میں کامیابی حاصل کریں۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر توراۃ کے نازل ہونے تک اللہ کے رسولوں کو مخالف لوگوں سے لڑنے کا حکم نہیں تھا۔ اس لیے مخالف لوگوں کی مخالفت اور نافرمانی جب بہت بڑھ جاتی تھی تو وہ ایک عام عذاب سے ہلاک ہو جاتے تھے۔ توراۃ کے نزول کے زمانہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مخالف لوگوں کے ساتھ ہتھیاروں سے لڑنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اسی واسطے اِن آیتوں میں رسولوں کے ذکر کے ساتھ لوہے کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ حال کے لوگوں میں سے جو لوگ اللہ کے رسولوں کی زبانی نصیحت کو نہ مانیں گے تو اُن کو تلوار سے نصیحت کی جائے گی۔ یہ بھی فرمایا کہ اس لوہے سے سوا لڑائی کے ہتھیاروں کے دُنیا میں اور بھی طرح طرح کے کام چلتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ ایسا زبردست ہے کہ اس کو لڑائی کا حکم دینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ بغیر لڑائی کے اس نے پچھلی بہت سی سرکش قوموں کو ہلاک کر دیا۔ لیکن شریعت موسوی۔ عیسوی۔ اور محمدی میں جو اس نے لڑائی کا حکم فرمایا ہے اس میں طرح طرح کی مصلحتیں ہیں۔ مثلاً یہ مصلحت کہ علم الٰہی میں جو لوگ اللہ کے دین اور اللہ کے رسولوں کے حامی اور مددگار قرار پاتے ہیں۔ ان کا ظہور دنیا میں ہو جائے اور جب یہ لوگ اللہ کے دین کے پھیلانے میں اپنی جان دینے پر مستعد ہو جاتے ہیں تو عقبیٰ میں جو درجے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے رکھے ہیں۔ ان درجوں کے پانے کے یہ لوگ پورے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ مسند امام احمد صحیح بخاری وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ نماز روزے کے پابند ہیں۔ ایسے لوگ دین کی لڑائی میں شریک نہ بھی ہوں تو ضرور وہ جنت میں جائیں گے۔ یہ حدیث سن کر بعضے صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت اس مطلب کو عام طور پر مشہور کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا دین کی لڑائی کی جرأت والوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ جنت کے سو درجے ہیں جن میں سے دین کی لڑائی والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے عالی درجے رکھے ہیں۔ بخاری کی بعضی شرحوں میں یہ جو لکھا ہے کہ اس حدیث میں فقط نماز اور روزہ کا ذکر اس واسطے ہے کہ زکوٰۃ اور حج اس وقت تک

[1] الترغیب والترهیب الترهیب من منع الزکوٰۃ ص ۲۷۱ ج ۱ [2] صحیح بخاری باب درجات المؤمنین فی سبیل اللہ ص ۳۹۱ ج ۱۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ

اور ہم نے بھیجے نوح اور ابراہیم اور رکھی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب پھر اُن میں کوئی راہ پر ہے

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ

اور بہت اُن میں بے حکم ہیں۔ پھر پیچھے بھیجے اُن کی پچھاڑی پر اپنے رسول اور پیچھے بھیجا عیسیٰ بیٹا

مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ

مریم کا اور اُس کو دی انجیل۔ اور رکھی اُس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہر

فرض نہیں ہوئے تھے۔ یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کس لیے کہ ترمذی[۱] کی معاذ بن جبل کی روایت میں حج کا بھی ذکر ہے اور یہ بھی ہے کہ شاید زکوٰۃ کا لفظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس سبب سے یہی قول صحیح ہے کہ ابوہریرہؓ کی حدیث میں راوی نے اختصار کی نظر سے فقط نماز روزہ کا ذکر کیا ہے۔ جس سے مطلب سوائے جہاد کے اور ارکانِ دین کا ہے ÷

۲۶ تا ۲۷۔ اوپر رسولوں کا ذکر مبہم طور پر تھا۔ اِن آیتوں میں اُن کے سلسلہ کا ذکر ہے۔ صاحب شریعت نبیوں کا سلسلہ نوح علیہ السلام سے شروع ہو کر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر وہ سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ نبوت اور کتابِ آسمانی کا سلسلہ اُن ہی دو رسولوں کے خاندان میں رکھا گیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جن دو خاندانوں میں نبوت رکھی گئی ہے۔ اُن خاندانوں کے لوگوں کا یہ حال ہے کہ کچھ تو اُن میں سے راہِ راست پر ہے اور اکثر بے راہ اور نافرمان ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسرائیل اور اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسمٰعیل کہتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم کے پوتے اور اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم کے بیٹے ہیں۔ بنی اسمٰعیلؑ میں فقط نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور بنی اسرائیلؑ میں حضرت ابراہیم کی اولاد کی ایک شاخ کے اور انبیاء ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کی نبوت کا سلسلہ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت مریم کے خاندان کی طرف سے حضرت عیسٰی علیہ السلام بنی اسرائیل میں ہیں۔ اس واسطے خاص طور پر عیسٰی علیہ السلام کا نام بھی فرمایا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ چلنے والوں سے مقصود حضرت عیسٰیؑ کی پیروی کرنے والے حواری اور حواریوں کے قدم بقدم چلنے والے وہ سچے عیسائی ہیں جو اسی اکاسی برس کے قریب تک حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد انجیل کے پورے پابند رہے۔ کیونکہ اُس کے بعد پولس یہودی نے فریبی عیسائی بن کر عیسائی دین میں طرح طرح کا اختلاف ڈال دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل سورۂ توبہ میں گزر چکی ہے۔ حواری حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وہ بارہ اصحاب ہیں جو پہلے پہل حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لائے اور دین عیسائی کے پھیلانے میں انھوں نے کوشش کی۔ حواری کے معنے مددگاروں کے ہیں۔ انجیل میں خوش اخلاقی اور بنی آدم کو کسی طرح کی ایذا نہ پہنچانے کی تاکید ہے۔ اس واسطے جب تک عیسائیوں کے چند فرقے نہیں ہوئے تھے تو یہ لوگ بڑی نرم دلی اور خوش اخلاقی کا برتاؤ آپس میں رکھتے تھے۔ جب پولس یہودی کے بہکانے سے ان میں چند مختلف فرقے ہو گئے تو پھر یہ بات جاتی رہی اور اُن میں بڑی خونریزی آپس میں ہوئی جس کا ذکر

[۱] جامع ترمذی باب ماجاء فی صفۃ درجات الجنۃ ص ۸۹ ج ۲۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ
اور ایک دنیا چھوڑنا انھوں نے نیا نکالا ہم نے اُن پر نہ لکھا تھا مگر چاہنے کو رضامندی اللہ کی پھر نہ نباہا اس کو جیسا چاہیے

رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٢٧ يٰٓاَيُّهَا
نباہنا پھر دیا ہم نے اُن کو جو اُن میں ایماندار تھے اُن کا نیگ اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ
ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر دیوے تم کو دو بوجھے اپنی مہر سے اور رکھدے گا

اس وقت کی تاریخ کی کتابوں میں ہے۔ رہبانیت کے معنے عبادتِ الٰہی میں مصروف ہونے اور ترکِ دنیا کر دیتے کے ہیں۔ معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم مستدرک حاکم وغیرہ میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائی دین میں طرح طرح کی خرابی پڑگئی اور ظالم بادشاہوں نے دیندار عیسائیوں کو طرح طرح سے تنگ کیا تو ان دیندار عیسائیوں نے جنگل کا رہنا اور ترکِ دنیا کر کے سخت عبادت میں مصروف رہنا اختیار کیا۔ اس عبادت میں بعضے طریقے ایسے سخت تھے جن کا حکم انجیل میں نہیں تھا۔ پھر آخر کو یہ لوگ اپنے قرارداد پر قائم نہیں رہے اور ظالم بادشاہوں سے میل جول رکھنے لگے۔ آیت کے جس ٹکڑے میں عیسائیوں کی رہبانیت کا اور پھر اُن کے اُس پر قائم نہ رہنے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔ شریعتِ محمدی میں اس طرح کی عبادت کی ممانعت ہے جو آدمی پر شاق ہو۔ اور شاق ہونے کے سبب سے آدمی ہمیشہ اُس کو نباہ نہ سکے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کو اپنی طاقت کے موافق ایسی عبادت کرنی چاہیے جس کو وہ ہمیشہ نباہ سکے۔ کیونکہ جو عبادت ہمیشہ کی جاتے وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس عبادت میں ایسی مشقت ہو جس کے سبب سے اُس کا ہمیشہ جاری رہنا دشوار ہو۔ ایسی عبادت اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اب آگے فرمایا کہ ان لوگوں میں سے اکثر لوگ تو بے راہ ہو گئے لیکن جو لوگ راہِ راست پر ہے وہ پورا اجر پائیں گے۔

۲۸ تا ۲۹۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق یہ آیت ایماندار اہلِ کتاب کی شان میں ہے۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جو لوگ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام پر اور تورات اور انجیل پر ایمان لاچکے ہیں اور ان کے دِل میں خدا کا خوف بھی ہے اُن کو قرآن اور نبی آخر الزمان پر بھی ضرور ایمان لانا چاہیے۔ کیونکہ بغیر اس کے تورات و انجیل میں جو اللہ کا عہد ہے وہ پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ عہد ہے جس کا ذکر سورہ آلِ عمران میں گزر چکا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایسا کریں گے تو ان کے دونوں زمانے کے عمل قابلِ اجر قرار پاکر اُن کو دوہرا اجر دیا جائے گا۔ ورنہ عہد شکنی کے گناہ میں اُن سے مواخذہ کیا جائے گا۔ صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ کتاب میں سے جو

ے تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۵ ج ۴ ؎ ۵۲ صحیح بخاری باب القصد والمداومة علی العمل ص ۹۵۷ ج ۲ و صحیح مسلم باب فضیلة عمل الدائم الخ ص ۲۶۶ ج ۱۔

؎۵۳ تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۰ ج ۴ ؎ ۵۴ صحیح مسلم باب وجوب الایمان برسالة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم الخ ص ۸۶ ج ۱۔

لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ

تم میں روشنی جس کو لیے پھرو اور تم کو معاف کرے گا اور اللہ معاف کرنیوالا ہے مہربان تا نہ جانیں کتاب

الْكِتٰبِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ

والے کر پا نہیں سکتے کچھ اللہ کا فضل اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

جس کو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے

شخص میرا حال سنے گا اور پھر شریعت محمدی کا تابع نہ ہوگا اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ابوموسیٰ اشعری کی صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث بھی اوپر گزر چکی ہے جس میں اہلِ کتاب کے دوہرے اجر کا ذکر ہے۔ یہ حدیثیں اہلِ کتاب کے اعمال کے دوہرے اجر اور اعمال کے اکارت ہو جانے کی تفسیر ہیں اور نور سے مقصود وہی پل صراط پر کی روشنی ہے جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اب آگے فرمایا ایماندار اہلِ کتاب کو یہ دوہرا اجر اس واسطے دیا گیا کہ اہلِ کتاب میں سے جو لوگ نبی آخر الزمان پر اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے اُن کو قیامت کے دن اپنی حالت پر افسوس ہو کہ یہ اللہ کے فضل کا دوہرا اجر اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے کھویا۔ اس تفسیر کی صورت میں لئلا یعلم میں لا زائد ہے۔ جو اکثر کلام عرب میں زائد آیا کرتا ہے۔ سوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اور سلف کا قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ آیت اولئک یؤتون اجرھم مرتین میں اور ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں مومنین اہلِ کتاب کے دوہرے اجر کا جو ذکر ہے اُس کو مومنین اہلِ کتاب اپنے فخر کے طور پر مومنین امتِ محمدیہ کے رُوبرو اکثر بیان کیا کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مومنین امتِ محمدیہ کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ اس قول کے موافق حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جس طرح مومنین اہلِ کتاب دو شریعتوں کی پابندی کے معاوضہ میں دوہرا اجر پائیں گے اسی طرح مومنین امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ ایک ہی شریعت کی پابندی کے معاوضہ میں دوہرا اجر عطا فرمائے گا تاکہ اہلِ کتاب یہ نہ جان لیں کہ دوہرے اجر کو انھیں کے ساتھ خصوصیت ہے۔ مومنین امتِ محمدیہ اس خصوصیت کے حاصل کرنے کی کسی طرح قدرت نہیں رکھتی۔ اور یہ اللہ کا ایک فضل ہے جس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس تفسیر کی بنا پر لئلا یعلم میں لا زائد نہیں ہے۔ مسند امام احمد صحیح بخاری[۲] وغیرہ میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے زمانہ کو ایک دن فرض کیا ہے جس دن کے عصر کے وقت سے شام تک کے عملوں کے معاوضہ میں امتِ محمدیہ کو دوہرے اجر کے ملنے کا ذکر ہے۔ اس حدیث سے اس آخری قول کی بڑی تائید ہوتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مرکب شانِ نزول کے طور پر مومنین اہلِ کتاب و مومنین امتِ محمدیہ دونوں کے حق میں آیت کا نزول ٹھہرایا جائے۔ ان دونوں حالتوں میں فرق اسی قدر ہے کہ اہلِ کتاب کا دوہرا اجر دو شریعتوں کی پابندی کے معاوضہ میں ہوگا اور امتِ محمدیہ کا دوہرا اجر فقط ایک ہی شریعت کی پابندی کے معاوضہ میں اور یہ اللہ کا ایک فضل ہے ؕ

---

[۱] صحیح مسلم۔ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم الخ ص ۸۶ ج ۱ و صحیح بخاری باب تعلیم الرجل امتہ و اھلہ ص ۲۰ ج ۱ [۲] صحیح بخاری باب ماذکر عن بنی اسرائیل ص ۴۹۱ ج ۱۔

آیاتھا ۲۲ — (۵۸) سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۵) — رکوعاتھا ۳

سورۃ مجادلہ مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ

سن لی اللہ نے بات اُس عورت کی جو جھگڑتی ہے تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں اور جھینکتی ہے اللہ کے آگے اور اللہ سنتا ہے

تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا

سوال وجواب تم دونوں کا۔ بے شک اللہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں کو وہ

هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ

نہیں اُن کی مائیں ہیں بلکہ اُن کی مائیں وہ ہیں جنھوں نے اُن کو جنا اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات

وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

اور جھوٹ۔ اور اللہ معاف کرتا ہے بخشنے والا اور جو ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر وہی کام چاہیں

لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

جس کو کہا ہے تو آزاد کرنا ایک بردہ پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگادیں۔ اس سے تم کو نصیحت ہوگی اور اللہ خبر رکھتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق یہ سورۃ مدنی ہے۔

۱۔ مسند امام احمد، نسائی، ابوداؤد، مستدرک حاکم وغیرہ میں خولہ اور حضرت عائشہؓ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص اوس بن الصامت نے اپنی بی بی خولہ کو ظہار کے طور پر طلاق دے دی تھی۔ خولہ اس طلاق سے ناراض تھی۔ اس لیے اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس طلاق کی طرح طرح کی خرابیاں بیان کیں۔ اسی جھگڑے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ ظہار کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ اپنی بی بی کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دے کر انت علی کظھر امی کہا کرتے تھے۔ حاکم نے اِس شان نزول کو صحیح کہا ہے۔ ایلا اور ظہار زمانہ جاہلیت کی دونوں طلاقیں ہیں۔ ایلا کا ذکر تو سورہ بقرہ میں گزر چکا۔ ظہار کا اس سورۃ میں ہے جس طرح ماں کے ساتھ بی بی کو مشابہت دینے سے ظہار ہوجاتا ہے اسی طرح بہن بھانجی وغیرہ کے ساتھ بھی مشابہت دینے سے ظہار ہوتا ہے یا نہیں۔ اس میں اور ظہار کے متعلق اور بعضے مسئلوں میں علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل شرح حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ہے۔

۲ تا ۶۔ معتبر سند سے طبرانی تفسیر ابن مردویہ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اوس بن الصامت کا ظہار اسلام میں پہلا ظہار ہے جس کا مبہم طور پر شروع سورہ میں مذکور ہے۔ اس پہلے ظہار کے مبہم ذکر کے بعد جو حکم ظہار کے متعلق اللہ تعالیٰ کو اسلام میں قائم رکھنا منظور تھا اُس کا ذکر اِن آیتوں میں ہے یہ اوپر گزر چکا ہے کہ ظہار میں لوگ بی بی کو

۱؎ تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۸ ج ۴ ۲؎ تفسیر الدر المنثور ص ۱۰۹ ج ۶ ۳؎ تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۰ ج ۴۔

تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن
جو کچھ تم کرتے ہو۔ پھر جو کوئی نہ پاوے تو روزے دو مہینے کے لگاتار پہلے اس سے کہ

يَتَمَاسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
آپس میں چھوئیں۔ پھر جو کوئی نہ کر سکے تو کھانا دینا ساٹھ محتاج کا۔ یہ اس واسطے کہ حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا

وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَ
اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی۔ اور منکروں کو دکھ کی مار ہے۔ جو لوگ مخالفت ہوتے ہیں اللہ کے اور

رَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ
اس کے رسول کے وہ رد ہوتے جیسے رد ہوتے ہیں ان سے پہلے اور ہم نے اتاری ہیں آیتیں صاف اور منکروں کو

عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ أَحْصَاهُ
ذلت کی مار ہے۔ جس دن اٹھائے گا اللہ ان سب کو پھر جتائے گا ان کو ان کے کیے۔ اللہ نے وہ گن

اللَّهُ وَنَسُوهُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝
رکھے ہیں اور وہ بھول گئے۔ اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

ع ۱

ماں کہہ بیٹھا کرتے تھے جس سے ساری عمر وہ عورت ظہار والے مرد پر حرام ہو جاتی تھی۔ اس لیے فرمایا کہ اس ماں کہہ بیٹھنے سے وہ عورت ماں نہیں ہو سکتی۔ ماں تو وہی ہے جس کے پیٹ سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک گھڑا ہوا غلط رواج ہے کہ غیر عورت کو ماں کہا جاتا ہے مگر یہ طریقہ اُن لوگوں میں انجانی سے تھا اس واسطے جو کچھ پہلے ہو چکا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس کو معاف کیا۔ پھر فرمایا جس طرح اِن لوگوں میں بی بی کو ماں کہہ بیٹھنے کا رواج ہے۔ اُسی طرح یہ بھی رواج ہے کہ اپنے اُس قول پر نادم ہو کر اُس سے پھر جاتے ہیں اور پھر اُس عورت کو بی بی کی طرح رکھنا چاہتے ہیں لیکن اسلام میں آیندہ حکم دیا جاتا ہے کہ ایسے نادم لوگ ایسی عورت کو بی بی بنا کر رکھنے سے پہلے کفارہ کے طور پر ایک بردہ آزاد کریں۔ اگر اتنا مقدور نہ ہو تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھیں۔ اگر مرض وغیرہ کے سبب سے روزوں کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ امام شافعیؒ علیہ الرحمۃ وغیرہ اس کفارہ کے بردہ کے بھی قتل کے کفارے کے طرح بردہ صاحب اسلام ہونے کے قائل ہیں اور بعضے علماء اس کے قائل نہیں۔ کفارہ کے روزے پورے ہونے سے پہلے کسی رات کو یہ کفارہ والا شخص اس ظہار والی عورت سے مباشرت کرے تو پھر از سر نو روزے رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے جو شخص کفارہ میں مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔ امام مالک کے نزدیک وہ شخص کفارہ سے پہلے ظہار والی عورت سے مباشرت کر سکتا ہے۔ کیونکہ آیت میں اس کی ممانعت کفارہ کی اس قسم میں نہیں ہے۔ غلہ ناپنے کے پیمانے اہل حجاز اور اہل عراق کے بڑے چھوٹے ہیں۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک مسکین کو کس قدر غلہ دیا جائے۔ کچھ تفصیل تو اس کی سورۃ مائدہ میں گزر چکی ہے اور اس سے زیادہ تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔ اب آگے فرمایا ہر ضرورت کے وقت یہ اُمّی رسول ایک ایسا مناسب حکم تم لوگوں کو سنا دیتے ہیں جس طرح کے حکم کی ایجاد سے تم

ل تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۱ ج ۴۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ
تُو نے نہ دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ۔ کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا

اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ
جہاں وہ نہیں ان میں چوتھا اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں اُن میں چھٹا اور نہ اس سے کم نہ زیادہ جہاں وہ

مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
نہیں ان کے ساتھ جہاں کہیں ہوں ۔ پھر جتلا دے گا ان کو جو اُنھوں نے کیا قیامت کے دن ۔ بے شک اللہ کو معلوم ہے ہر

عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ
چیز تُو نے نہ دیکھے جن کو منع ہوئی کانا پھوسی پھر وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے اور کان میں

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ
باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی بے حکمی کی ۔ اور جب آئیں تیرے پاس تجھ کو دعا دیں جو دعا نہیں دی تجھ کو

بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ
اللہ نے اور کہتے ہیں اپنے دل میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں بس ہے اُن کو دوزخ

يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا
داخل ہوں گے اس میں سو بُری جگہ ہے ۔ اے ایمان والو جب کان میں بات کرو تو مت بات کرو

میں کے پڑھے لکھے لوگ عاجز ہیں تو ہر عقلمند کو اس سے یہ یقین کرنا چاہیے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اس قرآن میں جو احکام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حد بندی ہے جس سے آگے بڑھنا جائز نہیں پھر فرمایا اس طرح کی کھلی کھلی باتوں سے اللہ کی شریعت اور اللہ کے رسول کی صداقت معلوم ہو جانے کے بعد جو کوئی اللہ کی اس حد بندی کو نہ مانے گا اور اُس کی شریعت اور شریعت کے لانے والے رسول کی مخالفت کے درپے رہے گا تو دنیا میں وہ پچھلی مخالف قوموں کی طرح کسی آفت میں پھنس جائے گا اور عقبیٰ میں اُس سے سخت مؤاخذہ ہوگا ۔ اور یہ لوگ تو حشر کے انکار کے سبب سے بُرے کاموں کی پروا نہیں کرتے ۔ لیکن حشر کے دن کی سزا کے ارادہ سے اِن کے چھوٹے بڑے سب کام اللہ کی نگاہ میں ہیں کیونکہ اللہ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے ۔

۷ تا ۱۰ ۔ خولہ بنت ثعلبہ اور اوس بن صامت کا قصہ جو اُوپر گزرا ۔ ابن ماجہ اور مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قصہ کی روایت کے بعد فرمایا کرتی تھیں ۔ اللہ اکبر کس قدر ذرا ذرا سے اپنے بندوں کے قول و فعل کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے کہ جس مکان میں خولہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کی شکایت کی باتیں کیں ۔ اُسی مکان میں مَیں بھی تھی ۔ میں نے بعضی باتیں خولہ کی نہیں سنیں لیکن اللہ تعالیٰ نے سب باتیں اُس کی سُن کر اُس کی شکایت رفع کی ۔ اور سورۃ مجادلہ کی اوّل کی آیتیں خولہ کے اُس جگہ سے اُٹھنے سے پہلے نازل فرمائیں ۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس قصہ سے

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۷۹ ج ۶ ۔

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی بے حکمی کی اور بات کرو احسان کی اور ادب کی اور ڈرتے رہو اللہ سے

الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
جن کے پاس جمع ہوگے یہ جو ہے کانا پھوسی سو شیطان کا کام ہے دلگیر کرے ایمان والوں کو اور

لَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَـيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا
وہ اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا بن حکم اللہ کے اور اللہ پر چاہیے بھروسہ کریں ایمان والے۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ
ایمان والو جب تم کو کہیے کھل بیٹھو مجلسوں میں تو کھل جاؤ اللہ کشادگی دے تم کو۔ اور

اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
جب کہیے اُٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اللہ اونچے کرے اُن کے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں اور علم بڑے

اللہ تعالیٰ کے علمِ باطنی کا ایک نمونہ لوگوں پر ظاہر ہوا تھا۔ اُسی مناسبت کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اُس قصّہ کے بعد اپنے علم باطنی کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ یہ منافق اور یہودی لوگ مل کر مسلمانوں کی بدخواہی کی باتیں جو کانوں میں کرتے ہیں اور یہود لوگ سلام کے بہانہ سے اللہ کے رسول کو بددعا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے وقت مقررہ آتے ہی اِن سے ان کا بدلہ لیا جائے گا۔ آخر پر ایماندار لوگوں کو فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنا بھروسہ رکھیں کیونکہ بغیر حکم اللہ تعالیٰ کے کسی بدخواہ کی بدخواہی کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ صحیح[۵۱] بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والے لوگ قیامت کے دن بلا حساب و کتاب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔ یہ حدیث اللہ پر بھروسہ رکھنے کے اجر کی گویا تفسیر ہے۔

۱۱۔ تفسیر[۵۲] مقاتل میں ہے کہ یہ آیت خاص جمعہ کی نماز کی مجلس کے باب میں نازل ہوئی ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں جگہ تنگ ہو تو لوگوں کو چاہیے اس طرح دب کر بیٹھیں کہ پہلے سے بیٹھنے والوں کو اور پیچھے آنے والوں کو سب کو جگہ ہو جائے۔ مسند امام احمد اور صحیح[۵۳] مسلم میں دب کر بیٹھنے کی حضرت جابر کی حدیث ہے اُس سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں جمعہ کا بھی ذکر ہے لیکن صحیحین میں حضرت[۵۴] عبداللہ بن عمر کی جو حدیث ہے، اُس میں جمعہ کا ذکر نہیں ہے اس لیے قتادہ[۵۵] وغیرہ کا قول ہے کہ آیت ذکرِ خیر کی سب مجلسوں کو شامل ہے۔ اِس قول میں دونوں حدیثوں پر عمل ہو جانے کا لحاظ ہے اس لیے یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اب یہ شبہ باقی رہا کہ ایسے موقع پر نئے آدمیوں کو آتے دیکھ کر کھڑے ہو کر بھی جگہ خالی کی جا سکتی ہے۔ یا یہ کھڑا ہونا تعظیم کے کھڑے ہونے میں داخل اور منع ہے۔ اِس شُبہ کا رفع یہ ہے کہ جو علماء تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کو منع کہتے ہیں، وہ بھی اس کھڑے ہونے کو اور مسافروں کے معانقہ کے لیے کھڑے ہونے کو جائز بتلاتے ہیں۔ تفصیل اِس کی حدیث کی

[۵۱] صحیح بخاری باب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ص ۹۵۸ ج ۲۔ [۵۲] تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۴ ج ۴۔ [۵۳] صحیح مسلم تحریم اقامۃ الانسان من موضعہ الخ ص ۲۱۷ ج ۲۔ [۵۴] ایضاً۔ [۵۵] تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۴ ج ۴۔

دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ

درجے۔ اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کرتے ہو۔ اے ایمان والو جب تم کان میں بات کرو رسول سے

فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا

تو آگے دھرلو اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور بہت ستھرا۔ پھر اگر نہ پاؤ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ

تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا تم ڈر گئے کہ آگے رکھا کرو کان کی بات سے پہلے خیراتیں۔

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے معاف کیا تم کو تو اب کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو اللہ کے

وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور اس کے رسول کے۔ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم ہو کرتے۔

ع ۲ ۷

شرح کی کتابوں میں ہے۔

تفسیر مقاتل تفسیر خازن[۵۱] تفسیر خطیب وغیرہ میں اس آیت کی شان نزول کی جو روائتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ ایسے چند صحابہؓ بھی تھے جو اہل مدینہ میں سے نہیں تھے اس مجلس میں شریک ہونے کی نیت سے اب بعد میں چند بدری صحابی بھی آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدری صحابہ کی ہمیشہ عزت کیا کرتے تھے اس لیے پہلے سے جو صحابہ آپؐ کے پاس بیٹھے تھے آپؐ نے ان کو اپنے پاس سے اٹھا کر بدری صحابہ کو وہاں بٹھایا اور جن صحابہ کو آپؐ نے اٹھایا تھا انھیں اپنا اٹھایا جانا شاق گذرا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ بنظر ضرورت اللہ کے رسول کسی کو اپنے پاس سے اٹھ جانے کا حکم دیں تو اس کو کسر شان نہ سمجھنا چاہیے بلکہ رسول کے حکم کی تعمیل کا اس میں اجر ہے جس سے عقبیٰ میں ایماندار آدمی کا درجہ بڑھے گا لیکن اللہ کی نظر سب کے درجوں پر ہے اس لیے ایماندار عالم کا درجہ اللہ کے نزدیک بے علم ایمان دار سے بڑھ کر ہے اور اسی درجہ کے لحاظ سے اللہ کے رسولؐ نے تم میں کے بعضے لوگوں کو اپنے قریب بٹھایا بے علم ایمان داروں کو اس پر کچھ رنج نہ کرنا چاہیے۔ ترمذی[۵۲] وغیرہ میں ابی امامہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دار عابد اور ایمان دار عالم میں اتنا فرق ہے جیسے نبی اور امت کے عام لوگوں میں فرق ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ یہ سب حدیثیں آیت والذین اوتوا العلم درجٰت کی تفسیر ہیں۔

۱۲ تا ۱۳۔ اوپر گذر چکا ہے کہ بڑی تحقیقات کے بعد علماء مفسرین نے قرآن شریف بھر میں فقط پانچ آیتیں منسوخ قرار دی ہیں یہ آیت بھی ان پانچ آیتوں میں کی ایک آیت ہے۔ تفسیر[۵۳] عبدالرزاق میں مجاہد سے روایت ہے کہ اس آیت کا عمل ایک دن کچھ دیر تک رہا۔ پھر آگے کی آیت سے یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ اور سوا حضرت علیؓ کے اور کسی صحابی کو اس آیت پر عمل کرنے کا

۵۱ تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۳ ج ۴ ۵۲ جامع ترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ ص ۱۰۹ ج ۲ ۵۳ تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۷ ج ۴

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ؕ مَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلَا مِنۡهُمۡ ۙ وَ

تو نے نہ دیکھے جو رفیق ہوئے ہیں ایک لوگوں کے جن پر غصے ہوا ہے اللہ نہ وہ تم میں ہیں نہ ان میں ہیں اور

یَحۡلِفُوۡنَ عَلَى الۡكَذِبِ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ اِنَّهُمۡ

قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور وہ خبر رکھتے ہیں۔ رکھی ہے اللہ نے اُن کے لیے سخت مار بےشک وہ

سَآءَ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ جُنَّةً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ

بُرے کام ہیں جو کرتے رہتے ہیں۔ بنایا ہے اپنی قسموں کو ڈھال پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے،

فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴿۱۶﴾ لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا ؕ

تو اُن کو ذلت کی مار ہے۔ کام نہ آئیں گے اُن کو اُن کے مال نہ ان کی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ

اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾ یَوۡمَ یَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیۡعًا فَیَحۡلِفُوۡنَ

وہ لوگ ہیں دوزخ کے وہ اسی میں رہ پڑے۔ جس دن جمع کرے گا اللہ اُن کو سارے پھر قسمیں کھائیں گے

لَهٗ كَمَا یَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ وَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ عَلٰى شَیۡءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۸﴾

اُس کے آگے جیسے کھاتے ہیں تمہارے آگے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں۔ سنتا ہے! وہی ہیں اصل جھوٹے۔

موقع نہیں ملا۔ اس واسطے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف میں ایک ایسی آیت ہے کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے اُس پر عمل کیا نہ میرے بعد اُس پر کوئی عمل کرے گا۔ اس آیت پر حضرت علیؓ کے عمل کرنے کی حدیث کو ترمذیؒ نے حسن کہا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ مجاہد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خاص شاگردوں میں ہیں اس لئے اُن کے قول کا تفسیر کے باب میں بڑا اعتبار ہے۔ اس واسطے اس قول کے مخالف بعضے مفسروں نے اور کچھ قول جو اس آیت کی تفسیر میں بیان کیے ہیں وہ مجاہد کے قول کے مقابلہ میں معتبر قرار نہیں پا سکتے۔ بعضی تفسیروں میں ہے کہ یہ آیت منافقوں کے آنحضرتؐ سے زیادہ باتیں کرنے پر نازل ہوئی لیکن تفسیر ابن ابی حاتم کی روایت کے موافق صحیح قول یہ ہے کہ مسلمان لوگ زیادہ باتیں کر کے آنحضرتؐ کو تنگ کرتے تھے۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

۱۴ تا ۲۲۔ معتبر سند سے مسند امام احمد تفسیر ابن ابی حاتم تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی جو منافقوں کا سردار مشہور ہے۔ اس کے علاوہ منافقوں میں ایک شخص کنجی آنکھوں کا عبداللہ بن نبتل جو بڑا فسادی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آن کر اکثر بیٹھا کرتا اور پھر آنحضرتؐ کی مجلس کی باتیں چغلی کے طور پر اپنے دوست یہودیوں سے بیان کیا کرتا۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تھوڑی دیر میں ایک شخص کنجی آنکھوں کا بڑا فسادی آنے والا ہے۔ جب وہ آئے تو تم میں سے کوئی شخص اُس سے بات نہ کرنا۔ اتنے میں عبداللہ بن نبتل آیا۔ آپؐ نے اُس سے فرمایا کہ تو اور چند شخص اور مل کر مجھ کو بُرا بھلا کیوں کہا کرتے ہو۔ عبداللہ بن نبتل نے

۵۱ تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۶ ج ۴ ۵۲ جامع ترمذی تفسیر سورۃ المجادلۃ ص ۱۸۶ ج ۲ ۵۳ تفسیر الدر المنثور ص ۱۸۵ ج ۶ ۵۴ تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۸ ج ۴۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۚ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۚ اَلَآ اِنَّ

قابو کر لیا ہے ان پر شیطان نے پھر بھلائی ان کو اللہ کی یاد وہ لوگ ہیں جتھا شیطان کا سنتا ہے! جو

حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ

جتھا ہے شیطان کا وہی خراب ہوتے ہیں۔ جو لوگ کہ مخالف ہوتے ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے۔ وہ لوگ

فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا

ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں۔ اللہ لکھ چکا کہ میں زبر رہوں گا اور میرے رسول۔ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔ تو نہ پائے گا کوئی لوگ

يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ

جو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر پھر دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اُس کے رسول کے۔ چاہے وہ اپنے باپ

اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ

دادوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے۔ ان کے دلوں میں لکھ دیا ہے ایمان اور

انکار کیا اور جن لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیا تھا اُن کو بھی بلا لیا اور سب نے مل کر بہت قسمیں جھوٹی کھائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ اے رسول اللہ کے اِن منافقوں کا حال دیکھنے کے قابل ہے کہ ادھر تو انھوں نے اپنے ظاہری اسلام سے مسلمانوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اسی طرح مدینہ کے گرد و نواح میں جو یہود رہتے ہیں ان کو اپنی دوستی اور رفاقت کے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ اور حقیقت میں یہ لوگ ادھر میں نہ اُدھر۔ اِن کی زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ۔ اس لیے یہ دل سے کسی کے بھی ساتھی نہیں ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ جس طرح ان منافق لوگوں نے اپنی جان اور مال مسلمانوں کے ہاتھ سے بچانے کی غرض سے دنیا میں اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال ٹھہرا رکھا ہے اسی طرح قیامت کے دن اللہ کے رُوبرو بھی یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھائیں گے کہ دنیا میں یہ لوگ دل سے مسلمان تھے لیکن وہاں اُن کی جھوٹی قسمیں اللہ عالم الغیب کے رُوبرو کچھ کام نہ آئیں گی۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ شیطان کے قابو میں ہیں۔ اس واسطے شیطان اُن کے بُرے کاموں کو اچھا کر کے اُن کو دکھلاتا ہے۔ پھر فرمایا ایسے لوگ شیطانی جتھے کے لوگ ہیں اور یہ شیطانی جتھے کے لوگ آخر کو بہت خراب ہوں گے۔ اور اللہ کے رسول اور رسول کے ساتھیوں کو آخیر میں غلبہ ہو گا اور ان منافقوں کی بدخواہی کچھ کارگر نہ ہو گی۔ پھر اللہ کے واسطے جو مسلمان لوگ بدر کی لڑائی کے دن اپنے رشتے داروں سے لڑے اور اُن کو قتل کیا تھا، اُن کی تعریف فرمائی تاکہ منافقوں کو عبرت ہو کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں جو خدا اور خدا کے رسول کی رضامندی کے لئے رشتہ داروں کے دشمن بن جاتے ہیں اور ایسے لوگ مسلمان کیونکر ہو سکتے ہیں جو اللہ کے رسول کی بدخواہی کے لیے غیر قوم کے لوگ یہودیوں سے میل جول پیدا کرتے ہیں۔ بدر کی لڑائی کے دن حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے قتل کرنے کی تاک میں تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے اُس دن اپنے ایک رشتہ دار کو اور حضرت علیؓ نے اپنے چچا کے بیٹے اور بھائی اور اور صحابہؓ نے اسی طرح اپنے رشتہ داروں کو قتل کیا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر ایمان نقش کی طرح خدا کی طرف سے لکھا گیا ہے اور تائیدِ غیبی ان کی مدد کرتی ہے۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ جن باتوں پر یہ منافق لوگ قسمیں کھاتے ہیں ان کے دل جانتے ہیں کہ وہ باتیں بالکل جھوٹی ہیں۔ منافقوں کے عذاب کی تفسیر سورۂ نساء میں گزر چکی ہے

أَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ

اُن کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے اور داخل کرے گا اُن کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں سدا رہیں

فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

ان میں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ وہ ہیں جتھا اللہ کا سنتا ہے جو جتھا ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے۔

آیاتہا ۲۴ —— (۵۹) سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۱) —— رکوعاتہا ۳

سورۃ الحشر مدنی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِي

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔ وہی ہے

کہ اُن کو جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں جھونکا جائے گا جس کا عذاب بہت سخت ہے۔ یہ لوگ منافق پنے کی باتیں کرتے تھے اور ان باتوں کو اچھا سمجھتے تھے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ ہرگز اچھے کام نہیں بلکہ وہ سر تا پا بُرے کام ہیں۔ پھر فرمایا جس مال و اولاد کی حفاظت کے لیے اُن لوگوں نے ظاہری اسلام اور یہود سے میل جول اختیار کیا ہے۔ عُقبیٰ کی مصیبت کے وقت وہ مال و اولاد اُن کے کام نہ آئے گا۔ معتبر سند[۱] سے مسند بزار میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان اور اُس کے مال اولاد اور عمل کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے تین بھائی ہوں اُن میں دو بھائی تو جیتے جی کے ساتھی ہوں اور ایک مرنے کے بعد کا بھی ساتھی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عُقبیٰ میں اصل کار آمد چیز آدمی کا عمل ہے۔ اب جس کے نیک عمل وہاں قابلِ نجات ہوں گے اُس کو مال و اولاد سے بھی کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ان منافقوں کے بداعمال جو عُقبیٰ میں اُن کے ساتھ ہوں گے وہ ایک ایسی بُری چیز ہے جس کے سبب سے اُن کی نجات ممکن نہیں۔ اسی واسطے اُن کا مال اُن کی اولاد سب اُن کے حق میں بیکار ہے۔ صحیح مسلم[۲] میں عثمان بن ابی العاص کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عثمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ اُن کے دل میں شیطان طرح طرح کے وسوسے اکثر ڈالا کرتا ہے۔ آپؐ نے اُن کو اعوذ باللہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس قسم کی اور بھی حدیثیں اور سلف کے قول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکرِ الٰہی سے شیطان بھاگتا ہے۔ اور یہ سورۃ زخرف میں گزر چکا ہے کہ جو آدمی ذکرِ الٰہی سے غافل ہو اُس کے دل پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ سورۃ النساء میں یہ علامت منافقوں کی گزر چکی ہے کہ لا یذکرون اللہ الا قلیلا۔ اس لیے بیان فرمایا کہ یہ لوگ شیطان کے قابو میں آ کر شیطانی جتھے کے لوگ بن گئے ہیں۔

۱ تا ۵۔ مستدرک[۳] حاکم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی کے چھ مہینے بعد

[۱] الترغیب والترہیب باب الترغیب فی الزھد فی الدنیا الخ ص ۳۰۷ ج ۴۔ [۲] صحیح مسلم باب التعوذ من شیطان الوسوسۃ فی الصلوٰۃ ص ۲۲۴ ج ۲۔ [۳] تفسیر الدر المنثور ص ۱۸۷ ج ۶۔

اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ

جس نے نکال دیئے جو منکر ہیں کتاب والوں سے اُن کے گھروں سے پہلے ہی بھیڑ ہوئی تم نہ اٹکتے تھے کہ وہ

يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ

نکلیں گے اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا بچاؤ ہے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا اُن پر اللہ جہاں سے ان کو خیال

يَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي

نہ تھا اور ڈالی اُن کے دل میں دھاک اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے

الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲ وَلَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ

ہاتھوں۔ تو دہشت مانو اے آنکھ والو۔ اور اگر نہ ہوتا کہ لکھا تھا اللہ نے اُن پر اُجڑنا۔

بنی نضیر کا محاصرہ ہُوا اور پھر اُن کی جلاوطنی ہُوئی اُسی پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے
بنی نضیر نے مشرکین مکہ اور مدینہ کے منافقوں سے مسلمانوں کی بدخواہی کی غرض سے میل جول پیدا کر لیے میں تو اللہ اور اللہ کے
رسُول کی مخالفت کی ہی تھی مگر بنی نضیر کی ایک بہت بڑی مخالفت یہ تھی کہ بیر معونہ کی بدعہدی کے جھگڑے میں جب بڑے
بڑے عالم ستر صحابہ شہید ہُوئے اور اُن صحابیوں میں سے عمرو بن امیہ ایک صحابی بچ کر مدینہ کو آ رہے تھے۔ راستہ میں اُن کو
بنی عامر قبیلہ کے دو شخص ملے، اُن دونوں شخصوں کو عمرو بن امیہ نے قتل کر ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معاہدہ والے
ان دو شخصوں کے قتل کی خبر ہُوئی تو آپؐ نے چاہا کہ ان دونوں شخصوں کا خون بہا بنی نضیر کے مشورہ سے ادا کر دیا جائے کیونکہ
بنی نضیر اور بنی عامر کی دوستی تھی۔ اِسی خون بہا کے مشورے کے لیے چند صحابہ کو ساتھ لے کر آنحضرتؐ بنی نضیر کی گڑھی میں تشریف
لے گئے اور خون بہا کے باب میں بات چیت کی۔ ظاہر میں تو بنی نضیر کے لوگوں نے آنحضرتؐ سے اچھی طرح بات چیت
کی لیکن باطن میں ان لوگوں کا یہ قصد ہُوا کہ جس دیوار کے پاس آنحضرتؐ بیٹھے تھے اُس دیوار کی آڑ میں سے ایک بہت بڑا
پتھر آپؐ پر نیچے گرا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے ارادہ سے اپنے رسولؐ کو آگاہ کر دیا اور آپؐ اُن لوگوں کے ارادہ سے
آگاہ ہو کر مدینہ کو واپس تشریف لے آئے اور آپؐ نے بنی نضیر پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ چڑھائی سے پہلے آنحضرتؐ کے فرمانے
کے موافق محمد بن مسلمہ ایک صحابی نے کعب بن اشرف بنی نضیر کے سردار کو قتل کیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی
نضیر پر چڑھائی کی اور اُن کی گڑھی کو گھیر لیا اور اُن کو جلا وطن کر دیا۔ ان آیتوں میں اللہ نے وہی قصہ ذکر فرمایا ہے کہ بنی نضیر
پر اللہ اور اللہ کے رسول کی مخالفت کے سبب سے آفت آئی۔ بیر معونہ کا قصہ[۳] اور کعب[۴] بن اشرف کے قتل کا قصہ
صحیح بخاری اور حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے ہے۔ بیر معونہ کے قصہ کا حاصل یہ ہے کہ بیر معونہ مکہ اور عسفان کے بیچ میں
ہذیل کی بستیوں میں کی ایک بستی ہے۔ رعل و ذکوان قبیلہ کے کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم کی مدد کے لیے



[۲] تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۱ ج ۴ [۳] صحیح بخاری باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان الخ ص ۵۸۶ ج ۲ [۴] صحیح بخاری باب قتل کعب بن اشرف ص ۵۷۶ ج ۲۔

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٣﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ

تو ان کو مار دیتا دنیا میں اور آخرت میں ہے اُن کو آگ کی مار یہ اس پر کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے

وَرَسُولَهُ ۖ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤﴾ مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ

اور اس کے رسول سے۔ اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے تو اللہ کی مار سخت ہے۔ جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا پیڑ

أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ﴿٥﴾

یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے اور تا رسوا کرے بے حکموں کو۔

کسی قدر آدمیوں کی خواہش ظاہر کی اور آپ نے انصار میں کے ستر آدمی اُن کے ساتھ کر دیئے۔ رعل وذکوان قبیلہ کے لوگوں نے عہد شکنی کر کے ان انصار کو اس بیر معونہ مقام پر شہید کر ڈالا۔ کعب بن اشرف کے قصہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص بڑا شاعر تھا اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہا کرتا تھا اور طرح طرح کی شرارت اُس کی عادت میں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہؓ کے روبرو اُس کی شرارتوں کا تذکرہ کیا۔ اس پر محمد بن مسلمہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ کا ارادہ ہو تو میں اُس کو قتل کر ڈالوں۔ آپ نے اُس کی اجازت دی اور محمد بن مسلمہ نے موقع پا کر کعب بن اشرف کا کام تمام کر دیا۔ بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ یہود کے یہ تین قبیلے مدینہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے اور ان تینوں قبیلوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح قائم رکھنے کا معاہدہ تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ ان تینوں قبیلوں نے عہد شکنی کی جس کی سزا میں بنی قینقاع اور بنی نضیر ان دونوں قبیلوں کو تو جلاوطنی نصیب ہوئی اور بنی قریظہ قتل کیے گئے۔ چنانچہ اُن کے قتل کا قصہ سورۃ احزاب میں گزرا سب مفسروں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سورہ میں یہود کے بنی نضیر قبیلہ کا ذکر ہے۔ فقط حسن بصری اس کے مخالف ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ اس سورہ میں بنی قریظہ کا ذکر ہے لیکن یہ قول اس سبب سے تردد طلب ہے کہ اس سورۃ میں جلاوطنی کا ذکر ہے اور بنی قریظہ کی جلاوطنی نہیں ہوئی بلکہ اُن کو تو قتل کیا گیا ہے۔ اس جلاوطنی میں بنی نضیر نواح مدینہ سے اُجڑ کر خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ اور پھر حضرت عمرؓ کی خلافت میں وہاں سے جلاوطن ہو کر ملک شام میں جا کر بسے۔ اس لیے اُن کی اس پہلی جلاوطنی کو پیشین گوئی کے طور پر اول حشر فرمایا۔ حاصل معنے ان آیتوں کے یہ ہیں کہ بنی نضیر کی گڑھی کی مضبوطی کے سبب سے نہ اہل اسلام کو یہ گمان تھا کہ ایسی مضبوط گڑھی اس طرح جلدی سے خالی ہو جائے گی نہ بنی نضیر کو یہ خیال تھا کہ اس طرح وقت پر گڑھی سے اُن کو پناہ نہ ملے گی مگر اللہ کی حکمت ایسی زبردست ہے کہ اس کی قدرت اور حکمت سے جو کچھ ہوا وہ لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ حشر کے معنے کسی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نکال دینا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نضیر کے دل میں لشکر اہل اسلام کی ایسی ہیبت پیدا کر دی کہ وہ لڑائی کی جرأت نہ کر سکے بلکہ جلاوطنی پر راضی ہو گئے۔ جلاوطنی کے وقت یہ امر قرار پایا کہ تین آدمیوں میں ایک اونٹ بار برداری کو دیا جائے اور ایک مشک پانی پینے کو دی جائے اور اس ایک اونٹ پر جو چیز لادی جا سکے وہ یہ لوگ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ اس واسطے گھروں میں کا کڑی تختہ اور جو چیز ان کو اچھی معلوم ہوتی تھی اس کو وہ اونٹوں پر لادنے کے لیے گھروں کو توڑ پھوڑ کر نکال لیے جاتے تھے اور گڑھی کے باہر جو بنی نضیر کا کھجوروں کا باغ تھا اہل اسلام نے اس کے کچھ پیڑ جلا دیئے تھے اور کچھ کاٹ ڈالے تھے، اسی کو قابل عبرت ذلت اور رسوائی فرمایا اور یہ بھی فرمایا

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ

اور جو ہاتھ لگایا اللہ نے اپنے رسول کو ان سے سو تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ۔ ولیکن

اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٦﴾ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى

اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے۔ اور اللہ سب چیز کر سکتا ہے۔ جو ہاتھ میں لگائے اللہ

رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ

اپنے رسول کو بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے اور ناتے والوں کے اور بن باپ کے لڑکوں کو اور محتاجوں کو اور مسافر

کریہ جلاوطنی کی ذلت اور ویرانی ان لوگوں کی قسمت میں نہ لکھی ہوتی تو اللہ اور رسول کی مخالفت کے سبب سے ان پر کوئی اور آفت آتی۔ پیڑوں کو پہلے تو اہلِ اسلام نے اس لیے کاٹا اور جلایا کہ اُس کی جلن سے بنی نضیر گڑھی کے باہر نکل آویں لیکن پھر اہلِ اسلام کے دِل میں خیال گزرا کہ کہیں اُس کا کچھ گناہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کی یہ تسکین فرمائی کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ نے وہ تمہارے دِل میں ڈالا ہے کہ تمہارے دشمنوں کی ذلت اس میں تھی۔ لینۃ کھجور کی ایک قسم ہے یا کھجور کے پیڑ کو کہتے ہیں۔

۶ تا ۹: شروع سورہ سے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی نضیر کے جلاوطن ہونے کا ذکر فرما کر اس جلاوطنی کے بعد بغیر لڑائی اور بغیر مقابلہ کے جو مال ہاتھ آیا اُن آیتوں میں اُس کا یہ حکم فرمایا کہ جس طرح بغیر لڑائی کے بنی نضیر کا مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دلوایا اس مال میں اور آگے کو اسی طرح جو مال بغیر لڑائی کے ہاتھ لگے ایسے سب مال میں وہ پانچ حصّے نہ ہوں گے جو پانچ حصّے لڑائی کے بعد غنیمت کے مال کے سورۃ انفال میں بیان ہوئے کہ اُن پانچ حصّوں میں سے چار خمس لشکرِ اسلام میں تقسیم کیے جائیں گے اور ایک خمس اللہ کے رسول کے اختیار میں رہے گا۔ بلکہ یہ بغیر لڑائی کے ہاتھ آیا ہوا تمام مال اللہ کے رسول کے اختیار میں رہے گا۔ اور اللہ کے رسول اُس کو اُن موقعوں پر صرف کریں گے جو موقعے اس سورہ میں بتلائے ہیں۔

صحیح بخاری[۵۱] و مسلم وغیرہ میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بنی نضیر کا مال و متاع بغیر لڑائی کے ہاتھ آیا ہوا اللہ کے رسول کے خاص اختیار میں رہنے کا مال تھا غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اختیار کا مال نصف حصّہ تو خیبر کا تھا اور بنی نضیر کے اور فدک کے کھجور کے پیڑ تھے۔ ابوداؤد[۵۲] وغیرہ میں حضرت عمرؓ سے جو روایتیں ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی نضیر کے درختوں کی آمد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالائی ضروری اخراجات کے لیے خاص کر رکھی تھی اور باغِ فدک کی آمد مسافروں کے خرچ کے لیے خاص تھی اور خیبر کی آمد میں ازواج مطہرات کا کھانا پینا ہوتا تھا اور جو کچھ بچتا تھا۔ وہ مہاجر ضرورت مندوں کو خیرات کے طور پر دیا جاتا تھا۔ اس حدیث کی سند پر ابوداؤد اور منذری دونوں نے کچھ اعتراض نہیں کیا۔ اس لیے اس کی سند قابلِ اعتبار ہے کیونکہ یہ بات قرار پا چکی ہے کہ جس حدیث کی سند پر ابوداؤد اور منذری دونوں سکوت اختیار کریں اُس حدیث کی سند قابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے

[۵۱] صحیح بخاری باب حدیث بنی النضیر الخ ص ۵۷۵ ج ۲ و صحیح مسلم باب حکم الفیٔ ص ۹۰ ج ۲۔ [۵۲] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض۔ باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ج ۲

السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَ
کے تا نہ آوے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور

مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑦ لِلْفُقَرَاءِ
جس سے منع کرے سو چھوڑ دو اور ڈرتے رہو اللہ سے، بیشک اللہ کی مار سخت ہے واسطے ان مفلسوں

الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَ
وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور مالوں سے ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور

بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں بھی یہی عمل رہا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں باغ فدک مروان کو دے دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں حضرت فاطمہؓ نے اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے اس مال کے تقسیم کی درخواست پیش کی تھی مگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ نے اس تقسیم کو حدیث لانورث ما ترکنا صدقۃ کے مخالف سمجھ کر جائز نہ رکھا۔ تفصیل اس کی حدیث کی کتابوں میں ہے۔ اس طرح کے بغیر لڑائی کے ملے ہوئے مال کو فئی کہتے ہیں۔ جمہور علماء کا مذہب اس طرح کے مال کے باب میں یہی ہے کہ اس مال کا خرچ کرنا امام کی رائے اور مصلحت پر ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب جمہور کے مخالف ہے۔ تفصیل اس اختلاف کی فقہ کی کتابوں میں ہے فدک، خیبر اور مدینہ کے مابین میں ایک جگہ ہے۔ فتح خیبر کے بعد فدک کے یہود جلاوطن ہو گئے اور بغیر لڑائی کے یہ جگہ فتح ہو گئی۔ صحیح قول یہی ہے کہ آیت ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری پہلی آیت سے متعلق ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ بنی نضیر کے مال ومتاع کی طرح جو مال بغیر لڑائی اور مقابلہ کے ہاتھ آئے اس سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اللہ کے حصہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ کا حکم اس مال کی تقسیم کا ہے اس کے موافق عمل ہونا چاہیے۔ اب آگے فرمایا کہ یتیم مسکین اور مسافر کا نام اس تقسیم میں اس لیے خاص طور پر جتلا دیا گیا ہے کہ مالدار لوگ موروثی مال کی طرح اس مال کی تقسیم آپس میں نسل بعد نسل نہ ٹھیرا لیں جس سے یتیم مسکین اور مسافر بالکل محروم ہو جائیں پھر فرمایا کہ اس مال میں سے اللہ کے رسول جو تم کو دیں وہ لے لو اور جو نہ دیں اس میں کچھ اصرار نہ کرو۔ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی عین اللہ کی نافرمانی ہے اس لیے اس سے بچتے رہو کہ اس میں عذاب الٰہی کا خوف ہے جو بہت سخت اور انسان کی برداشت سے باہر ہے۔ اگرچہ اس آیت کا نزول فئی کے مال کے باب میں ہے لیکن حکم اس کا عام ہے چنانچہ صحیح بخاری[۵] کی ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری نافرمانی کی وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں جو آیت کے حکم کے عام ہونے کی تفسیر ہیں۔ اس تفسیر کی بناء پر سلف نے لکھا ہے کہ صحیح حدیث کے معلوم ہو جانے کے بعد جو شخص اس کے موافق عمل نہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مؤاخذہ کے قابل قرار پائے گا جس مؤاخذہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے بندوں کو ڈرایا ہے۔ اُوپر فئے کے مال کے حقداروں کے بیان میں اطاعت رسول کا ذکر آ گیا تھا۔ اب آگے وہی سلسلہ پھر شروع فرمایا کہ اس مال کے حقدار تنگدست مہاجر اور انصار بھی ہیں۔ مہاجروں کی تعریف فرمائی کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کی مدد کے جوش میں

[۵] صحیح بخاری باب اقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۸۱ ج ۲۔

رِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو

اس کی رضامندی اور مدد کرتے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ وہ لوگ وہی ہیں سچے اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے

الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں

اپنا گھر بار اور مال و متاع سب کچھ چھوڑا ہے اور دنیا میں اللہ کے فضل سے رزق ملنے کی اور عقبیٰ میں اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کی ان کو آرزو ہے۔ اِن لوگوں کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ اس لیے یہ سچے ایماندار ہیں۔ اہلِ مکہ کی طرح طرح کی ایذاء اور مخالفت کے سبب سے حکمِ الٰہی کے موافق اللہ کے رسول نے جو مکہ اور اہل مکہ کو چھوڑا اس کو ہجرت کہتے ہیں۔ اسی ہجرت کے زمانہ سے ہجری سنہ قرار پایا ہے جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی سکونت کے ارادہ سے مکہ کو چھوڑا اس وقت تو فقط حضرت ابوبکر اور عامر بن فہیرہ حضرت ابوبکر کا پروردہ یہ دو ہی صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اور بہت سے صحابہ مدینہ آ گئے۔ ہجرت کے حکم کی تعمیل میں جن صحابہؓ نے اپنا گھر بار چھوڑا ان کو مہاجر کہتے ہیں۔ مشرکین مکہ کی ایذاء سے گھبرا کر کچھ صحابہ حبشہ کو چلے گئے تھے۔ پھر مدینہ کی ہجرت کا حال سن کر وہ بھی مدینہ کو آ گئے۔ اِن صحابہ کو اصحاب الہجرتین کہتے ہیں کیونکہ انھوں نے پہلی دفعہ حبشہ کی ہجرت کی اور پھر مدینہ کی۔ فتح مکہ تک ہجرت فرض تھی۔ فتح مکہ کے بعد پھر ہجرت کی تاکید باقی نہیں رہی۔ مہاجرین کے ذکر کے بعد انصار کا ذکر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کے رسولؐ اور مہاجرین کے مدینہ میں پہنچنے سے پہلے اپنی بستی کو ایمان دار لوگوں کا ایک ٹھکانہ قرار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے وہاں اسلام کے پھیل جانے کا قصہ یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن باہر کے لوگوں کو قرآن شریف کی آیتیں سنا کر اسلام کی ترغیب دلایا کرتے تھے جو موسم حج میں مکہ کو ادھر ادھر سے آتے تھے۔ ایک سال قبیلہ خزرج کے کچھ لوگوں نے قرآن شریف کی آیتیں سنیں، اور مدینہ میں آن کر اپنی قوم میں اس کا ذکر کیا۔ اس خزرج قبیلہ اور مدینہ کے گرد و نواح میں جو یہود رہتے تھے ان کی اکثر لڑائی ہوا کرتی تھی، اُس لڑائی میں یہود کو کبھی شکست ہو جاتی تھی تو وہ کہا کرتے کہ نبی آخر الزمان کے پیدا ہونے کا وقت اب قریب آ گیا ہے وہ پیدا ہو کر نبی ہو جائیں گے تو اُن کے ساتھ ہم مخالف لوگوں سے دل کھول کر لڑیں گے اور اس شکست کا بدلہ نکالیں گے۔ اب جو قبیلہ خزرج کے عام لوگوں نے اپنی قوم کے مکہ سے آنے والے لوگوں کی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ذکر سنا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کا ذکر یہود کیا کرتے تھے۔ اس لیے اب کے سال اُن میں کے بارہ شخص حج کو آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ کے پہاڑ کی گھاٹی کے پاس اُنھوں نے اسلام کی بیعت کی اسی کو عقبیٰ اولیٰ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مقام منیٰ کے پہاڑ کی گھاٹی کی یہ پہلی بیعت ہے۔ منیٰ میں عقبیٰ وہ جگہ ہے جہاں حج میں شیطانوں کو کنکریاں مارتے ہیں۔ اس سال کے بعد پھر اس قبیلے کے بہت سے لوگ حج کو آئے اور اس گھاٹی میں اسلام کی بیعت ہوئی اُس کو عقبیٰ ثانی کی بیعت کہتے ہیں۔ اس بیعت میں اسلام کے پھیلانے والے بارہ نقیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دیئے اور اُسی بیعت کے بعد اہلِ مدینہ کا نام انصار قرار پایا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کے مددگار

حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ

غرض اس چیز سے جو اُن کو ملا اور اول رکھتے ہیں اُن کو اپنی جان سے اور اگر ہو اپنے اوپر بھوک اور جو

يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۹

بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔

ہیں۔ پھر فرمایا ان انصار میں یہ نیک خصلتیں ہیں کہ ان کے دل میں مہاجرین کی پوری الفت ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ دو حقداروں میں سے ایک حقدار کو کوئی چیز زیادہ پہنچ جاتی ہے تو یہ دوسرے حقدار کی دل شکنی کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن ان انصار کے دل میں مہاجرین کی اس قدر اُلفت اور محبت ہے کہ مہاجرین کی تنگدستی کے لحاظ سے اللہ کے رسول اس مال میں سے مہاجرین کو کبھی کچھ زیادہ بھی دیویں تو ان انصار کی اس سے کچھ دل شکنی نہیں ہوتی۔ ان انصار کی اعلیٰ درجہ کی سخاوت کی یہ خصلت اللہ کو بہت پسند ہے کہ اپنی ضرورت پر یہ دوسروں کی ضرورت کو مقدم رکھتے ہیں جو کمال عالی ہمتی اور دینداری کی بات ہے۔ صحیح بخاری[1] صحیح مسلم ترمذی نسائی وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن میں اس آیت کی جو شان نزول ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی محل مبارک میں اس مہمان کے کھانے کا کچھ بندوبست نہ ہو سکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ابوطلحہ انصاری اس مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔ گھر میں فقط بچوں کے تھوڑے سے کھانے کے سوا اور کچھ نہیں تھا اس لئے انہوں نے اپنے بچوں کو بہلا کر تو بھوکا سلا دیا۔ اور چراغ بجھا کر اندھیرے میں وہ بچوں کے حصہ کا کھانا اس طرح مہمان کو کھلایا جس سے مہمان نے جانا کہ ابوطلحہ اور ان کی بی بی بھی اس مہمان کے ساتھ کھا رہے ہیں صبح کو جب ابوطلحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوطلحہ رات کو تم نے اور تمہاری بی بی نے وہ عالی ہمتی کا کام کیا جس سے خدا تعالیٰ کو ہنسی آئی اور اُس پر اللہ تعالیٰ نے انصار کی تعریف میں یہ آیت نازل فرمائی۔ اس طرح کی عالی درجہ کی سخاوت کے مقابلہ میں بخیلی کا ذکر فرمایا کہ بخیلی کی برائی آدمی کے دل میں خوب جم جاتی ہے۔ اور بخیلی سے بچنے میں مراد پانے سے یہ مطلب ہے کہ بخیلی سے بچ کر جو شخص اللہ کے نام پر کچھ خالص نیت سے دے گا تو ایک کے سات سو اور کبھی اس سے بھی زیادہ پائے گا۔ صحیح بخاری[2] و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر روز اللہ کی طرف سے دو فرشتے زمین پر اتر کر ایک اُن میں سے سخی کا مال بڑھنے کی دعا کرتا رہتا ہے اور دوسرا بخیل کے مال کے ضائع اور تلف ہونے کی۔ صحیح بخاری[3] وغیرہ کی عبداللہ بن مسعود کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ اصل میں انسان کا مال وہی ہے جو اُس نے خیر خیرات میں صرف کیا اور جو جوڑ کر رکھا وہ اُس کا نہیں اُس کے وارثوں کا ہے۔ یہ حدیثیں گویا اس آیت کی تفسیر ہیں۔ جن مہاجرین نے بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں طرف کے قبلہ کی نمازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں پڑھیں وہ مہاجرین اولین کہلاتے ہیں۔ اسی طرح جو انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحشر ص ۷۲۵ ج ۲ و ترمذی شریف تفسیر سورۃ الحشر ص ۱۸۶ ج ۲ [2] صحیح بخاری باب قول اللہ عزوجل فاما من اعطی و اتقی الآیۃ ص ۱۹۳ ج ۱ [3] صحیح بخاری باب ما قدم من مالہ فھو لہ ص ۹۵۳ ج ۲۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا

اور واسطے اُن کے جو آئے اُن کے پیچھے کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے آگے پہنچے

بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دل میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔

آنے سے پہلے مسلمان ہو گئے۔ وہ انصار اوّلین کہلاتے ہیں ✦

۱۰۔ صحابہ کے ذکر کے بعد یہ تابعین کا ذکر ہے۔ جن لوگوں نے حالتِ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اور پھر حالتِ اسلام پر مرتے دم تک قائم رہے وہ صحابہ کہلاتے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے صحابہ کو دیکھا وہ تابعین کہلاتے ہیں اور جن لوگوں نے تابعین کو دیکھا وہ اتباع تابعین کہلاتے ہیں۔ سنہ ۲۲۰ھ ہجری تک اتباع تابعین کا زمانہ دینداری کا رہا۔ پھر فرقہ معتزلیوں اور فلسفیوں کا زور ہو گیا اور لوگوں کے اعتقاد اور قول فعل سلف کے موافق نہیں رہے۔ اس لیے اگرچہ بعضے مفسروں نے لکھا ہے کہ آیت کی تفسیر فقط تابعیوں تک کے عہد سے کی جاوے لیکن صحیح بخاری وغیرہ میں ابو سعید خدری کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس لشکرِ اسلام میں صحابہ بعد تابعین کے بعد اتباع تابعین میں سے کوئی شخص ہو گا تو اس لشکر کو اللہ تعالیٰ دشمن پر فتح دے گا۔[1] اِس سے معلوم ہوا کہ سنہ ۲۲۰ھ تک کے ابتدائی عہد اتباع تابعین میں بھی زمانہ سلف کی سی خیر و برکت باقی تھی۔ صحیح مسلم[2] میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضرت خیر و برکت کون سے لوگوں کے زمانہ میں زیادہ ہو گی آپ نے فرمایا پہلے تو خیر و برکت کا وہ زمانہ ہے جس میں میں خود موجود ہوں، پھر اس کے بعد کا دوسرا زمانہ اور پھر تیسرا۔ حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے حضرت ابو سعید خدریؓ کی اُوپر کی حدیث کی اور عمرانؓ بن حصین کی خیر القرون قرنی کی حدیث کی[3] پوری صراحت ہو جاتی ہے کہ یہ سب حدیثیں اتباع تابعین تک کے ابتدائی عہد کو شامل ہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ صحابہؓ کے بعد کے دونوں عہدوں میں نیک باتیں زیادہ تھیں اور بُری باتیں کم۔ جس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کے عہد کی طرح کی خیر و برکت تو صحابہ کے بعد کے دونوں عہدوں میں نہ تھی لیکن پھر بھی سنہ ۲۲۰ھ ہجری کے مابعد کا سا حال تابعیوں کے سلم عہد اور تبع تابعین کے ابتدائی عہد میں نہ تھا۔ دو سو بیس برس کے بعد وہی حالت ہو گئی، جو عمران بن حصین کی بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ امانت میں خیانت کرنا جھوٹی گواہی کا دینا اور اس قسم کی باتیں لوگوں میں پھیل گئیں۔ حاصل یہ ہے کہ آیت کی تفسیر تابعیوں اور ابتدائی عہد کے تبع تابعیوں سے کی جاوے تو وہ تفسیر ان صحیح حدیثوں کے موافق ہے۔ صحابہؓ کے زمانے میں کچھ ایسی لڑائیاں ہوئیں جن میں طرفین سے ہزارہا صحابہ کے خون سے تلواریں لال ہو گئیں۔ مثلاً فقط سنہ ۳۶ھ ہجری کی حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی صفین کی لڑائی میں ستر ہزار سے زیادہ آدمی کام آئے۔ اب لڑائیوں میں صحابہ جو کام آئے آخر وہ سب تابعین کے بڑے بوڑھے تھے۔ اس لیے صحیح حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعضے تابعی لوگ اپنے بڑے

[1] صحیح بخاری باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۱۵ ج ۱ [2] صحیح مسلم باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونہم الخ ص ۳۱۰

[3] صحیح بخاری باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۱۵ ج ۱۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

تو نے نہ دیکھے وہ جو دغاباز ہیں کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں سے

لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ

اگر تم کو کوئی نکال دے گا تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے حق میں کبھی اور اگر تم سے لڑائی ہوگی

لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ

تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے وہ جھوٹے ہیں اگر وہ نکالے جائیں گے یہ نہ نکلیں گے ان کے ساتھ

وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۲﴾

اور اگر اُن سے لڑائی ہوگی یہ نہ مدد کریں گے اُن کی اور اگر وہ مدد کریں گے تو بھاگیں گے پیٹھ دے کر پھر کہیں مدد نہ پاویں گے۔

بوڑھوں کے انتقام کے طور پر اپنے بڑے بوڑھوں کے قاتل صحابہ کو کبھی کبھی کچھ برا بھلا کہہ اٹھتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں عروہ بن زبیرؓ کی روایت سے حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو صحابہ کے لیے مغفرت کی دعاء کا حکم دیا ہے افسوس ہے کہ وہی لوگ صحابہ کو برا کہتے ہیں۔ اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں۔ اللہ کے علم غیب کے آگے تو یہ آیندہ کی سب باتیں عیاں تھیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے تابعیوں کے ذکر میں فرمایا کہ قابل تعریف وہی تابعین ہیں جو صحابہ کو اپنا دینی بھائی سمجھ کر اپنی مغفرت کی دعاء میں اُن کے لیے بھی مغفرت کی دعاء کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اپنے بڑوں کی پچھلی حالت یاد کر کے بعضے صحابہ کے حق میں خالص دل سے مغفرت کی دعاء اُن کی زبان پر نہ آئے تو اُن کو یہ دعاء بھی مانگنی چاہیے کہ یا اللہ پہلے لوگوں کی طرف ہمارے دل میں کچھ بیر اور بغض ہو تو اپنی مہربانی اور رحمت سے اس کو ہمارے دل سے نکال دے۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا بڑا ثبوت ہے کیونکہ آیندہ کی جن باتوں کا ذکر اس آیت میں تھا اسی طرح اُن باتوں کا ظہور ہوا۔ یہی ثبوت اُن صحیح حدیثوں میں بھی ہے جن میں آپ نے آیندہ پیدا ہونے والے لوگوں کو صحابہ کی بدگوئی سے منع فرمایا ہے۔ اس قسم کی آیتوں اور حدیثوں کے مضمون پر غور کرنے سے فرقہ شیعہ کے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جنھوں نے صحابہ کی برائی کو اپنا مذہب قرار دے رکھا ہے۔

۱۱ تا ۱۲۔ یہ آیتیں بھی بنی نضیر کے قصہ کی ایک حالت کے بیان میں ہیں۔ حاصل اس حالت کا یہ ہے کہ مدینہ کے منافقوں نے بنی نضیر کی تسکین کے طور پر اُن سے یہ کہلا بھیجا تھا کہ اگر تم جلاوطن کیئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ کی سکونت چھوڑ دیں گے اور تمہاری جلاوطنی کے بعد مدینہ کی سکونت کا کوئی ہم کو مشورہ بھی دے گا تو ہم ہرگز اس کا مشورہ نہ سنیں گے اور اگر تمہاری اور اہل اسلام کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کو تو ہر ایک کے دل کا حال معلوم ہے اس لیے اللہ نے فرمایا کہ ان منافقوں کی جس طرح اور سب باتیں زبانی ہیں اُن کے دل میں اُن باتوں کا کچھ اثر نہیں ہے۔ اسی طرح یہ باتیں بھی اُن کی جھوٹی ہیں۔ نہ یہ مدینہ کی سکونت چھوڑیں گے نہ لڑائی کے وقت مدد کریں گے۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام بھی سچا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے کلام میں تھا وہی ہوا کہ بنی نضیر جلاوطن ہو گئے اور منافق آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔

لـ٥

لَاَ اَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬

البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے اُن کے دل میں اللہ سے یہ اس سے کہ وہ لوگ بوجھ نہیں رکھتے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِىْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ

لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ میں یا دیواروں کی اوٹ میں اُن کی لڑائی آپس میں سخت

شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭

ہے۔ تو جانے وہ اکٹھے ہیں اور اُن کے دل پھوٹ رہے ہیں۔ یہ اس سے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے

صحیح بخاری[1] و مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی کرنا منافقوں کی خصلت ہے۔ حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے اُس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے جس میں منافقوں کے جھوٹے بولنے کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ منافق سچے ہوتے اور اپنے قول کے موافق مدد کو آتے تو اللہ کو اُن کے دل کا حال معلوم ہے کہ اُن کے دل میں اہلِ اسلام کا اس قدر خوف ہے کہ یہ لڑائی کے میدان میں ٹک نہیں سکتے فوراً وہاں سے بھاگ جاتے صحیح بخاری[2] اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لشکرِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ رعب دیا ہے کہ ایک مہینے کے راستے پر بھی دشمن ہو تو اُس کے دل پر اُس رعب کا اثر پڑ جاتا ہے۔ منافقوں کے دل پر اہلِ اسلام کا جس قدر خوف تھا اُس کا اندازہ اس حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مہینہ بھر کے راستہ پر اثر کرنے والی چیز کا اثر پاس کے پاس کس قدر ہو گا۔ اِسی واسطے فرمایا کہ ان لوگوں کے دِل میں اہلِ اسلام کا خوف اللہ کے خوف سے بھی زیادہ ہے کیونکہ ان کے منافق پنے کے سبب سے خدا کا خوف تو فقط ان کی زبان پر ہے دل میں کچھ بھی نہیں۔ اور لشکرِ اسلام کا خوف اُن کے دل و زبان دونوں پر ہے۔ پھر فرمایا یہ بات اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ جس اللہ نے اہلِ اسلام کے لشکر میں یہ رعب کی تاثیر رکھی ہے۔ نفاق کو چھوڑ کر اصل اُس سے ہی ڈرنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اُن کی لڑائی آپس کی لڑائی پر ختم ہے۔ لشکرِ اسلام کا تو ان کے دِل پر وہ رعب چھایا ہوا ہے کہ یہود اور منافقین دونوں مل کر بھی میدان میں لشکرِ اسلام سے نہیں لڑ سکتے۔ ہاں اپنے بچاؤ کے طور پہ گڑھی یا کسی دیوار کی آڑ میں سے کچھ لڑیں تو لڑیں لیکن یہ بھی جب ہی ہو سکتا کہ اِن یہود اور منافقین میں یک دلی ہوتی اور یہ ظاہر بات ہے کہ یک دلی اور آپس کا اتحاد تو عقلمندوں میں ہوتا ہے۔ یہ تو ایسے بے عقل لوگ ہیں کہ انھوں نے اپنے دین کے سنبھالنے میں عقل سے کچھ بھی کام نہیں لیا۔ اس لیے ظاہر میں یہ ایک نظر آتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہود اپنے راستہ پر ہیں اور منافق اپنے راستہ پر ہیں اور عقبیٰ سے دونوں غافل۔ ترمذی[3] اور ابنِ ماجہ کی روایت سے شداد بن اوس کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحبِ عقل وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کے بعد کے لیے کچھ اچھا سامان کر لے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور یہ حدیث یہود اور منافقین کے کم عقل قرار پانے کی بابت اس آیت کی گویا تفسیر ہے ؛

[1] صحیح بخاری باب علامۃ المنافق ص ۱۰ ج ۱ و صحیح مسلم باب خصال المنافق ص ۵۶ ج ۱۔ [2] صحیح بخاری کتاب التیمم ص ۴۸ ج ۱ و صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ ص ۱۹۹ ج ۱۔ [3] مشکوٰۃ شریف باب فی استحباب المال والعمر فصل ثانی ص ۴۵۱۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

جیسے کہاوت اُن کی جو ہو چکے ہیں اُن سے پہلے پاس ہی چکھی سزا اپنے کام کی۔ اور اُن کو دکھ کی مار ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ

جیسے کہاوت شیطان کی جب کہے انسان کو تو منکر ہو۔ پھر جب منکر ہوا کہے میں الگ ہوں تجھ سے میں ڈرتا

اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ

اللہ سے جو رب سارے جہان کا پھر آخر ان دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں سدا رہیں اس میں۔ اور یہی

جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۱۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ

سزا ہے گنہگاروں کی۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہیے دیکھ لے ہر کوئی جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے

ع ۵

۱۵ تا ۲۰: مجاہد کے قول کے حوالہ سے تفسیر سدی اور تفسیر مقاتل بن حیان میں اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ پہلے وبال میں پھنسنے والوں سے مراد وہ کفار قریش ہیں جو بدر کی لڑائی میں مارے گئے مگر امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس اس تفسیر کے مخالف ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ پہلے وبال میں پھنسنے والوں سے مراد یہود کا قبیلہ بنی قینقاع ہے جن کی جلاوطنی بنی نضیر کی جلاوطنی سے پہلے ہوئی جس کا قصہ حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے ہے، حاصل اس قصہ کا اسی قدر ہے کہ یہ قبیلہ وہی ہے جس میں کے عبداللہ بن سلام ہیں۔ اس قبیلہ سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاملہ تھا۔ پھر اُن کی عہد شکنی کے سبب سے بدر کی لڑائی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر چڑھائی کی اور جب یہ لوگ مغلوب ہوگئے تو عبداللہ بن ابی کی سفارش پر ان کی جان بخشی کی جا کر ان کو جلاوطن کرایا گیا۔ غرض جلاوطن ہونے والوں کی مشابہت اور تمثیل جلاوطن ہونے والوں سے ایک پوری مشابہت اور تمثیل ہے۔ اس واسطے حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر نے عبداللہ بن عباس کی تفسیر کو قوی ٹھہرایا ہے۔ اور اُوپر گزر چکا ہے کہ مدینہ کے منافقوں نے پہلے تو بنی نضیر کو بہکایا کہ ہم بھی تمہارا ساتھ دیں گے اور جب وقت پڑا تو بنی نضیر کا کچھ ساتھ نہ دیا۔ یہی حال شیطان کا ہے کہ اب تو لوگوں کے دل میں طرح طرح کا وسوسہ ڈال کر اُن سے گناہ کراتا ہے۔ جب قیامت کے دن عذاب کا وقت آئے گا تو گنہگار لوگوں کو خود ہی ملامت کرنے کو مستعد ہو جائے گا جس کا ذکر سورۃ ابراہیم میں گزر چکا۔ پھر فرمایا بہکانے والے اور بہکنے والے دونوں کا انجام دوزخ ہے۔ غرض منافقوں نے شیطان کی طرح بنی نضیر کو بہکایا تھا۔ اس مناسبت کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں منافقوں کے حال کو شیطان کے حال کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یہاں مفسروں نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصہ جو لکھا ہے کہ شیطان نے ستر برس کی عبادت کے بعد اس عابد سے زنا بھی کرایا اور شرک بھی کرایا، اس قصہ سے مطلب نہیں ہے کہ وہ قصہ آیت کی تفسیر ہے یا شانِ نزول ہے کیونکہ شیطان تو رات دن یہی کرتا رہتا ہے جو اس نے اس عابد کے ساتھ کیا اور ہزاروں قصے شیطان کے اس طرح کے مشہور ہیں جس طرح وہ عابد کا قصہ ہے۔ بلکہ مفسروں کی غرض اس قصہ کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ شیطان رات دن اس طرح فریب کے کام کرتا رہتا ہے جس طرح

۱ و ۲ تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۰ ج ۴ ۳ ایضاً ۴ تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۱ ج ۴۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ

اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بیشک اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو اور مت ہو ایسے جنھوں نے بھلا دیا اللہ کو پھر اس نے بھلا دیئے

اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

اُن کو اُن کے جی۔ وہ لوگ وہی ہیں بے حکم۔ برابر نہیں لوگ دوزخ کے اور لوگ بہشت کے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۲۰ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ

بہشت کے وہی ہیں مراد کو پہنچے۔ اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تُو دیکھتا

اُس نے اُس عابد کو دیا۔ ہر شخص کو اُس کے فریب سے بچنا چاہیے۔ اس واسطے شیطان کے فریب کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ شیطان کے فریب میں آکر دُنیا کی زیست پر عاقبت کو نہ بھولنا چاہیے اور قیامت کو دُور نہ گننا چاہیے اور یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو تمھارے نیک و بد سب کاموں کی خبر ہے اور اُس نیک و بد کی جزا اور سزا کا ایک دن آنے والا ہے۔ اُس دن وہی شخص اچھا رہے گا جس نے دُنیا میں اُس دن کی آفت سے بچنے کا کچھ سامان کر لیا۔ کل جو آنے والا دن ہے اُس کو غد کہتے ہیں۔ تمام دُنیا کو ایک دن فرض کیا جائے تو اُس کے بعد دُوسرا دن یہی پچاس ہزار برس کا دن قیامت کا ہوگا۔ اسی واسطے قیامت کو غد کہتے ہیں ولتنظر نفس ما قدمت لغد کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایماندار کو چاہیے کہ اپنے نیک عملوں پر کبھی کبھی نظر ڈال لیا کرے کہ قیامت کے لیے اُس نے کیا سامان آگے بھیجا کیونکہ قیامت کے دن جنت کے درجے نیک عملوں کے موافق تقسیم ہوں گے۔ اس لیے اُس دن ہر ایک کو نیک عملوں کی بڑی قدر ہوگی چنانچہ معتبر سند[1] سے مسند امام احمد میں محمد بن ابی عمرہ صحابی کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جو شخص تمام عمر نیک عملوں میں مصروف رہے اُس کو بھی قیامت کے دن یہ پچھتاوا رہے گا کہ اُس نے اور زیادہ نیک عمل کیوں نہیں کیے۔ اس مضمون کی اور بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ نیک عملوں کی ترغیب کے بعد ایماندار لوگوں کو اُن لوگوں کی حالت سے ڈرایا ہے جو دُنیا کے مخمصے میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو بالکل بھول گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو ایسا بھولکڑ کر دیا ہے کہ کبھی اُن کو یہ یاد نہیں آتا کہ وہ کس کے پیدا کیے ہوتے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ معتبر سند سے مسند[2] امام احمد صحیح ابن حبان مستدرک حاکم میں ابو درداء کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے دل سے دُنیا کی حرص کم ہو جانے کے لیے ہر روز دو فرشتے آسمان و زمین کے بیچ میں کھڑے ہو کر پکار کر یہ کہا کرتے ہیں کہ جس خوشحالی سے انسان خدا کو بھول جاتے اُس خوشحالی سے تنگ دستی بہتر ہے۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے فانسٰہم انفسہم کی گویا تفسیر ہے۔ کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ جن لوگوں کو ایسی خوش حالی ہے جس سے وہ خدا کو بھول گئے ہیں تو وہ خوشحالی اس آیت کے موافق اللہ کی خفگی کے سبب سے ہے۔ اسی واسطے فرشتوں کی اس آواز کا اثر ایسے لوگوں کے دل پر کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ کثرت گناہوں سے اُن کے دل پر زنگ چھا جاتا ہے۔ وہ زنگ

[1] الترغیب والترہیب فصل فی ذکر الحساب وغیرہ ص ۵۸، ج ۴۔ [2] الترغیب والترہیب باب الترغیب فی الفراغ للعبادۃ ص ۲۰۳ ج ۴۔

خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے ۔ اور یہ کہاوتیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو شاید وہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ

دھیان کریں ۔ وہ اللہ جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی جانتا ہے چھپا اور کھلا وہی ہے

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ

بڑا مہربان رحم والا وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی وہ بادشاہ ہے پاک ذات چنگا

کسی نصیحت کے اثر کو ان کے دل تک نہیں پہنچنے دیتا چنانچہ ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ بغیر توبہ کے گناہوں کے تودہ کے سبب سے آدمی کے دل پر زنگ آجاتا ہے اُس گنہگاری کے سبب سے ان لوگوں کو بے حکم فرمایا ہے۔ اب بے حکم لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور فرمانبردار لوگوں کا ٹھکانا جنت ہے۔ اس لیے فرمایا اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت دونوں برابر نہیں ہیں اہلِ دوزخ کو طرح طرح کی کلفت ہے اور اہلِ جنت کو طرح طرح کی راحت۔ آگے مثال کے طور پر فرمایا کہ ان بے حکم لوگوں کے دل پر زنگ آن کر اُن کے دل گویا پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں ورنہ اس قرآن میں تو وہ نصیحتیں ہیں جو پتھر کو بھی موم کر دیں۔ صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پتھر کا ذکر کیا ہے جو اُس وقت جب آپ نبی بھی نہیں ہوئے تھے تو آپ سے سلام علیک کیا کرتا تھا۔ یہ تو پتھر کا حال ہوا اور باوجود انسان ہونے کے قریش کا حال تو معلوم ہے کہ وہ معجزے دیکھ کر بھی آپ کی نبوت میں طرح طرح کے شبہات نکالتے تھے۔ غرض پتھر میں انسان سے زیادہ سمجھ کا پیدا کر دینا اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ اب آگے فرمایا کہ قرآن میں یہ مثالیں اس لیے بیان کی جاتی ہیں کہ شاید یہ بے حکم لوگ کچھ مثالوں سے ہی سمجھنے کی بات کو کچھ سمجھ جائیں تو اُن کی عقلیں پاک ہو جاتے۔ مکہ کے قحط کے بعد مشرکینِ مکہ کے دِل میں توحید کا مسئلہ کسی قدر جم تو گیا تھا مگر شرک کچھ سے دفع نہیں ہوا تھا اس لیے توحید کے مسئلہ میں گویا یہ فرمایا کہ یہ تو ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ ان کے بُت ان کی مصیبت کے وقت کچھ کام نہ آئے اور جب تک اللہ کے رسول نے رفعِ قحط کی دُعا نہیں کی مکہ کا قحط دفع نہیں ہوا۔ اسی واسطے ان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اِن بتوں کو اللہ کی عبادت میں شریک کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ عبادت کے قابل وہی معبود حقیقی ہے جو اپنے بندوں کا ظاہر و باطن کا حال جانتا ہے اور اپنے اس علم غیب کے موافق دلی زبانی ہر طرح کی التجا ہر ایک کی معلوم کر کے اپنی رحمت سے اُس التجا کو پورا کرتا ہے۔ صحیح بخاری کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے مکہ کے قحط کا قصہ جو سورۂ دخان میں گزر چکا ہے۔ اُس کا حاصل یہ ہے کہ جب قریش کی سرکشی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف پہنچنے لگی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے قریش کے حق میں یہ بد دُعا کی کہ جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں اہل مصر سات برس کے قحط میں مبتلا ہوئے اُسی طرح کے قحط کی بلا اہلِ مکہ پر بھی نازل فرمائی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی

[1] جامع ترمذی، تفسیر سورہ ویل للمطففین ص ۱۹۱ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ ص ۲۴۵ ج ۲ [3] صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ الدخان ص ۷۱۴ ج ۲ ۔

اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ

امان دیتا پناہ میں لیتا زبردست دباؤ والا صاحب بڑائی کا پاک ہے اللہ اُس سے جو شریک بتاتے ہیں وہ ہے اللہ

الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

بنانے والا نکال کھڑا کرتا صورت کھینچتا اسی کے سب نام خاصے اُس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

اور وہی زبردست حکمت والا۔

ع ۳/۶

دعا قبول کی اور مکہ میں سخت قحط پڑا اور جب اہلِ مکہ اپنی زیست سے تنگ آگئے تو آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ہی وہ قحط رفع ہوا۔ اس قحط کے زمانہ میں اہلِ مکہ نے ہر چند اپنے بتوں سے مینہ برسانے کی التجا کی مگر بغیر اللہ کے حکم کے کیا ہو سکتا تھا۔ اس قصہ نے اہلِ مکہ کو بت پرستی سے کسی قدر بدگمان ٹھہرا دیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مکی قصہ کے بعد ان مدنی آیتوں میں توحید کے ذکر کے بعد کوئی تفصیلی دلیل بیان نہیں فرمائی۔ الملک کے معنے بادشاہ۔ وہ ایسا بادشاہ ہے جس کے حکم کو آسمان و زمین میں کوئی ٹال نہیں سکتا۔ القدوس کے معنے ہر عیب سے پاک السلام کے معنے ہر طرح کے نقصان سے سالم۔ المؤمن کے معنی امن کا پیدا کرنے والا المہیمن کے معنی ہر بھید سے واقف۔ العزیز کے معنی زبردست۔ الجبار کے معنی صاحبِ جبروت و عظمت۔ المتکبر کے معنی بے پرواہ۔ آگے فرمایا جب یہ خصلتیں کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتیں تو مخلوق میں سے کسی کو اس کی عبادت میں شریک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ الخالق کے معنے پیدا کرنے سے پہلے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرانے والا۔ البارئ کے معنے اُس اندازہ کے موافق ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ المصوّر کے معنے کالا گورا جس کو جس صورت میں چاہے بنانے والا۔ اسماء الحسنیٰ کے معنی اچھے معنی والے نام۔ صحیح بخاری[1] و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں۔ جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ ترمذی[2] و ابنِ ماجہ نے اپنی روایت میں ان ناموں کو ذکر بھی کیا ہے۔ یہی مشہور نام ہیں جو چھپے ہوئے ملتے ہیں۔ یہ ترمذی کی روایت ولید بن مسلم کی ہے۔ اور ابنِ ماجہ کی روایت موسیٰ بن عقبہ کی اور ان دونوں روایتوں میں کسی قدر اختلاف ہے لیکن حاکم نے ولید بن مسلم کی روایت کو صحیح کہا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ حدید میں گزر چکا ہے کہ پہاڑ پیڑ ان سب بے جان چیزوں کی ایک طرح کی خاص تسبیح ہے جو انسان کی سمجھ سے باہر ہے۔ ہاں بغیر مطلب کے اکثر سلف نے اپنے کانوں سے اس تسبیح کی آواز سنی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری[3] میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جو کھانا ہم لوگ کھایا کرتے تھے اُس کی تسبیح کی آواز ہمارے کانوں میں آیا کرتی تھی۔ اس باب میں اور بھی حدیثیں ہیں۔ العزیز الحکیم کے یہ معنی ہیں کہ زبردست وہ ایسا ہے جس کا حکم آسمان و زمین میں کوئی نہیں ٹال سکتا۔ صاحبِ حکمت وہ ایسا ہے جس نے ہر چیز مناسب حالت میں پیدا کی۔ مسند[4] امام احمد

[1] صحیح بخاری باب ان للہ مائۃ اسم الا واحدا۔ ص ۱۰۹۹ ج ۲ و صحیح مسلم باب فی اسماء اللہ تعالیٰ الخ ص ۳۴۲ ج ۲ [2] جامع ترمذی۔ ابواب الدعوات ص ۲۱۰ ج ۲ [3] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام ص ۵۰۵ ج ۱ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۴ ج ۴۔

آیاتہا ۱۳ (۶۰) سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۹۱) رکوعاتہا ۲

سورۃ ممتحنہ مدنی ہے ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

اے ایمان والو نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے

اور ترمذی میں معقل بن یسار سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تین دفعہ (اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم پڑھ کر ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ سے آخر سورۃ تک تین دفعہ صبح شام پڑھے گا تو اس شبانہ روز میں اگر وہ شخص مرگیا تو اس کو شہادت کا درجہ ملے گا۔ اور ستر ہزار فرشتے اس شبانہ روز میں اس شخص کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے۔ اگرچہ ترمذی نے اس حدیث کی سند کے راویوں کو منفرد بتلایا ہے لیکن وہ راوی ثقہ اور صدوق کے مابین میں ہیں۔ اس لیے ان کا منفرد ہونا کچھ مضر نہیں۔

اس سورہ کے شان نزول کا جو قصہ صحیحین کی حضرت علیؓ کی روایت میں ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ایک مشرک عورت جس کا نام سارہ تھا مکہ سے مدینہ آگئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا مسلمان ہوکر ہجرت کرکے آئی ہے۔ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا پھر کیوں آئی ہے۔ اس نے کہا مانگنے کھانے آئی ہوں عرب میں گانے والی اور نوحہ کرنے والی عورتیں ہوا کرتی تھیں یہ عورت اس قوم کی تھی۔ کچھ دنوں یہ عورت مدینہ میں رہی۔ جن دنوں میں یہ عورت پھر مکہ کو واپس جانے لگی۔ ان دنوں مدینہ میں مکہ پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں ہورہی تھیں اسی اطلاع کے لیے ایک خط حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے نام لکھ کر اس عورت کو دے دیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے اس ماجرے کی خبر آنحضرتؐ کو کردی اتنے میں یہ عورت کچھ دور نکل گئی تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ اور چند صحابہ کو گھوڑوں پر سوار کرکے اس عورت کے پیچھے بھیجا اور ان صحابہ نے راستہ میں اس عورت کو جاپکڑا اور اس سے اس خط کا حال پوچھا پہلے تو اس عورت نے قسمیں کھا کر اس خط کا انکار کیا لیکن جب علیؓ نے ننگی تلوار کرکے اس کو قتل کرنے کا ڈراوا دیا تو اس نے اپنی سر کے بالوں کی چوٹی میں سے وہ خط نکال کردیا۔

(۱تا۷۔ حاطب بن ابی بلتعہ کے بال بچے مکہ میں تھے۔ حاطب نے اس سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی چڑھائی کے حال کا وہ خط مشرکین مکہ کو آنحضرت سے چھپواں لکھا تھا کہ اہل مکہ سے دوستی بنی رہے اور چڑھائی کے وقت اہل مکہ کے ہاتھ سے ان کے بال بچوں کو کچھ تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت علیؓ کی روایت سے جو حدیث ہے اس میں ذکر ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے جو خط اہل مکہ کو لکھا تھا جب وہ خط مکہ کے راستہ سے پکڑا جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آنحضرتؐ نے اس خط کا حال حاطب سے پوچھا تو انھوں نے عرض کیا کہ حضرت میرے بال بچے مکہ میں تھے فقط ان کے بچاؤ کی غرض

ا؎ صحیح بخاری تفسیر سورۃ الممتحنۃ ص ۲۷ ے ج ۲ و صحیح مسلم باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعۃ الخ ص ۳۰۲ ج ۲ ؎ دیکھئے صفحہ گزشتہ۔

وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ ۖ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ

اور وہ منکر ہوتے اس سے جو تم کو آیا سچا دین نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس پر کہ مانو اللہ

رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم

اپنے رب کو۔ اگر تم نکلے ہو لڑائی کو میری راہ میں اور چاہ کر میری رضامندی تم ان کو چھپے پیغام بھیجتے ہو

بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

دوستی کے اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو کھولا تم نے اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے وہ بھولا

سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝١ إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَ

سیدھی راہ اگر تم کو وہ پاویں دشمن ہوں تمہارے اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ اور

أَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝٢ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ

اپنی زبانیں برائی کو اور چاہیں کسی طرح تم منکر ہو جاؤ۔ ہرگز کام نہ آئیں گے تم کو تمہارے ناتے اور نہ تمہاری اولاد۔ قیامت

الْقِيَامَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝٣ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ

کے دن وہ فیصلہ کرے گا اور اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ہے تم کو چال چلنی ہے

حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۖ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا

اچھی ابراہیم کی اور جو اس کے ساتھ تھے جب کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں تم سے اور جن کو

تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ

تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ان سے۔ ہم منکر ہوگئے تم سے اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر

أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا

ہمیشہ جب تک تم یقین نہ لاؤ اللہ اکیلے پر مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو میں مانگوں گا معافی تیری اور

---

سے میں نے یہ خط لکھا تھا، اسلام سے مرتد ہو کر میں نے یہ خط نہیں لکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ بات حاطب نے سچی کہی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ مجھ کو حکم دیجئے تو میں حاطب کی گردن ابھی تلوار سے اڑا دوں۔ حضرت نے فرمایا حاطب بدری صحابہ میں ہے۔ اور تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بدری صحابہ کی کیا کچھ خاطر داری منظور ہے۔ غرض اسی قصہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اولاد اور رشتہ داروں کا ذکر فرمایا ہے۔ حاصل معنی ان آیتوں کے یہ ہیں کہ جس طرح حاطب بن ابی بلتعہ سے اولاد اور رشتہ داروں کی محبت کے جوش میں یہ خط لکھنے کا کام اللہ اور اللہ کے رسول کے خلاف مرضی ہو گیا، اسی طرح بہت لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کی مرضی کے خلاف بہت سے کام اولاد اور رشتہ داروں کے کارن کر بیٹھتے ہیں، مگر یہ اولاد اور رشتہ داری ایسی چیز ہے کہ قیامت کے دن کچھ کام آنے والی نہیں بلکہ قیامت کے دن اللہ اور اللہ کے رسول کی مرضی کے موافق چلنا ہی کام آئے گا اس لیے انسان کو چاہیے کہ اولاد اور رشتہ داروں کی محبت پر اللہ اور اللہ کے رسول کی مرضی کو مقدم رکھے اور یہ بھی فرمایا کہ جب یہ مشرک اللہ کے دشمن مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں تو مسلمانوں

أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ④

مالک نہیں میں تیرے بھلے کو اللہ کے ہاتھ سے کسی چیز کا۔ اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسا کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر آنا۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑤ لَقَدْ

اے رب ہمارے نہ جانچ ہم پر کافروں کو اور ہم کو معافی دے اے رب ہمارے تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔ البتہ

كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّ

تم کو بھلی چال چلنی ہے ان کی جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ کی اور پچھلے دن کی اور جو کوئی منہ پھیرے

فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑥ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ

تو اللہ وہی ہے بے پرواہ خوبیوں سراہا امید ہے کہ کردے اللہ تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے

مِنْهُمْ مَوَدَّةً ۚ وَاللّٰهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑦

ان میں دوستی اور وہ سب کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ع

کو بھی ان سے دوستی رکھنا مناسب نہیں ہے کیونکہ جب اسلام کو برا جان کر یہ مشرک لوگ اللہ کے رسول اور مسلمانوں کے مکہ میں رہنے کے روادار نہیں ہوئے اور اب بھی موقع ملے تو مسلمانوں پر دست درازی کرنے کو ان کا دین بگاڑنے کو یہ لوگ سب مستعد ہیں تو پھر ان سے دوستی کا رکھنا علاوہ بے سود ہونے کے فضیحت ہونے کا سبب بھی ہے جس طرح حاطب کی فضیحتی کا حال سب نے دیکھ لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ غیب دان ہے۔ وہ اپنے رسول پر چھپی ہوئی دوستی کا حال ظاہر کر دے گا جس کا نتیجہ سوائے فضیحتی کے اور کیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے دین باپ اور رشتہ داروں کو اللہ کی مرضی کے موافق جو چھوڑ دیا تھا وہ قصہ ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جاتے کہ جو خصلت اور عادت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے برتی وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور جو خصلت اور عادت حاطب بن ابی بلتعہ نے برتی وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اس باب میں اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی نصیحت جو اپنے بندوں کو فرمائی ہے وہ سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کے دل میں مال اور بی بی بچوں کی الفت لگی ہوئی ہے حالانکہ بہتر ان کے حق میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس کی مرضی کے موافق کام کریں تاکہ عقبیٰ میں ان کا بھلا ہو۔ مسند[1] امام احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت ابی بریدہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ آئے اور نیچے پنے کے سبب سے اپنے کرتہ میں الجھ کر گرنے لگے۔ آپ نے خطبہ چھوڑ کر دونوں صاحبزادوں کو اٹھا لیا اور فرمایا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو فتنہ فرمایا ہے۔ ان لڑکوں کو گرتا ہوا دیکھ کر مجھ کو خطبہ پڑھنا مشکل ہو گیا ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کی سند میں حسین بن واقد منفرد ہے۔ یہ حسین صحیح مسلم کے راویوں میں ہے اور منذری نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ اس لیے یہ سند معتبر ہے۔

[1] جامع ترمذی باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما ص ۲۱۸ ج ۲۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ
اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمھارے گھروں سے

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ
کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک ۔ اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو اللہ تو منع کرتا ہے تم کو

عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ
ان سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمھارے گھروں سے اور میل باندھا تمھارے نکالنے پر

اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨
کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار ۔

۹۰۸۔ صحیح بخاری[1] مسند امام احمد مسند بزار مستدرک حاکم میں جو روایتیں ہیں ان سے ان آیتوں کی شان نزول یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی شروع آیتوں میں مسلمانوں کو کافروں سے میل جول رکھنے کو منع فرمایا تو مکہ میں مسلمانوں کی رشتہ دار جو مشرک عورتیں تھیں، مسلمان مردوں اور عورتوں نے ان سے بھی میل جول ترک کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رض کی طلاق دی ہوئی بی بی قتیلہ اپنی بیٹی حضرت اسماء کے پاس صلح کے زمانہ میں کچھ تحفے لے کر مکے سے مدینہ آئیں لیکن حضرت اسماء اپنی مشرک ماں سے نہیں ملیں اور اپنی ماں کا تحفہ بھی نہیں لیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرما دیا کہ میل جول کی ممانعت ان ہی مشرک لوگوں سے ہے جو دین پر لڑتے ہیں۔ عورتوں بچوں اور ضعیف لوگوں سے میل جول کی کچھ ممانعت نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ دین کی لڑائی میں شریک نہیں ہے۔ سورہ مریم میں گزر چکا ہے کہ بت پرستی سے بیزار ہو کر جب ہجرت کی نیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے جدا ہوئے تو انھوں نے اپنے باپ سے یہ کہا تھا کہ میں تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا اور یہ بات انھوں نے اس وقت کہی تھی جب کہ ان کو اپنے باپ کا حالت شرک پر مرنے کا حال معلوم نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے باپ کا انجام جتلا دیا تو انھوں نے وہ مغفرت کی دعا اس کے بعد اپنے باپ کے حق میں نہیں کی چنانچہ اس کی تفصیل سورہ توبہ میں گزر چکی ہے۔ غرض سورۃ توبہ، سورہ مریم اور اس سورہ کی آیتوں کو ملانے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کے حق میں مغفرت کی دعا کیوں کی اور کب تک کی۔ ملک عراق کو اور قوم کے لوگوں کو چھوڑنے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا جو کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ تو ان بت پرست لوگوں کو مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے دور ہی رکھیو تاکہ یہ لوگ قابو پا کر آگ میں ڈالنے کی طرح ہم کو کسی طرح سے اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ جن مہاجرین کے مشرک قرابت دار مکہ میں تھے، ان آیتوں کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کی یہ تسکین فرمائی کہ کچھ جلدی مشرک قرابتداروں سے ملنے کی تم لوگوں کو نہیں کرنی چاہیے۔ قریب میں اللہ تعالیٰ سب قرابتداروں کے میل جول کی صورت پیدا کرے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اسی سفر میں مکہ

[1] صحیح بخاری باب صلۃ الوالد المشرک ص ۳۸۸ ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۹ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۰۵ ج ۶۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ

اے ایمان والو جب آئیں تم پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو۔ اللہ بہتر جانتا ہے

بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ

ان کے ایمان پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو نہ پھیرو اُن کو کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان مردوں کو

وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا

اور نہ وہ مرد حلال ان عورتوں کو۔ اور دے دو اُن مردوں کو جو اُن کا خرچ ہُوا اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کر و ان عورتوں سے جب

فتح ہوگیا اور سب اہلِ قرابت مل جل گئے اور بڑے بڑے اسلام کے مخالف اسلام کے پورے مددگار بن گئے چنانچہ ابوسفیان جیسا اسلام کا مخالف شخص فتح مکہ کی رات کو مشرف باسلام ہو کر اسلام کا ایک مضبوط بازو ہوگیا۔ غرض فتح مکہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اہلِ مکہ کی نجات کی صورت نکالی اس لیے اس آیت کو غفورٌ رحیم پر ختم فرمایا۔ یہ مکہ پر کی چڑھائی صلح حدیبیہ کے دو برس کے بعد ہوئی۔ اگرچہ حدیبیہ کے صلحنامہ میں دس برس تک کی لڑائی موقوف رکھنے کا معاہدہ تھا لیکن قریش اس معاہدہ پر قائم نہ رہے بلکہ قبیلہ بنی بکر اور خزاعہ کی لڑائی میں بنی بکر کو قریش نے مدد دی جو صلحنامہ کے بالکل مخالف تھی کیونکہ قبیلہ خزاعہ صلحنامہ کے موافق لشکرِ اسلام کے عہدِ حمایت میں تھا اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قریش کی یہ عہد شکنی معلوم ہوئی تو آپؐ نے قبیلہ خزاعہ کی حمایت میں یہ چڑھائی کی۔ آخر کو فرمایا کہ جو مسلمان مہاجر اپنے ان مشرک قرابتداروں سے درپردہ میں جول رکھے گا جن قرابتداروں سے ملنے کی ان آیتوں میں ممانعت کی گئی ہے تو وہ کسی کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا بلکہ خود ہی گنہگار ہوگا اور اس گنہگاری کی سزا میں گرفتار ہونے کا بار اپنے ذمہ لے کر اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔

۱۰، ۱۱۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ سے مکہ کے لوگوں کی آمد و رفت مدینہ کو جاری ہوگئی تھی۔ اس آمد و رفت میں بعض عورتیں اپنے آپ کو مہاجر بتلاتی تھیں لیکن مسلمانوں کو یہ شبہ رہتا تھا کہ معلوم نہیں ان عورتوں کا بیان کہاں تک صحیح ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ان عورتوں کے امتحان لینے کا حکم نازل فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ آدمی کے دل کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن اس امتحان کے بعد اُن عورتوں کو مسلمان مہاجر سمجھا جائے۔ صحیح سند[1] سے حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق اس امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ اس طرح کی عورتوں سے ان کے بیان کی تصدیق ان کو قسم دے کر کی جاتی تھی۔ حدیبیہ کے صلح نامہ میں اگرچہ یہ شرط تھی کہ ہجرت کی نیت سے جو کوئی مکہ کو چھوڑ کر مدینہ آئے اُس کو مکہ میں واپس بھیج دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں عورتوں کے لیے وہ شرط قائم نہ رکھی اور فرمایا کہ مشرکہ عورت مسلمان مرد کے لیے اور مسلمان عورت مشرک مرد کے لیے حلال نہیں ہے۔ اس واسطے اس امتحان کے بعد اگر وہ عورتیں ایماندار نظر آئیں تو اُن کو کافروں کے حوالہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ مشرک میاں بی بی دونوں میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو اُن کا حالتِ کفر کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر فرمایا اس صورت میں جائز ہے کہ یہاں دارالاسلام کا کوئی شخص مسلمان جدید مہر ٹھہرا کر اس طرح کی عورت سے نکاح کر لے اور پہلے نکاح میں کافر شوہر کا

[1] تفسیر ابنِ کثیر ص ۳۵۰ ج ۴۔

اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا

ان کو دو اُن کے مہر اور نہ رکھو قبضے میں ناموس کافر عورتوں کے اور مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں

مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ

جو انھوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے تم میں فیصلہ کرتا ہے اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور اگر جاتی رہیں تمہارے

شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ

ہاتھ سے کوئی تمہاری عورتیں کافروں کی طرف پھر تم کھپا مارو تو دو اُن کو جن کی عورتیں جاتی رہیں۔

جو کچھ خرچ پڑا ہو، وہ اس جدید نکاح کرنے والے شخص سے دلوا دیا جائے۔ جدید مہر کا ذکر اس لیے فرمایا کہ کہیں پہلے شوہر کے خرچ کی ادائی کو جدید مہر نہ تصور کیا جائے کیونکہ اس میں اس عورت کا نقصان ہے۔ مسند امام احمد، ابوداؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب کا قصہ جو حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے ہے کہ زینب کی ہجرت کے کئی برس کے بعد اُن کے شوہر ابوالعاص اسلام لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص[۱] کے اسلام تک وہی پہلا نکاح قائم رکھا۔ یہ روایت صحیح ہے اور علماء مفسرین نے اس حدیث اور آیت لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن کے اختلاف کے رفع کرنے میں طرح طرح کی صورتیں بیان کی ہیں مگر بہتر صورت وہی معلوم ہوتی ہے، جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری[۲] میں بیان کی ہے کہ صحیح قول کے موافق ابوالعاص کا اسلام سورہ ممتحنہ کے نزول کے تو بعد تھا لیکن حضرت زینب کی عادت کے دنوں میں کچھ فرق پڑجانے سے یہ اسلام حضرت زینب کی عدت کے اندر تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا پہلا نکاح قائم رکھا۔ امام مالک[۳]، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب بھی اس کے موافق ہے کہ عدت کے اندر شوہر اسلام لے آئے تو پہلا نکاح قائم رہتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہجرت کے بعد پہلا نکاح قائم نہیں رہتا۔ زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی فقہ کی کتابوں میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث کے برخلاف ترمذی[۴]، ابن ماجہ وغیرہ میں عمرو بن شعیب کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوالعاص کے اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص کا جدید نکاح حضرت زینب سے کیا۔ عمرو بن شعیب کی حدیث کی سند میں ایک شخص عرزمی ضعیف ہے۔ اس لیے امام احمد، ترمذی[۵]، دارقطنی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اب آگے فرمایا کہ جن مسلمان مہاجر لوگوں کی بیبیاں مشرک ہیں اور مکہ میں رہ گئی ہیں۔ ان مسلمان مہاجروں کو اُن عورتوں سے اپنے نکاح کا تعلق باقی نہیں رکھنا چاہیے اور اُن کے نکاح میں جو خرچ پڑا ہے وہ ان مشرکوں سے لینا چاہیے جن کے پاس وہ عورتیں ہیں۔ اسی طرح مہاجر عورتوں کے نکاح میں مشرک لوگوں نے جو خرچ کیا ہے وہ ان مشرکوں کو دینا چاہیے۔ پھر فرمایا اللہ کا علم بہت وسیع اور اُس کی حکمت بہت بڑی ہے۔ اس نے اپنے علم اور حکمت کے موافق یہ احکام نازل فرمائے ہیں جن کی تعمیل میں طرح طرح کی مصلحتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان عورت مشرکوں میں جا ملی، اور مشرکوں نے اس کے نکاح کا خرچہ مسلمانوں کو نہیں دیا، تو مشرکوں کو

[۱] سنن ابی داؤد۔ کتاب الطلاق۔ باب الی متی ترد علیہ امرأتہ اذا اسلم بعدھا۔ [۲] وتفسیر ابن کثیر ص ۳۵۱ ج ۴ [۳] ص ۵۲

[۴] جامع ترمذی باب ماجاء فی الزوجین المشرکین الخ ص ۱۶۹ ج ۱ [۵] ایضاً۔

مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ

جتنا انھوں نے خرچ کیا تھا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم کو یقین ہے۔ اے نبی جب آئیں

الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓي اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَـيْـــًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا

تیرے پاس مسلمان عورتیں قرار کرنے کو اس پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور

جو خرچہ مہاجرہ عورتوں کی بابت کا مسلمانوں نے دینا ہے اُس میں سے یہ خرچہ اس طرح نکال لیا جائے کہ جب تمہاری باری فریق کافروں کو کچھ دینے کی آئے تو اُن کو کچھ نہ دیا جائے یا غنیمت کے مال میں سے یہ خرچہ نکال لیا جائے۔ عقبیٰ کے معنی باری کے ہیں اور عقبیٰ کے معنی غنیمت کے مال کے ہیں۔ عاقبتم میں دونوں معنے پائے جاتے ہیں۔ اس لیے سلف نے دونوں معنے کیے ہیں کلکتہ کے چھاپے کے صحیح قرآن میں عاقبتم کا ترجمہ کھپا مارو لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن مخالف لوگوں سے یہاں تک لڑو کہ وہ مر کھپ جائیں اور اُن کے مرنے کھپنے کے بعد غنیمت کا مال جو ہاتھ لگے اُس میں سے یہ خرچہ دیا جاتے یہ ترجمہ اوپر کے دو قولوں میں سے دوسرے قول کے موافق ہے اور یہ قول ابن جریرؒ کی روایت کے موافق امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے۔ پہلا قول صحیح بخاریؒ کی کتاب الشروط میں زہری سے اس طرح نقل کیا گیا ہے جس سے ایک عملدرآمد معلوم ہوتا ہے۔ ابو جعفرؒ حافظ ابن جریرؒ نے اِن دونوں قولوں میں مطابقت یوں بیان کی ہے کہ ان دونوں رقموں میں سے جس رقم میں اِس خرچہ کی ادائی کی گنجائش نظر آئے اُسی رقم میں سے یہ خرچہ بھر دیا جائے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس مطابقت کو ایک اچھی مطابقت قرار دیا ہے۔ آخر پر فرمایا اللہ تعالیٰ کے ان احکام اور عام احکام کی تعمیل اللہ کا خوف دل میں رکھ کر پوری پوری کی جائے کہ یہی ایمان کی نشانی ہے اور اللہ ایمانداروں کے ایمان کو ہر وقت ہر باب میں جانچتا رہتا ہے۔ مسند امام احمدؒ میں وابصہؓ کی اور صحیح مسلمؒ میں نواسؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اُس وقت تک متقی نہیں ہوتا جب تک جائز چیز کو ناجائز ہونے کے خوف سے نہ چھوڑ دے۔ ترمذیؒ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی آدمی کا آخرت کے کاموں میں چستی سے مصروف ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اس آدمی کے دل میں خدا تعالیٰ کے عذاب کا خوف ہے۔ ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں انسان کو اللہ کا خوف دل میں رکھنے کی تاکید فرمائی ہے اور اللہ کے رسولؐ نے بھی اپنے کلام میں انسان کو اللہ کا خوف دل میں رکھنے کی تاکید فرمائی ہے اور پھر اللہ کے رسولؐ نے اپنے کلام میں اُس خوف کی نشانی فرمائی ہے جس سے ہر شخص اپنی حالت کا اندازہ کر سکتا ہے کہ اُس کے دل میں اللہ کے عذاب کا خوف کہاں تک ہے۔

۱۲، ۱۳۔ جن مہاجر عورتوں کے امتحان لینے کا ذکر اوپر تھا اُن ہی کی بیعت کا ذکر ہے یہ بیعت فتح مکہ سے پہلے اور

ف۱ تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۲ ج ۴ ف۲ صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد۔ فی حدیث طویل ص ۳۷۷ ج ۱ ف۳ تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۲ ج ۴ ف۴ الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی الورع وترک الشبہات ص ۹۲۲ ج ۲ ف۵ صحیح مسلم باب تفسیر البر والاثم ص ۳۱۴ ج ۲ ف۶

يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا

اپنی اولاد نہ ماریں اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں پاؤں میں اور تیری

يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾

بے حکمی نہ کریں کسی بھلے کام میں تو ان سے قرار کر اور معافی مانگ اللہ سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ میں لے جاتی تھی اور پھر فتح مکہ کے بعد مکہ کی عام عورتوں سے بھی مکہ میں یہی بیعت لی گئی تھی۔ بیعت کے معنے معاہدے کے ہیں۔ یہ معاہدے شریعت میں کئی طرح کے ہیں۔ ایک یہ معاہدہ ہے اس کو معاہدہ اسلام کہتے ہیں۔ اسی طرح تنگ دست مہاجروں سے ایک معاہدہ یہ لیا گیا تھا کہ وہ کسی سے کوئی چیز مانگا نہ کریں۔ ان کے سوا اور بھی معاہدے ہیں جن کا ذکر اپنی اپنی جگہ ہے۔ یہی معاہدہ اسلام، مردوں سے بھی مکہ میں فتح مکہ کے بعد لیا گیا تھا۔ بعضے مفسروں نے اس معاہدہ کو وہ معاہدہ خیال کیا ہے جو منیٰ کی گھاٹی میں انصار سے ہجرت سے پہلے لیا گیا تھا لیکن یہ خیال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ صحیح مسلم[1] کی عبادہ بن الصامت کی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ مردوں سے یہ اسلام کی مضبوطی کی بیعت اسی آیت کے موافق تھی اور یہ بات تو اس سورہ کی شانِ نزول میں بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورۃ ہجرت اور صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور سورۂ حشر میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ منیٰ کی گھاٹی کی بیعت جو قبیلہ خزرج کے لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لی تھی وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں لی گئی تھی۔ اور وہ بیعت فقط اس بات پر تھی کہ مہاجر لوگ جب مدینہ میں ہجرت کر کے آئیں تو انصار لوگ ان کی ہر طرح کی مدد کریں چنانچہ صحیح بخاری[2] کی کتاب الفتن میں عبادہ بن صامت کی جو حدیث ہے اس میں اس کی صراحت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عبادہ بن صامت ان دونوں بیعتوں میں شریک تھے۔ ان کی ایک روایت میں ایک بیعت کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں دوسری بیعت کا، اس واسطے صحیح قول یہی ہے کہ یہ دونوں بیعتیں الگ الگ ہیں۔ جاہلیت کے زمانہ میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو جیتا گاڑ دیا کرتے تھے اور شوہر کے نطفہ سے لڑکی پیدا ہو تو اس کی جگہ کسی کا لڑکا لے کر زچہ کے پہلو میں ڈال دیتے تھے۔ تاکہ اس عورت کے شوہر کو یہ معلوم ہو کہ اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس بیعت میں انہی باتوں کی ممانعت ہے۔ جس وقت عورت کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس عورت کے ہاتھ پیروں کے سامنے آن پڑتا ہے۔ اسی واسطے بجائے لڑکی کے لڑکے کو ڈال دینے کو ہاتھ پیروں کے مابین کا طوفان فرمایا۔ بھلے کام میں بے حکمی نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ توحید نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان پانچوں ارکانِ اسلام کو بجا لائیں اور جن باتوں سے اس معاہدے میں منع کیا گیا ہے ان سے بچیں کیونکہ جس چیز کے کرنے کا شریعت میں حکم ہے اس کو نہ کرنا اور جس کے نہ کرنے کا حکم ہے اس کو کر بیٹھنے کی جرأت کرنا بے حکمی میں یہ سب باتیں داخل ہیں۔ اسی واسطے صحیح بخاری[3] اور مسلم کی حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں اسلام کے ان پانچ ارکان کا جو ذکر ہے وہ ذکر اس بیعت میں صراحت سے نہیں فرمایا۔ جہاد فرض کفایہ ہے، ضرورت کے

[1] صحیح مسلم باب الحدود کفارات لاھلھا ص ۷۰ ج ۲ [2] صحیح بخاری کتاب الفتن ص ۱۰۴۵ ج ۲ [3] صحیح مسلم باب بیان ارکان الاسلام الخ ص ۳۲ ج ۱۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَوَلَّوْا۟ قَوْمًا غَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا۟ مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ كَمَا

اے ایمان والو مت دوستی کرو ان لوگوں سے کہ غصہ ہوا اللہ اُن پر وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے جیسے

يَئِسَ ٱلْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْقُبُورِ ﴿١٣﴾

آس توڑی منکروں نے قبر والوں سے۔

وقت بعضے لوگ اُس پر عمل کرلیں تو کافی ہے اس لیے عام ارکانِ اسلام میں اس کا شمار نہیں ہے۔ جس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر شریعت میں بھلائی آئی ہے اس کو معروف شرعی کہتے ہیں۔ اب آگے فرمایا کہ وہ مہاجر عورتیں جب ان باتوں پر پکی ہو جائیں تو اے رسول اللہؐ کے اُن سے اسلام پر قائم رہنے کی بیعت لی جائے اور اللہ تعالیٰ سے اُن عورتوں کی مغفرت کی دعا کی جائے تاکہ سوائے شرک کے اِن باتوں کی بجاآوری میں اُن سے کچھ کوتاہی ہو تو اللہ غفور الرحیم ہے اُس کو معاف کر دے۔ اُوپر روایتیں گزر چکی ہیں کہ جس شخص کے نامۂ اعمال میں شرک نہ ہوگا اور اُس کے سوائے شرک کے اور گناہ اگرچہ اتنے بھی ہوں گے جس سے زمین بھر جائے تو اللہ تعالیٰ اُن گناہوں کے معاف کرنے میں کچھ دریغ نہ فرمائیگا اور جو آدمی حالتِ شرک پر بغیر توبہ کے مر جائے گا تو نہ اُس کی شفاعت کوئی کر سکے گا نہ خود اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی مغفرت فرمائے گا۔ یہ حدیثیں اس آیت کی تفسیر ہیں۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکینِ مکہ کو ایک خط جو لکھ دیا تھا شروع سورۃ میں تو اس پر اسلام کے مخالف لوگوں سے دوستی رکھنے کو منع فرمایا تھا۔ اب مدینہ کے گرد و نواح میں کچھ یہود جو رہتے تھے۔ بعضے مسلمان اُن سے دوستی رکھتے تھے۔ اُس پر فرمایا کہ اگرچہ یہ یہود لوگ زبان سے آخرت کا اقرار کرتے ہیں، لیکن اُن کے کام ایسے ہیں جس طرح آخرت سے مایوس لوگ کرتے ہیں کہ دُنیا کے ذرا سے لالچ کے سبب سے یہ لوگ عقبٰے کے بڑے اجر کو کچھ نہیں گنتے ہیں۔ اسلیے اُنھوں نے عقبٰی کے اجر سے مایوس ہو کر نبی آخر الزماں کی اوصاف کی آیتوں کو بدل ڈالا۔ تاکہ اُن اوصاف کے ظاہر ہو جانے سے اِن میں کے جاہل لوگ نبی آخر الزماں کی طرف مائل ہو کر اِن لوگوں کو جو کچھ دیتے تھے وہ بند نہ کر دیں، اُن کی ایسی باتوں سے اُن پر خدا کا غصہ ہے اور جن لوگوں پر خدا کا غصہ ہے اُن سے دوستی کا نباہنا اللہ کے دوستوں کا کام نہیں ہے۔ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ کی تفسیر عبداللہ بن مسعودؓ مجاہد عکرمہ وغیرہ کے قول کے موافق یہ ہے کہ جس طرح منکرینِ حشر مرنے اور قبر میں جانے کے بعد عقبٰی کی بھلائی سے بالکل مایوس ہو گئے ہیں کیونکہ اُن کی مایوسی قبر میں جاتے ہی اُن کے سامنے آگئی ہے۔ اسی طرح اِن یہود کے علماء جیتے جی زبان سے تو عقبٰی کے اجر کا ایسا گہرا اقرار کرتے ہیں کہ سوا اپنی قوم کے کسی کو جنتی نہیں بتلاتے مگر کام ایسے کرتے ہیں جن سے انھیں عقبٰی کے اجر سے بالکل مایوسی ہے۔ صحیح بخاریؒ و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر میں جاتے ہی ہر نیک و بد کو اس کا جنت و دوزخ کا ٹھکانا صبح و شام دکھلا کر یہ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک کو اسی ٹھکانے میں جانا پڑے گا۔ اس آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ منکرینِ حشر قبر میں جاتے ہی عقبٰی کی بہتری اور بھلائی سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

۱؎ صحیح مسلم باب الدلیل علی آن من مات لا یشرک باللہ دخل الجنۃ الخ ص ۶۶ ج ۱ ۲؎ صحیح بخاری باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ص ۱۸۴ ج ۱ و صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار الخ ص ۳۸۵ ج ۲۔

آیاتہا ١٤ — (٦١) سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (١٠٩) — رکوعاتہا ٢

سورۂ صف مدنی ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا اے ایمان

اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③

والو کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے بڑی بیزاری ہے اللہ کے ہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

اللہ چاہتا ہے ان کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر جیسے وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔

ا تا ۴۔ ترمذی، مستدرک حاکم وغیرہ میں معتبر سند سے جو شانِ نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ لڑائی کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے بعضے لوگ لڑائی کی آرزو ظاہر کرتے تھے۔ جب لڑائی کا حکم نازل ہوا تو لڑائی سے گھبرانے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت ناخوش ہے کہ منہ سے کوئی شخص ایک بات کہے اور اس کے موافق عمل نہ کرے۔ اور صحیحین کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ زبان سے وعدہ کر کے اس کے موافق عمل نہ کرنا اور روزمرہ کی بات چیت میں جھوٹ بولنا اور امانت میں خیانت کرنا یہ منافق کی پہچان کی باتیں ہیں جو لوگ نیک کام کا ارادہ ظاہر کر کے پھر اس کے موافق عمل نہیں کرتے اُن کے ذکر سے پہلے آسمان و زمین میں جو مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اُس کا ذکر اس لیے فرمایا کہ جن کا فعل اُن کے قول کے موافق نہیں ہے ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر یہ لوگ کسی نیک کام کے کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے اس کے موافق پھر وہ نیک عمل نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ کو اُن کے نیک عمل کی کچھ پرواہ نہیں اُن کے سوا اللہ کی ایک بڑی مخلوق اللہ کی مرضی کے موافق نیک کاموں میں لگی ہوئی ہے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت تو ایسی بے پروا بادشاہت ہے کہ نہ کسی کے نیک کام سے اُس کی بادشاہت میں کچھ بڑھتا ہے نہ بُرے کام سے کچھ کم ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کی ابوذرؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ساری مخلوق نیک ہو جائے تو اُس سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہ جائے گا اور بد ہو جائے تو کچھ گھٹ نہ جائے گا بلکہ جو نیک عمل کرے گا وہ اُس کا اجر پائے گا اور جو بُرا کام کرے گا وہ اُس کا خمیازہ بھگتے گا۔ یہ حدیث آیت کے اُس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔ آخر آیتوں میں فرمایا اللہ کے دین کو پھیلانے کی لڑائی وہ چیز ہے جس کی مضبوط صف بندی اللہ کو بہت پسند ہے اس میں جو لوگ اس لڑائی سے گھبراتے تھے اُن کو گویا یہ تنبیہ فرمائی کہ جو کام اللہ کو پسند ہے اُس سے پہلو تہی کرنا ایماندار آدمی کا کام نہیں ہے ✿

ﻪ١ جامع ترمذی، تفسیر سورۃ الصف ص ١٨٧ ج ٢ ﻪ٢ صحیح بخاری باب علامۃ المنافق ص ١٠ ج ١ و صحیح مسلم باب خصال المنافق ص ٥٦ ج ١

ﻪ٣ صحیح مسلم باب تحریم الظلم ص ٣١٩ ج ٢ -

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم میری کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور جانتے ہو کہ میں اللہ کا بھیجا آیا ہوں،

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ

پھر جب وہ پھر گئے پھیر دیئے اللہ نے اُن کے دل اور اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو ۔ اور جب کہا

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَیَّ

عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچا کرتا اُس کو جو مجھ سے آگے ہے

۵ ۔ بنی اسرائیل ایک مدت سے مصر میں نہایت ذلت کے ساتھ رہتے تھے، کیونکہ فرعون اور اُس کی قوم کے لوگ بنی اسرائیل سے طرح طرح کے ذلیل کام لیا کرتے تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہوئے اور اُن کے سبب سے فرعون اور اُس کی قوم کے لوگ یہ سب ڈوب کر ہلاک ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر حضرت یعقوب اور اور انبیاء کی سکونت کی جگہ ملک شام کو جائیں اور وہاں کی جو بستیاں قوم عمالقہ کے قبضہ میں آ گئی ہیں، اُس قوم سے لڑ کر وہ بستیاں اُن سے خالی کرائی جائیں اور اُس ملک میں سکونت اختیار کی جائے۔ یُوں تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت سی شرارتیں کیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آخری عمر میں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت بڑی شرارت کی کہ عمالقہ کی لڑائی کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ تم اور تمہارا اللہ دونوں قوم عمالقہ سے لڑیں ہم تو ایسی زبردست قوم سے نہیں لڑ سکتے۔ چنانچہ یہ پُورا قصہ سورۂ مائدہ میں گزر چکا ہے کہ اس شرارت کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک جنگل میں چالیس برس تک قید رکھا جس قید میں اس شرارت کے کرنے والے لوگ بے در اور بے گھر اُسی جنگل میں بھٹکتے پھرے اور آخر اُسی جنگل میں سب مر کھپ کر برابر ہوگئے اس لیے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل کے دل اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری سے پھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو راہِ راست پر آنے کی توفیق نہیں دی کیونکہ اس طرح کے نافرمان لوگوں کو مجبور کر کے راہِ راست پر لانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے برخلاف ہے۔ یہاں جو بعضے لوگوں نے پہلے نیک کاموں کا ولولہ ظاہر کیا اور پھر جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد اُن کا وہ ولولہ پست ہوگیا۔ اُس سے اور اسی طرح کی مخالفوں کی اور باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا کرتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرما کر اپنے رسول کی یہ تسکین فرمائی کہ اے رسول اللہ مخالف لوگوں کی اس طرح کی باتیں تمہارے ساتھ کچھ نئی نہیں ہیں، اور انبیاء کو بھی ایسی باتیں پیش آتی رہی ہیں اور آخر انبیاء کا انجام اچھا ہوا ہے تمہارا بھی انجام اچھا ہوگا۔ اس قصہ میں نبی آخر الزمان کے عہد کے مخالف لوگوں کو یہ تنبیہ بھی ہے کہ جس طرح پچھلے مخالف لوگوں کا حال ہُوا اگر یہ لوگ اللہ کے رسول کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہی حال اُن کا ہوگا۔

۶ ۔ مسند امام احمد کی روایت سے حضرت ابوذر کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گزرے ہیں جن میں تین سو پندرہ رسول ہیں [1] اور سورۂ آلِ عمران میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے دُوسرے نبی کی تصدیق کو

[1] مشکوٰۃ شریف باب فی ذکر الانبیاء علیہم السلام ۔ فصل ثالث ۔ ص ۵۱۱ ۔

مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

توریت اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی جو آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام ہے احمد۔ پھر جب آیا ان کے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کھلے نشان لے کر بولے یہ جادو ہے صریح۔ اور اس سے بے انصاف کون ہے جو باندھے اللہ پر جھوٹ

اپنی امت میں پھیلا دینے کا بڑا سخت عہد ازل میں لیا ہے۔ اس عہد کو پورا کرنے کی غرض سے حضرت موسیٰ نے تورات کے موافق بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ کی نبوت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے آخری رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق بنی اسرائیل میں جو پھیلائی اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اگرچہ بنی اسرائیل نے تورات اور انجیل کی آیتوں کو بدل ڈالا ہے لیکن اب بھی تورات اور انجیل کے ترجمے جو موجود ہیں اُن میں سے علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کو اسی طرح تفصیل سے نکالا ہے جس طرح کی تفصیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی اس آیت میں ہے۔ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کو جو ایذاء یہود نے دی اس کا بیان سورۃ النساء میں گذر چکا ہے کہ حضرت مریمؑ کا نام انھوں نے جادوگرنی اور حضرت عیسیٰؑ کا نام جادوگر رکھا تھا اور آخر ان کے قتل پر مستعد ہوئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے زہر دیا۔ ایک بڑا پتھر آپ پر ڈالنے کا ارادہ کیا۔ خندق کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ آپ پر چڑھائی کی۔ اسی واسطے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے تورات کی عہدشکنی کی اور جان بوجھ کر عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح معجزوں کو جادو بتلایا اور دو شریعتوں کی پیروی سے محروم رہے جس سے تورات کی پیروی بھی قائم نہ رہی کیونکہ تورات کی پیروی عین ان دونوں شریعتوں کی پیروی ہے۔

۸۷۔ اوپر یہود کی شرارتوں کا اور تورات میں اُن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کا عہد جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی لیا گیا تھا اُس کا ذکر فرما کر اِن آیتوں میں فرمایا کہ ایسے شخص سے بڑھ کر ظالم اور ناانصاف دنیا میں کون ہو سکتا ہے جو تورات کو مانے اور تورات میں جو عہد ہے اُس کو جھٹلائے اور صاحب اولاد ہونے کا بہتان تورات کے برخلاف اللہ تعالیٰ پر لگائے اور تورات کے عہد کے موافق عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو معجزے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے اُن کو جادو بتلائے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے ظالم اور ناانصاف لوگوں کو راہ راست پر آنے کی کبھی توفیق نہ دے گا بلکہ کتاب آسمانی کی مخالفت کی حالت میں ایسے لوگوں کا حشر ہو کر ہمیشہ کے لیے اُن کا ٹھکانا دوزخ قرار پائے گا اور دُنیا میں اُن کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ کا وہ نورِ ہدایت کبھی مدھم نہ ہو گا جس کا دُنیا میں پورے طور پر مخلوق الٰہی میں پھیلنا اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں قرار پا چکا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں نبوت کا سلسلہ چلنے کی دعاء کی اور وہ دعاء قبول ہوئی اور اسی کے اثر سے ایک مدت دراز تک اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں نبوت رہی اور آخر سلسلہ نبوت بنی اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ تورات اور انجیل میں نبی آخر الزمان کے جو اوصاف ہیں اُن سے اہل کتاب نبی آخر الزمان کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح ہر شخص اپنی اولاد کو پہچانتا ہے لیکن فقط اس حسد سے اُن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت کی کہ نبوت کا

وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا
اور اُس کو بلاتے ہیں مسلمان ہونے کو ، اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو چاہتے ہیں کہ بجھا دیں

نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ
اللہ کی روشنی اپنے منہ سے ۔ اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے بُرا مانیں منکر ۔ وہی ہے جس نے بھیجا

رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝
اپنا رسول راہ کی سُوجھ دے کر اور سچا دین کہ اُس کو اوپر کرے دینوں سے سب سے اور پڑے بُرا مانیں شرک کرنے والے ۔

ع ۹

خاتمہ بھی اسحٰق علیہ السلام کے خاندان میں کیوں نہیں ہُوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کے خاندان کے ساتھ یہ ہمدردی اور دوسرے بیٹے کے خاندان کے ساتھ اِس قدر پرلے درجہ کی دشمنی حد درجہ کی بے انصافی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو بے انصاف فرمایا۔ یہود میں عبداللہ بن سلام کا قصّہ اور نصاریٰ میں ہرقل بادشاہِ رُوم کا قصّہ اور اس قسم کے اور صحیح قصّے اس بات کے پُورے شاہد ہیں کہ یہود و نصاریٰ میں سے جن لوگوں نے اُس بے انصافی کو تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنے دِل سے نکال ڈالا اُن کو نبی آخرالزمان کی نبوّت میں کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اب اُس نا انصافی کے ساتھ بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ جس تاریخ کی کتابوں کے راویوں کے ثقہ اور سلسل ہونے کا ٹھکانا کچھ نہیں۔ اُن تاریخ کی کتابوں پر تو پُورا بھروسہ ہے۔ اور صحیح بخاری جیسی کتاب جس کے ایک ایک راوی کے ثقہ ہونے کی حد سے زیادہ چھان بین کی گئی ہے۔ اس میں کے عبداللہ بن سلام جیسے عالم کے قصّے کو کوئی یہود دیکھتا ہے نہ ہرقل جیسے بادشاہ اور اُس بادشاہ کے دربار کے موجودہ پادریوں کی حالت پر کسی نصرانی کو کچھ عبرت ہوتی ہے یہ خرابی کیا ہے کہ اُس نا انصافی پر گویا اور طرّہ ہے۔ اسلام کے مخالف اہلِ کتاب اور مشرکین مکہ دونوں گروہ تھے ، اس لیے ایک جگہ ولو کرہ الکٰفرون فرمایا اور دُوسری جگہ ولو کرہ المشرکون فرمایا۔ حاصل مطلب یہ ہُوا کہ اہلِ کتاب یا مشرکین مکہ کسی کی مخالفت اسلام کی ترقی کو روک نہیں سکتی۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ باوجود طرح طرح کی مخالفتوں کے اسلام کی جو ترقی ہُوئی وہ ظاہر ہے ؛

۹۔ سب سے پہلے صاحبِ شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور سب سے آخر صاحبِ شریعت نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان سب شریعتوں میں توحید کی تاکید اور شرک کی ممانعت کا حکم یکساں ہے۔ ہر وقت کی اُمّت کی حالت کے موافق عمل کرنے کی کچھ باتیں ہر شریعت میں بدلتی رہی ہیں مثلاً اور شریعتوں میں نماز کے لیے ایک جگہ جو خاص ٹھہرائی جاتی تھی وہیں نماز ہوسکتی تھی۔ شریعتِ محمدیؐ میں یہ حکم ہے کہ جنگل ، گھر ، مسجد ہر جگہ میں نماز ہوسکتی ہے یا اور شریعتوں میں غنیمت کے مال کا خرچ میں لانا جائز نہ تھا ، شریعتِ محمدیؐ میں جائز ہے۔ اسی طرح اور مشکل باتیں جو اور شریعتوں میں تھیں ، ایک تو وہ اس آخری شریعت میں آسان ہوگئیں اور دُوسرے شریعتِ محمدیؐ کے بعد قیامت تک اب کوئی شریعت اور نہیں ہے اس لیے جو باتیں شریعتِ محمدیؐ میں قائم ہُوئی ہیں وہی قیامت تک قائم رہیں گی۔ غرض شریعتِ محمدیؐ اور شریعتوں سے سہل اور اور شریعتوں کی باتوں کو منسوخ کرنے والی ہے اور

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ

اے ایمان والو میں بتاؤں تم کو ایک سوداگری کہ بچائے تم کو ایک دُکھ کی مار سے ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ بخشے وہ تمہارے گناہ اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں

شریعت محمدیؐ کی کوئی بات کسی دُوسری شریعت سے منسوخ ہے نہ قیامت تک شریعتِ محمدیؐ کے بعد کوئی دُوسری شریعت ہے۔ سب شریعتوں کو ملا کر ایک ناتمام مکان فرض کیا جائے تو شریعتِ محمدی اُس ناتمام مکان کا ایسا ایک آخری ردہ ہے جس سے مکان پورا ہوگیا ہے کہ قیامت تک نہ اب اُس مکان میں کوئی جدید تعمیر ہونے والی ہے نہ کسی اور ردوبدل کی ضرورت ہے۔ صحیحین[۱] میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور اور انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ اور انبیاء کی نبوت ایک خوبصورت عمارت تھی جس میں آخری ایک ردہ کی کوتاہی تھی، میں خاتم النبیین ہوں میرے سبب سے وہ آخری ردہ پورا ہُوا اور وہ ناتمام عمارت تمام ہوگئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس دینِ محمدی میں وہ باتیں اور وہ پائداریاں ہیں کہ کسی دین میں نہیں ہیں۔ اِسی واسطے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ فرمایا کہ یہ دین اور دینوں پر غالب ہے۔ اس دین کے غالب ہونے کی علامت یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن اور امتوں سے اس امت کی تعداد زیادہ ہوگی۔ چنانچہ صحیح[۲] بخاری ومسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث اس باب میں اوپر گزر چکی ہے۔

۱۰ تا ۱۳۔ اوپر ذکر تھا کہ کچھ لوگ نیک کاموں کے کرنے کا شوق ظاہر کرکے بھی اُس پر قائم نہیں رہے۔ ان آیتوں میں اُسی کے متعلق فرمایا کہ اے ایمان والو اگر تم کو نیک کام کے اجر کمانے کا شوق ہے تو تم کو اُس کمائی کے لیے ایسی سوداگری بتلائی جاتی ہے جس میں سراپا نفع ہی نفع ہے نقصان کا کہیں نام نہیں ہے۔ پھر اس سوداگری کی تفصیل فرمائی کہ خالص دل سے اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری قبول کرو اور جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کے نافرمان ہیں اُن کے راہِ راست پر لانے میں جان و مال سے کوشش کرو۔ اللہ کے رسول جو شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اُس کے برحق ہونے کا دل میں اعتقاد رکھنا اور زبان سے اُس اعتقاد کے موافق اقرار کرنا اور ہاتھ پاؤں سے شریعت کے موافق عمل کرکے اس اعتقاد اور اقرار کو مضبوط اور سچا کر دینا سلف کے نزدیک کامل ایمان کی یہی نشانی ہے۔ اس واسطے ایمان کے ساتھ فرض کفایہ جہاد کا ذکر فرمایا اور فرائض کا ذکر نہیں فرمایا کہ گویا وہ ایمان کے ذکر میں آگئے۔ صحیح[۳] بخاری ومسلم میں زید بن خالد کی حدیث ہے جس میں

[۱] صحیح بخاری باب خاتم النبیین ص ۵۰۱ ج ۱ وصحیح مسلم، باب ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ص ۲۴۸ ج ۲ [۲] صحیح بخاری باب کیف نزل الوحی ص ۷۴۴ ج ۲ صحیح مسلم باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم الخ ص ۸۶ ج ۱ [۳] صحیح بخاری باب من جہز غازیا او خلفہ بخیر ص ۳۹۸ ج ۱۔

الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ وَ اُخْرٰی

نہریں اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں میں یہ ہے بڑی مراد ملنی اور ایک اور

تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

چیز دوں جس کو تم چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف سے اور فتح شتاب اور خوشی سنا ایمان والوں کو ۔ اے ایمان

اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی

والو تم ہو مددگار اللہ کے جیسے کہا عیسےٰ مریم کے بیٹے نے یاروں کو کون ہے مدد کرے میری اللہ

اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ

کی راہ میں۔ بولے یار ہم ہیں مددگار اللہ کے پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل میں سے اور

كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ﴿۱۴﴾

منکر ہوا ایک فرقہ پھر زور دیا ہم نے اِن کو جو یقین لائے تھے اُن کے دشمنوں پر پھر ہو رہے غالب ۔

ع ۵ / ۱۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے اپنا مال خرچ کر کے خدا کی راہ پر لڑنے والے شخص کا کچھ سازوسامان کر دیا تو اُس کو بھی خدا کی راہ میں لڑنے کا ثواب ملے گا۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم کی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی نعمتوں کے لحاظ سے فرمایا کہ جتنی جگہ میں گھوڑے کے سوار کا کوڑا پڑا رہتا ہے۔ جنت میں کی اتنی جگہ تمام دُنیا اور اس کے سازوسامان سے بہتر ہے۔ اب اس حساب سے دُنیا کی تجارت میں کوئی شخص تمام دُنیا بھی نفع کے طور پر کمائے تو عقبیٰ کی تجارت کے نفع سے اُس کو کچھ نسبت نہیں فرمایا کہ عقبیٰ کی تجارت سمجھ دار کے لیے دُنیا کی تجارت سے بہتر اور بڑی کامیابی کی تجارت ہے کہ اس میں ہمیشہ کے نفع کے طور پر جنت کی نعمتیں ہیں گناہوں کی معافی اور دوزخ کے عذاب سے نجات کا حاصل کرنا اور دُنیا میں فتح یابی اور غنیمت کے مال کی خوش وقتی اس بے بدل نفع کے علاوہ ہے۔ اس واسطے فرمایا اے رسول اللہ کے ایماندار لوگوں کو اس تجارت کے سراپا نفع کی خوش خبری سُنا دو۔

۱۴۔ جس طرح بارہ شخص حواریوں نے عیسائی دین کے پھیلانے میں کوشش کی۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دین محمدی پھیلانے کے لیے بارہ شخص نقیب جو قبیلہ خزرج میں مقرر کئے تھے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے مدینہ پہنچنے سے پہلے اسلام کے پھیلانے میں کوشش کی چنانچہ یہ قصہ سورۂ حشر میں گزر چکا ہے۔ ہجرت کے بعد سب اہل اسلام اہل مدینہ نے اسلام کی بڑی مدد کی۔ اسی واسطے اہل مدینہ کا نام انصار قرار پایا جس کے معنے مددگار کے ہیں۔ انصار کی تعریف میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں۔ صحیح مسلم میں زید بن ارقم کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اُن کی اولاد اولاد کے لیے مغفرت کی دُعا مانگی ہے۔ مہاجرین اور انصار میں اتنا فرق ضرور ہے کہ مہاجرین نے اسلام کی مدد میں اپنا وطن اور گھر بار بھی چھوڑا۔ اور انصار نے اپنے وطن میں ہی اسلام کی ہر طرح سے مدد کی۔ اسی فرق

لہ صحیح بخاری باب صفة الجنة والنار ص ۷۰ ج ۲ و ۲ لہ صحیح مسلم باب من فضائل الانصار رضی اللہ عنہم ص ۳۰۵ ج ۲۔

آیاتہا ۱۱ — (۶۲) سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۰) — رکوعاتہا ۲

یہ سورۃ الجمعہ مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ،

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں بادشاہ پاک ذات زبردست حکمت والا وہی ہے جس نے

بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اُٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول اُنہی میں کا پڑھتا اُن پاس اُس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا اور سکھاتا کتاب اور عقلمندی

کے لحاظ سے صحیح بخاری کی ابوہریرہؓ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہجرت میں گھربار چھوڑنے کی بزرگی نہ ہوتی تو میں اپنی گنتی انصار میں لگاتا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ یہود کی ایذا رسے بچانے کے لیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا تو اسّی اکاسّی برس تو عیسائی دین اچھی طرح چلا بعد اس کے بولس یہودی کے بہکانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں تین گروہ ہوگئے۔ بعضے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور بعضے خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اور بعضے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول کہتے ہیں۔ اس آخری گروہ اور پہلے دونوں گروہ کی اُسی زمانے میں لڑائی بھی ہوئی اور پہلے دونوں گروہ کی تعداد اُس وقت زیادہ تھی، اس لیے اس لڑائی میں وہی غالب رہے لیکن نبی آخر الزماںؐ کے نبی ہوجانے کے بعد اُس آخری گروہ کے عقیدہ کے اہل اسلام بہت سے ہوگئے اور بہت سی لڑائیوں میں مخالفوں پر غالب آگئے۔ چنانچہ روم کے بعضے قلعے تو حضرت عثمانؓ کی خلافت میں فتح ہوئے اور پھر ہشام بن عبدالملک وغیرہ کی خلافت میں بڑی بڑی فتوحات اہل اسلام کو ہوئیں، تاریخ کی صحیح کتابوں میں جن کا تفصیل وار ذکر ہے، اسی طرح آخری زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام دُنیا میں آئیں گے تو اس آخری گروہ کے عقیدہ کے ایماندار لوگ اُن کے ساتھ ہوں گے اور یہی لوگ مخالفوں پر غلبہ حاصل کریں گے۔ اسی غلبہ کا ذکر اِن آیتوں میں ہے ؛

اتنا ہم ماس سورۃ میں جمعہ کی نماز کا ذکر ہے اس لیے اس سورۃ کا نام سورہ جمعہ ہے۔ بعضے علماء نے جمعہ کی نماز کو بھی کفایہ لکھا ہے لیکن صحیح مذہب یہی ہے کہ اور فرض نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز فرض عین ہے۔ چنانچہ اِس مذہب کی تائید کا بیان آیندہ کی آیتوں کی تفسیر میں آتا ہے۔ حدیثؓ شریف میں آیا ہے کہ تین جمعہ کی نماز کو جو شخص بغیر عذر کے محض سستی سے چھوڑ دیوے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ بعضی روایات اس حدیث کی معتبر ہیں۔ ضرورت ہو تو اکثر علماء کے نزدیک جمعہ کی نماز سے پہلے جمعہ کے دن سفر کرنا جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں فقط خطبہ کے وقت کی اذان تھی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں خطبہ سے پہلے کی اذان کے سوا ایک اور اذان شروعؓ ہوئی اور

لہ صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لولا الهجرة لكنت من الانصار۔ ص ۵۳۳ ج ۱ ؎۲ مشکوٰۃ شریف باب فی وجوب الجمعۃ۔ فصل ثانی۔ ص ۱۲۱ ؎۳ مشکوٰۃ شریف باب الخطبۃ والصلوٰۃ۔ فصل اوّل ص ۱۲۳۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ

اور اس سے پہلے پڑے تھے وہ صریح بھلاوے میں اور ایک اوروں کے واسطے انھیں میں سے جو ابھی نہیں ملے ان میں اور

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

وہی ہے زبردست حکمت والا یہ بڑائی اللہ کی ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ کا فضل

الْعَظِيْمِ ۝۴

بڑا ہے ۔

سب صحابہ نے اس کو جائز رکھا۔ امام کو خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے۔ امیر معاویہ نے اپنی خلافت میں بیٹھ کر جو خطبہ پڑھا ہے اس پر اور صحابہ نے اعتراض کیا ہے۔ غسل کرنا جمعہ کے دن بہتر ہے لیکن بغیر غسل کے بھی جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک جمعہ کی نماز کا وقت وہی ظہر کا وقت ہے۔ صرف امام احمد بن حنبل کے نزدیک جمعہ کی نماز زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔ بعض حدیثوں سے اگرچہ اس حنبلی مذہب کی تائید ہوتی ہے، لیکن جمہور علماء نے ان حدیثوں کا طرح طرح سے جواب دیا ہے۔ جمعہ کی نماز کے لیے چالیس آدمیوں کی جماعت کا ہونا اور بڑی بستی کا ہونا جو بعضے علماء نے شرط کے طور پر لکھا ہے، یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ خطبہ ہوتے وقت دُنیا کی بات کرنا منع ہے۔ جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت سنّت کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن قبولیت دعاء کی گھڑی عصر سے غروب تک کے وقت میں ہے۔ جمعہ کی نماز کے بعد دو سنتیں اکثر آنحضرت ؐ نے پڑھی ہیں اور چار رکعتوں کا ارشاد بھی آپؐ نے فرمایا ہے۔ خطبہ چھوٹا پڑھنا اور جمعہ کی نماز لمبی پڑھنا سنّت ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے خطبہ سنت ہے۔ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں الم سجدہ اور سورہ دھر کا پڑھنا اور جمعہ کی نماز میں کبھی سورہ جمعہ اور سورۃ منافقون کا اور کبھی سبح اسم اور سورۃ غاشیہ کا پڑھنا آنحضرت ؐ سے ثابت ہے۔ جمعہ اور عید ایک دن مل کر آویں تو ایک نماز مستحب رہ جاتی ہے۔ خطبہ ہوتے وقت تحیۃ الجمعہ کی دو رکعتیں پڑھنے اور نہ پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن قوی مذہب یہی ہے کہ خطبہ کے وقت ان کا پڑھنا جائز ہے حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحیۃ المسجد کے علاوہ ہیں۔ مسواک کرنا، سفید کپڑے پہننا، خوشبو لگانا جمعہ کے دن سنت ہے۔ خطبہ شروع ہونے سے پہلے جمعہ کے دن جامع مسجد میں پہنچ جانا بڑا ثواب ہے۔ صفیں چیرنا اور لوگوں کو روندنا منع ہے۔ امام پیچھے آتے اور صف کو چیر کر اپنی جگہ پر جاتے تو جائز ہے[1]۔ ہجرت سے پہلے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور قرآن شریف کا ذکر کرنے سے پہلے اپنی آسمان و زمین کی بادشاہت کا ذکر اس لیے فرمایا کہ مکہ کے مشرک لوگوں کو یہ تنبیہ ہو جائے کہ آسمان و زمین اور ان میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اِسی واسطے ہر چیز اپنی حالت کے موافق اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح اور اس کی تعظیم اور عبادت میں لگی ہوئی ہے۔ باوجود اس کے جن و انس میں جو کوئی اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور عبادت میں کسی کو

[1] مذکورہ بالا سب مسائل کے لیے مشکوٰۃ شریف ابواب متعلقہ جمعہ ملاحظہ فرمایئے ص ۱۱۹ تا ۱۲۵ ۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ

کہاوت اُن کی جن پر لادی توریت پھر نہ اٹھائی انھوں نے جیسے کہاوت گدھے کی پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں۔ بری

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۵

کہاوت ہے اُن لوگوں کی جنھوں نے جھٹلائیں اللہ کی باتیں۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔

شریک کرتا ہے وہ بڑی غلطی پر ہے۔ اِس تنبیہ سے مقصود یہ ہے کہ شرک کی خرابی سے یہ لوگ آگاہ ہو جائیں گے تو قرآن شریف کے موافق اللہ تعالیٰ کے رسول اُن کو توحید کا راستہ جو بتلاتے ہیں اُس راستہ کی اُن کے دِل میں عظمت پیدا ہو جائے گی اور توحید کی عظمت کے سبب سے یہ لوگ شرک کو بُرا جاننے لگیں گے۔ اُوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں نبوت کے قائم رہنے کی دعا کی اور اُن کی وہ دُعا اُن کے دونوں بیٹوں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ کے حق میں قبول ہو کر ایک مدت تک حضرت اسحٰق کی اولاد اور اولاد الاولاد میں نبوت رہی۔ اب اس دُعا کے اثر سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلّم پیدا ہوئے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا اثر اُن کے دونوں بیٹوں کی اولاد میں پُورا ہو جائے اور اُن کی دُعا کا کوئی جُز رائیگاں نہ جائے۔ عرب کی قوم میں سے ملّتِ ابراہیمی کا عمل اُٹھ کر اُن میں جہالت اور اُس جہالت کے سبب سے بُت پرستی پھیل گئی تھی، اس لیے عرب کو اُن پڑھ فرمایا اور یہ فرمایا کہ نبی آخر الزمانؐ اور قرآن کی ہدایت سے پہلے یہ لوگ بے راہ ہو رہے تھے۔ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن کے ساتھ جہاں حکمت کا لفظ آتا ہے اُس کے معنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کے ہوتے ہیں۔ سورۂ اعراف کی آیت قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا اور سورۂ سبا کی آیت وما ارسلناک الا کافۃ للناس سے اور صحیح احادیث سے آپ کی نبوت کا جن و انس کے لیے عام ہونا تو ظاہر ہے اس لیے ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی پیدائش تو عرب میں ہے لیکن آپ کی نبوت عرب و عجم وغیرہ سب مخلوقات کے لیے قیامت تک عام ہے۔ اسی واسطے جو لوگ اِن آیتوں کے نازل ہونے تک موجُودہ عرب کی قوم سے علیحدہ ہیں۔ وَاٰخرین منھم لما یلحقوا بھم فرمایا اور قیامت تک کے قرآن پر ایمان لانے والے لوگوں کو آیت کے حکم میں داخل کر دیا گیا۔ یہود کو یہ جو حسد تھا کہ نبی آخر الزمانؐ بنی اسمٰعیلؑ میں کیوں پیدا ہوئے بنی اسرائیل میں کیوں نہیں پیدا ہوئے۔ اس کا جواب اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ یہ بات اللہ کے فضل اور حکمت کے بالکل برخلاف ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام کے ایک بیٹے کی اولاد میں تو ایک مدت تک نبوت رہی اور دُوسرے بیٹے کی نسل کو اللہ تعالیٰ اپنے اِس فضل و کرم سے محرُوم رکھے۔ اس واسطے اللہ کے اس فضل و کرم پر کسی کو حسد کا کوئی موقع نہیں ہے۔

۵ تا ۸ ۔ اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت سے پہلے یہود کے دِل میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ عظمت تھی کہ لڑائیوں کے وقت ان کے نام کی برکت سے فتح کی دعا یہ لوگ مانگا کرتے تھے۔ توراۃ میں جو آپؐ کے وصاف تھے اُن سے یہ لوگ آپ کو اِس طرح پہچانتے تھے جس طرح ہر شخص اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ شام کے مُلک کی سکونت چھوڑ کر مدینہ کے اطراف میں یہ لوگ اِسی اِرادے سے آن رہے تھے کہ جب نبی آخر الزمانؐ مدینہ کو آئیں گے تو توراۃ کے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

تو کہہ اے یہود ہونے والو اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوائے تو مناؤ مرنے کو،

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اگر ہو تم سچے اور کبھی نہ منائیں گے مرنا جس واسطے آگے بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ۔ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں

بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى

گنہگار۔ تو کہہ موت وہ ہے جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تم سے ملتی ہے پھر پھیرے جاؤ گے

حکم کے موافق اُن کا ہر طرح ساتھ دیں گے لیکن تورات کے حکم کے موافق عمل کرنے کا وقت جب اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو دکھایا تو ازلی بدبختی کے سبب سے یہ لوگ نبی آخر الزماں کے پورے دشمن ہو گئے اور تورات کی اُن آیتوں کو انھوں نے بالکل بدل ڈالا جن میں نبی آخر الزماںؐ کے اوصاف تھے۔ اسی واسطے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تورات کے حکم کے موافق عمل کرنے کا بوجھ۔ جو ان لوگوں کے ذمہ رکھا گیا تھا اُس بوجھ کو انھوں نے آخر کو اس طرح اٹھایا جس طرح گدھے کی پیٹھ پر کتابیں لادی جاتی ہیں۔ کیونکہ جیسے کہ وہ نادان جانور یہ نہیں جانتا کہ اُس کی پیٹھ پر کیا چیز لدی ہے ایسے ہی یہ نادان لوگ توراۃ بغل میں لیے پھرتے ہیں اور اس بات کو انھوں نے بھلا رکھا ہے کہ توراۃ میں جو لکھا گیا تھا اُس کو اُنھوں نے بدل ڈالا۔ پھر فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو اس طرح جھٹلائیں اور بدلیں اُن کی مثال بُری گویا گدھے سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ گدھا تو ناسمجھ ہے اور اُنھوں نے جو کچھ کیا وہ جان بوجھ کر کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف لوگوں کو مجبور کر کے راہِ راست پر لانا نہیں چاہتا کس لیے کہ اس طرح کی مجبوری کی طاعت اُس کی بارگاہ میں قبول نہیں۔ یہ بھی گزر چکا ہے کہ یہودی لوگ سوا اپنے اور کسی امت کو جنتی نہیں قرار دیتے تھے اس واسطے فرمایا اے رسول اللہ کے تم اِن لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو مرنے کے ساتھ جنت میں جانے کا یقین کامل ہے تو پھر دُنیا کے جینے کی اس قدر حرص تمھیں کیوں ہے جس سے عقبیٰ کو تم نے بھلا رکھا ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی جنت کے ملنے کا یقین کامل تو یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ موت کی آرزو جلدی سے کرو تاکہ مرتے ہی سیدھے جنت میں چلے جاؤ۔ پھر پیشین گوئی کے طور پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ایسے بد لوگ اپنی بدیوں کے انجام سے ڈر کر موت کی آرزو ہرگز نہیں کرتے بلکہ وہ تو موت کے نام سے بھاگتے ہیں مگر اُن کا یہ جتلا دیا جاتے کہ جس موت کے نام سے یہ لوگ بھاگتے ہیں۔ وہ ضرور ایک دن اُن کو آن دبائے گی اور پھر مرتے ہی ان کا جنت میں جانا تو درکنار بلکہ مرتے ہی فوراً ان کو اپنے کیے کا پورا خمیازہ بھگتنا پڑے گا کیونکہ جو کچھ دُنیا میں یہ لوگ کر رہے ہیں وہ سب اُس غیب دان کو معلوم ہے۔ مسند امام احمد صحیح بخاری[۱] نسائی وغیرہ میں انس بن مالک عبادہ بن صامت اور ابو ہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ بعضے صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ حضرت یہ ہر انسان کی جبلی عادت ہے کہ وہ موت سے گھبراتا ہے۔ اگر اسی کا نام موت سے بھاگنا ہے تو بڑی مشکل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ آدمی کے آخری

[۱] صحیح بخاری باب من احبّ لقاء اللہ احب اللہ لقائہ ص ۹۶۳ ج ۲۔

عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا

اس چھپا اور کھلا جاننے والے پاس پھر جتائے گا تم کو جو کرتے تھے۔ اے ایمان والو جب

نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ

اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو بیچنا۔ یہ بہتر ہے

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا

تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو

وقت کا اس باب میں بڑا اعتبار ہے کیونکہ اس وقت نیک آدمی کو رحمت کے فرشتے نظر آتے ہیں جو اس کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس سے اس کے چہرے پر ایک طرح کی بشاشت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور بدآدمی کو اس وقت عذاب کے فرشتے نظر آتے ہیں اور اس کو دوزخ کے عذاب میں پکڑے جانے کا حال سناتے ہیں جس سے اس کے چہرے پر ایک طرح کے غم کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ان آیتوں میں موت سے بھاگنے کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں، جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں ایسے گرفتار اور عقبیٰ سے ایسے غافل ہیں کہ حالتِ صحت میں تو ان کا موت کو یاد کرنا درکنار بلکہ یہ لوگ تو اپنی بد اعمالی کے سبب سے اس وقت بھی موت سے بھاگتے نظر آئیں گے جب موت بالکل ان کو آن دبائے گی اور موت کے وقت کے فرشتے ان کو نظر آنے لگیں گے۔ معتبر سند کی ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا اے لوگو، موت کو اکثر یاد کیا کرو کہ موت کو یاد کرنے سے آدمی کا دل دنیا کی راحتوں سے زیادہ آلودہ نہیں رہتا۔ جبلی عادت کے موافق حالتِ صحت میں ہر انسان جو موت سے گھبراتا رہتا ہے طبیب روحانی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جبلی مرض کا علاج اور علاج کا فائدہ ہر مسلمان کو بتایا ہے۔ یہ حدیث بھی ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے۔

۹-۱۰- صحیح بخاری، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں سائب بن یزید سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی ابتداء خلافت اس تمام عہد میں جمعہ کے دن کی فقط ایک وہی اذان تھی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت کہی جاتی تھی۔ اس کے بعد جب مدینہ میں آدمیوں کی کثرت ہو گئی تو حضرت عثمان علیہ السلام نے اپنی خلافت میں خطبہ کی اذان سے پہلے ایک اور اذان کا حکم دیا۔ یہ اذان مدینہ کے بازار کے ایک بلند مقام پر دی جاتی تھی جس مقام کا نام زوراء ہے۔ اس حدیث کی بنا پر سلف نے اس آیت کی تفسیر میں اسی اذان کا ذکر کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے وقت تھی۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں ابوہریرہؓ اور ابن ام مکتوم سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ابن ام مکتوم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت میں نابینا آدمی ہوں۔ بعضے وقت کوئی آدمی مجھ کو مسجد تک پہنچانے والا نہیں ملتا۔ کیا ایسی حالت میں فرض نماز میں اپنے گھر میں پڑھ سکتا ہوں۔ پہلے تو آپؐ نے ان کو گھر میں فرض نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ پھر فرمایا کہ اذان کی آواز تمہارے گھر تک پہنچتی ہے اس لیے تم کو جماعت کی نماز میں حاضر ہونا چاہیے۔

۱؎ مشکوٰۃ شریف باب فی تمنی الموت۔ فصل ثانی۔ ص ۱۴۱۔ ۲؎ صحیح بخاری باب الاذان یوم الجمعۃ ص ۱۲۴ ج ۱۔ ۳؎ صحیح مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ و بیان التشدید فی التخلف عنہا الخ ص ۲۳۲ ج ۱ و ابوداؤد۔ باب التشدید فی ترک الجماعۃ ص ج ۱۔

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ⑩

فضل اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت سا شاید تمہارا بھلا ہو۔

اسی مضمون کی بعض حدیثیں جمعہ کے باب میں بھی ہیں کہ جمعہ کی اذان سننے والوں کو جمعہ کی جماعت میں حاضر ہونا چاہیے ، اگرچہ جمعہ کی حدیثوں کی سند میں کلام ہے لیکن صحیح مسلم اور ابوداؤد کی روایتیں جو بیان کی گئیں۔ اُن سے اُن جمعہ کی روایتوں کی تقویت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عام جماعت اور جمعہ کی جماعت میں کچھ فرق نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ سورۂ جمعہ کی اس آیت اور اُن حدیثوں کی بنا پر بعضے سلف کا یہ مذہب ہے کہ جمعہ کی نماز اسی شخص پر فرض ہے جو جمعہ کی اذان سنے۔ ترمذیؒ نے یہی مذہب امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بیان کیا ہے لیکن عراقی نے شرح ترمذی میں امام مالکؒ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ بیان کیا ہے کہ جس بستی میں جمعہ کی اذان ہو، سوا غلام، بیمار، عورتوں اور بچوں کے بستی کے اور سب لوگوں پر جمعہ فرض ہے۔ اس میں اذان کے سننے والے اور نہ سننے والے سب برابر ہیں۔ یہ تو بستی کے اندر رہنے والوں کا حال ہوا بستی کے باہر جو لوگ رہتے ہیں اُن کے باب میں سلف کا اختلاف ہے اور کوئی حدیث صحیح اس باب میں نہیں ہے بلکہ قوی سند کی عبداللہ بن اوفیٰ کی حدیث طبرانی کے کبیر میں بھی یہی ہے کہ جو شخص جمعہ کی اذان سُن کر پھر بھی تین جمعوں تک جمعہ کی نماز میں حاضر نہ ہوگا تو منافقوں کے دل کی طرح اُس کا دل سخت ہو جائے گا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز کی اصل تاکید انہی مسلمانوں کو ہے جو جمعہ کی اذان کی آواز سنیں۔ صحیحینؒ وغیرہ میں جو حدیثیں ہیں اُن میں نماز کو گھر اکر اور دوڑ کر جانے کی مناہی ہے۔ اس لیے سلف نے فاسعوا الی ذکر اللہ کی تفسیر یہ کی ہے کہ جمعہ کی اذان سنتے ہی مسلمان آدمی کو چاہیے کہ خرید و فروخت اور دنیا کے اور کام چھوڑ کر جمعہ کی نماز میں جانے کی تیاری میں لگ جائے۔ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون کا یہ مطلب ہے کہ نیک کاموں کے بدلے میں تم سے جو جنت کے ملنے کا وعدہ جگہ جگہ قرآن میں کیا گیا ہے اگر اُس کو تم سمجھو اور غور کرو کہ جنت کی تھوڑی سی جگہ بھی تمام دنیا سے بہتر ہے تو یہ بات اچھی طرح سے تمہاری سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جمعہ کی اذان سے جمعہ کی نماز کے ختم ہو جانے تک خرید و فروخت کے تھوڑے سے نفع کا خیال نہ کرنا اور اذان کے سنتے ہی جمعہ کی نماز کی تیاری میں مصروف ہو جانا تمہارے حق میں بہتر ہے۔ صحیح بخاریؒ و مسلم کی انس بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گھوڑے سوار آدمی کے گھوڑے کا کوڑا جتنی جگہ میں رکھا جاتا ہے جنت کی نعمتوں کے لحاظ سے جنت کی اتنی سی جگہ بھی تمام دنیا سے بہتر ہے۔ حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔ جمعہ کے دن تجارت کی مناہی فقط جمعہ کی اذان سے لے کر جمعہ کی نماز کے ختم ہونے تک ہے، جمعہ کی شام تک نہیں۔ اس لیے اس کو صاف کھول کر فرما دیا کہ جب جمعہ کی نماز ہو چکے تو ہر مسلمان جو خرید و فروخت چاہے وہ کرے۔ اور اس طرح کی جائز تجارت میں اللہ کے فضل و کرم سے نفع کی اُمید رکھے۔ اکثر سلف نے یہ اپنا تجربہ بیان کیا ہے کہ جس کسی نے ان آیتوں کے حکم کی پابندی تجارت میں کی اُس کو ضرور نفع ہو۔ تجارت بازار میں ہوتی ہے اور بازار

[1] جامع ترمذی باب ما جاء من کم یوتی الی الجمعۃ ص ۹۲ ج ۱۔ [2] الترغیب والترہیب الترہیب من ترک الجمعۃ بغیر عذر ص ۸۰ لکن رواہ عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ۔ [3] صحیح بخاری باب ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا ص ۸۸ ج ۱۔ [4] صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ والنار ص ۹۷۲ ج ۲۔

دنیا کے بدتر مقاموں میں سے ایک مقام ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم[1] میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے سب مقاموں میں جو مقام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں وہ مسجدیں ہیں اور ناپسند مقام بازارات ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ مسجدوں میں اکثر ذکرِ الٰہی ہوتا رہتا ہے اور بازارات میں اکثر جھوٹ، کم تولنا، کم ناپنا اسی قسم کی آفتیں رہتی ہیں۔ غرض بازار بڑی غفلت اور آفت کی جگہ ہے اسی لیے فرمایا کہ جو تجارت پیشہ آدمی بازار میں جائے اس کو چاہیے کہ کثرت سے ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے کہ بازار کی آفتوں سے بچنے کی بھلائی اس کے ہاتھ سے نہ جائے۔ بازار ایک خاص غفلت اور خرابی کی جگہ ہے اس لیے وہاں ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنے اور اس کے اجر کے باب میں صحیح حدیثیں ہیں اور اس موقع کے خاص خاص ذکر اذکار کا بھی بعض حدیثوں میں آئے ہیں۔ یہ سب حدیثیں آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں۔ اس آیت میں جو خطبہ کے سننے کی تاکید ہے اس سے اور اس مضمون کی حدیثوں سے اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ خطبہ کا سننا نہایت ضروری اور خطبہ کے وقت بات چیت حرام ہے۔ فقط امام شافعی اور امام احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جو لوگ امام سے اس قدر قریب ہوں کہ ان کو خطبہ کی آواز سنائی دیتی ہو یہ خطبہ کے سننے کی تاکید انہی لوگوں کے لیے ہے دور والوں کے لیے نہیں۔ اگرچہ بعضے علماء کا یہ مذہب ہے کہ جس شخص کو خطبہ کا کچھ بھی حصہ نہ ملے اس کی جمعہ کی نماز نہیں ہوتی لیکن نسائی[2]، ابن ماجہ، دارقطنی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو جمعہ کی ایک رکعت بھی مل گئی اس کی جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ خطبہ سنت ہے اور بغیر خطبہ سننے کے جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث کی سند کو بعضے علماء نے اگرچہ ضعیف بتایا ہے لیکن اس حدیث کی کئی سندیں ہیں جس کے سبب سے ایک سند کو دوسری سند سے تقویت ہو جاتی ہے۔ علاوہ اس کے صحیح بخاری[3] و مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کو کسی جماعت کی نماز کی ایک رکعت بھی مل گئی تو اس کو جماعت کی نماز کا ثواب مل جاتا ہے۔ اس صحیح حدیث سے بھی عبداللہ بن عمر کی حدیث کو تقویت ہو جاتی ہے کیونکہ عام جماعت کی نماز اور جمعہ کی جماعت کی نماز میں کچھ فرق نہیں ہے۔ جس شخص کی جمعہ کی نماز جاتی رہے اس میں علماء کا قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن کی اصلی فرض نماز ظہر کی نماز ہے جو پانچوں وقت کی نماز کے ساتھ معراج کی رات فرض ہوئی ہے جس کا ذکر صحیح[4] بخاری و صحیح مسلم کی صحیح روایتوں میں ہے۔ اس لیے جس شخص کو ایک رکعت بھی جمعہ کی نماز کی نہ ملے یا وہ کسی عذر سے جمعہ کی نماز میں حاضر نہ ہو تو اس کو ضرور ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے۔ مسندِ امام[5] احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور صحیح ابنِ خزیمہ میں کعب بن مالک کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انصار نے جمعہ کی نماز ہجرتِ نبوی سے پہلے پڑھی ہے۔ اس سے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس قصہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ مکہ میں فرض ہو گیا تھا لیکن قریش کی مخالفت کے

---

[1] صحیح مسلم باب فضل الجلوس فی مصلاہ الخ ص ۲۳۶ ج ۱ [2] مشکوٰۃ شریف باب فی خطبۃ الجمعۃ ووقت صلوتھا فصل ثالث ص ۱۲۴ - ولکن رواہ عن ابی ھریرۃ [3] صحیح بخاری باب من ادرک من الصلوٰۃ رکعۃ ص ۸۲ ج ۱ و صحیح مسلم باب من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ الخ ص ۲۲۱ ج ۱ [4] صحیح بخاری باب المعراج ص ۵۴۸ ج ۱ و صحیح مسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۹۱ ج ۱ [5] ابوداؤد۔ باب الجمعۃ فی القریٰ ص ج ۱۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ

اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا کھنڈ جائیں اُس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا۔ تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے

عذر کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تو ظہر پڑھتے رہے اور انصار کو آپ نے جمعہ کی نماز پڑھنے کا حکم دے دیا حاصل یہ ہے کہ آپ کے اس فعل سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص کی جمعہ کی نماز کسی عذر سے جاتی رہے وہ ظہر کی نماز پڑھے کعب بن مالک کی یہ حدیث صحیح ہے، ابن خزیمہ نے اُس کو صحیح کہا ہے۔ مسند امام احمد صحیح مسلم[1]، ابوداؤد وغیرہ میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر جمعہ کے دن دو خطبے پڑھا کرتے تھے۔ پہلا خطبہ پڑھ کر تھوڑی دیر منبر پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور پھر اُٹھ کر دُوسرا خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے کہ جمعہ کے دن امام کو دو خطبے پڑھنے چاہئیں۔ باقی تین اماموں کے نزدیک ایک خطبہ بھی کافی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک دونوں خطبوں کے مابین امام کا تھوڑی دیر بیٹھ جانا فرض ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ بیٹھنا سنت ہے خطبے کے وقت یا دونوں خطبوں کے بیچ میں بیٹھنے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ اٹھا کر دعا کا مانگنا ثابت نہیں ہے۔ ہاں ایک دفعہ کے قحط میں آپ نے مینہ برسنے کی دعا جمعہ کے خطبے کے وقت ہاتھ اٹھا کر کی ہے جس کا ذکر انس بن مالک[2] کی حدیث میں صحیح بخاری وغیرہ کی روایت سے ہے قل ما عند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے کہ نیک کاموں کی جزا اللہ تعالیٰ نے جنت ٹھہرائی ہے جس کی تھوڑی سی جگہ بھی تمام دنیا سے بہتر ہے واللہ خیر الرازقین کا یہ مطلب ہے کہ آدمی کے رزق کے سب اسباب مثلاً آسمان سے مینہ کا برسانا زمین میں پیداوار کی قوت کا عطا کرنا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اُس پر آدمی کو رزق کا بھروسا کرنا چاہیے، ایسا آئندہ نہ کرنا چاہیے کہ ارزانی غلہ ملنے کے دھن میں کچھ لوگ خطبہ چھوڑ کر بنجارہ کے ٹانڈے میں چلے گئے جس کا ذکر آگے آتا ہے معتبر سند سے مستدرک حاکم[3] میں معقل بن یسار کی حدیث قدسی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری عبادت میں لگا رہے گا میں اُس کو پورا رزق دوں گا۔ واللہ خیر الرازقین کی یہ حدیث قدسی گویا تفسیر ہے۔ قرآن کے علاوہ جو اللہ کا کلام حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے رسول کو پہنچایا ہے اُس کو حدیث قدسی کہتے ہیں جو کوئی دینی بات از خود اللہ کے رسول نے اپنے مُنہ سے فرمائی اُس کو قولی حدیث کہتے ہیں اور جو دینی کام آپ نے کیا اُس کو فعلی حدیث کہتے ہیں۔ آپ کے روبرو کسی صحابی نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا اور آپ نے اُس کو جائز رکھا تو وہ تقریری حدیث کہلاتی ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس لیے آپ کا قول و فعل تقریر سب واجب الاطاعت ہے لیکن نبوت کا زمانہ ہم لوگوں سے دُور ہو گیا ہے جس کے سبب سے بہت راویوں کے واسطے سے ہم لوگوں تک اللہ کے رسول کی حدیث پہنچتی ہے اور راویوں میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ اس واسطے روایت کے سلسلہ کی صحت کو جانچ لینا ہمارا کام ہے۔ اردو کی شاید یہ پہلی تفسیر ہے جس میں یہ کام خوب جانچ کر کیا گیا ہے۔

[1] صحیح مسلم باب یخطب الخطبتین قائماً ص ۲۸۳ ج ۱ [2] صحیح بخاری باب الاستسقاء فی الخطبۃ یوم الجمعۃ ص ۱۲۷ ج ۱ صحیح بخاری باب الاستسقاء فی الخطبۃ یوم الجمعۃ ص ۱۲۷ ج ۱ [3] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی الفراغ للعبادۃ الخ ص ۲۰۱ ج ۲۔

مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

تماشے سے اور سودے سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا۔

آیاتہا ۱۱ — (۶۳) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۴) — رکوعاتہا ۲

یہ سورۃ منافقون مدنی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا جَاۗءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ

جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے

۱۱۔ صحیحین وغیرہ میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے اِن آیتوں کی شانِ نزول کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں عید کی طرح جمعہ کا خطبہ نماز کے بعد ہوا کرتا تھا۔ نماز کے بعد خطبہ سننے سے پہلے صحابہؓ بنجارہ کو دیکھنے چلے گئے تھے۔ اُس پر یہ خفگی کی آیتیں آخر سورہ تک نازل ہوئیں۔ اس بنجارہ کے ساتھ ایک نقارہ بھی تھا۔ مدینہ میں آنے کے بعد وہ نقارہ بجا دیا جاتا تھا تاکہ بنجارہ کے آنے کی خبر لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ یہ بنجارہ شام کے ملک کی طرف سے ہر طرح کی ضرورت کی چیزیں لایا کرتا تھا۔ اِن آیتوں کے نازل ہونے کے زمانے میں جب یہ بنجارہ آیا تو اُس وقت مدینہ میں بہت گرانی تھی۔ اس گرانی کے سبب سے بنجارہ کے نقارہ کی آواز سنتے ہی بہت سے صحابہ خطبہ کے سننے کی تاب نہ لا سکے۔ صرف بارہ آدمیوں کے قریب مسجدِ نبوی میں باقی رہ گئے اور سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ پڑھتے چھوڑ کر بنجارہ کی طرف یہ خیال کر کے چلے گئے کہ نماز کے بعد خطبہ سننے کے لیے ٹھیرنا ضروری نہیں ہے۔ بنجارہ کے نقارہ کی آواز کو ہی اِن آیتوں میں تماشا فرمایا ہے۔

ا تا ۴۔ زبان سے تو منافق لوگ قسمیں کھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ لیکن اُن کے دل میں کفر اور نفاق بھرا ہوا تھا۔ اس واسطے فرمایا کہ یہ لوگ زبان سے ایمان اور اسلام کی باتیں کرتے ہیں مگر اُن کے دل کے نفاق کے سبب سے جس کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں کیونکہ اُن کی زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے۔ بیچ میں اپنے رسول کی تسکین کے لیے یہ بھی فرمایا کہ اللہ قسم کھا کر اس بات کی صداقت ادا کرتا ہے کہ اے نبی اللہ کے تم اللہ کے رسول ہو لیکن اِن منافقوں کی دو دلی کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے کہ جو کچھ زبان سے نیک بات یہ لوگ کہتے ہیں اُس نیک بات کا اثر اِن لوگوں کے دل تک نہیں پہنچتا۔ صحیح حدیث اُوپر گزر چکی ہے کہ بغیر توبہ کے گناہ پر گناہ کرتے کرتے آدمی کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے جس سے نیک بات اُس کے دل پر اثر نہیں کرتی۔ اس زنگ کو دل کی مُہر فرمایا۔ بعضے مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ یہ آیت مرتد لوگوں کی شان میں ہے

۱ صحیح بخاری تفسیر سورۃ الجمعۃ ص ۷۲۷ ج ۲ و صحیح مسلم باب یخطب الخطبتین قائما الخ ص ۲۸۴ ج ۱ ۲ جامع ترمذی تفسیر سورۃ ویل للمطففین ص ۱۹۱ ج ۲۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ رکھی ہیں اپنی قسمیں ڈھال بناکر پھر روکتے ہیں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ

اللہ کی راہ سے۔ یہ لوگ بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں یہ اس پر کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہوگئے پھر مُہر ہوگئی

عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا

اُن کے دل پر کہ اب وہ نہیں بوجھتے اور جب تُو دیکھے اُن کو خوش لگیں تجھ کو اُن کے ڈیل اور اگر بات کہیں

یہ قول ضعیف ہے، صحیح قول یہی ہے کہ جس طرح اور آیتوں میں منافقوں کا ذکر ہے یہ آیت بھی منافقوں کی شان میں ہے کیونکہ جھوٹی قسمیں کھانا منافقوں کی ایک خاص نشانی ہے۔ چنانچہ اس باب میں صحیح حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ منافق کی ہر بات جھوٹی ہوتی ہے[1]۔ ان منافقوں کی جھوٹی قسموں کا سبب یہ فرمایا کہ انھوں نے اپنے ظاہری اسلام پر جھوٹی قسمیں کھاکر اپنے جان و مال کے بچاؤ کی ایک ڈھال اُن قسموں کو ٹھیرا رکھا ہے جس سے خود بھی یہ گمراہ ہیں اور بعضے اور ناوانوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، عبداللہ بن اُبیّ، جد بن قیس، معتب بن قشیر منافقوں میں رو دار لوگ تھے، اُن کی چالیں دیکھ کر اُن کی قوم کے اور ناداں لوگ بھی اِن کے ڈھنگ سیکھتے تھے، اس لیے یہ فرمایا کہ یہ خود بھی گمراہ ہیں اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، پھر فرمایا جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اُن کے حق میں بُرا ہے۔ کس لیے کہ سوا اللہ تعالیٰ کے اُن کے دل کا حال کسی کو معلوم نہیں، اس واسطے ایماندار لوگ مجلس میں اُن کی سی باتیں کرکے دونوں کو بہکا لیتے ہیں، اور اُن کے دل پر زنگ لگ جانے سے یہ لوگ اپنے کاموں کی بُرائی کو نہیں سمجھ سکتے بلکہ اپنی بدعادت کی بُرائی کے سمجھنے کے بجائے اُن کی یہ بدعادت اُن کو ایسی بھلی معلوم ہونے لگی ہے کہ رات دن اسی میں لگے رہتے ہیں۔ اور رات دن اس عادت کے نہ چھوڑنے کے سبب سے اُن کے دل میں یہ عادت ایسی بس گئی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے رُوبرو بھی جھوٹی قسمیں کھاکر یہ لوگ اپنے آپ کو ایماندار بتائیں گے اور اُس جھوٹے ایمان سے اپنی نجات کی توقع رکھیں گے لیکن اس غیب داں کے روبرو کسی کا دھوکا کیا چل سکتا ہے۔ اِن کا یہ دھوکا اِن کو اسی قسم کی یہ سزا دلوائے گا کہ پُل صراط کے اندھیرے کو طے کرنے کے لیے جب پکے ایماندار لوگوں کو روشنی ملے گی تو اس کی زبانی ایمان کی مدھم روشنی کے موافق اُن کو بھی کچھ روشنی مل جائے گی جو پُل صراط کے عین اندھیرے میں بُجھ جائے گی اور یہ لوگ آخر دوزخ کے نیچے کے طبقے میں گر پڑیں گے۔ منافقوں کے دوزخ کے طبقہ کا حال سورۃ النساء میں اور اُن کی روشنی کے بُجھ جانے کا حال سورۃ الحدید میں اور اللہ تعالیٰ کے رُوبرو اُن کی جھوٹی قسمیں کھانے کا حال سورۃ المجادلہ میں گزر چکا ہے۔ اب آگے منافقوں کے ایک اور حال کا ذکر فرمایا کہ اُن کی صورت شکل ڈیل ڈول سے چرب زبانی سے اور مسجدِ نبوی کی دیواروں سے لگ کر بڑی توجہ کے ساتھ بیٹھ جانے سے تو دیکھنے والے کو اُن کی ظاہری حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بات کے سمجھنے کا پورا مادہ ہوگا۔ لیکن اُن کی شامتِ اعمال سے اُن کے دلوں پر وہ زنگ چھایا ہوا ہے کہ اُن کا وہ دیوار سے لگ کر بڑی توجہ کے ساتھ بیٹھنا بالکل ایسا ہے جس طرح کڑی یا شہتیر دیوار سے لگا کر کھڑے کر دیئے ہیں کہ جن میں بات کے سمجھنے کا کچھ بھی مادہ نہیں

[1] صحیح بخاری باب علامۃ المنافق ص۱۰ ج ۱۔

تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِهِمۡؕ كَاَنَّهُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌؕ يَحۡسَبُوۡنَ كُلَّ صَيۡحَةٍ عَلَيۡهِمۡؕ هُمُ

سنے تو ان کی بات کیسے ہیں جیسے لکڑی لگا دی دیوار سے جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی ۔ وہی ہیں

الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡهُمۡؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ۝۴ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا

دشمن ان سے بچتا رہ گردن مارے اُن کی اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں اور جب کہیے اُن کو آؤ

يَسۡتَغۡفِرۡ لَكُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ لَوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ وَرَاَيۡتَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ وَهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝۵

معاف کروا دے اُن کو رسول اللہ کا مٹکاتے اپنے سر اور تو دیکھے کہ وہ رُکتے ہیں اور غرور کرتے ہیں ۔

ہوتا اور اُن کی دودلی کے سبب سے اُن کا دل کسی طرف سے مطمئن نہیں ہے اِس لیے کوئی صدمہ پیش آجانے کا کھٹکا اِن کے دل میں ہر وقت لگا رہتا ہے مثلاً دو مسلمان آپس میں باتیں کریں تو اُن کو خیال ہوتا ہے کہ شاید اِن ہی کی مذمت میں کوئی نئی آیت اتری ہے۔ اُسی کا یہ چرچا ہو رہا ہے اور لڑائی چڑھائی کا کچھ تذکرہ ہو تو یہ وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم کو بھی لڑائی پر جانا پڑے گا۔ پھر معلوم نہیں کہ لڑائی کا انجام کیا ہو۔ اگر ہو سکے تو دشمنوں کے فائدہ کی کوئی جاسوسی کی جائے تاکہ دشمنوں سے بھی میل بنا رہے۔ اِسی واسطے فرمایا کوئی بھید کی بات اُن کے رُوبرو کہنے سے بچنا چاہیے۔ آخر کو فرمایا جب باوجود اس قدر فہمائش کے بھی یہ لوگ راہِ راست سے پھرے جاتے ہیں اور اپنی بدعادتوں سے باز نہیں آتے تو ان پر خدا کی پھٹکار ہے۔ مسند امام احمد، ترمذی[1] صحیح ابن حبان وغیرہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ازل میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو آدم علیہ السلام کی پُشت سے نکالا تو اُن کو ایک ہدایت کی روشنی تقسیم کی گئی تھی۔ جو لوگ دُنیا میں آنے کے بعد راہِ راست پر آنے والے تھے۔ اُن کو اس روشنی نے نورانی حالت میں کر دیا۔ اور جو لوگ راہِ راست پر آنے والے نہیں تھے۔ وہ اندھیرے میں رہ گئے۔ ابن حبان وغیرہ نے اِس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ عالمِ مثال میں ہر ایک چیز کی خاص خاص صُورت ہے۔ اس لیے اس حدیث کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ اُجالے اور اندھیرے کی صورت میں وہ بدیاں اور نیکیاں تھیں جن کو اب لوگ دنیا میں اپنے اختیار سے کرتے ہیں۔ باوجود ہر طرح کی فہمائش کے جن لوگوں کے راہِ راست پر نہ آنے کا ذکر اِن آیتوں میں یا اس قسم کی اور آیتوں میں ہے۔ یہ حدیث گویا اُس کی تفسیر ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ازل میں راہِ راست پر دُنیا میں قائم رہنے کا انکار اقرار خالص طور پر نہ تھا۔ اور دُنیا میں آنے کے بعد جس حالت پر یہ لوگ ہیں وہ حالت اُن کی ازلی ہے۔ کسی فہمائش اور نصیحت سے وہ پلٹنے والی نہیں۔ یہ فقط اللہ تعالیٰ کا انصاف ہے جو اُس نے سزا و جزا کا مدار دنیاوی عملوں پر رکھا ہے ازلی حالت پر نہیں رکھا۔ ورنہ اِن کا حال تو اِن کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ پیدا ہونے کے بعد یہ لوگ کیا کریں گے۔ رہی یہ بات کہ اُن کو مجبور کر کے راہِ راست پر لایا جائے۔ یہ انتظامِ الٰہی کے برخلاف ہے۔ کیونکہ انتظامِ الٰہی کے موافق دُنیا نیک و بد کے امتحان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ بد لوگوں کو مجبور کر کے راہِ راست پر لانے کے لیے نہیں پیدا کی گئی ہے۔

[1] جامع ترمذی۔ آخر ابواب الایمان ص ۱۰۴ ج ۲۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ

برابر ہے ان پر تو معافی چاہے ان کی یا نہ معافی چاہے ہرگز نہ معاف کرے گا اللہ ان کو مقرر۔ اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٦﴾ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ

راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو۔ وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو اُن پر جو پاس رہتے ہیں

رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ

رسول اللہ کے جب تک کہ کھنڈ جاویں اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے لیکن منافق

۵ تا ۸۔ ان آیتوں کی تفسیر قصہ طلب ہے اور وہی قصہ اس سورہ کے نازل ہونے کا سبب ہے۔ حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ ایک صحابی انصاری کا ایک صحابی مہاجر سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ یہ جھگڑا اس وقت ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کچھ روایتوں کے موافق تبوک کی لڑائی سے اور بعضی روایتوں کے موافق بنی مصطلق کی لڑائی کے سفر میں تھے۔ اس جھگڑے کو سن کر عبداللہ بن اُبی منافق نے اپنے قبیلہ کے انصار لوگوں سے یہ کہا کہ ہمارے قبیلہ کے لوگوں کی طرف سے ان مہاجرین کی خبر گیری جو کچھ کی جاتی ہے وہ آیندہ بند کر دی جائے تاکہ یہ مہاجر لوگ خرچ برچ سے تنگ ہو کر ہماری بستی سے چلے جائیں اور اس سفر سے مدینہ واپس پہنچنے کے بعد ان مہاجرین کو مدینہ سے نکال دینے کی اور بھی ہر طرح کوشش کی جائے۔ زید بن ارقم صحابی نے عبداللہ بن ابی کی یہ باتیں سنیں اور اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عبداللہ بن اُبی کو بلا کر ان باتوں کی تصدیق کی تو عبداللہ نے قسمیں کھا کر ان باتوں کے کہنے سے انکار کیا اور زید بن ارقم کو جھوٹا ٹھیرایا۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ مجھ کو اپنے جھوٹا ٹھیرنے کا بڑا رنج ہوا آخر اللہ تعالیٰ نے میرے کلام کی تصدیق میں یہ سورہ نازل فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بلایا اور یہ سورۃ پڑھ کر مجھے سنائی اور فرمایا زید بن ارقم اللہ تعالیٰ نے تم کو سچا کیا۔ اس سورہ کی ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد جب عبداللہ جھوٹا قرار پایا تو لوگوں نے عبداللہ سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنے جھوٹ کی ندامت اور اپنے گناہوں کی مغفرت کی دعا کی التجا کرنی چاہیے۔ اس پر غرور سے منکروں کی طرح عبداللہ اپنی گردن مٹکانے لگا۔ اس ذکر کو بھی اللہ تعالیٰ نے خفگی کے طور پر ان آیتوں میں قصہ کے شروع کرنے سے پہلے فرمایا اور اسی ذکر میں یہ بھی فرما دیا کہ اے رسول اللہ کے تم ایسے لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو۔ ایسے ازلی گمراہ لوگ اپنے قصد و اختیار سے راہ راست پر آنے والے نہیں۔ اور ان کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا اللہ کو منظور نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس خفگی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس خفگی کے بعد عبداللہ بیمار پڑا اور کچھ دن بیمار رہ کر منافقانہ حالت میں مر گیا۔ یہ آیتیں عبداللہ کی زندگی کی حالت میں نازل ہوئیں اور اصلی اعتبار شرع میں خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں اس لیے عبداللہ بن ابی کے مر جانے کے بعد عبداللہ کے بیٹے کی خاطر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ عبداللہ کے کفن کے لیے دیا اور عبداللہ کے جنازہ کی نماز پڑھی جس پر سورۃ توبہ کی آیتیں منافقوں کے جنازہ کی نماز پڑھنے کی ممانعت کی نازل ہوئیں۔ چنانچہ یہ پورا قصہ سورۃ توبہ میں گزر چکا ہے۔ اس سورہ کی شان نزول کا جو قصہ اوپر بیان کیا

لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ

نہیں بوجھتے کہتے ہیں اگر ہم پھر گئے مدینے کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے وہاں سے بیقدر لوگوں کو۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ اے ایمان

ع ۱۲

گیا۔ یہ پورا قصہ تو صحیح بخاری[1] میں اس سورۃ کی شان نزول کے طور پر زید بن ارقم کی روایت سے ہے لیکن اُس میں اس لڑائی کا نام نہیں ہے۔ جس لڑائی کے سفر میں یہ قصہ پیش آیا۔

نسائی[2] کی زید بن ارقم کی روایت میں اس لڑائی کا نام جنگ تبوک ہے اور اہل مغازی نے اس لڑائی کا نام جنگ بنی مصطلق لکھا ہے۔ جنگ بنی مصطلق ۵ھ میں ہوئی اور عبداللہ بن ابی کا انتقال بھی اگرچہ ۹ھ میں جنگ تبوک کے بیس یا بائیس دن کے بعد ہوا ہے۔ اس صورت میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ جنگ تبوک کے سفر میں عبداللہ بن ابی شریک تھا اور اس سفر میں اس نے وہ باتیں کہیں جن کا ذکر بخاری کی زید بن ارقم کی روایت میں ہے لیکن یہ مشکل ہے کہ بغوی اور بعضے اور مفسروں نے اس بات کو صراحت سے بیان کیا ہے کہ موسم کی سختی کے سبب سے اسی آدمی کے قریب جنگ تبوک میں جو نہیں گئے۔ عبداللہ بن ابی بھی ان ہی میں سے ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل سورۃ توبہ میں گزر چکی ہے۔ سورۃ توبہ میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ جنگ تبوک کے وقت جلاس بن سوید اس شخص منافق کا اسی قسم کا قصہ پیش آیا تھا جیسا قصہ عبداللہ بن ابی کا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسائی کے بعضے راویوں کو جلاس کے قصہ کی جگہ عبداللہ کے قصہ کا دھوکا ہو گیا ہے ورنہ ترجیح اس قول کو معلوم ہوتی ہے کہ عبداللہ کا قصہ بنی مصطلق کی لڑائی کے وقت کا ہے۔ کیونکہ جنگ تبوک میں عبداللہ کا جانا ثابت نہیں ہوتا۔ اور ان آیتوں کے مضمون کے موافق یہ قصہ حالت سفر کا ہے۔ وللہ خزائن السموات والارض ولکن المنافقین لا یفقھون وللہ العزۃ ورسولہ وللمؤمنین ولکن المنفقین لا یعلمون۔ ان دونوں آیتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ منافقوں کی یہ ناسمجھی اور نادانی ہے۔ جو یہ لوگ مہاجروں کو مفلس، کم عزت غریب الوطن خیال کرتے ہیں، اتنا نہیں سمجھتے کہ مہاجروں نے اپنا مال و اسباب اور گھر بار سب کچھ اس اللہ کے واسطے چھوڑا ہے جس کے حکم میں جہان بھر کے خزانے اور جہان بھر کی عزت ہے وہ ان کی ہجرت کے معاوضہ میں بہت کچھ اُن کو دے سکتا ہے۔ اللہ سچا ہے، اللہ کا کلام سچا ہے۔ جن لوگوں نے تاریخ کی کتابیں دیکھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر بنی عباس کی خلافت کے خاتمہ تک اللہ تعالیٰ نے اس پیشین گوئی کے موافق مہاجرین اور ان کی اولاد کو کیا کچھ دیا۔ ان آیتوں میں قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخر الزمان ہونے کا پورا ثبوت ہے۔ کیونکہ جس کلام میں اس طرح کی غیب کی خبریں ہوں وہ بلاشک اللہ کا کلام ہے اور جن پر یہ کلام اترا وہ بلاشک اللہ کے رسول ہیں۔

۹ تا ۱۱۔ اوپر عبداللہ بن ابی منافق کا ذکر تھا کہ اس نے اپنی دنیا داری کی غفلت میں عقبیٰ کو یہاں تک بھلا دیا تھا کہ طرح طرح

[1] صحیح بخاری، تفسیر سورۃ المنافقون ص ۷۲۷۔ ج ۲ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۰ ج ۴ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۹ ج ۴۔

اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

والو نہ غافل کریں تم کو تمھارے مال اور تمھاری اولاد اللہ کی یاد سے اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ ہیں

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ

ٹوٹے میں آئے۔ اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا اس سے پہلے کہ پہنچے تم میں کسی کو موت تب کہے

کے گناہوں کے بعد جب اُس سے ان گناہوں پر نادم ہو کر اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہونے اور مغفرت کی دُعا کرنے کے لیے کہا گیا تو اُس نے انکار کیا۔ ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ کسی ایماندار آدمی کو منافقوں کی مانند اس طرح دنیا میں گرفتار نہ ہونا چاہیے جس سے اللہ کی عبادت میں فتور پڑ کر اُس کی عقبیٰ خراب ہو جائے۔ ذکرِ الٰہی میں سب عبادت بدنی داخل ہے۔ پھر فرمایا کہ جو کوئی اس حکمِ الٰہی کے برخلاف عمل کرے گا اُس کا بہت نقصان ہوگا۔ صحیح مسلم[1] میں مستورد بن شداد کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت کی خوبیوں کی مثال ایک دریا کی ہے جس دریا کے مقابلہ میں تمام دُنیا ایک قطرہ کے برابر ہے۔ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے ایک قطرہ کے پیچھے ایک دریا کو ہاتھ سے کھو دیا اس کے نقصان کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اب آگے عبادتِ بدنی کے بعد عبادتِ مالی کا ذکر فرمایا۔ صحیح بخاری و مسلم[2] میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اُس کا حاصل یہ ہے کہ بڑا اجر اُس صدقہ و خیرات کا ہے جو آدمی اپنی تندرستی کے زمانہ میں آخری وقت سے پہلے دے دے۔ کیونکہ اوّل تو آخری وقت پر آدمی کہتا کچھ ہے اور اوپر والے عمل کچھ اور کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آخری وقت پر آدمی کا دِل دُنیا کی چیزوں سے اُٹھ جاتا ہے اور یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ دِل سے اتری ہوئی چیز کی خیرات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے آیت اور حدیث کو ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ آدمی کو جو کچھ اپنی عقبیٰ پاک کرنے کے لیے اللہ کے نام پر دینا ہو وہ اپنی زندگی میں دے۔ کیونکہ موت کا وقت اچانک آنے والا ہے اور اس طرح آنے والا ہے کہ پھر وہ ٹل بھی نہیں سکتا۔ اس لیے ایسے وقت پر یا تو خیرات کا ارادہ پورا ہی نہ ہوگا یا ہوگا تو عقبیٰ میں تندرستی کی خیرات کے برابر فائدہ نہ ہوگا۔ آخر کو فرمایا کہ عبادت بدنی یا مالی جس نیت سے انسان کرتا ہے وہ اللہ کو سب معلوم ہے اس لیے جو کچھ کیا جائے وہ خالص عقبیٰ کی نیت سے کیا جائے کہ بغیر اُس کے کوئی عبادت اُس کی بارگاہ میں قبول نہیں۔ معتبر سند سے مسند امام احمدؒ اور مسند بزار وغیرہ[3] میں چند صحابہ کی حدیثیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن سربمہر لوگوں کے اعمال نامہ اللہ تعالیٰ کے رُوبرو پیش ہوں گے جن کے ملاحظہ کے بعد اللہ تعالیٰ ہر ایک عمل کے حق میں فرمائے گا یہ عمل خالص نیت سے کیا گیا ہے اس لیے قابلِ قبول ہے اور یہ عمل ریاکاری کا ہے اس لیے قبول ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں سے یہ بھی فرمائے گا کہ ان ریاکار لوگوں سے کہہ دیا جائے کہ جن کے دکھانے کو تم لوگوں نے یہ عمل کیے ہیں اُنہی سے اِن عملوں کا ثواب مانگ لو۔ اللہ کی بارگاہ سے ایسے عملوں کا کچھ ثواب نہیں مل سکتا۔ مسند بزار[4] کی انس بن مالک کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اعمال ناموں کے ملاحظہ کے بعد بعضے نیک

[1] صحیح مسلم باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامۃ ص ۳۸۳ ج ۲ [2] صحیح بخاری باب فضل صدقۃ الشحیح الصحیح ۱ ص ۱۹۰ ج ۱ صحیح مسلم باب بیان ان افضل الصدقۃ الصحیح الشحیح ص ۳۳۲ ج ۱ [3] و [4] الترغیب والترہیب الترغیب فی الاخلاص والصدق والنیۃ ص ۲۵ ج ۱

رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰﴾ وَ لَنۡ
اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہوتا نیک لوگوں میں ۔ اور ہرگز

یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُہَا ؕ وَ اللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱﴾
ڈھیل نہیں دیگا اللہ کسی جی کو جب آپہنچا اُس کا وعدہ اور اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو ۔

ع ۲ ۱۴

عملوں کو جب اللہ تعالیٰ اعمال ناموں سے خارج کر دینے کا حکم فرمائے گا تو نیک عملوں کے لکھنے والے فرشتے یہ عرض کریں گے کہ یا اللہ ان عملوں میں ظاہری طور پر تو کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اُن فرشتوں سے فرمائے گا تم کو انسان کی نیت کا حال معلوم نہیں مجھ کو خوب معلوم ہے اِن عملوں میں ریاکاری کا میل ہے اس لیے یہ عمل اجر کے قابل نہیں ہیں۔ یہ حدیثیں واللہ خبیر بما تعملون کی پوری تفسیر ہیں، آیت اور اِن حدیثوں کے ملانے سے یہ مطلب نکلا کہ اللہ کو انسان کے عملوں کا ذرا ذرا حال معلوم ہے اور نیک عملوں میں قیامت کے دن بعضی بعضی ایسی در پردہ ریاکاری نکلے گی جس کا حال نیک عمل کے لکھنے والے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ غیب دان کو یہ سب حال معلوم ہے اُس سے کوئی در پردہ بات یا دل کی بات پوشیدہ نہیں اور قیامت کے دِن اجر کے ملنے کا فیصلہ اُسی غیب دان کے علم کے موافق ہوگا جس کا خیال ہر نیک عمل کرنے والے آدمی کو نیک عمل کرتے وقت ضرور رکھنا چاہیے۔ اسی تفسیر میں یہ بھی کسی جگہ گزر چکا ہے کہ جس عمل میں بدعت کا کچھ میل ہوگا، ریاکاری کے عمل کی طرح وہ عمل بھی اجر کے قابل نہیں ہے۔ بدعت اُس عمل کو کہتے ہیں جس کا کچھ پتہ دین کی کتابوں میں نہ لگتا ہو۔ معتبر سند سے مسند امام احمدؒ، ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں تمیم داری کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض عبادت کا کوئی جزو[1] کسی طرح ادا نہ ہوگا تو قیامت کے دِن اُس کی تکمیل نفلی عبادت سے ہو جائے گی۔ اس حدیث کو مسند بزار کی انس کی حدیث کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب نکلا کہ ریاکاری ایسی بدتر چیز ہے جس کے نقصان کی تکمیل کسی دوسری نفلی خالص عمل سے بھی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے میل سے نیک عمل بالکل رائیگاں ہو جاتا ہے اس بلا سے ہر ایک مسلمان آدمی کو بہت بچنا چاہیے تاکہ قیامت کے دن نیکی برباد گناہ لازم کا مضمون نہ پیش آجائے۔ صحیح بخاریؒ وغیرہ کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث اُوپر گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ کسی بُرے کام کا آدمی کے دِل میں خیال آجائے اور پھر اُس خیال کے موافق آدمی وہ بُرا کام نہ کرے تو فقط خیال پر کوئی بدی اُس شخص کے اعمال میں نہیں لکھی جاتی۔ بلکہ اِس بُرے خیال کے چھوڑ دینے کے اجر میں ایک نیکی نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی نیک کام کے وقت دنیا کے دکھاوے کا خیال آدمی کے دِل میں آجائے۔ اور وہ اُس خیال کا میل اُس نیک کام میں نہ ہونے دے بلکہ فوراً اُس خیال کو دل سے دفع کردے تو فقط خیال سے وہ نیک عمل اکارت نہیں جاتا۔

[1] ابوداؤد۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل صلوٰۃ لا یتمہا صاحبہا تتم من تطوعہ ص ۱۲۵ ج ۱ [2] صحیح بخاری باب من ھم بحسنۃ او سیئۃ ص ۹۶۰ ج ۲۔

آیاتہا ۱۸ — (۶۴) سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۸) — رکوعاتہا ۲

سورة تغابن مدنی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

پاکی بولتا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اسی کا راج ہے اور اُسی کو تعریف ہے۔ اور وہی ہر چیز کر

قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

سکتا ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایماندار اور اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③

بنائے آسمان اور زمین تدبیر سے اور صورت کھینچی تمہاری پھر اچھی بنائی تمہاری صورت۔ اور اسی کی طرف پھر جانا ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کچھ کھولتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

جیوں کی بات۔

اتا ہم بے جان چیزوں کی تسبیح کا ذکر اوپر گزر چکا ہے لہ الملک ولہ الحمد کا یہ مطلب ہے کہ زمین و آسمان میں اُسی کی ساری بادشاہت ہے۔ اس لیے ہر ایک چیز زمین و آسمان کی اپنے اپنے حال کے موافق اسی کی حمد و ثنا میں لگی ہوئی ہے وھو علی کل شیء قدیر کا یہ مطلب ہے کہ اس کی بادشاہت دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں ہے کہ بعض باتیں اُن کے اختیار سے خارج ہیں بلکہ وہ اپنی بادشاہت میں جو چاہے سو کر سکتا ہے چنانچہ اُس کی تفصیل سورہ تبارک الذی میں آئے گی۔ ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن کی تفسیر اہل سنت کے مذہب کے موافق یہ ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اُس سب کو اور نیک اور بد لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی سے جان لیا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ پھر انسان کو پیدا کر کے نیک و بد کام کا کرنا انسان کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے جیسا کوئی کرے گا ویسا پائے گا۔ اب جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے آخر کو وہ علم ازلی الٰہی کے مطابق پڑتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے اختیار سے وہی کام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا۔ غرض دنیا میں پیدا ہونے کے بعد اپنے اختیار سے جو کوئی کچھ کرنے والا تھا اُس کو اللہ تعالیٰ نے لکھ لیا ہے اور علم ازلی سے معلوم کر لیا ہے لیکن اُس علم ازلی کے موافق کسی کو کسی کام پر اللہ تعالیٰ نے مجبور نہیں کیا بلکہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی سے نیک و بد کو جان لیا تھا اُس پر بھی اللہ تعالیٰ ہر ایک پیدا ہونے والے کو فطرۃ اسلام پر پیدا کرتا ہے۔ پھر شعور پکڑنے کے بعد وہ لڑکا ماں باپ کی صحبت کے سبب سے یا شیطان کے بہکانے سے فطرۃ اسلام کو چھوڑ کر اور ڈھنگ سے لگ جاتا ہے چنانچہ اس باب کی صحیح حدیثیں بھی

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝٥

کیا پہنچا نہیں تم کو احوال اُن لوگوں کا جو منکر ہو چکے ہیں پہلے پھر چکھی سزا اپنے کام کی اور اُن کو دُکھ کی مار ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوا

یہ اس پر کہ لاتے تھے اُن پاس اُن کے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سوجھاویں گے۔ پھر منکر ہوئے اور مُنہ موڑا

وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝٦

اور اللہ نے بے پروائی کی۔ اور اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا۔

اوپر گزر چکی ہیں اور تقدیر کے مسئلہ کے ذکر میں اس مسئلہ کی تفصیل بھی گزر چکی ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ ازلی بد کو نیک کر دینا اب بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم اور اس کے رُوبرو ہے۔ اس لیے فرمایا جو کچھ تم کرتے ہو اللہ وہ سب دیکھتا ہے۔ اور یہ ہر چیز کا دیکھنا بھالنا اور انسان کی نیت تک کا جانچنا اور ہر شخص کے عملوں کے لکھنے کے لیے دو فرشتوں کا مقرر کرنا اس واسطے ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اس کو وہ فرشتے لکھ لیں اور خصوصاً ایسی اچھی صورت و شکل میں انسان کو اس نے اسی عدل و انصاف کی بنیاد پر اس لیے پیدا کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ نیک و بد ہو رہا ہے وہ دنیا کے ختم تک ہو جاتے تو اس کے بعد انسان کو پھر دوبارہ پیدا کر کے نیکوں کو اُن کی نیکی کی جزا دی جاتے اور بدوں سے اُن کی بدی کا مؤاخذہ کیا جاتے ہے۔

۵-۶- اوپر حشر کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں حشر کے منکروں کو ایک اور طرح قائل کرنے کو فرمایا کہ یہ مکہ کے مشرک لوگ حشر کو اور حشر کے سامان کے لیے نیک کام کرنے کو ان سے کہا جاتا ہے اس کو ہر وقت جو جھٹلاتے ہیں تو کیا شام کے ملک کی طرف تجارت کے سفر میں ان کو پچھلی قوموں کی کچھ اُجڑی ہوئی بستیاں نظر نہیں آئیں اور ان کو کیا اُن لوگوں کا یہ حال معلوم نہیں ہوا کہ جس طرح ان حال کے لوگوں کو حشر کے قائم ہونے اور اس کے لیے سامان کرنے کی نصیحت کرنے کو اللہ کے رسول آئے اسی طرح اُن لوگوں کی نصیحت کے لیے بھی اللہ کے رسول ہر ایک زمانے میں آئے تھے۔ اور طرح طرح سے ان کو نصیحت بھی کی لیکن اُن لوگوں نے اُن عقلی باتوں سے کام لیا کہ بشر ہونے میں سب انسان برابر ہیں۔ اللہ کا رسول کوئی بشر نہیں ہو سکتا۔ اور انہی عقلی باتوں سے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا۔ انجام یہ ہوا کہ دنیا میں تو وہ سب طرح طرح کے عذاب سے ہلاک ہو گئے۔ اور آخرت کا عذاب جُدا اُن کو بھگتنا پڑے گا۔ اس سے ان اہل مکہ کو اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلانا کتنے بڑے وبال کی بات ہے۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کے جھٹلانے والوں کو رسول کی صداقت پر مجبور کیوں نہیں کیا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انتظام کے موافق دنیا نیک و بد کے امتحان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس لیے کسی کے مجبوری کے ایمان و اسلام کی اللہ کو کچھ پروا نہیں۔ اُس کی مخلوقات میں بغیر مجبوری کے اُس کی حمد و ثنا کرنے والے نو پیدا ہیں اور اُس کی ذات و صفات قدیمی جب یہ حمد و ثنا کرنے والے موجود نہ تھے اُس وقت بھی اُس کی یہی شان تھی۔ اور جب یہ حمد و ثنا کرنے والے فنا ہو جائیں گے اُس وقت بھی اُس کی یہی شان رہے گی۔ اس واسطے اُس کو کسی کی حمد و ثنا اور عبادت کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ کی ابو ذر کی حدیث قدسی اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے[1]

[1] صحیح مسلم باب تحریم الظلم ص ۳۱۹ ج ۲

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن لَّن يُبْعَثُوا ۚ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ

دعوے کرتے ہیں منکر کہ ہرگز اُن کو اٹھانا نہیں۔ تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بیشک اٹھانا ہے پھر تم کو جتانا ہے جو تم نے کیا

وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ⑦ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا

اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس نور پر جو ہم نے اتارا۔ اور اللہ کو

تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ⑧ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَن يُؤْمِن

تمہارے کام کی خبر ہے۔ جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہار جیت کا۔ اور جو کوئی یقین لائے

فرمایا ہے کہ تمام رُوئے زمین کے انسان و جنات نیک ہو جائیں تو اُس سے اللہ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہ جائے گا اور اگر یہ سب بد ہو جائیں گے تو اُس سے اُس کی بادشاہت میں کچھ گھٹ نہ جائے گا۔ یہ حدیثِ قدسی آیت کے آخری ٹکڑے واللہ غنی حمید کی پوری تفسیر ہے۔

۷ تا ۱۰۔ جو لوگ حشر کے منکر ہیں، قرآن شریف میں طرح طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کو قائل کیا ہے۔ کہیں یہ فرمایا ہے کہ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے جو تمام جہان کو پیدا کیا ہے وہ تو ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے، اور یہ ہر انسان کا عقلی تجربہ ہے کہ جو کام ایک دفعہ ہو چکتا ہے، دوسری دفعہ اس کا کرنا بالکل نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ پھر کونسی عقل سے یہ لوگ حشر کا انکار کرتے ہیں۔ کہیں یہ فرمایا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کچھ عقل دی ہے وہ جو کام کرتا ہے کسی مصلحت اور فائدہ کے لیے کرتا ہے، وہ خدا جس نے عقل کو سب عقل مندوں کو پیدا کیا۔ اُس کے کام کو یہ لوگ بے فائدہ اور عبث کیوں ٹھہراتے ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ جزا و سزا کا ایک دن نہ ہو اور نیک و بد کو ایک ہی حال پر چھوڑ دیا جائے تو جہان کا پیدا کرنا عبث اور بے فائدہ ٹھہرے گا۔ لیکن منکروں کے انکار کا جواب اپنے رسول کو قسم کھا کر یہ دینے کو فرمایا ہے کہ ضرور ایک دن حشر ہوگا۔ اس طرح کا جواب اس لیے دیا ہے کہ انسان کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ قسم کھا کر جو بات کہی جائے اُس کا انسان کو اعتبار ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی قسم کی آیت ایک سورۂ یونس میں اور دُوسری سُورہ سبا میں گزر چکی ہے۔ یہ قسم کی تیسری آیت ہے۔ اِس قدر سمجھانے اور قسم کھانے کے بعد بھی جن لوگوں کو حشر کا انکار ہے یا جو لوگ زبان سے تو حشر کا اقرار کرتے ہیں مگر اپنے اس اقرار کے پابند ہو کر حشر کا سامان پُورا نہیں کرتے، ایسے لوگوں کا اس قدر حال قابلِ افسوس ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے حال پر افسوس ظاہر فرمایا ہے جس کا ذکر سورۂ یٰسین میں گزر چکا ہے۔ منکر حشر کو حشر کے قائم ہونے پر طرح طرح سے قائل کر کے فرمایا کہ جب حشر کا قائم ہونا یقینی ہے تو اُس دن کی آفتوں سے بغیر اس کے نجات نہیں ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری قبول کی جائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت قرآن میں جو فرمانبرداری کے طریقے بتائے ہیں اُن کے موافق عمل کیا جائے اور یہ جان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک شخص کے ہر طرح کے عمل کی پوری خبر ہے۔ اُسی کے موافق حشر کے دن جزا و سزا کا وہ فیصلہ فرمائے گا۔ صحیح مسلم کی ابو موسیٰ اشعری کی حدیث[1] اُوپر گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کے دن بھر کے عملوں کا اعمال نامہ رات ہو جانے سے پہلے اور رات بھر کے عملوں کا

[1] صحیح مسلم باب معنی قول اللہ عز وجل ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ الآیۃ ص ۹۹ ج ۱۔

بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اللہ پر اور کرے کام بھلا اتارے اُس سے برائیاں اور داخل کرے اُس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ندیاں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

رہا کریں اُن میں ہمیشہ یہی ہے بڑی مُراد ملنی اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری آیتیں

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩ مَآ اَصَابَ مِنْ

وہ ہیں دوزخ والے رہا کریں اُس میں اور بُری جگہ پہنچے ۔ نہیں پڑتی ۰ کوئی

اعمال نامہ سورج کے نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں پہنچ جاتا ہے ۔ یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ وہ اعمال نامے سربمہر قیامت تک رکھے جاتے ہیں ۔ قیامت کے دن وہ کھولے جائیں گے اور ہر ایک عمل کی جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا ۔ قرآن شریف کو نور اس لیے فرمایا کہ جس طرح اندھیرے میں آدمی کو روشنی سے سیدھا راستہ معلوم ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح قرآن شریف آدمی کو جہالت کے اندھیرے سے نکال کر نجات کا راستہ بتا دیتا ہے ۔ حشر کے دن اگلی پچھلی ساری مخلوق محشر کے میدان میں اکٹھی ہوگی ۔ اس واسطے اس دن کا نام یوم الجمع ہے ۔ معتبر سند سے ابن ماجہ[1] میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کے لیے ایک ٹھکانا جنت میں اور ایک دوزخ میں اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے ۔ قیامت کے دن جو لوگ ہمیشہ کے لیے دوزخی قرار پائیں گے ، جنتیوں کے اصل مقاموں کے علاوہ ان دوزخیوں کے مقامات بھی جنتیوں کو مل جائیں گے ۔ قیامت کا نام یوم التغابن ہونے کی یہ حدیث تفسیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے لوگ اُس دن اس ہار میں رہیں گے کہ اپنا جنت کا مقام جنتیوں کے ہاتھ ہار بیٹھیں گے ۔ اب نیک و بد لوگوں کا جو نتیجہ اس دن ہوگا اُس کا ذکر فرمایا کہ نیک لوگ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور بدلوگ ہمیشہ دوزخ میں ۔ ابوسعیدؓ خدری کی حدیث[3] اوپر گزر چکی ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ دوزخ میں وہی شخص رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہ ہوگا ۔ جنتیوں کے حال میں گناہوں کے معاف فرمانے کا جو ذکر فرمایا اُس کی تفسیر صحیح بخاری[4] و مسلم کی ابن عمرؓ کی روایت سے اوپر گزر چکی ہے کہ کلمہ گو بعضے گنہگاروں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس طرح دنیا میں مَیں نے تمہارے گناہوں کو خلق اللہ پر ظاہر کر کے تم کو رسوا نہیں کیا ، آج بھی اپنی رحمت سے تمہارے گناہ مَیں معاف کرتا ہوں ۔ اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں ۔ وبئس المصیر کا مطلب یہ ہے کہ اب تو یہ منکرین حشر دوزخ کا حال اس کان سے سن کر اُس کان سے اڑا دیتے ہیں ۔ لیکن جب دوزخ سے ان کا پالا پڑے گا تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اُن کے لیے وہ بہت بُری جگہ ہے ۔

۱۱ تا ۱۳ ۔ اُوپر اللہ اور اللہ کے رسول اور قرآن شریف پر ایمان لانے کا حکم فرما کر ان آیتوں میں تقدیر الٰہی پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا ۔ معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی[5] ، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ

[1] الترغیب والترہیب ۔ الترغیب فی الاخلاص والصدق ص ۵۰ ج ۱ [2] ابن ماجہ ۔ باب صفۃ الجنۃ ص ۳۲۲ [3] صحیح بخاری باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال ص ۸ ج ۱ [4] صحیح بخاری باب ستر المؤمن علی نفسہ ص ۸۹۶ ج ۲ [5] جامع ترمذی باب ما جاء فی الایمان بالقدر خیرہ وشرہ ص ۳۶ ج ۲

مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١﴾

تکلیف بن حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر وہ راہ بتلاتے اُس کے دل کو۔ اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٢﴾

اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا کام یہی ہے پہنچا دینا کھول کر۔

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٣﴾

اللہ اُس بن کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر چاہیے بھروسا کریں ایمان والے۔

علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دار بننے کے لیے چار باتوں پر ہر آدمی کو ایمان لانا ضرور ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ دوسرے یہ کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں اور جو دین کے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں لایا ہوں وہ سب برحق ہیں۔ تیسرے یہ کہ مرنے کے بعد قیامت کا آنا برحق ہے۔ چوتھے تقدیر الٰہی کا دل میں پورا اعتقاد رکھنا۔ آیت اور حدیث سے یہ مطلب نکلا کہ مثلاً آدمی کو کوئی تکلیف دنیا میں پہنچے تو آدمی دل میں پورا اعتقاد رکھے کہ مجھ کو یہ اللہ تعالیٰ کے اُس حکم کے موافق پہنچی ہے جو حکم دُنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہے اور یہی اعتقاد دنیا کے باقی امور میں رکھنا چاہیے۔ چنانچہ صحیح مسلم[1] کی عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث اس باب میں اوپر گزر چکی ہے۔ اس اعتقاد سے یہ فائدہ ہوگا کہ آدمی کے دِل میں صبر کی ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہو جائے گی جس سے دُنیا میں تکلیف کی برداشت آسان ہو جائے گی اور صبر کا اجر ملے گا۔ یہی مطلب ومن یومن باللہ یھد قلبہ کا ہے۔ مشرکین مکہ یہ کہتے تھے کہ اگر یہ اہلِ اسلام حق پر ہوتے تو اُن کو یہ دُنیا کی طرح طرح کی مصیبتیں نہ پہنچتیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ جو لوگ حق پر ہیں اُن کو دُنیا کی مصیبتیں تقدیرِ الٰہی کے موافق اس مصلحت سے پہنچائی جاتی ہیں کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق کی مدد سے اِن مصیبتوں پر صبر کریں جس کے اجر میں اُن کے ثواب کا درجہ عُقبیٰ میں بڑھے۔ ابوہریرہؓ[2] کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعضے ایماندار لوگوں کو اللہ تعالیٰ عقبیٰ میں ایسا درجہ دینا چاہتا ہے جو اُن کے عملوں سے بڑھ کر ہے اس لیے اُن کو دُنیا میں کچھ مصیبتوں میں مبتلا فرماتا ہے اور پھر اُن مصیبتوں پر صبر کی توفیق عنایت فرماتا ہے تاکہ اُس صبر کے اجر میں وہ لوگ اُس بڑے درجہ تک پہنچ جائیں۔ اس باب میں اور بھی حدیثیں ہیں۔ یہ سب حدیثیں اِن آیتوں کی گویا تفسیر ہیں۔ واللہ بکل شیء علیم کا یہ مطلب ہے کہ کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں۔ اِس لیے مصیبت کے وقت صبر کرنے والوں کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے۔ اُسی کے موافق وہ اُن کو عقبیٰ میں اجر عنایت فرمائے گا۔ طبرانی کبیر[3] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حشر کے دن مصیبت کے وقت صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا تو جو لوگ دنیا میں عافیت سے رہے ہیں وہ یہ آرزو کریں گے کہ دُنیا میں کوئی قینچی سے اُن کی بوٹیاں کاٹتا، اور وہ اُس تکلیف پر صبر کرتے تو اچھا ہوتا کہ آج اُس صبر کا بڑا اجر ملتا۔ اُس حدیث کی سند میں ایک راوی مجاعہ بن الزبیر ہے

[1] صحیح مسلم باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام ص ۳۳۵ ج ۲ [2] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی الصبر الخ ص ۵۲۷ ج ۴ [3] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی الصبر الخ ص ۵۲۵ ج ۴۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ

اے ایمان والو بعضی تمہاری جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے سو اُن سے بچتے رہو اور

اِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ

اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان تمہارے مال اور

اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

اولاد یہی ہیں جانچنے کو اور اللہ جو ہے اس کے پاس ہے نیگ بڑا سو ڈرو اللہ سے جہاں تک سکو

اگرچہ بعضے علماء نے اس کی ثقاہت میں کلام کیا ہے۔ لیکن امام احمد نے اس کو معتبر قرار دیا ہے۔ صبر کے اجر میں اور بھی حدیثیں ہیں جن سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کو تقویت ہو جاتی ہے۔ مصیبت کے وقت بشریت کے سبب سے آدمی ذرا گھبرا جاتا ہے اس لیے فرمایا کہ ایسے وقت میں اللہ اور اللہ کے رسول کی فرماں برداری کا پورا خیال رکھ کر کوئی بات خلافِ شریعت نہ کی جائے۔ اور دُنیا عالمِ اسباب ہے۔ اس میں تکلیف کا اگر سبب ہو تو اس سبب میں کوئی مستقل تاثیر نہ خیال کی جائے، بلکہ ایسے وقت میں پورا بھروسہ اللہ پر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ کسی سبب کو اس کی قدرت میں کوئی مستقل دخل نہیں ہے۔ بیچ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے رسول کے ذمے احکامِ الٰہی کا بیان کر دینا ہے۔ ان احکام کو جو مانے گا اُسی کا بھلا ہے ؎

۱۴ تا ۱۸۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ترمذی[۱] اور مستدرک حاکم میں روایت ہے جس کو ترمذی اور حاکم دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ حاصل اُس روایت کا یہ ہے کہ ہجرت کے بعد فتح مکہ سے پہلے کچھ صحابہ مکہ میں رہ گئے تھے۔ جب انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اُن کی بی بی بچوں نے اُن کو ہجرت سے روکا اور رونا پیٹنا شروع کر دیا جس سے وہ صحابہ جلدی ہجرت نہ کر سکے۔ کچھ دنوں کے بعد جب وہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو اُن کو اس کا بڑا پچھتاوا ہوا کہ جو صحابہ ان سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ کو آگئے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں دین کے بہت سے مسئلوں سے واقف ہو گئے۔ جن مسئلوں سے یہ پیچھے ہجرت کرنے والے لوگ محروم رہ گئے۔ اس پچھتاوے کے غصہ میں اُن لوگوں نے چاہا کہ اپنی بی بی بچوں کے ساتھ کچھ بدسلوکی سے پیش آویں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں، اور فرما دیا کہ بی بی بچوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی تو نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن بی بی بچوں کی اس طرح کی محبت سے بچنا چاہیے جس میں دین کے کسی کام میں نقصان پڑے اور یہ خیال رکھنا چاہیے کہ بی بی بچے اور مال و متاع دین کے حق میں دشمن اور بڑی فتنہ میں ڈالنے والی چیزیں ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کو مال و متاع اور بی بی بچوں کی اُلفت پر ہمیشہ مقدم رکھنا چاہیے بعضے مفسروں نے لکھا ہے[۲] کہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم سے آلِ عمران کی آیت یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ منسوخ ہے۔ لیکن امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ[۳] اس کے مخالف ہیں۔ اور یہ فرماتے ہیں کہ دونوں آیتوں میں طاقت بشری کے موافق تقویٰ کا اور عبادت کا حکم ہے۔ اس لیے دونوں آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے

[۱] الترغیب و الترہیب۔ الترغیب فی الصبر ص ۵۲ ج ۲ کا حاشیہ طبقات المصنف[۲] جامع ترمذی تفسیر سورۃ التغابن ص ۱۸۰ ج ۲ [۳] تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۶ ج ۴

وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
اور سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے بھلے کو اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی

الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾ إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ
ہیں مراد کو پہنچے ۔ اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح دینا وہ دونا کردے تم کو اور تم کو بخشے ۔ اور اللہ

شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾
قدردان ہے تحمل والا ۔ جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست حکمت والا ۔

بلکہ سورۃ تغابن کی آیت سورۃ آل عمران کی تفسیر ہے بی بی بچوں کے ذکر میں صدقہ خیرات کا ذکر بھی فرمایا تاکہ بی بی بچوں کے خرچ کے وقت یہ عقبیٰ کی بہتری کا خرچ بھی ہرا یماندار شخص کو یاد رہے کہ دنیا کے خرچ اخراجات میں آدمی جو کچھ اٹھائے گا وہ تو گیا گزرا اور جو چھوڑ مرا وارثوں کا ہوگیا آدمی کے ساتھ جانے کا وہی روپیہ پیسہ ہے جو اُس نے حلال کی کمائی میں سے عقبیٰ کے ثواب کے لیے اللہ کے نام پر دیا۔ اسی واسطے صدقہ خیرات کے خرچ کو خرچ کرنے والے کی بہتری اور بھلائی کا خرچ فرمایا۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے[۱] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی نے دنیا میں جو کچھ کھا لیا یا پی لیا تو وہ گیا گزرا اور جو چھوڑ مرا وہ دوسروں کا ہوگیا۔ ہاں نیک نیتی سے جو کچھ اُس نے اللہ کے نام پر دیا وہ اُس کے ساتھ جائے گا۔ اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ یہ سب حدیثیں انفقوا خیرًا لانفسکم کی تفسیر ہیں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ صدقہ خیرات کے وقت شیطان آیندہ کی تنگ دستی سے آدمی کو ڈراتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ جو شخص صدقہ خیرات کے وقت ایسے شیطانی وسوسوں سے بچا وہ اپنی مراد کو پہنچا کہ اُس نے ایک ایک کے سات سات سو کمائے۔ آدمی صدقہ خیرات میں جو کچھ خرچ کرے گا اُس کا عوض مع نفع کے اُس کو عقبیٰ میں مل جائے گا۔ اس واسطے صدقہ خیرات کو قرض فرمایا اچھی طرح قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں دنیا کے دکھاوے کا اور دے کر پھر احسان جتلانے کا دخل نہ ہونا چاہیے۔ اجر کے بڑھنے کی تفسیر سورۃ بقر میں گزر چکی ہے۔ معتبر سند سے مسند ابی یعلیٰ میں حضرت جابرؓ کی حدیث ہے[۲] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ آدمی کے صغیرہ گناہوں کو اُس کے اعمال نامہ میں سے اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ صدقہ کے ذکر میں گناہوں کے معاف ہو جانے کا ذکر جو ان آیتوں میں فرمایا یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے قدردان ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اُس نے اپنی قدردانی سے تھوڑے سے صدقہ پر بہت سے اجر کا وعدہ فرمایا جس کی تفسیر سورۃ رعد میں گزر چکی۔ اللہ تعالیٰ کے صاحبِ تحمل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح اُس نے اپنے تحمل سے ان آیتوں میں اُن لوگوں کو روکا جو اپنی بی بی بچوں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنا چاہتے تھے اسی طرح وہ ہر گنہگار کے مؤاخذہ میں تحمل کا برتاؤ کرتا ہے ورنہ اگر وہ ہر گناہ پر گنہگاروں کو فوراً پکڑے تو دنیا تباہ ہو جائے۔ چنانچہ سورۃ النحل میں اس کی تفصیل آیۃ ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علیھا من دابۃ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ عالم الغیب والشھادۃ وھو العزیز الحکیم کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اُس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ صدقہ خیرات یا اور کوئی نیک عمل

[۱] صحیح مسلم کتاب الزھد۔ ص ۷۔ ج ۲ [۲] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی الصدقۃ والحث علیھا الخ ص ۱۰ ج ۲۔

آیاتہا ۱۲ — (۶۵) سورۃ الطلاق مدنیۃ (۹۹) — رکوعہا ۲

سورۃ الطلاق مدنی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت اور ڈرو اللہ سے

رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَ

جو رب ہے تمہارا۔ مت نکالو ان کو گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی۔ اور

جس نیت سے ہر شخص کرتا ہے اُس کو سب معلوم ہے۔ اُسی کے موافق قیامت کے دن فیصلہ ہوگا زبردست وہ ایسا ہے کہ اُس نے پچھلی قوموں کو جب ہلاک کرنا چاہا تو کوئی اُن کو اُس کے عذاب سے بچا نہ سکا لیکن وہ اپنے تحمل سے درگزر کا برتاؤ کرتا ہے۔ صاحبِ حکمت وہ ایسا ہے کہ آسمان و زمین و انسان، احکامِ شریعت وغیرہ یہ سب اُس کی حکمت کے گواہ موجود ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو شروع سورہ میں اپنے رسول کو مخاطب کیا اور پھر طلاق کا مسئلہ جب بتلایا تو امت کے لوگوں کو بھی اُس میں شریک کر لیا تاکہ اُس مسئلہ کا حکم سب امت کے لوگوں سے متعلق ہو جائے۔ فطلقوھن لعدتھن کا یہ مطلب ہے کہ عورتوں کو اگر طلاق دی جائے تو وقت مقررہ پر دی جائے، بے وقت نہ دی جائے۔ مسند امام احمد صحیح مسلم[1] اور سننِ اربعہ میں عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کے وقت مقررہ کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ طلاق ایسے طہر کے دنوں میں دی جائے جس طہر میں عورت سے صحبت نہ کی گئی ہو، اس طلاق کو سنی کہتے ہیں اور جو طلاق اس وقت مقررہ میں نہ ہو اس کو بدعی کہتے ہیں۔ اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ بدعی طلاق سے بھی عورت مطلقہ ہو جاتی ہے۔ اگر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دی جائیں تو اکثر علماء کے نزدیک تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ مسند امام احمد اور صحیح مسلم[2] میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ کی تین طلاقوں کی ایک ہی طلاق شمار کی جاتی تھی اور یہی حال حضرت ابوبکر صدیق کی ساری خلافت اور حضرت عمر کی خلافت کے شروع دو برس کا تھا لیکن جب لوگوں نے تین طلاقوں کی کثرت کا برتاؤ کیا تو حضرت عمرؓ نے اپنے خلافت کے تیسرے سال میں یہ فتویٰ دیا کہ ایک وقت کی تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی۔ اب علماء کے اختلاف کا یہی سبب ہے کہ کچھ علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے عمل درآمد کو لیتے ہیں اور کچھ حضرت عمرؓ کے فتویٰ کو لیتے ہیں۔ واحصوا العدۃ کا یہ مطلب ہے کہ طلاق کے بعد عدت کے دنوں کی گنتی اور اُن کا حساب خوب یاد رکھو۔ عدت کی مدت کے اندر طلاق سے رجوع کر کے میل جول کر لینے کا یہ مطلب ہے کو گویا طلاق کو فسخ کر کے طلاق سے پہلے جو نکاح تھا اُس کو قائم رکھا گیا، یہ پہلا نکاح عدت کے

[1] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض الخ ص ۴۷۵، ۴۷۶ ج ۱ [2] صحیح مسلم باب طلاق الثلاث ص ۴۷۷ ج ۱۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ

یہ ... جو کوئی بڑھے ... کی حد ... تو اس نے برا کیا اپنا ۔ اس کو خبر نہیں شاید اللہ

يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

نیا نکالے اس پیچھے کچھ کام ۔

ختم تک رہتا ہے اور بعد ختم عدت کے عورت بالکل اجنبی ہو جاتی ہے اس لیے پہلے طلاق کی عدت کے دنوں کے حساب یاد رکھنے کی تاکید فرمائی۔ عدت کے معنی گنتی کے ہیں اور جو چیز گنی جائے اُس کو بھی عدت کہتے ہیں، آیت میں یہ آخری معنی مقصود ہیں۔ چنانچہ آیت کے پہلے ٹکڑے میں طہر کے دنوں کو اور دوسرے ٹکڑے میں تین حیض کے دنوں کو عدت فرمایا ہے حیض والی عورت کی عدت تین طہر ہیں یا تین حیض۔ اس کی تفصیل سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے، لیکن تین حیض کا قول قوی ہے کیونکہ خود قرآن شریف میں آگے ذکر ہے کہ چھوٹی عمر یا بڑی عمر ہونے کے سبب سے جن عورتوں کو حیض نہیں آتا۔ اُن کی عدت کی مدت تین مہینے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق والی عورتوں کی عدت تین حیض ہیں۔ اگر چھوٹی عمر یا بڑی عمر ہونے کے سبب سے ان کو حیض نہ آتا ہو تو ہر حیض کے معاوضہ میں ایک مہینہ لیا جا کر ایسی عورتوں کی عدت تین مہینے قرار دی جاتی امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد کا مذہب یہی ہے کہ طلاق والی عورتوں کی عدت تین حیض ہیں۔ بعضے لوگ عورتوں کے ستانے کے لیے عدت کے اندر ہی اُن کو گھر سے باہر نکال دیتے تھے۔ اس لیے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو خدا کا خوف کرنا چاہیے اور آئندہ سے نہ مرد عورتوں کو عدت کے اندر گھر سے باہر نکالیں، نہ خود عورتیں نکلیں مگر ہاں کوئی عورت اگر عدت کے اندر بے حیائی کا کوئی کام کرے یا سسرال والوں سے لڑے تو ایسی عورت کو عدت کے اندر گھر سے نکال دیا جا سکتا ہے۔ پھر فرمایا شروع سورہ سے یہاں تک طلاق اور عدت کے بارے میں جو حکم دیئے گئے ہیں وہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ ہر ایماندار شخص کو ان کی پابندی ضرور ہے۔ جو کوئی اس حد سے قدم باہر رکھے گا اُس کے لیے بُرا ہے کیونکہ قیامت کے دن اُس کو اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اب آگے عدت کے اندر عورتوں کو گھر میں رکھنے کا فائدہ سمجھایا کہ طلاق دینے والے شخص کے دل میں شاید اللہ تعالیٰ طلاق سے رجوع اور میل جول کا ارادہ پیدا کر دے اور عورت کے گھر میں موجود ہونے کے سبب سے یہ ارادہ آسانی سے پورا ہو جاتا ورنہ عورت کے گھر سے بے گھر ہو جانے کی صورت میں طرح طرح کی قباحتیں پیش آ سکتی ہیں۔ اِس آیت اور آیت للمطلقات متاع بالمعروف سے جمہور علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ جس طلاق میں رجوع ممکن ہے اُس میں عدت کی مدت تک عورت کا روٹی کپڑا اور رہنے کا مکان طلاق دینے والے شوہر کے ذمہ ہے۔ مسند امام[1] احمد اور نسائی میں اسی مضمون کی فاطمہ بنت قیس کی ایک حدیث بھی ہے اگرچہ اُس کی سند میں علماء کو کچھ کلام ہے لیکن اِن آیتوں کے مضمون سے اس حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔ جس طلاق میں رجوع ممکن نہیں جیسے تین طلاقیں ایک ہی دفعہ مثلاً دے دی جائیں تو ایسی عورت کے روٹی کپڑے اور رہنے کے مکان میں سلف کا اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔ صحیح مسلم[2] وغیرہ میں فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۸ ج ۴ [2] صحیح مسلم باب المطلقۃ البائن لانفقۃ لہا ص ۴۸۳ و ۴۸۴ ج ۱۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا
پھر جب تاپہنچیں اپنی عدت کو تو رکھ لو اُن کو دستور سے یا چھوڑ دو اُن کو دستور سے اور گواہ کر لو

ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
دو معتبر اپنے میں کے اور سیدھی رکھو گواہی اللہ کے واسطے یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جائے گا جو کوئی یقین رکھتا ہوگا اللہ پر اور

نے تین طلاقوں والی عورت کے روٹی کپڑے اور رہنے کے مکان کے حق کو ساقط کیا ہے اُس سے اُن علماء کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے جن کا قول اس حدیث کے موافق ہے۔ صحیح مسلم[1] وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی خالہ کو کھجوروں کے پیڑوں کی خبر گیری کے لیے دن کو عدت کے اندر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ اُن کی خالہ کے سوا اُن پیڑوں کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے ولا یخرجن کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت دن [illegible] عورت کو عدت کے [illegible] نکلنا جا[illegible] امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی اس کے موافق ہے۔ امام مالک امام شافعی [illegible] بغیر عذر [illegible] بھی دن کو نکلنا [illegible] تفصیلیں ہر ایک مذہب کی فقہ کی کتابوں میں ہیں۔

۲، ۳۔ سورۂ بقرہ میں صحیح روایتوں کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ بعضے لوگ عدت [illegible] طلاق [illegible] رجوع کرکے برائے نام میل جول کر لیتے تھے اور عورتوں کے ستانے کے لیے ایک عرصہ تک یہی سلسلہ جاری رہتا تھا۔ سورۂ بقرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس عادت سے روکا اور یہاں بھی فرمایا کہ عدت کے ختم ہونے کے قریب یا تو دو گواہوں کی گواہی سے ہمیشہ کے لیے میل جول کرکے حُسن سلوک سے اُس کو قائم رکھا جائے یا عدت گزر جانے کے بعد بغیر کسی بدزبانی اور سختی کے اُس عورت کو چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ دُوسرا نکاح کہیں اور کر لے۔ غرض عورتوں کے ستانے کا طریقہ جو بعضے لوگوں نے نکال رکھا ہے وہ بالکل بند کر دیا جائے۔ میل جول کے لیے دو گواہوں کی گواہی کا حکم اس لیے دیا کہ میل جول آئندہ کے لیے مضبوط ہو جائے۔ پہلے کی عادت کی طرح برائے نام نہ رہے۔ ایک قول میں امام شافعیؒ کے نزدیک یہ گواہی فرض[2] ہے۔ اور علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ دلیلیں ہر ایک مذہب کی بڑی کتابوں میں ہیں۔ لیکن اس گواہی کے مستحب ہونے کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث جو اُوپر گزر[3] چکی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس گواہی کا ذکر نہیں فرمایا۔ گواہوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر اس گواہی کے بعد میل جول میں کچھ خلل پڑ کر جھگڑے کی نوبت آئے تو گواہوں کو چاہیے کہ اللہ کے واسطے پُوری شہادت پنچوں یا حاکم کے رُوبرو ادا کریں کہ میل جول کے وقت کن شرطوں پر میل جول قرار پایا تھا۔ سچی گواہی کی تعریف میں اور جھوٹی گواہی کے مؤاخذہ میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں۔ آگے فرمایا کہ گھڑی گھڑی کی طلاق اور گھڑی گھڑی کے رجوع سے جو ممانعت کی گئی ہے اور طلاق سے رجوع کرنے کے وقت دو شخصوں کی گواہی کا جو حکم دیا گیا ہے ان حکموں کی اور شریعت کے تمام احکام کی پابندی وہی شخص کرے گا جس کے دِل میں ایمان کا نور ہے۔ اور قیامت کے دن اللہ کے

[1] صحیح مسلم باب جواز خروج المعتدۃ البائن الخ ص ۴۸۶ ج ۱ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۹ ج ۴ [3] دیکھیے تفسیر ہذا، جلد ہذا ص ۵۸۔

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ

دن آخرت پر اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اُس کا گزارہ اور روزی دے اُس کو جہاں سے اُس کو خیال نہ ہو۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ

اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو اُس کو بس ہے۔ اللہ مقرر پورا کر لیتا ہے اپنا کام اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا

قَدْرًا ﴿۳﴾

اندازہ ۔

رُوبرو کھڑے ہونے کا اُس کے دل میں خوف ہے۔ پھر فرمایا اس طرح کے پرہیز گاروں کو دین و دُنیا دونوں جہان میں بھلائی پہنچنے والی ہے۔ عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ ہر طرح کے مواخذہ سے اُن کو بچائے گا اور دنیا میں اپنی پرہیز گاری کے سبب سے جب وہ ناجائز کمائی کا خیال چھوڑ دیں گے تو اُن کی گزران کا سامان اللہ تعالیٰ غیب سے ایسا کر دے گا جو اُن کے قیاس میں بھی نہ آئے گا۔ اللہ سچا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تاریخ کی کتابیں دیکھی جائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ جب تک مسلمانوں میں دینداری اور پرہیز گاری رہی اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کا کیسا ظہور ہُوا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق دنیا میں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے وہ سب لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے اس تقدیرِ الٰہی کے موافق راحت و تکلیف تو ہر ایک شخص کے ساتھ لگی ہُوئی ہے۔ فرق فقط اتنا ہی ہے کہ جو لوگ تقدیرِ الٰہی پر شاکر ہیں اور اپنا ہر کام اللہ کو سونپتے ہیں وہ تکلیف کے وقت صبر کرتے ہیں۔ اور اُس تکلیف کی کشائش اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں اور کچھ شکوہ شکایت زبان پر نہیں لاتے۔ ایسے لوگوں کی دین و دُنیا میں اللہ تعالیٰ ہر طرح مدد کرتا ہے۔ وقت مقررہ آتے ہی اُن کی تکلیف راحت سے بدل جاتی ہے اور وہ لوگ اِس راحت کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھ کر اُس کی شکر گذاری کرتے ہیں مثلاً بیماری کی تکلیف صحت کی راحت سے بدل جائے تو وہ اُس کی شکر گذاری اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کرتے ہیں اور تنگدستی کی تکلیف خوش حالی کی راحت سے بدل جائے تو وہ شرع کے حقوق مالی ادا کرتے ہیں۔ نتیجہ اُس کا یہ ہوتا ہے کہ اُن کو دُنیا و عقبیٰ دونوں جگہ کی بھلائی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں تو ہر تکلیف آخر کو راحت سے بدل جاتی ہے کیونکہ دنیا کی کسی حالت کو قیام نہیں اور عقبیٰ میں ان کے صبر اور شکر کا اجر قائم ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کا حال اُس کے برخلاف ہے، اُن کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ وہ تکلیف کے وقت بے صبری کرتے ہیں۔ طرح طرح کی شکایت ہر وقت اُن کی زبان پر رہتی ہے اور انتظامِ دُنیا کے موافق جب اللہ تعالیٰ اُن کی وہ تکلیف راحت سے بدل دیتا ہے تو بجائے اللہ کی شکر گذاری کے اُس راحت کے نشہ میں وہ بالکل اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اور عقبیٰ کی باتوں کو خواب و خیال جانتے ہیں۔ نتیجہ اُس کا یہ ہوتا ہے کہ وقتِ مقررہ پر اُن کی تکلیف رفع ہو کر دُنیا میں تو اُن کو کچھ راحت کی شکل نظر آجاتی ہے مگر اُن کی عقبیٰ بالکل خراب ہو جاتی ہے پرہیزگار شخص کو تقدیر پر شاکر رہنا اور توکل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے پرہیز گاری کے بعد اس آیت میں توکل اور تقدیر کا ذکر فرمایا صحیح حدیثوں کے موافق آیت ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا کا یہی مطلب ہے جو بیان کیا گیا۔

وَالّٰٓـِٔىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّ

اور جو عورتیں ناامید ہوئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو اُن کی عدت ہے تین مہینے اور

الّٰٓـِٔىْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ

ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا۔ اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے اُن کی عدت یہ کہ جن لیں پیٹ کا بچہ اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے

صحیح مسلم میں صہیب رومی کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر پر شاکر ایماندار شخص کی ہر طرح بھلائی ہے۔ تکلیف کے وقت صبر کا اجر ہے اور راحت کے وقت شکر گزاری کا آپ نے اس حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ سوائے تقدیر پر شاکر ایماندار شخص کے دوسرے شخص کو یہ مرتبہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔

۴، ۵۔ مستدرک حاکم مسند اسحاق بن راہویہ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب کی صحیح سند سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب سورۂ بقرہ میں یہ حکم نازل ہوا کہ طلاق والی عورتوں کی عدت کی مدت تین حیض ہیں تو بعضے صحابہ نے کہا کہ کم عمر یا حاملہ ہونے کے سبب سے جن عورتوں کو حیض نہیں آتا یا بڑی عمر ہو جانے سے جن عورتوں کے حیض کی عادت جاتی رہتی ہے اس طرح کی عورتوں کی عدت کی مدت کا کچھ حکم قرآن شریف سے نہیں معلوم ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اب سورۂ بقر اور اس سورہ کی آیتیں اور ان آیتوں کی تفسیر میں جو حدیثیں آئی ہیں اُن سب کے ملانے سے عدت کے مسئلہ کا حاصل یہ ہوا کہ ایسی طلاق والی عورت جس سے نکاح ہوا اور صحبت نہیں ہوئی۔ ایسی عورت کی تو کچھ عدت نہیں ہے اور آزاد طلاق والی عورت کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور لونڈی کی عدت دو حیض اور چھوٹی عمر یا بڑی عمر ہونے کے سبب سے جن عورتوں کو حیض نہیں آتا، اُن کی عدت کی مدت تین مہینے کی ہے اور حاملہ طلاق والی عورت کی مدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے۔ اور جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ عورت حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت کی مدت چار مہینے دس روز کی ہے اور اگر ایسی حالت میں کسی عورت کا خاوند مرے کہ وہ عورت حاملہ ہو تو جمہور علماء مفسرین کے نزدیک ایسی عورت کی عدت کی مدت بھی بچہ کا پیدا ہونا ہے لیکن حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سورۂ بقر اور اس سورہ کی دونوں آیتوں پر عمل ہو جانے کی غرض سے یہ فرماتے ہیں کہ اگر چار مہینے دس روز کے اندر بچہ پیدا ہو جائے تو ایسی عورت کی عدت کی مدت چار مہینے دس روز ہیں۔ اور اگر چار مہینے دس روز تک بچہ پیدا نہ ہو تو بچہ پیدا ہونے کا انتظار کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تو اس قول سے آخر کو رجوع کر کے جمہور کے ساتھ اتفاق کیا ہے مگر حضرت علی کا رجوع کسی روایت سے ثابت نہیں ہوا صحاح میں صحیح روایتیں جو ہیں اُن سے جمہور کے مذہب کی پوری تائید ہوتی ہے۔ عدت کے مکان کی اور کھانے پینے کے ملنے کی اور خاوند کی وفات کی عدت میں بناؤ سنگار کی چیز اور کپڑے کے استعمال نہ کرنے کی تفصیل حدیث کی شرح اور فقہ کی کتابوں میں ہے۔ مجاہد کے قول کے موافق ان ارتبتم کا یہ مطلب ہے کہ بڑی ہو جانے کے سبب سے اگر عورت کے حیض کی عادت جاتی رہی ہو اور پھر خون آنے لگے جس میں حیض اور استحاضہ دونوں کا شبہ پڑے تو اس صورت میں تین مہینے کی عدت قرار دی جائے۔ عدت کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ عدت کے امر و نہی کے احکام اور اسی طرح شریعت کے اور احکام جو اللہ تعالیٰ نے

لہ صحیح مسلم باب فی احادیث متفرقۃ ص ۴۱۳ ج ۲ ۔ ۲ہ تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۱ ج ۴ ۔ ۳ہ ایضاً۔

يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿۴﴾ ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ

کردے وہ اُس کے کام میں آسانی یہ حکم ہے اللہ کا جو اُتارا تمھاری طرف اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے اُتارے اُس

سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴿۵﴾ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا

اُس کی برائیاں اور بڑا دے اُس کو نیگ ۔ گھر دو اُن کو رہنے کو جہاں تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق اور

تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ

ایذا نہ چاہو اُن کی تا تنگ پکڑو اُن کو اور اگر رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ تو اُن پر خرچ کرو جب تک جنیں

نازل فرمائے ہیں جو شخص اللہ سے ڈر کر اِن احکام کی پابندی میں لگا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے شریعت پر قائم رہنے کی توفیق دے گا۔ چنانچہ حٰمٓ عٓسٓقٓ کی آیت من کان یرید حرث الآخرۃ نزدلہ فی حرثہ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ پھر فرمایا پابندی شریعت کے سبب سے ایسا شخص اگر سوا شرک کے اور گناہ کر کے بغیر توبہ کے مرجائے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے وہ گناہ قیامت کے دن معاف فرمائے گا اور اُس کے نیک عملوں کا اجر بڑھا کر اُس کو جنتی ٹھہرا دے گا۔ صحیح بخاری و مسلم کی عبداللہ بن عمر کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بعضے کلمہ گو گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ اُن کے گناہ یاد دلائے گا اور جب وہ اپنے گناہ یاد کر کے عذاب میں پکڑے جانے کا خوف کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس طرح دنیا میں تمہارے یہ گناہ لوگوں پر ظاہر کر کے تم کو رسوا نہیں کیا اسی طرح آج بھی میں تمہارے گناہ معاف کرتا ہوں۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے یکفر عنہ سیاٰتہ کی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کی حدیث قدسی اوپر گزر چکی ہے جس میں نیک عمل کے اجر کا ذکر دس سے لے کر سات سو تک اور بعضے عملوں کا اس سے بھی زیادہ کا ہے۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے ویعظم لہ اجرا کی تفسیر ہے ۔

۶، ۷۔ جس طلاق میں عدت کے اندر خاوند پھر اپنی بی بی کو بغیر نکاح جدید کے رکھ سکے اُس طلاق کو رجعی کہتے ہیں اور طلاق بائن کی صورت میں یا اگر تین طلاق پوری ہوگئیں اور بغیر کسی دوسرے اجنبی شخص کے نکاح کرنے کے یہ طلاق دینے والا پہلا خاوند اُس عورت کو نہیں رکھ سکتا تو ان دونوں کو قطعی کہتے ہیں۔ طلاق رجعی کی عدت میں طلاق والی عورت کو نان و نفقہ رہنے کا مکان دینے پر سلف کا اتفاق ہے۔ مگر طلاق قطعی کے مسئلہ میں صحابہ کے زمانہ سے اب تک اختلاف چلا آتا ہے کہ عدت کے زمانے میں طلاق والی عورت کو کھانا اور رہنے کا مکان دینا جو خاوند کے ذمہ ہے وہ فقط طلاق رجعی میں ہے۔ یا طلاق رجعی اور قطعی دونوں میں ہے۔ اس اختلاف کے سبب سے اس آیت کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ جو مفسر یہ کہتے ہیں کہ طلاق قطعی میں خاوند کے ذمہ عدت کے زمانہ میں عورت کا کھانا اور رہنے کا مکان نہیں ہے وہ اس آیت کو رجعی طلاق والی عورتوں کے متعلق بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقط حمل کی حالت میں بچہ کے پیدا ہونے تک اس طرح کی عورتوں کا کھانا اور رہنے کا مکان خاوند کے ذمہ ہے۔ بغیر حمل کے قطعی طلاق والی عورتوں کے کھانے یا رہنے کے مکان کا بوجھ زمانہ عدت میں ہرگز خاوند کے ذمہ نہیں ہے۔ امام احمد کا مذہب اس کے موافق ہے۔ اور جو مفسر یہ کہتے ہیں کہ رجعی اور قطعی دونوں طلاقوں کی عدت میں

لے صحیح بخاری باب ستر المؤمن علی نفسہ ص ۸۹۶ ج ۲ ۔ لے صحیح بخاری باب من ھم بحسنۃ او سیئۃ ص ۹۶۰ ج ۲ ۔

حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِنْ

پیٹ میں کا بچہ۔ پھر اگر دودھ پلائیں تمھاری خاطر تو دو اُن کو اُن کے نیگ اور سکھاؤ آپس میں نیکی اور اگر

عورت کا کھانا اور رہنے کا مکان خاوند کے ذمہ ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اس لیے حمل کی صورت میں شوہر کو بچہ کے پیدا ہونے تک عورت کا خرچ اپنے ذمہ لینا چاہیے۔ یہ آیت قطعی اور رجعی طلاق والی عورتوں کے حق میں ہے۔ ان دونوں قولوں میں صحیح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ قطعی طلاق کی عدت میں خاوند کے ذمہ حاملہ عورت کا کھانا اور رہنے کا مکان بچہ کے پیدا ہونے تک ہے اور اگر بغیر حمل والی عورت ہو تو خاوند کے ذمہ کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے جو صحیح مسلم[1]، ابوداؤد، نسائی اور مسند امام احمد وغیرہ میں ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ جب فاطمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ فاطمہ کے خاوند نے تین دفعہ طلاق دے دی ہے اور اس ذکر کے بعد آنحضرت سے عدت تک اپنے کھانے اور رہنے کے مکان کا خاوند کے ذمہ ہونے نہ ہونے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے یہی فرمایا کہ جب طلاق قطعی ہے اور حمل نہیں ہے تو خاوند کے ذمہ نہ کھانا ہے نہ رہنے کا مکان ہے۔ ہاں اگر حمل ہوتا تو بچہ کے پیدا ہونے تک خاوند کے ذمہ رہنے کا مکان اور نان نفقہ تھا۔ لیکن اس آیت کے موافق جمہور سلف کا قول یہ ہے کہ طلاق قطعی کی عدت میں اگر عورت حاملہ نہ ہو تو عدت کی مدت تک طلاق دینے والے مرد کے ذمہ عورت کے رہنے کا فقط مکان ہے کھانا پینا نہیں ہے۔ اور اگر ایسی عورت حاملہ ہو تو مرد کے ذمہ رہنے کا مکان اور کھانا دونوں چیزیں ہیں۔ فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا جواب جمہور کی طرف سے وہی ہے جو جواب اُس کا حضرت عائشہؓ نے دیا ہے کہ فاطمہ کے شوہر کا مکان تنہائی کے سبب سے رہنے کے قابل نہ تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو اس مکان میں عدت گزارنے کی تاکید نہیں کی۔ حضرت عائشہؓ کے اس جواب کا ذکر صحیح بخاری[2]، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آیت کی تفسیر جمہور کے قول کے موافق کی ہے۔ امام مالک اور امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس طرح کی عورت حاملہ نہ ہو جب بھی عدت کی مدت تک طلاق دینے والے مرد کے ذمہ عورت کے رہنے کا مکان اور کھانا دونوں چیزیں ہیں۔ تفصیل ہر ایک مذہب کی بڑی کتابوں میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر کے موافق آیت کا حاصل مطلب[3] یہ ہے کہ اس طرح کی عورت اگر حاملہ نہ ہو تو عدت کی مدت تک طلاق دینے والا مرد اپنے مقدور کے موافق اُس عورت کے رہنے کو مکان دے اور مکان کے دینے میں ایسی تنگی نہ کرے جس کے سبب سے وہ عورت گھبرا کر عدت کے اندر ہی اُس گھر سے نکل کھڑی ہو۔ ایسی عورت حاملہ ہو تو اس کو مکان کے علاوہ کھانا بھی پہنچایا جائے۔ بچہ پیدا ہو جانے کے بعد عدت کے گزر جانے سے یہ عورت بالکل اجنبی ہو جائے گی۔ اس لیے اگر وہ معمولی خرچ پر بچہ کو دودھ پلائے تو اس سے پلایا جائے اور اگر وہ طلاق کی رنجش کے سبب سے معمولی خرچ پر راضی نہ ہو اور مرد کے مقدور سے بڑھ کر کچھ طلب کرے تو غیر انا سے بچہ کو دودھ پلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی حیثیت کے موافق انسان پر بوجھ ڈالتا ہے۔ اس لیے زیادہ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق اور کم مقدور والا اُس کے موافق اس باب میں خرچ کا بوجھ اٹھاتے اور کم مقدور والے لوگ کچھ گھبرائیں نہیں۔

[1] صحیح مسلم باب المطلقۃ البائن لا نفقۃ لہا ص ۴۸۳ ج ۱ و ۴۸۴ ج ۱۔ [2] صحیح بخاری باب المطلقۃ اذا خشی علیہا فی مسکن زوجہا الخ ص ۸۰۲ ج ۲ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۳ ج ۴۔

تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ أُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ

آپس میں ضد کرو تو دودھ پلائے گی اُس کی خاطر اور کوئی عورت۔ چاہیے خرچ کرے کشایش والا اپنی کشائش کے موافق اور جس کو نپی تلی ملی ہے اُس کی روزی

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عنقریب اُن کو بھی خوشحال کر دے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بڑے بڑے شہر فتح ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے اور غنیمت کے مال سے عام خوش حالی اہل اسلام میں پھیل گئی۔ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ایک عورت کے حافظہ پر ہم کو بھروسہ نہیں ہے علماء نے حضرت عمرؓ کے اس شبہ کے جواب میں دجال کے حال کی اُس بہت بڑی حدیث کو پیش کیا ہے جو فاطمہ بنت قیس کی روایت سے صحیح مسلمؒ میں ہے۔ اور یہ بات ثابت کی ہے کہ فاطمہ اتنی بڑی قوی الحافظہ صحابیہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی بڑی حدیث فقط ایک دفعہ منبر پر فرماتے ہوئے سنا اور اُس کو حرف بحرف یاد رکھا یہ جو مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطعی طلاق کی عدت میں طلاق دینے والے مرد کے ذمہ عورت کا کھانا اور رہنے کا مکان ہے اس کی سند حضرت عمرؓ تک مسلسل نہیں ہے۔ بعضے عیسائی لوگوں نے قرآن کے طلاق کے مسئلہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس مسئلہ کا شریعت موسوی اور عیسوی میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ حالانکہ مسلمانوں کا یہ دعوےٰ ہے کہ پچھلی شریعتوں میں قرآن کے مسائل کی صداقت موجود ہے۔ اہل اسلام نے اس اعتراض کے جواب میں امور ذیل لکھے ہیں:-

(۱) یہ اعتراض توراۃ اور انجیل کے برخلاف ہے کیونکہ توراۃ کے حصہ کتاب الاستثناء کے چوبیسویں باب میں طلاق کا مسئلہ اس طرح موجود ہے جس طرح شرع محمدیؐ میں ہے۔

(۲) جب بنی اسرائیل نے طلاق کو بلاضرورت کام میں لانا شروع کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شریعت موسوی کے طلاق کے مسئلہ میں احتیاطاً یہ قید لگادی تھی کہ سوا عورت کی بدکاری کے قصور کے اور کسی قصور پر عورت کو طلاق نہ دی جاوے متی کی انجیل کا پانچواں اور انیسواں باب دیکھا جاوے۔

(۳) اہل اسلام نے قرآن کے حکم مصدقا لما بین یدیہ کے موافق یہ جو کہا ہے کہ قرآن شریف میں پچھلی شریعتوں کی صداقت موجود ہے۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی شریعتوں کی صداقت موجود ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی شریعتوں میں جو مسائل وحی آسمانی کے موافق ہیں اُن کی صداقت قرآن سے اور قرآن کی صداقت اُن سے نکلتی ہے۔ یہ مطلب اہل اسلام کے اس قول کا ہرگز نہیں ہے کہ مثلاً یہود کے فرقے سامری اور باقی فرقوں کے اختلاف اور توراۃ کے احکام میں تغیر تبدل کر دینے سے ایک تورات کی چند توراتیں اور عیسائیوں کے فرقے پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھلک کے اسی طرح باہمی اختلافات اور انجیل کے تغیر و تبدل کے سبب سے ایک انجیل کی چند انجیلیں جو بن گئی ہیں اُن کی صداقت قرآن سے یا قرآن کی صداقت اُن سے نکلتی ہے کیونکہ شریعت موسوی اور عیسوی میں ایجادی باتیں جو شریک ہو گئی ہیں اُن کی صداقت کا قرآن میں پایا جانا تو درکنار شریعت موسوی اور عیسوی کی اصل کتابوں میں بھی اُن ایجادی باتوں کی صداقت نہیں ہے۔ چنانچہ تورات اور انجیل کے حوالہ سے طلاق کے مسئلہ کی مثال اس پارہ میں اوپر گزر چکی ہے۔ اصل بات یہ ہے

[1] صحیح مسلم باب المطلقۃ البائن لانفقہ لہا ص ۴۸۵ ج ۱ [2] صحیح مسلم باب قصۃ الجساسہ ص ۴۰۴ ج ۲۔

فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ۧ

تو خرچ کرے جیسا دیا اُس کو اللہ نے اللہ کسی پر تکلیف نہیں رکھتا مگر اتنا جو اس کو دیا اب کرے گا اللہ سختی پیچھے کچھ آسانی۔

کہ ہر وقت کے نبی کی معرفت اُس وقت کی عام مخلوقات کی ہدایت کے لیے ایک کتاب آسمانی نازل ہوئی ہے تورات وانجیل کے مختلف نسخہ جات کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نازل ہونا کوئی یہودی یا نصرانی نہ آج تک ثابت کر سکا نہ قیامت تک ثابت کر سکتا ہے کیونکہ کتاب آسمانی کی یہ شان ہرگز نہیں ہے کہ اُس کے نسخہ جات میں باہمی اختلافات ہو بلکہ کتابِ آسمانی کی شان تو وہی ہے جس کا ذکر قرآن کے کتابِ آسمانی ہونے کے ثبوت کے طور پر اللہ تعالےٰ نے سورۃ النساء میں ان الفاظ سے فرمایا ہے ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کو اللہ کا کلام نہیں جانتے اُن کو یہ دھیان کرنا چاہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو اُس کے اوّل آخر عبارت، یا اُس کے نسخہ جات میں باہمی اختلاف ضرور پایا جاتا کس لیے کہ بشر کے کلام کا خاصہ یہی ہے اس سے یہ بھی نکلا کہ تورات اور انجیل میں باہمی اختلاف اسی سبب سے ہے کہ اہلِ کتاب نے اِن کتابوں کو اصلی حالت پر نہیں رکھا۔ یہ ذکر قرآن میں چند جگہ صراحت سے بھی آیا ہے۔

(۴) یہود نے جو تورات میں تغیر تبدّل کیا ہے اُس کا عیسائیوں کو اقرار ہے وہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی نبوّت کو اور انجیل کے کتابِ آسمانی ہونے کو اِسی سبب سے نہیں مانا کہ انھوں نے تورات کی اصلی آیتوں میں تغیر تبدّل کیا ورنہ تورات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی اور انجیل کے کتاب آسمانی ہونے کی پوری صداقت ہے۔ اگرچہ بعضے عیسائی علماء اس تغیر وتبدّل کو معنوی کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہود نے تورات کی آیتوں کے لفظوں کو نہیں بدلا۔ بلکہ اُن آیتوں کا مطلب غلط قرار دیا لیکن علماء اسلام نے یہود کے بہت سے تغیرات لفظی تورات کی آیتوں کے ثابت کئے ہیں۔

(۵) انجیل میں اس کثرت سے تبدّل ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ابتداء میں تو انجیل کے نسخوں کی تعداد ستر کے قریب تک پہنچ گئی تھی پھر ایک مدت کے بعد علماء نصاریٰ نے اِن چار انجیلوں کو معتبر قرار دیا ہے۔ انجیل متیٰ۔ انجیل مرقس۔ انجیل لوقا، انجیل یوحنا۔ مگر ان چاروں کے مضمون بالکل مختلف ہیں، کسی میں حضرت عیسیٰ کو خدا لکھا ہے کسی میں رسول کسی میں یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سُولی پر چڑھایا کسی میں یہ ہے کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کو پیدا کیا۔ اب اِن چاروں انجیلوں کے مؤلفوں کا حال یہ ہے کہ ہر ایک اپنی انجیل کو صحیح اور دوسرے کی انجیل کو غلط بتاتا ہے جس سے کسی انجیل کو بھی صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ سب انجیلوں سے پہلے متی کی انجیل ہے جس کی بابت اکثر متقدمین اور متاخرین علماء عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ اصل انجیل عبرانی زبان میں تھی اس کا پتہ نہیں ہے، یہ ترجمہ ہے اور اس ترجمہ کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ کب اور کس شخص نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ اِن چاروں انجیلوں کے شروع میں علماء عیسائی نے

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا

اور کتنی بستیاں اچھل چلیں اپنے رب کے حکم سے اور اُس کے رسولوں کے پھر ہم حساب میں پکڑا ان کو سخت حساب میں اور آفت ڈالی

عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

اُن پر ان دیکھی آفت پھر چکھی انھوں نے سزا اپنے کام کی اور آخر اُن کے کام میں ٹوٹا آیا رکھی ہے اللہ نے انکے واسطے

بعض بعض آیتوں کو لکھا ہے کہ یہ آیتیں اصلی نہیں ہیں۔ تثلیث کا مسئلہ، بیت المقدس سے مشرق کی جانب قبلہ مسیحی کے بدل جانے کا مسئلہ، ختنہ، طلاق اور ایک نکاح سے زائد نکاح کے ناجائز ہونے کا مسئلہ اور اس قسم کے اور ایجادی مسئلے پولس اور قسطنطین بادشاہ روم کے زمانہ میں مذہب عیسائی کا جز ٹھہرائے گئے ہیں اور اسی اختلاف کے سبب سے اُس وقت کے سچے عیسائیوں کی پولس سے بڑی خونخوار لڑائی ہوئی ہے۔ اس کا حال اُس وقت کی معتبر تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے ملت ابراہیمی میں اور اہل کتاب نے شریعت موسوی اور عیسوی میں ایجادی باتیں جو اپنی طرف سے گھڑ لی تھیں، اُن کی اصلاح کے لیے یہ آخری کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے جس کا نام قرآن ہے۔ اس آسمانی آخری کتاب میں اس سے پہلے کی ایجادی باتوں کی صداقت پائی جانے لگی تو پھر آسمانی کتاب اور ایجادی باتوں میں فرق کیا باقی ہے۔ عیسائی علماء کی ریس کر کے بعض آریہ لوگوں نے بھی قرآن کے طلاق اور اسی قسم کے اور چند مسائل پر اعتراض کیا ہے۔ اہل اسلام نے اس کا جواب بھی دیا ہے کہ آریہ فرقہ کے لوگوں نے اپنے چاروں ویدوں کو آسمانی کتاب ثابت نہیں کیا اس لیے اُن کو کسی اہل کتاب کی ریس کرنی یا کسی آسمانی کتاب پر اعتراض کرنے کا حق اظہار حق کے طور پر تو اب تک کسی مباحثہ میں حاصل نہیں ہوا رہا یہ الزامی مباحثہ بعضے آریہ لوگوں نے طلاق کے مسئلہ کو شرمناک کہا ہے۔ اس کا جواب اہل اسلام نے وید کے نیوگ کے مسئلہ کو پیش کر کے یہ دیا ہے نیوگ کے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً کسی عورت کا شوہر دائم المرض ہو تو وید میں طلاق کا مسئلہ نہ ہونے کے سبب وہ عورت چھوٹ تو نہیں سکتی لیکن کسی غیر مرد سے ناجائز تعلق پیدا کر کے اُس کو دس بچے تک کی اجازت وید میں ہے۔ اسی طرح اور الزامی مباحثوں میں طرفین سے بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ہر حق پسند شخص ان کتابوں کو نظر انصاف سے دیکھ سکتا ہے اور نا انصاف لوگوں کا مباحثہ (کج بحثی) یہ تو سلف سے لے کر آج تک کبھی طے نہیں ہوا۔

۸ تا ۱۲۔ اوپر کی آیتوں میں تعمیل طلب چند احکام کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں پچھلی سرکش قوموں کی ہلاکت اور عذاب الٰہی میں پکڑے جانے کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ حال کے لوگوں میں سے بھی جو کوئی احکام الٰہی کی تعمیل نہ کرے گا اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو پچھلی سرکش قوموں کا ہوا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ اس لیے ان آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک جو پچھلی قومیں اپنی کم عقلی اور سرکشی کے وبال میں طرح طرح کے دنیا اور عقبیٰ کے عذابوں میں گرفتار ہو گئیں، اُن کا حال مختصر طور پر ذکر فرما کر حال کے صاحب عقل لوگوں کو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اُنھیں پچھلی قوموں جیسی کم عقلی اور سرکشی سے بچنا اور اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کے کاموں میں کوئی آدمی اگرچہ بڑا ہوشیار ہو لیکن جب وہ دنیا کے عجائبات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کی عقل دہریوں کی طرح نہ

۱۴ مع

عَذَابًا شَدِيدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ

سخت مار سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو جن کو یقین ہے اللہ نے اتاری ہے تم پر

ذِكْرًا ۝۱۰ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

سمجھوتی۔ رسول ہے جو پڑھتا ہے تم پاس آیتیں اللہ کی کھلی سنانے والیاں کہ نکالے اُن کو جو یقین لاتے اور کیے

الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ

بھلے کام اندھیروں سے اُجالے میں اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کچھ بھلائی اُس کو داخل کرے

رکھتا ہو تو وہ بڑا کم عقل ہے۔ کیونکہ ایک تھوڑی سی عقل کا آدمی بھی مثلاً بستی کے باہر جنگل میں پہلی دفعہ ایک میدان دیکھے، اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس میدان میں ایک خوش قطع مکان بنا ہوا دیکھے تو وہ بغیر کسی معمار کے دیکھنے کے اپنی تھوڑی سی عقل سے ضرور یہ نتیجہ نکالے گا کہ ایسے خوش قطع مکان کا بنانے والا کوئی بڑا کاریگر معمار ہے۔ اب جن لوگوں نے دُنیا کے ہزارہا عجائبات کو آنکھوں سے دیکھ کر اُن عجائبات کے آثار سے بغیر دیکھے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار نہیں کیا اور اللہ کو نہیں پہچانا، بلاشک اُن کی عقل میں فتور ہے۔ اسی طرح جس شخص نے اپنی اور اپنی زیست بھر کی راحت و آرام کی چیزوں پر غور کر کے یہ نتیجہ اپنی عقل سے نہیں نکالا کہ یہ اتنا بڑا انتظام کھیل تماشے کے طور پر نہیں ہے بلکہ جتنا بڑا انتظام ہے اتنا ہی بڑا اُس کا کوئی نتیجہ ضرور ہے کیونکہ تجربہ سے دُنیا کا کوئی چھوٹا سا کام بھی جب بغیر کسی نتیجہ کے کوئی نہیں کرتا تو پھر دُنیا بھر کا پیدا کرنا بغیر کسی نتیجہ کے کیونکر ہو سکتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ کم عقلی تو ایسے شخص نے کی سو کی، اُوپر سے یہ سرکشی بھی کی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی معرفت آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے نیک و بد کی جزا و سزا کو دُنیا کی پیدائش کا نتیجہ ایسے شخصوں کو سمجھایا تو سرکشی سے اُس فہمائش کو ایسے لوگوں نے نہ مانا اور آخر اپنا دین و دُنیا کا نقصان کیا۔ معتبر سند سے شداد[1] بن اوس کی حدیث اُوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کے بعد کا کچھ سامان کر لے۔ یہ حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے عتت عن امر ربھا ورسلہ کا یہ مطلب ہے کہ اُن لوگوں نے سرکشی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی فرمانبرداری نہیں کی۔ عذابا نکرا کا یہ مطلب ہے کہ اُن پر ایسا عذاب آیا جو اُن کے وہم و گمان سے باہر تھا۔ ایات مبینات کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کی آیتوں میں دنیا کے عجائبات پر غور کر کے اُس سے اللہ کو پہچاننے کا کام عقل سے لینے کا اور دنیا کے پیدا کرنے کے نتیجہ کا اور اللہ کے رسولوں کی فرمانبرداری کے اجر اور نافرمانی کے وبال کا سب ذکر ہے۔ آگے فرمایا کہ قرآن کی ان مفصل آیتوں کے نازل فرمانے اور رسول کے بھیجنے سے مقصود یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے احکام کے ماننے اور نیک کام کرنے کا قصد کرے دُنیا میں اللہ تعالیٰ اُس کو جہالت سے نکال کر اُس کے دل میں نور ہدایت پیدا کرے گا اور عقبیٰ میں اُس کو جنت عطا فرمائے گا۔ قد احسن اللہ لہ رزقا کا یہ مطلب ہے کہ جنت میں عام جنتیوں کو اچھی سے اچھی وہ وہ نعمتیں ملیں گی جو یہاں بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں۔ صحیح[2] بخاری و مسلم کی ابوہریرہ کی حدیث قدسی اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جنت میں

[1] جامع ترمذی۔ ابواب صفۃ یوم القیامۃ ص ۸۲ ج ۲ [2] صحیح بخاری۔ باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ وانھا مخلوقۃ ص ۶۰ ۴ ج ۱۔

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪

باغوں میں نیچے بہتی جن کے نہریں سدا رہیں اُن میں ہمیشہ ۔ البتہ خوب دی اللہ نے اس کو روزی ۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا

اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اتنی اترتا ہے حکم اُن کے بیچ تو تم جانو

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ⑫ ع

کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں سمائی ہے ہر چیز کی

ع ۲ / ۵ / ۱۸

نیک لوگوں کے لیے وہ نعمتیں ہیں کہ جو دنیا میں نہ کسی نے آنکھ سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ کسی دل میں اُن کا خیال گزرا۔ قد احسن اللہ لہ رزقا کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں معراج کی صحیح حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں[1] سات آسمانوں اور اُن کے دروازوں کا اور سدرۃ المنتہیٰ اور آسمانوں کے اور عجائبات کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۃ النباء میں حدیثیں آئیں گی جن کا حاصل[2] یہ ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کی راہ کا فاصلہ ہے اور اسی قدر ہر ایک آسمان کی موٹائی ہے۔ یہ سب حدیثیں آیت کے ٹکڑے اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت کی گویا تفسیر ہیں۔ سورۃ النباء میں یہ صحیح حدیث بھی آئے گی کہ جو شخص[3] ایک بالشت بھر زمین بھی کسی کی دبائے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں کے اسی قدر ٹکڑے کا ایک طوق بنا کر ایسے شخص کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی تہ بر تہ ہیں ومن الارض مثلھن کی تفسیر میں بعضے مفسروں کا یہ قول ہے کہ سات زمینوں سے مطلب ساتوں اقلیمیں ہیں لیکن یہ قول اوپر کی صحیح حدیث کے مخالف معلوم ہوتا ہے کیونکہ اُس حدیث کے موافق زمین کے ایک ٹکڑے کا تعلق دوسری زمین سے پایا جاتا ہے جس تعلق کے سبب سے ساتوں زمینوں کے ٹکڑوں کا ایک طوق بنایا جائے گا۔ سات زمینوں کی ساتوں اقلیمیں تفسیر قرار دینے کی صورت میں یہ تعلق باقی نہیں رہتا۔ علاوہ اس کے سورۃ النباء میں حدیث آئے گی کہ ایک زمین سے دوسری زمین تک پانسو برس کی راہ کا فاصلہ ہے یہ بھی زمینوں کی تہ بر تہ ہونے کی حالت میں ہو سکتا ہے کس لیے کہ ایک اقلیم سے دوسری اقلیم تک پانسو برس کی راہ کا فاصلہ نہیں ہے۔ پہلی زمین کی مخلوقات کا حال تو سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ باقی زمینوں کے حال کی تفسیر میں سلف کا اختلاف ہے۔ مستدرک حاکم تفسیر[4] ابن جریرؒ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مثل پہلی زمین کے باقی زمینوں میں بھی تابع شریعت لوگ ہیں اور پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء تک وہاں انبیاء بھی آئے، کتابیں بھی اتریں۔ لیکن مستدرک[5] حاکم اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے جو مرفوع روایت ہے وہ اس کے برخلاف ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دوسری زمین میں ہوا ہے اور تیسری میں دوزخ کے ایندھن کے پتھر ہیں اور چوتھی میں اس ایندھن کے لیے گندھک ہے اور پانچویں میں دوزخ کے سانپ اور چھٹی میں دوزخ کے بچھو اور ساتویں میں دوزخ۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کو امام ذہبی اور عبداللہ بن

---

[1] صحیح بخاری باب المعراج ص ۵۴۸ ج ۱ [2] جامع ترمذی، تفسیر سورۃ الحدید ص ۱۸۵ ج ۲ [3] صحیح بخاری باب ماجاء فی سبع ارضین الخ ص ۴۵۳ ج ۱
[4] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۵ ج ۴ [5] تفسیر الدر المنثور ص ۲۳۸ ج ۶ -

ایاتہا ۱۲ — (۶۶) سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۷) — رکوعاتہا ۲

سورۃ تحریم مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تم پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا

عمرو بن العاص کی روایت کو منذری نے منکر کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان روایتوں کی تائید مشہور روایتوں سے نہیں ہوتی حافظ ابن کثیر نے یہ فیصلہ کیا ہے[۱] کہ آیت میں سات آسمان اور سات زمینوں کی پیدائش کا ذکر ہے۔ اس کا اعتقاد ہر مسلمان کو رکھنا چاہیے اور معراج کی صحیح حدیثوں میں آسمان کے عجائبات کا جس قدر ذکر ہے اس کو اور پہلی زمین میں جو اللہ کی قدرت اور حکمت کے نمونے ہیں ان کو آسمانوں اور پہلی زمین کے حال کی تفسیر سمجھنا چاہیے اور باقی زمینوں کا تفصیلی حال جبکہ کسی ناقابل اعتراض حدیث میں نہیں پایا جاتا تو قابل اعتراض روایتوں کے بھروسے پر اس اشتباہی حال کو آیت کی تفسیر نہ ٹھہرانا چاہیے۔ حافظ ابن کثیر کے قول کے موافق حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کے رسول کے بتلانے سے آسمانوں کے اور آنکھوں کے دیکھنے سے پہلی زمین کے جو کچھ عجائبات لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں ان پر غور کر کے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ کی قدرت بہت بڑی ہے کہ جس نے اپنی قدرت سے یہ سب کچھ پیدا کیا اور اس کا علم بڑا وسیع ہے کہ اس نے دنیا کے پیدا کرنے سے ہزارہا برس پہلے دنیا کا سب انتظام اپنے علم ازلی سے معلوم کر لیا ہے جس کے موافق آسمان سے زمین پر روز انہ احکام نازل ہوتے ہیں جن احکام کے سبب سے دنیا کا ہر طرح کا انتظام چل رہا ہے۔ ان احکام میں شرع کے احکام اور دنیا کے انتظام کے احکام سب داخل ہیں آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ جب آسمان زمین کا سب انتظام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جس انتظام میں کسی کا کچھ دخل نہیں ہے تو پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کے طور پر یا ریاکاری کے طور پر دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ وہ بڑے نادان اور ناشکر ہیں۔ اور جب اللہ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ان نافرمانوں کے عملوں سے ناواقف نہیں ہے۔ وقت مقررہ پر ان کا کیا ان کے سامنے آئے گا جس طرح اللہ کا وعدہ ہے اس کا ظہور بلاشک ہونے والا ہے۔

ا تا ہ۔ صحیحین میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان آیتوں میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ دونوں کا ذکر ہے جس طرح اب مفسرین میں اختلاف ہے کہ ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی بیبیوں کا ذکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح صحابہ کے زمانہ میں بھی یہ اختلاف جاری تھا۔ اسی واسطے صحیحین[۲] کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عرصہ سے میرا ارادہ تھا کہ حضرت عمرؓ سے دریافت کروں کہ ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی دو بیبیوں کا ذکر ہے لیکن مجھ کو موقع نہیں ملتا تھا آخر حج کے سفر میں مجھ کو موقع ملا اور میں نے اس بات کو حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انھوں نے بتلایا کہ یہ ذکر حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کا ہے۔ غرض صحیحین کی روایت میں جب ایک بات ثابت ہو چکی تو پھر مفسروں نے اس بات میں اختلاف جو کیا ہے کہ ان

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۵ ج ۴ [۲] صحیح بخاری تفسیر سورۃ التحریم ۷۲۹، ۷۳۰ ج ۲ و صحیح مسلم باب بیان ان تخییرہ امراتہ لا یکون طلاقا الا بالنیۃ ص ۴۸۱ ج ۱۔

رَّحِيمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ②

مہربان۔ ٹھہرا دیا ہے اللہ نے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا۔ اور اللہ صاحب ہے تمہارا اور وہی ہے سب جانتا حکمت والا۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ

اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات پھر جب اس نے خبر کر دی اس کی اور اللہ نے جتا دیا نبی کو یہ جتائی نبی نے

آیتوں میں کونسی دو بیبیوں کا ذکر ہے، اب اس اختلاف کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔ اسی طرح ان آیتوں کے شانِ نزول میں علماء مفسرین نے یہ جو اختلاف کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس چیز سے باز رہنے کی قسم کھائی تھی جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس اختلاف کا کوئی سبب نہیں ہے کیونکہ دو قصے جو شانِ نزول کے بیان کیے گئے ہیں وہ دونوں قصے صحیح ہیں اور دونوں قصوں کا مجموعہ ان آیتوں کی شانِ نزول کا قصہ ہے۔ شہد کا قصہ تو صحیحین[1] میں ہے اور حرم کے چھوڑ دینے کا قصہ نسائی[2] اور مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے، حاکم اور حافظ ابنِ حجر نے اس قصہ کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ کبھی چند قصوں کا مجموعہ آیت کی شانِ نزول ہوا کرتی ہے۔ ان آیتوں کی شانِ نزول بھی اسی قسم کی ہے۔ سوا ان دونوں قصوں کے اور کسی قصہ کی سند صحیح نہیں ہے۔ شہد کے قصہ کی حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے صحیحین میں جو ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت زینب بنت جحش کے حجرہ میں جا کر بیٹھا کرتے تھے اور بار ہا حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر داری کے طور پر شہد آپؐ کے سامنے رکھا کرتی تھیں اور آپؐ وہ شہد چاٹا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینبؓ کے پاس زیادہ بیٹھنا ناگوار ہوا۔ اس لیے ان دونوں نے آپس میں صلاح کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ آپؐ کے منہ سے اوپری بُو آتی ہے۔ کیا آپؐ نے بدبُو کا وہ گوند کھایا ہے جس کو مغافر کہتے ہیں آپؐ نے فرمایا میں نے مغافر تو نہیں کھایا، ہاں زینبؓ کا دیا ہوا شہد تو میں نے چاٹا ہے، اس کے بعد آپؐ نے شہد کے نہ کھانے کی قسم کھالی، اور حضرت حفصہؓ کو منع کیا کہ اس قسم کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ اس ممانعت سے آپؐ کا مطلب یہ تھا کہ اس کا چرچا ہو کر حضرت زینبؓ کو اس بات کے سننے سے رنج نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حجرے میں زیادہ بیٹھنا چھوڑ دیا۔ بعضی روایتوں میں بجائے زینبؓ کے حفصہؓ کا نام ہے اور صفیہؓ اور سودہ بنت زمعہ کو حضرت عائشہ کا ہم صلاح بیان کیا ہے۔ لیکن کسی راوی کو ناموں کے بیان کرنے میں شبہ پڑ گیا ہے، صحیح نام وہی ہیں جو اوپر کی روایت میں بیان کیے گئے۔ حرم کے چھوڑ دینے کے قصہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ حرم ماریہ قبطیہ بنت شمعون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی حرم ہیں جن کو مقوقس والی مصر و اسکندریہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور تحفہ کے بھیجا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم انہی کے پیٹ سے تھے اس لیے ان کی کنیت اُمِّ ابراہیم تھی۔ ایک دن حضرت حفصہؓ اپنے والد بزرگوار حضرت عمرؓ سے ملنے گئی ہوئی تھیں، ان کے پیچھے ان کے حجرے میں ماریہ قبطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ اتنے میں حضرت حفصہؓ بھی اپنے باپ سے مل کر واپس آگئیں اور ماریہ قبطیہ کو اپنے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ کی دلداری کے لیے یہ عہد کر لیا کہ اب آئندہ ماریہ قبطیہ سے صحبت کا واسطہ نہ رکھیں گے اور حضرت حفصہؓ کو منع کر دیا کہ وہ اس

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۃ التحریم ص ۷۲۹، ج ۲ و صحیح مسلم باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امراتہ الخ ص ۴۷۸ ج ۱ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۶ ج ۴۔

بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ

اس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ ۔ پھر جب وہ جتایا عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتایا یہ کہا مجھ کو بتایا اُس خبر والے

الْخَبِیْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ

واقف نے اگر تم دونوں توبہ کرتیاں ہو تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے ۔ اور اگر تم دونوں چڑھائی کرو گیاں اس پر تو اللہ ہے

بات کا کسی سے ذکر نہ کریں۔ اس ممانعت سے آپ کی غرض یہ تھی کہ ماریہ قبطیہ اس قصہ کو سن کر رنجیدہ نہ ہوں واللہ غفور رحیم کا یہ مطلب ہے کہ اے نبی اللہ کے تم نے اپنی بیبیوں کی خاطر سے اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو چھوڑ دینے میں جو ترک اولیٰ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اُس کو معاف کر دیا۔ صحیح بخاری[۱] و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی سے یہ کہہ بیٹھے کہ میں نے تجھ کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تو یہ قسم ہے قسم کا کفارہ ادا کرکے وہ شخص اپنی بی بی سے میل جول کر سکتا ہے۔ ماریہ قبطیہ سے صحبت کا واسطہ نہ رکھنے کا عہد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کر لیا تھا اُس کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں قسم کے کفارہ کا جو ذکر ہے اُس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل بڑی کتابوں میں ہے جس چیز سے باز رہنے پر آدمی قسم کھا بیٹھے اُس کے استعمال میں آدمی کو ایک بندش ہو جاتی ہے اس لیے قسم کے کفارہ کو قسم کا کھولنا فرمایا قسم کے کفارہ کی تفسیر سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے کہ ایک غلام کا آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑا بنا دینا اور اگر ان باتوں کا مقدور نہ ہو تو تین روزے رکھنا ہر ایک شخص کی حالت کے موافق یہ قسم کا کفارہ ہے واللہ مولٰکم وھو العلیم الحکیم کا یہ مطلب ہے کہ حرام و حلال ٹھہرانے کا اللہ مالک اور متولی ہے اُس نے اپنے علم ازلی اور حکمت کے موافق جو کچھ حرام و حلال ٹھہرا دیا ہے اس میں کسی انسان کو دخل نہ دینا چاہیے۔ واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے پاس زیادہ بیٹھنے اور شہد کے پینے کو چھوڑ دینے کا اور ماریہ قبطیہ سے صحبت کا واسطہ نہ رکھنے کا عہد حضرت حفصہؓ کے رُوبرو راز کے طور پر کیا اور اُن کو اس کا چرچا کرنے سے منع کر دیا فلما نبأت بہ کا یہ مطلب ہے کہ حضرت حفصہؓ نے اس راز کی بات کو حضرت عائشہؓ سے کہہ دیا۔ واظہرہ اللہ علیہ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حفصہؓ کے افشائے راز کا حال وحی کے ذریعہ سے اپنے نبی کو جتلا دیا عرف بعضہ واعرض عن بعض کا یہ مطلب ہے کہ افشائے راز کا حال معلوم ہو جانے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے اُس افشائے راز کی شکایت کی تو پوری شکایت نہیں کی بلکہ بعض لائق شکایت باتوں کو آپؐ نے حضرت حفصہ کے رُوبرو نہیں دُہرایا۔ بعضی روایتوں میں یہ جو ہے کہ یہ حضرت ابوبکر اور عمر کی خلافت کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے راز کے طور پر بیان کیا تھا جس کا ذکر انھوں نے حضرت عائشہؓ سے کر دیا۔ ان روایتوں کی سند اعتراض کے قابل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول کا یہ ایک راز تھا جس کا چرچا صحابہ کے عہد میں بھی نہیں ہوا پھر مابعد کے لوگوں کو اس کی کوئی صحیح روایت کیونکر پہنچ سکتی ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ یہ دین کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ دین کی کسی بات کو صیغۂ راز میں رکھنا نبی کا کام نہیں ہے۔ اب آگے حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کو متنبہ فرمایا کہ اِن دونوں نے ہم صلاح

[۱] صحیح بخاری باب لم تحرم ما احل اللہ لک ص ۷۹۲ ج ۲ و صحیح مسلم باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امرأتہ الخ ص ۴۷۸ ج ۱۔

هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④

اس کا رفیق اور جبریل اور نیک ایمان والے اور فرشتے ان کے پیچھے مددگار ہیں۔

ہو کر اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانے کی ایک بات کی طرف اپنے دل کو مائل کیا اُس سے اُن کو توبہ و استغفار کرنی چاہیے، اور اللہ کے رسول کی مدد میں آیندہ اُن کو لگے رہنا چاہیے۔ اگر یہ ایسا نہ کریں گی تو اللہ اور اُس کے فرشتے اور نیک اہل ایمان اللہ کے رسول کی مدد کے لیے کافی ہیں، اگرچہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی مدد سب کو کافی ہے، لیکن یہ دُنیا عالمِ اسباب ہے آسمانی اور زمینی ابواب میں مدد کے جو اسباب تھے اُن کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کے ساتھ فرما دیا تاکہ مدد کے سب طریقے پُورے ہو جائیں۔ بعضے عیسائی علماء نے اسلام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اسلام میں ایک سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا بڑی معیوب بات ہے، اور اسی باب میں خاص نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نَو عورتوں کا آپ کے نکاح میں ایک ساتھ ہونا غلبہ خواہش نفسانی کی علامت ہے جو نبوت کی شان کے برخلاف ہے اہل اسلام نے ان اعتراضات کے جو جواب دیئے ہیں ان کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) اہل کتاب اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی پر کہتے ہیں اور پھر حضرت ابراہیم کی سنت اور طریقے کو اپنے اُس اعتراض میں گویا معیوب ٹھہراتے ہیں کیونکہ کوئی اہلِ کتاب اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک ساتھ سارا اور ہاجرہ دو بیبیاں تھیں۔

(۲) حضرت یعقوبؑ کی چار بیبیاں تھیں جن کا کوئی اہلِ کتاب انکار نہیں کرسکتا۔ تورات کی کتاب التکوین کا ۲۹ واں باب دیکھنا چاہیے۔

(۳) حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کی بیبیوں کی کثرت کا کسی اہلِ کتاب کو انکار نہیں، کیونکہ صحائفِ مقدسہ میں کے صحیفہ صمویل ثانی کے پانچویں باب میں حضرت داؤد کا اور صحیفہ ملوکِ اوّل کے گیارھویں باب میں حضرت سلیمان کا یہ ذکر موجود ہے

(۴) تورات کی کتاب الاستثنا کے اکیسویں باب میں ایک سے زیادہ بیبیوں کے ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کی اجازت موجود ہے۔ اس لیئے اعتراض تورات کے برخلاف ہے۔ حالانکہ شریعتِ موسوی اور شریعتِ عیسوی دونوں شریعتوں میں تورات واجب العمل ہے۔

(۵) جوشِ جوانی گزر جانے کے بعد ۵۳ برس کی عمر کے قریب نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ مکہ کے قیام کے زمانہ میں پہلے خدیجہؓ اور پھر خدیجہ کے انتقال کے بعد سودہؓ اس طرح ۵۳ برس کی عمر تک آپؐ کے نکاح میں ایک ہی بی بی رہی۔ ہجرت کے بعد جب اہلِ اسلام کی عورتوں کی کثرت ہوئی اور عورتوں سے خصوصیت رکھنے والے ایسے مسائل مدینہ میں نازل ہوئے جن کی تعلیم اجنبی عورتوں کے ذریعہ سے ممکن نہیں تھی تو اللہ کے حکم سے اللہ کے رسول نے معلمہ دینی کے طور پر جوشِ جوانی کا زمانہ گزر جانے کے بعد دینی ضرورت سے زیادہ عورتیں اپنے نکاح میں رکھیں، غرض اس طرح سے زیادہ عورتوں کا نکاح میں رکھنا آپؐ کے نبی ہونے کی پوری دلیل ہے۔ جو کوئی اس کو غلبہ خواہش نفسانی کی علامت بتاتا ہے اُس کا قول تاریخی واقعات کے بالکل برخلاف ہے۔ عیسائی علماء کی دیکھا دیکھی بعضے

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ

اُس کا رب بدلے میں دے اُن کو عورتیں تم سے بہتر حکم بردار یقین رکھتیاں نمازیں کھڑی رہتیاں

تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ﴿۵﴾

توبہ کرتیاں بندگی بجالاتیاں روزہ دار بیاہیاں اور کنواریاں۔

آریہ فرقے کے لوگوں نے بھی یہی اعتراض اسلام پر کیا ہے۔ اہلِ اسلام نے پہلا جواب تو اس اعتراض کا وہی دیا ہے جو طلاق میں گزرا کہ وید جب تک کتابِ آسمانی ثابت نہ ہوں۔ آریہ فرقہ کے لوگوں کو کسی آسمانی کتاب پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہے پھر فرقے آریہ کے الزام دینے کو یہ جواب بھی دیا ہے کہ پنڈت دیانند کی ستیارتھ پرکاش کے موافق جس طرح دائم المرض مرد کی عورت کو نیوگ کی اجازت ہے، یہ ایک ظاہر بات ہے کہ آریہ مذہب کے احکام کی خامی اور کوتاہی کے سبب سے نیوگ کی بدکاری آریہ مذہب میں داخل ہوئی ورنہ طلاق کا حکم آریہ مذہب کی کتابوں میں ہوتا تو دائم المرض مرد کی عورت بیمار شوہر سے طلاق حاصل کر کے دُوسرا شوہر حاصل کر سکتی تھی۔ اسی طرح دُوسری عورت سے شادی کا حکم آریہ مذہب میں ہوتا تو دائم المرض عورت کا شوہر دوسری شادی کر سکتا تھا۔ یہ احکام کی خامی اس بات کی گواہ ہے کہ وید کی کتاب آسمانی نہیں، کیونکہ آسمانی کتاب میں اس طرح کے احکام کی خامی کوئی مخالف ہرگز نہیں بتا سکتا۔ اور یہی احکام کی پختگی قرآن کے کتابِ آسمانی ہونے کی پُوری دلیل ہے۔ نیوگ کی تفصیل سورۂ طلاق میں گزر چکی ہے۔

۵۔ پردہ کے باب میں، بدر کے قیدیوں کے باب میں، مقامِ ابراہیم کے مصلّٰی ٹھیرانے کے باب میں جس طرح اور چند آیتیں قرآن شریف میں حضرت عمرؓ کے قول کے موافق اس طرح نازل ہوئی ہیں کہ کسی آیت کے نازل ہونے سے پہلے جو بات حضرت عمرؓ نے فرمائی، اسی مضمون کی ایک آیت نازل ہوئی۔ اُن ہی آیتوں میں سے یہ بھی ایک آیت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاریؒ وغیرہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں نے آنحضرتؐ سے بدمزاجی کرنی شروع کی تو حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی بیبیوں کو سمجھایا اور فرمایا کہ اگر یہی حال رہے گا تو کیا عجب ہے کہ اللہ کے رسولؐ تم بیبیوں کو طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو تم بیبیوں سے اچھی بیبیاں عنایت کر دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اگرچہ علمِ ازلی الٰہی میں یہ تھا کہ نہ اللہ کے رسولؐ اپنی سب بیبیوں کو طلاق دیں گے نہ اللہ تعالیٰ اِن بیبیوں سے بہتر بیبیاں بدلے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں تھا آخر کو وہی ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت جتائی کہ اُس کی قدرت میں سب کچھ ہے، کوئی چیز اُس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں سب کچھ لکھے جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ جو کچھ اور چاہے کر سکتا ہے۔ اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ہے۔ تقدیر کے مسئلہ کے بیان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر اُوپر بھی گزر چکا ہے۔ قٰنِتٰت کے معنے فرمان بردار۔ تٰٓئِبٰت کے معنے ہر گناہ سے فوراً توبہ کرنے والیاں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو اِن لفظوں میں پچھلی حالت سے توبہ کرنے اور آئندہ کی فرمانبرداری کی ترغیب ہے۔ سٰٓئِحٰت کے معنی مہاجرات کے کیے ہیں۔ ثَيِّبٰه وہ عورت ہے جو پہلے شوہر سے چھوٹ گئی۔ اس طرح کی عورت دنیا کو بھگت کر سمجھ دار ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کا ذکر فرمایا۔

۵ھ صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ التحریم ص ۷۳۱ ج ۲۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ عَلَيْهَا

اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر اس پر مقرر ہیں

مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾

فرشتے تند خو زبردست بےحکمی نہیں کرتے اللہ کی جو بات اُن کو فرمائی اور وہی کام کرتے ہیں جو حکم ہو۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَا تَعْتَذِرُوا۟ ٱلْيَوْمَ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧﴾ ع ۱۹

اے منکر ہونے والو مت بہانے بناؤ آج کے دن وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے۔

۶، ۷۔ ہر ایماندار آدمی اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے یوں بچا سکتا ہے کہ جن باتوں کے بجالانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اُن کے بجالانے کی اور جن سے منع فرمایا ہے، اُن سے باز رہنے کی خود بھی کوشش کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کی تاکید کرتا رہے۔ روزہ، حج، زکوٰۃ ایسے فرائض ہیں جن کے ادا کرنے کا وقت سال میں یا عمر میں ایک دفعہ آتا ہے۔ نماز ایک ایسا فرض ہے کہ دن رات میں پانچ وقت ہے اس لیے گھر والوں کو اس کی خاص تاکید رکھنے کا حکم سورۃ طٰہٰ کی آیت وامر اھلك بالصلوٰۃ میں گزر چکا ہے یہ تو نماز کا دنیا میں اہتمام ہوا کہ قرآن اور حدیث میں جگہ جگہ اُس کا ذکر ہے۔ عقبیٰ میں بھی باقی کے سب فرائض سے پہلے نماز کا حساب ہوگا چنانچہ مسند امام احمد[1] اور سنن اربعہ میں معتبر سند سے ابوہریرہ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ اسی واسطے مسند امام احمد اور ابوداؤد[2] وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن میں ہے کہ سات برس کے لڑکے کو نماز کی زبانی تاکید کی جائے اور دس برس کے لڑکے کو مار پیٹ کر کے نماز پڑھائی جائے۔ اس روایت کے چند طریقے ہیں اس لیے ایک کو دوسرے سے تقویت حاصل ہو کر یہ روایت قابلِ اعتبار ہے۔ اگرچہ دس برس کے لڑکے یا لڑکی پر نماز فرض نہیں ہے لیکن یہ تاکید اس لیے ہے کہ بالغ ہونے کے بعد مسلمان کی اولاد کو نماز کی عادت رہے۔ اکثر سلف کے قول کے موافق دوزخ کا ایندھن گندھک کے ایک قسم کے پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہے۔ اوسط طبرانی میں ناقابلِ اعتراض سند سے حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا دوزخ پر جو فرشتے تعینات ہیں، اگر اُن میں سے ایک فرشتہ بھی زمین پر آجائے تو اس کی خوفناک صورت دیکھ کر تمام دُنیا کے لوگ مر جائیں۔ حدیث کا یہ ٹکڑا غِلَاظٌ شِدَادٌ کی گویا تفسیر ہے۔ دُنیا کے جیل خانے میں جیل کے داروغہ یا نگہبان کبھی بعضے قیدیوں سے مل جاتے ہیں اور ان قیدیوں کی طرح طرح سے رعایت کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ دوزخ کے داروغہ اور نگہبانوں کا یہ حال نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پورے فرمانبردار ہیں۔ اس واسطے وہ اللہ کے حکم کی پوری تعمیل کریں گے۔ صحیح مسلم کی انس بن مالک کی حدیث اوپر گزر چکی[3] ہے کہ قیامت کے دن بعضے گنہگار اپنے گناہوں کے اقبال کرنے میں پہلے بہل طرح طرح کے عذر کریں گے آخر اللہ تعالیٰ اُن کے منہ پر سکوت کی مہر لگا کر اُن کے ہاتھ پیروں کو گواہی کے ادا کرنے کا حکم دے گا اور ایسے لوگوں کے ہاتھ پیر اُن کے سب عملوں کی شہادت ادا کریں گے اور پھر اُن لوگوں کا کوئی عذر نہ سنا جائے گا۔ غرض اِن آیتوں میں جس وقت کے عذر کے نہ سنے جانے کا ذکر ہے اُس وقت کی یہ حدیث تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان لوگوں کو پہلے عذر داری کا موقع دیا

[1] مشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ فی التطوع۔ فصل ثانی۔ ص ۱۱۷ [2] ابوداؤد متی یومر الغلام بالصلوٰۃ ص ج [3] صحیح مسلم۔ کتاب الزھد ص ۴۰۹ ج ۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ

اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ شاید تمہارا رب اتار دے تم سے تمہاری

سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ

برائیاں اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں جس دن اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو

جائے گا اور آخری شہادت پر فیصلہ ہو کر اس طرح وہ فیصلہ آخر اُن لوگوں کو سُنا دیا جائے گا۔ نیک و بد سے ایک طرح کا برتاؤ کرنا بڑی ناانصافی ہے۔ اس لیے اے نافرمان لوگو تمہارے حق میں منصفانہ فیصلہ یہی ہے کہ تم اپنے کیے کی سزا بھگتو۔ اور صحیح حدیثوں کے حوالہ سے یہ گزر چکا ہے کہ دوزخ کے جیلخانہ کی سزا کے بعد جن گنہگاروں کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو گا، اُن کی سزا حسبِ حیثیت جرم میعادی ہو گی جس میعاد کے گزر جانے کے بعد پھر وہ دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ ہاں اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک ٹھہرانے والے لوگ بغاوت کے جرم کے مجرم ہیں۔ اس واسطے اُن کی سزا اس فیصلہ میں دائم الحبس قرار پائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ایسے لوگوں کے حق میں یہی منصفانہ وعدہ ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔

۹،۸۔ اوپر ذکر تھا کہ ہر ایماندار آدمی نیک کام کر کے اور بُرے کام سے باز رہ کر اپنی جان کو اور یہی تاکید رکھ کر اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچائے۔ اِن آیتوں میں توبہ کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اُن سے باز رہنے کا ارادہ رکھتے ہوئے بشریت کے تقاضے سے اگر کوئی شخص بُرا کام کر بیٹھے اور پھر فوراً اُس پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ ہر گنہگار کی توبہ قبول کرتا ہے۔ صحیح مسلم[1] کی ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی غفور رحیمی کی صفت ایسی پیاری ہے کہ جو لوگ زمین پر ہیں یا ہوں گے۔ اگر وہ گناہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کو دُنیا سے اُٹھا کر اُن کی جگہ اور ایسی مخلوقات پیدا کرے کہ وہ لوگ گناہ کر کے پھر توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کر کے اپنی پیاری صفت غفور رحیمی کو کام میں لائے۔ مسند[2] ابی یعلیٰ اور طبرانی میں معتبر سند سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں، سات تو بند ہیں۔ قیامت کے دن جب لوگ جنت میں جائیں گے اُس وقت وہ دروازے کھلیں گے ہاں ایک دروازہ توبہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اُسی میں سے ہر ایک توبہ کرنے والے کی توبہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جاتی اور قبول ہوتی ہے۔ صفوان بن عسال سے ترمذی[3] اور بیہقی میں روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے قریب جب آفتاب مغرب سے نکلے گا اس وقت تک یہ توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ سورۃ النساء میں توبہ کی شرائط اور توبہ کے وقت کی تفصیل گزر چکی ہے۔ توبہ نصوح کے معنے ایسی خالص توبہ کے ہیں کہ توبہ کرتے وقت پچھلے گناہوں پر پوری ندامت اور آئندہ کے گناہوں سے باز رہنے کا دل میں ارادہ ہو۔ مستدرک[4] حاکم

[1] صحیح مسلم باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبۃ ص ۳۵۵ ج ۲ [2] الترغیب والترہیب۔ کتاب التوبۃ والزہد ص ۱۵۰ ج ۴۔

[3] جامع ترمذی باب ماجاء فی فضل التوبۃ الخ ص ۱۹۵ ج ۲ [4] الدر المنثور ص ۲۴۵ ج ۶۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا

اور جو لوگ یقین لاتے ہیں اُس کے ساتھ ۔ اُن کی روشنی دوڑتی ہے اُن کے آگے اور اُن کے داہنے کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے

نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ

ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو ۔ تو ہر چیز کر سکتا ہے ۔ اے نبی لڑائی کر منکروں سے اور

میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت عمرؓ سے توبہ نصوح کے معنے پوچھے تو آپؓ نے یہی معنے بتائے جو اُوپر ذکر کیے گئے۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے معتبر سند سے مسند امام احمدؒ اور مستدرک حاکم کی ابوسعید خدری کی حدیث ہے جس میں شیطان نے قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کے رُوبرُو بنی آدم کے بہکانے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے جاہ و جلال کی قسم کھا کر اس ملعون کو جواب دیا ہے کہ بنی آدم گناہ کر کے خالص دل سے جب تک توبہ استغفار کریں گے تو اُن کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ صحیح بخاریؒ و مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث جس میں ہر نیکی کا اجر دس سے لے کر سات سو تک ہے۔ صحیح مسلم کی عبداللہ ابن عمروؓ بن العاص کی حدیث ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت کے دن اُمتِ محمدیہ کے ایماندار گنہگاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ وہ برتاؤ کرے گا جس سے اللہ کے رسولؐ خوش ہو جائیں گے۔ معتبر سند سے ابوداؤدؒ اور مستدرک حاکم کی حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نامۂ اعمال کے بٹنے کے موقع کو اور نامۂ اعمال کے تولے جانے کے موقع کو قیامت کے تین مشکل موقعوں میں شمار فرمایا ہے۔ یہ سب حدیثیں اوپر گذر چکی ہیں، جو ان دونوں آیتوں سے پہلی آیت کی گویا تفسیر ہیں۔ ان حدیثوں اور آیت کو ملا کر حاصل مطلب یہ قرار پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اُمتِ محمدیہ کے ایماندار گنہگاروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے وعدے کو پُورا کرنے کے لیے نیکیوں کا اجر بڑھا کر اور گناہوں کو توبہ و استغفار سے معاف فرما کر نامۂ اعمال کے بٹنے کے اور اعمال کے تولے جانے کے دونوں مشکل موقعوں کو آسان کر دیا ہے۔ کیونکہ گناہوں کے معاف ہو جانے سے نامۂ اعمال میں فقط نیکیاں رہ جائیں گی جس سے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیئے جانے کے قابل ہو جائے گا۔ اسی طرح نیکیوں کے اجر بڑھ جانے سے میزان میں نیکیوں کا وزن زیادہ ہو جائے گا۔ رہا تیسرا مشکل موقع پلصراط کا، اُس کے لیے فرمایا کہ پلصراط کے اندھیرے کو جلدی سے طے کرنے کی غرض سے اِن لوگوں کے اعمال کے موافق اُن کو روشنی دی جائے گی تاکہ پُل صراط کو طے کر کے یہ لوگ جھٹ پٹ جنت میں جا پہنچیں۔ اپنی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے نور جو عطا کیا ہے اُس نُور کی عنایت کے تین زمانہ ہیں۔ ایک زمانہ تو ازل کا ہے جس وقت تک مخلوق دُنیا میں پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ مخلوق کا اُس وقت تک عالمِ ارواح کا حال تھا۔ اُس نور کے ذکر میں ترمذیؒ اور مسند امام احمدؒ کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں جب پیدا کیا تو جنّ و انس سب پر خواہش نفسانی کا ایک اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک نُور عنایت کیا۔ جس نے اُس نور کا پُورا حصہ پایا وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد نیک ہُوا اور جس نے اُس نور کا پُورا حصہ نہیں پایا

لہ مشکوٰۃ شریف باب فی الاستغفار التوبۃ۔ فصل ثانی ص ۲۰۴ ۔ ۲ہ صحیح بخاری باب حسن اسلام المرء الخ ص ۱۰ ج ۱ ۔ ۳ہ صحیح مسلم باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ الخ ص ۱۱۳ ج ۱ ۔ ۴ہ ابوداؤد باب فی ذکر المیزان ص ج ۲ ۔ ۵ہ جامع ترمذی۔ اواخر ابواب الایمان ص ۹۴ ج ۲ ۔

الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹

دغا بازوں سے اور سختی کر اُن پر اور اُن کا گھر دوزخ ہے اور بُری جگہ پہنچے۔

وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد بد ہُوا۔ دُوسرا زمانہ نور کے عنایت ہونے کا دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کا ہے جس کا ذکر آیت افمن شرح اللّٰہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ میں گزرا۔ یہ درجہ نور کا دنیا میں انسان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ انسان کی تمام نفسانی خواہشیں شرع کے احکام کے تابع ہو جاتی ہیں۔ اس درجہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحیح مسلم کی حضرت عباسؓ کی روایت میں فرمایا ہے کہ حلاوتِ ایمان اسی کا نام ہے۔ یہ حلاوۃ ایمان کا درجہ آدمی کو جب حاصل ہوتا ہے جس کا ذکر صحیحین کی حضرت انسؓ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تین خصلتیں اس آدمی میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تمام دنیا کی چیزوں سے بڑھ کر اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت اُس شخص کے دِل میں سما جاتی ہے اور وہ شخص دُنیا میں جس کسی سے اُلفت پیدا کرتا ہے وہ غرض دینی سے ہُوا کرتی ہے اور ایسے شخص کو کوئی آگ میں ڈال دے تو اُس کو قبول ہے مگر اسلام کی باتوں کو چھوڑ دینا اُس کو ہرگز گوارا نہیں ہوتا۔ تیسرا وہ نور ہے جو پُلصراط پر گزرنے کے وقت ہر ایک کے عمل کے موافق ہر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا جس کا ذکر سورۃ حدید میں گزر چکا ہے۔ اگرچہ اس آیت میں بھی اسی قیامت کے دن کے پُلصراط پر کے نُور کا ذکر ہے لیکن وہ نور دُنیا کی ایمانداری اور دُنیا کے نیک عملوں کے سبب سے دیا جائے گا۔ اس واسطے شاہ صاحب نے اِس آیت کے اُردو فائدہ میں دُنیا کی ایمانداری اور دُنیا کے ایمان کے نُور اور حلاوتِ ایمان کے درجہ کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ حدید میں گزر چکا ہے کہ منافقوں کی روشنی بُجھتی دیکھ کر ایماندار لوگ اپنی روشنی کے حق میں اللہ سے یہ دُعا مانگیں گے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اِس سے پہلے کی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر تھا جو اللہ کے رسول کی نصیحت سے راہِ راست پر تو آگئے لیکن بشریّت کے تقاضے سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کبھی کبھی کچھ کام کر بیٹھتے ہیں اور پھر اُس پر نادم ہوتے ہیں۔ اب آگے کی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے کہ یا تو وہ اللہ کے دین کے بالکل منکر ہیں یا زبان سے تو اللہ کے دین کا اقرار کرتے ہیں لیکن اُن کے دِل میں مُنکر ہی ہُوئی ہے۔ ایسے لوگ جن کی زبان پر کچھ ہے اور دِل میں کچھ، اُن کو منافق کہتے ہیں۔ یہ لوگ ظاہری کلمہ گو ہیں اور اُن کے دِل کا حال سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں اس لیے ایسے لوگوں کے ساتھ ہتھیار کی لڑائی کا حکم نہیں ہے۔ فقط زبانی وعظ نصیحت سے اُن کو راہِ راست پر لانے کا حکم ہے۔ جہاد کا لفظ جس طرح ہتھیار کی لڑائی کے معنے میں بولا جاتا ہے۔ اسی طرح زبانی وعظ نصیحت پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس واسطے منافقوں کے ذکر کے ساتھ اس لفظ کے یہی زبانی وعظ نصیحت کے معنی ہیں۔ جو لوگ اللہ کے دین کے بالکل منکر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد تیرہ برس تک مکّہ کے قیام کے زمانہ میں ایسے دین کے سراپا منکر لوگوں کے ساتھ بھی ہتھیار کی لڑائی کا حکم نازل نہیں ہوا کیونکہ اس وقت تک مسلمانوں کے پاس کسی سے لڑنے کا سامان نہیں تھا۔ اس بے سروسامانی کے زمانہ میں مخالفوں کی طرح طرح کی ایذا سے تنگ آکر اگرچہ مسلمانوں نے ہتھیار کی لڑائی کا اپنا ارادہ بھی ظاہر کیا لیکن اس وقت درگذ

[۱] صحیح مسلم باب الدلیل علی من رضی باللہ ربا الخ ص ۴۷ ج ۱ [۲] صحیح مسلم باب بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان ص ۴۹ ج ۱ و صحیح بخاری باب حلاوۃ الایمان ص ۷ ج ۱۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ

اللہ نے بتائی ایک کہاوت منکروں کے واسطے عورت نوح کی اور عورت لوط کی ۔ گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے

عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ

ہمارے بندوں نیک سے پھر انھوں نے اُن سے چوری کی، پھر کام نہ آئے ان کو اللہ کے ہاتھ سے کچھ اور حکم ہوا کہ چلی جاؤ دوزخ میں ساتھ

کی، چند آیتیں وقت بوقت نازل ہوتی رہی تھیں۔ ہجرت کے ایک سال کے قریب کے بعد جب مسلمانوں کے پاس لڑائی کا کچھ سازوسامان ہوگیا تو ہتھیار کی لڑائی کا حکم نازل ہوا اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد درگزر کی آیتیں ہمیشہ کے لیے منسوخ ہیں، یا ضعفِ اسلام کے زمانہ میں اب بھی وہی درگزر کا حکم قائم ہے۔ علماء کی ایک بڑی جماعت نے اُسی کو ترجیح دی ہے کہ جہاد کے حکم سے درگزر کی آیتیں منسوخ نہیں ہیں بلکہ ضعفِ اسلام کے وقت درگزر کا حکم قائم ہے، کیونکہ شریعت کا جو حکم کسی سبب پر منحصر ہے، اس حکم کا عمل بھی اسی وقت ہوگا۔ جب وہ سبب پایا جائے گا جس طرح مثلاً زکوٰۃ کا حکم آدمی کی خوش حالی پر منحصر ہے اب فرض کیا جائے کہ ابتدائی حالت میں ایک شخص تنگ حال تھا، اس لیے زکوٰۃ کے حکم کا سبب نہیں پایا گیا اور اس شخص سے زکوٰۃ کا حکم متعلق نہیں ہوا۔ اب بیچ میں اُسی شخص کے پاس زکوٰۃ کے فرض ہوجانے کے قابل مال جمع ہوگیا تو اب اُس سے زکوٰۃ کا حکم بھی متعلق ہوجائے گا۔ اب یُوں فرض کیا جائے کہ اتفاق سے آخر کو پھر وہ شخص تنگ حال ہوگیا تو اب زکوٰۃ کا حکم بھی ایسے شخص سے متعلق نہ رہے گا۔ اُوپر جہاد کے حکم کی جو حالت بیان کی گئی اُس کے موافق یہ حکم بھی سببی احکام میں کا ایک حکم ہے۔ اس واسطے اس کا عمل بھی سبب کے پائے جانے پر منحصر رہنا چاہیے۔ صحیح مسلم[1] میں ابوسعید خدری کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافِ شریعت کسی بات کو دیکھ کر جس ایماندار شخص میں اتنی قوت ہے کہ وہ اس کی اصلاح ہاتھ پیر سے کرسکتا ہے تو ایسا عمل کرے ورنہ زبان سے وعظ و نصیحت کرکے اصلاح کرے۔ اگر اتنی قوت بھی اپنے آپ میں نہ پائے تو اس خلافِ شریعت بات کو دل سے بُرا جانے کہ یہ ایمان کا ضعیف درجہ ہے۔ اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ درگزر کا حکم منسوخ نہیں ہے کیونکہ اس میں ضعفِ اسلام کے وقت بجائے ہاتھ پیر کی لڑائی کے زبان و دل سے کام لینے کی ہدایت ہے۔ بعضے عیسائی علماء نے یہ لکھا ہے کہ ابتداء میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ اگر یہ تلوار کا خوف نہ ہوتا تو اسلام کا پھیلنا مشکل تھا۔ اہلِ اسلام نے اس کا جواب یُوں دیا ہے کہ عیسائی علماء کا یہ خیال تاریخی واقعات کے برخلاف ہے کیونکہ تلوار کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے چودہ برس کے قریب کے مابعد میں نازل ہوا ہے جس کے نازل ہونے کے وقت ایک کافی جماعت مسلمانوں کی مکہ اور مدینہ میں موجود تھی جس جماعت کے اسلام کو تلوار کے خوف سے ثابت کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ عیسائی علماء نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ جہاد کا مسئلہ شریعتِ محمدیؐ کا ایک ایسا جدید مسئلہ ہے جس کا ذکر شریعتِ موسوی و عیسوی میں کہیں نہیں ہے۔ اہلِ اسلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ تورات کی کتاب الاستثناء کے بیسویں باب میں جہاد کے مسئلہ کا صراحت سے ذکر موجود ہے۔ اس لیے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ کتاب شریعتِ موسوی اور شریعتِ عیسوی دونوں شریعتوں کی معتبر کتاب ہے ۔

۱۰ تا ۱۲۔ اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل و عیال کا اور عام مسلمانوں کے اہل و عیال کا جُدا جُدا ذکر تھا۔ اس ذکر کے پُورا ہوجانے

[1] صحیح مسلم باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان الخ ص ۵۰ ج ۱۔

الدَّاخِلِينَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ

جانے والوں کے ۔ اور اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایمان والوں کو عورت فرعون کی جب بولی اے رب

ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ

بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے اور اُس کے کام سے اور بچا نکال مجھ کو

الظّٰلِمِیْنَ ﴿١١﴾ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

ظالم لوگوں سے اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکی اپنی شہوت کی جگہ پھر ہم نے پھونک دی اس میں ایک اپنی طرف سے جان

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ﴿١٢﴾

اور سچ جانیں اپنے رب کی باتیں اور اُس کی کتابیں اور وہ تھی بندگی کرنے والوں میں ۔

کے لیے اِن آیتوں میں تمثیل کے طور پر چار عورتوں کا ذکر فرمایا جن میں دو عورتیں حضرت نُوح اور حضرت لُوط دو پیغمبروں کی بیبیاں تھیں لیکن ان دونوں عورتوں کے ذاتی اعمال اچھے نہ تھے، اس واسطے پیغمبروں کی رشتہ داری اُن کے کچھ کام نہیں آئی بلکہ ان کے ذاتی عملوں کی خرابی کے سبب سے اُن کی عقبیٰ برباد ہوگئی ۔ تفسیر ابن جریر[١] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسی نبی کی بی بی سے بدکاری کا گناہ سرزد نہیں ہوا ، کہ اللہ کے نبی کی کسرِ شان نہ ہو۔ اس قول کے موافق حضرت نوح اور حضرت لُوط کی بیبیوں کی خیانت اور بے چوری کے معنے بے دینی کے ہیں بدکاری کے معنے نہیں ہیں ۔ فرعون کی بی بی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔ حضرت موسیٰ کا جادوگروں پر غالب ہونے کا قصہ دیکھ کر جب آسیہ نے اللہ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی دل سے تصدیق کی اور زبان سے اس تصدیق کا اقرار بھی کیا تو فرعون نے یہ حال سن کر اُن پر طرح طرح کا عذاب شروع کیا لیکن آسیہ اپنے ایمان پر قائم رہیں اور اُسی عذاب کی حالت میں انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے آسیہ کی یہ دُعا قبول فرمائی اور بہت جلدی فرعون کے ظلم سے ان جلتی بی بی کو نجات دے کر عقبیٰ میں بہت بڑا درجہ انھیں عنایت فرمایا۔ صحیح بخاری[٢] و مسلم میں ابُو موسیٰ اشعری کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں میں تو بہت کامل لوگ ہوئے ، مگر عورتوں میں آسیہ بنت مزاحم اور مریم بنت عمران اور خدیجہ بنتِ خویلد کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کاملین کا درجہ ہے ۔ اس مضمون کی اور بھی صحیح روایتیں ہیں جن میں حضرت فاطمہؓ کا بھی ذکر ہے ۔ حاصل اس تمثیل کا یہ ہے کہ جس مرد یا عورت کے دل میں حضرت نوح اور حضرت لُوط کی بیبیوں کی طرح بالکل نورِ ایمانی نہیں ہے اُن کی نجات کے لیے اللہ کے پیغمبروں کی قرابت داری بھی کافی نہیں ہوسکتی ۔ اور جن کے دل میں حضرت مریم اور آسیہ کی طرح کا نورِ ایمانی ہے اُن کو فرعون جیسے بدقرابتدار کی بدی بھی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی ، اور جو لوگ حضرت نوح اور لُوط کی بیبیوں کی طرح ایمان سے بالکل بے بہرہ نہیں ہیں بلکہ اُن کے دل میں اگر ذرہ برابر بھی ایمان ہے تو ایسے لوگوں کی نجات کامل الایمان قرابتداروں کی اجنبی مسلمانوں کی شفاعت سے ممکن ہے ۔ چنانچہ ابوسعید خدری کی صحیح بخاری[٣] و مسلم کی روایت میں اس کا ذکر اُوپر گزر چکا ہے ؎

[١] تفسیر ابن کثیر ص ٣٩٣ ج ٤ [٢] صحیح بخاری ۔ فضل عائشہ رضی اللہ عنہا ص ٥٣٢ ج ١ و صحیح مسلم باب من فضائل خدیجۃ رضی اللہ عنہا ص ٢٨٤ ج ٢

[٣] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجھمیۃ ص ١١٠٧ ج ٢ و صحیح مسلم باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الاٰخرۃ ربھم الخ ص ١٠٢ ج ١ ۔

آیاتھا ۳۰ — (۶۷) سُوْرَۃُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۷۷) — رکوعاتھا ۲

سورۃ ملک مکی ہے ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ

بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ ہے راج اور وہ سب چیز کر سکتا ہے۔ جس نے بنایا مرنا

وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ

اور جینا کہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام اور وہ زبردست ہے بخشنے والا۔ جس نے بنائے سات

سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى

آسمان تہ پر تہ۔ کیا دیکھتا ہے تو رحمان کے بنانے میں کچھ تفرق پھر دوبارہ کر نگاہ کو کہیں دیکھتا ہے

یہ سورۃ مکی ہے، نسائی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس سورۃ کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ عذاب قبر سے نجات بخشے گا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دوسری حدیث ترمذی میں ابوہریرہؓ کی روایت سے ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا یہ سورۃ ضرور اس شخص کی شفاعت کر کے اس کو بخشوائے گی، ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

ا تا ۵۔ سورۃ زخرف میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا چند روزہ انتظام اس طرح فرما دیا ہے کہ کسی کو بادشاہ کیا ہے کسی کو رعیت اور ایک کی ضرورت دوسرے سے لگا دی ہے۔ مثلاً رعیت کے لوگ کھیتی کر کے بادشاہ کو محصول دیتے ہیں۔ فوج کے لوگ ضرورت کے وقت بادشاہ کی طرف سے لڑتے ہیں لکھنے پڑھنے والے لوگ بادشاہ کے دفتری کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ اس طرح کے سب کاموں میں بادشاہ کی ضرورتیں رعیت اور نوکروں سے متعلق ہیں کھیتی کے لیے زمین کے ملنے کی رعیت کی ضرورت خرچ کے لیے تنخواہ کے ملنے کی ضرورت فوج اور اور قسم کے نوکروں کی ضرورتیں بادشاہ سے متعلق ہیں یہ سب کچھ ہے مگر بادشاہ اور رعیت سب پر اصل بادشاہی خدا تعالیٰ کی ہے۔ تمام رعیت کے لوگ کئی سال موسم پر مینہ برسنے کی تمنا کرتے ہیں مگر جب تک اس بادشاہ حقیقی کا حکم نہ ہو دنیا کے بادشاہوں سے کیا ہو سکتا ہے تمام رعیت کے لوگ اور نوکر لوگ ایک بادشاہ کا صاحب اولاد ہو جانا یا ایک بادشاہ کا کسی مرض سے اچھا ہو جانا چاہتے ہیں۔ لیکن بغیر حکم حاکم حقیقی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ روم کے بادشاہ کی حکومت مثلاً ایران میں نہیں اور ایران کے بادشاہ کی حکومت روم میں نہیں وہی بادشاہ حقیقی ہے جس کی بادشاہی ایک وتیرہ پر تمام دنیا میں جاری ہے۔ غرض دنیا کے بادشاہوں کی نہ تمام دنیا میں حکومت ہے نہ ہر طرح کا کارخانہ ان کے قبضہ کے ملک کا ان کے

لہ تفسیر الدر المنثور ص ۲۴۶ ج ۶ و ۲ جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ الملک ص ۱۳۲ ج ۲۔

مِن فُطُورٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ④

دراڑ۔ پھر دوہرا کر نگاہ کو دو دو بار الٹی آوے تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ

اور ہم نے رونق دی ورلے آسمان کو چراغوں سے اور اُن سے رکھی پھینک مار شیطانوں کی اور رکھی اُن کو مار

عَذَابَ السَّعِيرِ ⑤

دہکتی آگ کی۔

اختیار سے چل سکتا ہے ہر جگہ اور ہر طرح کا کام اللہ تعالیٰ کے ہی اختیار میں ہے اس واسطے بادشاہ اور فقیر سب کے سمجھانے کو فرمایا کہ تمام دنیا کا ملک تمام دنیا کی بادشاہی اور اس بادشاہی میں ہر طرح کی حکومت اس ایک ذات وحدہٗ لاشریک کے ہاتھ میں ہے جس نے تمام دنیا کو اس آزمائش کے لیے پیدا کیا کہ دنیا میں پیدا ہو کر کون نیک کام کرتا ہے اور کون بد اور پھر اپنی پیدا کی ہوئی ایسی چند چیزوں کا ذکر فرمایا جو انسان کی قدرت سے باہر ہیں تاکہ انسان کے دل میں اللہ کی قدرت کا پورا یقین جم جائے۔ موت و حیات کے پیدا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ انسان کی ایک حالت تو وہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کی کہ وہ دُنیا میں نابود اور علم الٰہی میں ایک وقت مقررہ پر اس کا دُنیا میں آنا مقرر تھا۔ پھر اس کو دنیا میں پیدا کیا جس کے سبب سے اس کی نابودی کی حالت جاتی رہی اور وہ زندگی کی حالت میں آگیا۔ کنتم امواتا فاحیاکم۔ خلق الموت والحیات کی پوری تفسیر ہے۔ پھر فرمایا کہ انسان کو حالت نابودی سے حالت زندگی اس لیے دی گئی ہے تاکہ دنیا کی ظاہری حالت میں کھل جائے کہ دنیا میں کس نے اچھے کام کیے اور کس نے بُرے ورنہ اللہ کے علم ازلی میں دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے ہی نیک و بد کا حال کھل چکا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم[۱] میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دُنیا کے پیدا کرنے کے بعد ہونے والا تھا اپنے علم ازلی کے موافق وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے انصاف کے موافق جزا و سزا کا مدار اپنے اس علم ازلی پر نہیں رکھا بلکہ جزا و سزا کا مدار دنیا کی ظاہری حالت پر رکھا ہے کہ جیسا کوئی کرے گا ویسا ہی پھل پاتے گا۔ عزیز کے معنے زبردست حقیقت میں وہ ایسا زبردست ہے کہ اس کے حکم کے آگے سب زبردست زیر ہیں۔ بخشنے والا وہ ایسا ہے کہ جب سب کی شفاعت ختم ہو چکے گی تو ایسے لوگوں کو جنھوں نے اپنی تمام عمر میں کوئی نیک کام نہیں کیا، دوزخ میں سے ایک لپ بھر کر نکالے گا اور اُن کو پھر جنت میں بھیج دے گا۔ چنانچہ صحیح بخاری[۲] و مسلم میں ابوسعید خدری کی ایک بہت بڑی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ سات آسمان اس طرح بنائے کہ جس طرح پہلا آسمان دنیا کی چھت ہے۔ اسی طرح ہر ایک آسمان دوسرے آسمان کی چھت ہے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کے راستہ کا فاصلہ ہے۔ اسی طرح ہر ایک آسمان کا دَل پانسو برس کی راہ کا ہے۔ بغیر کسی سہارے کے اتنے بڑے دَل کی یہ تہ بہ تہ سات چھتیں جدا جدا فقط اس کی

[۱] صحیح مسلم باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام ص ۳۳۵ ج ۲ [۲] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیۃ ص ۱۱۰۷ ج ۲ و صحیح مسلم باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربہم الخ ص ۱۰۳ ج ۱۔

وَلِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۶﴾ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا فِیۡہَا سَمِعُوۡا

اور جو منکر ہوئے اپنے رب سے اُن کو ہے مار دوزخ کی اور بُری جگہ پہنچے جب اُس میں ڈالے جائیں سنیں

لَہَا شَہِیۡقًا وَّ ہِیَ تَفُوۡرُ ۙ﴿۷﴾ تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ کُلَّمَاۤ اُلۡقِیَ فِیۡہَا فَوۡجٌ سَاَلَہُمۡ خَزَنَتُہَاۤ

اُس کا دہاڑنا اور وہ اُچھلتی ہے ابھی لگتا ہے کہ پھٹ پڑے جوش سے۔ جس بار پڑا اُس میں ایک گروہ پوچھا اُن سے اُس کے داروغوں نے

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَذِیۡرٌ ﴿۸﴾ قَالُوۡا بَلٰی قَدۡ جَآءَنَا نَذِیۡرٌ ۬ۙ فَکَذَّبۡنَا وَ قُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ

کیا نہ پہنچا تم پاس کوئی ڈر سنانے والا۔ وہ بولے کیوں نہیں ہم پاس پہنچا تھا ڈر سنانے والا۔ پھر ہم نے جھٹلایا۔ اور کہا کوئی نہیں اتاری اللہ نے کچھ چیز

قدرت سے کھڑی ہیں، پھر فرمایا کہ جو کوئی اللہ کی اس قدرت کو گھڑی گھڑی غور کی نگاہ سے دیکھے گا تو آخر اُس کی نگاہ تھک جائے گی مگر کسی کا کیا مقدور ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں کسی طرح کا عیب پکڑ سکے۔ اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمانوں میں تاروں کو پیدا کر کے اس کی روشنی سے آسمانوں کی زینت اور رونق جو بڑھائی اُس کا ذکر فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ چوری سے شیاطین آسمان پر کی کچھ خبریں سننے جو جاتے ہیں انہی تاروں میں سے آگ کے شعلے لے کر اللہ کے فرشتے اُن پر انگارے برساتے ہیں۔ ترمذی، نسائی، مسند امام احمد وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانہ میں آسمان کی خبروں کے روکنے کا انتظام بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہو گیا تھا تاکہ قرآن شریف کا کوئی مضمون اللہ کے رسول پر نازل ہونے سے پہلے چوری کے طور پر کاہن لوگوں کو نہ پہنچے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ زیادہ تفصیل اس کی سورہ جن میں آئے گی۔ آسمانِ دنیا کے سوا تارے اگرچہ اور آسمانوں میں بھی ہیں۔ لیکن اہلِ دنیا کا تعلق فقط آسمانِ دنیا سے ہے اس لیے آیت میں اُسی کا ذکر فرمایا۔

۶ تا ۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل فرما کر اپنے رسولوں کی معرفت یہ سب لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ یہ لوگ شیطان کو اپنا دشمن جانیں اور اُس کے بہکاوے میں ہرگز نہ آئیں، ورنہ جو شیطان کے بہکاوے میں آ کر اللہ کی مرضی کے برخلاف کام کرے گا ایسے نافرمان آدمیوں اور شیطان اور اس کے شیاطینوں سے دوزخ کو بھر دیا جائے گا۔ اس قدر انتظام کے بعد بھی جب بہت سے نافرمان لوگ شیطان اور اس کے شیاطینوں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے تو دوزخ کے تعیناتی والے فرشتوں کو اس بات کا بڑا تعجب ہو گا کہ باوجود ایسے بڑے انتظام کے اتنے بہت سے آدمی دوزخ میں کیونکر آن پڑے۔ اس لیے وہ فرشتے اُن دوزخی آدمیوں سے پوچھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے انتظام کے موافق کیا اللہ کے رسولوں نے اس دن کی آفت سے تم لوگوں کو نہیں ڈرایا۔ وہ دوزخی جواب دیں گے کہ اللہ کے رسول تو ہم کو ڈرایا تھا مگر ہم نے اپنی کم بختی کے سبب سے اللہ کے رسولوں کی نصیحت کو نہیں مانا بلکہ اُن سے یہ کہہ دیا کہ تم خود بہکے ہوئے ہو جو ہم کو ہمارے باپ دادا کے طریقہ سے جدا طریقہ سکھاتے ہو پھر پچھتا کر یہ بھی کہیں گے کہ اگر دنیا میں ہم رسولوں کی نصیحت کو مان لیتے اور شیطان کے بہکاوے کے وقت کچھ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لیتے تو آج ہم اس بلا میں نہ پڑتے مگر اُس وقت کا پچھتانا اور گناہوں کا اقرار کرنا اُن کے کچھ کام نہ آئے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ پھٹکار ملے گی کہ اے کمبختو دور ہو اللہ کی رحمت سے۔ ایسے نافرمان دوزخ کے مستحق ہیں جن کا اس وقت کا پچھتانا اور گناہوں کا اقرار کرنا اللہ کی جناب میں ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ مصیر کے معنے انجام کے ہیں

ف جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ الجن ص ۱۹۰ ج ۲۔

إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَٰلٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَٰبِ

تم پڑے ہو بڑے بہکاوے میں اور بولے اگر ہم ہوتے سنتے یا بوجھتے، نہ ہوتے دوزخ والوں

السَّعِيرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ

میں۔ سو قائل ہوئے اپنے گناہ کے اب دفع ہوں دوزخ والے۔ جو لوگ ڈرتے ہیں

رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِۦٓ إِنَّهُۥ

اپنے رب سے بن دیکھے ان کو معافی ہے اور نیگ بڑا۔ اور تم چھپی کہو اپنی بات یا کھول کر وہ

شہیق کے معنے خوفناک آواز کے۔ یہ دوزخ کا دھاڑنا اور خوفناک آوازوں کا نکالنا اُس وقت ہوگا جب اُس کو ستر ہزار کلیں لگا کر محشر کے میدان میں لایا جائے گا جس کا ذکر عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صحیح مسلم[۱] ترمذی وغیرہ میں ہے۔ مسند امام احمد مستدرک حاکم وغیرہ میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب شیطان کو مردود ٹھہرا کر آسمان پر سے اتارا جانے لگا تو اُس نے قسم کھا کر خدا تعالیٰ کے رُوبرُو یہ بات کہی کہ جب تک بنی آدم کے دم میں دم ہے، مَیں ہر طرح اُن کے بہکانے میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جاہ وجلال کی قسم کھا کر اُس مردود سے فرمایا کہ تیرے بہکانے سے گناہ کر کے جب تک وہ خالص دل سے توبہ استغفار کریں گے مَیں بھی اُن کے گناہوں کے بخش دینے میں کبھی کوتاہی نہ کروں گا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ غرض شیطان کی دشمنی تو ایسی پکّی ہے کہ وہ اس دشمنی پر خُدا کے رُوبرو حلف اٹھا چکا ہے۔ ایسے پکّے دشمن کے پھندے میں پھنس کر باقتضائے بشرّیت آدمی سے جب کوئی گناہ ہو جائے تو اس مرض کی اُس دوا سے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے آدمی کو ہرگز غافل نہ رہنا چاہیے تاکہ بغیر توبہ کے گناہ پر گناہ کرتے کرتے دل پر اس کے زنگ لگ جانے کی نوبت نہ آ جائے جس کا ذکر ویل للمطففین میں آتا ہے جس زنگ سے دل بالکل مر جاتا ہے اور بغیر موت کے آنکھوں کے سامنے آ جانے کے ایسے مُردہ دل آدمیوں کو توبہ کی توفیق ہرگز نہیں ہوتی۔ اور یہ تو سورۃ نساء میں گزر چکا ہے کہ ایسی ناامیدی کے وقت کی توبہ بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی ❖

۱۲ تا ۱۵۔ اُوپر دوزخیوں کے گروہ کا ذکر فرما کر اب اِن آیتوں میں جنّتی گروہ کی نشانی کا ذکر فرمایا ہے کہ اگرچہ شیطان جس طرح بد لوگوں کو بہکاتا ہے اُسی طرح نیک لوگوں کو بھی بہکاتا ہے اور جس طرح بد لوگوں نے دُنیا میں عذابِ آخرت کو آنکھ سے نہیں دیکھا اسی طرح نیک لوگوں نے بھی دُنیا میں عذابِ آخرت کو آنکھ سے تو نہیں دیکھا لیکن وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام کا پورا یقین اپنے دِل میں رکھتے ہیں اور بغیر آنکھ سے دیکھنے کے اُن آنکھوں سے غائب چیزوں کا خوف ان کے دِل میں اس قدر ہے کہ گویا آج عذابِ آخرت اُن کی آنکھوں کے سامنے ہے، اِس واسطے وہ لوگ شیطان کے بہکاوے میں کم آتے ہیں۔ اور بدکام کا چھوڑنا، نیک کام کا کرنا، جو کچھ کرتے ہیں دُنیا کے دکھاوے کی نیّت سے نہیں کرتے بلکہ محض ثوابِ آخرت کی نیّت سے کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ اُن کی نیّت پُوری کرے گا اور عقبیٰ میں بہت بڑا ثواب ان کو عنایت فرمائے گا۔ اِن آیتوں میں جو فرمایا کہ تم چپکے سے چھپا کر بات کرو یا پکار کر بات کرو اللہ تعالیٰ کو سب دِل کا بھید تک معلوم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

[۱] صحیح مسلم۔ باب جہنم اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۱ ج ۲ [۲] مشکوٰۃ شریف باب فی الاستغفار والتوبۃ۔ فصل ثانی ص ۲۰۴۔

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ

جانتا ہے جیوں کے بھید ۔ بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جانتا خبردار ۔ وہی

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ

ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب پھرو اس کے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ روزی دی اُس کی ، اور اسی کی طرف

النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ

جی اُٹھنا ہے ۔ کیا نڈر ہوئے اُس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں پھر تبھی وہ لرزتی ہے ۔ یا

اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ

نڈر ہوئے اس سے جو آسمان میں ہے کہ چھوڑ دے تم پر پتھراؤ باؤ کا سو اب جانو گے کیسا ہے میرا ڈرانا ۔ اور

نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مکہ کے مشرک اسلام کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مذمت کرتے تھے ، اور ایک دوسرے سے کہتا تھا کہ چپکے چپکے باتیں کرو ایسا نہ ہو کہ محمدؐ کا خدا ہماری باتیں سن لے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تو دل کا بھید معلوم ہے اُس سے کوئی بات کس طرح چھپی رہ سکتی ہے ۔ لطیف وہ جس پر کوئی چیز مخفی نہ رہے ۔ مناکب کے معنے اطراف ۔ آخر آیت کے حاصل معنے یہ ہیں کہ باوجود اس کے کہ زمین میں سخت پہاڑ ہیں لیکن اُن میں گھاٹیاں ایسی نرم اور گزر کے قابل رکھ دی گئی ہیں جس کے سبب سے اطراف کی بستیوں میں تجارت کے لیے سفر کرنا آسان ہے ۔ اب جو چاہے تجارت کے لیے سفر کرے اور اللہ تعالیٰ نے جو رزق ہر ایک کی تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ کھائے اور اپنی زندگی بسر کرے ۔ اہلِ مکہ کی گزر تجارت پر ہی تھی اس لیے خاص طور پر تجارت کے لیے اُس پہاڑی ملک میں راستوں کے آسان ہو جانے کا ذکر فرمایا۔ اور اس کے بعد حشر کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ آدمی کے گزر کے سب انتظام کھیل کے طور پر نہیں کیے گئے ہیں بلکہ اس واسطے کیے گئے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ان انتظاموں سے تازیست نفع اٹھا کر اس کے شکریہ میں کچھ نیک کام کرے گا تو اس نیکی کے ثمرہ کا اور بُرے کام کرے گا تو اُس کی پرسش کا ایک دن ہے اُسی دن کا نام حشر ہے ۔ ہر عقلمند کے نزدیک ایسے ایک دن کی ضرورت ہے تاکہ دنیا کے سب انتظام جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے کیے ہیں وہ ٹھکانے سے لگیں لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے ان سب انتظاموں کو بے ٹھکانے ٹھہرا کر حشر کا منکر ہے اس کی عقل میں فتور ہے ۔ اور پھر اپنی قدرت کی چند مثالیں ذکر کر کے قریش کو سمجھایا اور یہ بھی فرمایا کہ باوجود سمجھانے کے یہ لوگ اگر اپنی گمراہی سے باز نہ آئیں گے تو ان سے پہلے بہت سی گمراہ قومیں جس طرح عذابِ الٰہی سے ہلاک ہو چکی ہیں وہی انجام آخر ان لوگوں کا ہو گا ۔ اور جن بتوں کو یہ لوگ پوجتے ہیں وہ بت اللہ کے عذاب سے بچانے میں ان لوگوں کی کچھ مدد نہ کر سکیں گے محض شیطان کے دھوکے اور فریب سے ان لوگوں کے دل میں یہ بات سما گئی ہے کہ وہ ان کے بت اللہ کے عذاب کے آگے ان لوگوں کو کچھ کام آئیں گے ۔

۱۶ تا ۱۹ ۔ اوپر کی آیتوں میں حشر کا ذکر تھا ، ان آیتوں میں فرمایا کہ اُس دن کی سزا کے یہ لوگ منکر ہیں تو اللہ کی قدرت سے یہ بھی کچھ دور نہیں کہ اُس دن کی سزا سے پہلے ابھی اللہ کے حکم سے زمین کو جنبش ہو جس سے فوراً ان لوگوں کو قارون کی طرح مع

لہ

كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ⑱ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ
جھٹلا چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے پھر کیسا ہوا میرا انکار۔ اور کیا نہیں دیکھتے اڑتے جانور اپنے اوپر پر کھولے

وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ⑲ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي
اور جھپکتے ان کو کوئی نہیں تھام رہا رحمٰن کے سوائے اس کی نگاہ میں ہے ہر چیز۔ بھلا وہ کون ہے جو

هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ⑳ أَمَّنْ
فوج ہے تمہاری مدد کرے تمہاری رحمٰن کے سوائے۔ منکر پڑے ہیں بڑے بہکاوے میں۔ بھلا

هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ㉑ أَفَمَن يَمْشِي
وہ کون ہے جو روزی دے گا تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی کوئی نہیں پر اڑ رہے ہیں شرارت اور بدکنے پر۔ بھلا ایک جو چلے

اُن کے گھروں کے زمین کے اندر دھسا دیا جائے یا قوم لوط کی طرح ان پر پتھروں کا مینہ برسا دیا جائے۔ حاصب اس ہوا اور گھٹا کو کہتے ہیں جس میں پتھر ہوں۔ پھر فرمایا کہ جب ایسی فوری آفت ان پر آجائے گی اس وقت اسی طرح ان لوگوں کو بھی عذاب الٰہی کی قدر کھل جائے گی۔ جس طرح پچھلی امتوں کو عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد عذاب کے جھٹلانے کی قدر کھل گئی۔ اس کے بعد عقل کی رسائی سے باہر ایک اور قدرت کے نمونہ کا ذکر فرمایا کہ اگرچہ بھاری مادی چیز کا میلان اوپر سے نیچے کی طرف عقل کی رسائی کی حد تک ہے۔ مگر پردار جانوروں کا یہ حال ہے کہ جب تک قدرتِ الٰہی نے ان کو تھام رکھا ہے۔ زمین و آسمان کے مابین ہوا میں اڑتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان جانوروں کی روک تھام کی طرح اللہ تعالیٰ نے باوجود ان لوگوں کی نافرمانی کے وقت مقررہ تک ہر ایک طرح کے عذاب کو بھی اپنی رحمت سے روک رکھا ہے ورنہ وہ قادرِ مطلق جب چاہے اُن کی ہلاکت کا کوئی سبب پیدا کر سکتا ہے کیونکہ ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے جدھر جس ارادہ سے وہ نگاہ کرے ایک پل میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔

۲۰ تا ۲۱۔ اوپر ذکر تھا کہ قریش اپنی سرکشی کو نہ چھوڑیں گے تو جس طرح ان سے پہلے کی قومیں عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر ہلاک اور غارت ہو چکی ہیں۔ وہی انجام قریش کا ہوگا۔ ان آیتوں میں جو فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ جند فوج کو کہتے ہیں۔ مشرکین مکہ نے تین سو ساٹھ کے قریب بتوں کو اپنا معبود ٹھہرا رکھا تھا۔ ان بتوں کا نام جند رکھ کر یہ ارشاد ہے کہ ان مشرکین کے دلوں میں یہ بات جو بسی ہوئی ہے کہ وقت پڑے پر اُن کے بت کچھ ان کی مدد کریں گے یہ فقط شیطان کا دھوکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برا وقت پڑے تو سوا اللہ تعالیٰ کے اور کسی میں یہ قدرت کہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے وقت ڈالے ہوئے کو ٹال سکے۔ پچھلی امتیں بھی اسی شیطانی دھوکے میں تھیں مگر وقت پڑے پر اس دھوکے سے انھیں پچھتانا پڑا۔ اُس وقت کا پچھتانا کچھ اُن کے کام نہ آیا۔ آخر ایک دم میں سب ہلاک ہو کر دونوں جہان سے گئے۔ پھر قحط کے عذاب کی مثال دے کر سمجھایا کہ اگر ایک برس آسمان سے مینہ نہ برسے تو بھلا سوا اللہ کے کسی میں قدرت ہے کہ اس مصیبت کو ٹال سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور عذاب آجائے گا تو اس کو پھر وہی ٹالے گا تو ٹلے گا۔ اس کے سوا برے وقت پر کوئی کام نہ آئے گا۔ صحیحین[1] کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ جب قریش اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی اور مکہ میں اس طرح کا قحط پڑا

[1] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الدخان۔ ص ۷۱۴ ج ۲۔

مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ

اوندھا اپنے منہ پر وہ سیدھی راہ پاتے یا وہ جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر ۔ تو کہہ وہی ہے جس نے

اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ

تم کو نکال کھڑا کیا اور بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تم تھوڑا حق مانتے ہو ۔ تو کہہ وہی ہے

الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

جس نے کھنڈا یا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً

سچے ہو ۔ تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی پاس اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر ۔ پھر جب دیکھیں گے وہ پاس آلگا

سِيْۗـــــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

بُرے بن جائیں گے مُنہ منکروں کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم مانگتے تھے ۔

کہ لوگ مردار جانور تک کھا گئے اور قریش سب بُت پرستی بھول گئے اور کوئی بت کام نہ آیا ۔ آخر جب اللہ کے رسول نے ہی دعا کی تو خدا کے ٹالنے سے وہ بلا ٹلی ۔ اِن آیتوں میں جس مثال سے اللہ تعالیٰ نے مکّہ کے مشرک لوگوں کو سمجھایا ہے ۔ یہ حدیث اُس مثال کی گویا تفسیر ہے ۔ اس قحط کے ذکر میں یہ بھی فرمایا کہ اتنی بڑی تنبیہ کا اثر جو ان لوگوں پر کچھ نہیں ہوا اُس کا سبب یہی ہے کہ اپنی شرارت سے یہ لوگ قرآن کی نصیحت کے سننے سے بدکتے ہیں اور بدکنے کے سبب سے وہ شرارت اُن کے دلوں میں گھس گئی ہے ۔ اللہ سچّا ہے ، اللہ کا کلام سچّا ہے ۔ صلح حدیبیہ کے بعد قریش نے جب قرآن کی نصیحت سے وہ اپنا بدکنا کم کر دیا تو پھر اُن کی وہ شرارت بھی نہ رہی اور فتح مکّہ تک سب قصہ طے ہو گیا ۔ قرآن شریف میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ مشرک لوگ اس بات کو سمجھیں کہ جب نعمتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں ، کسی کا اُس میں کچھ دخل نہیں ہے اور کوئی مصیبت آ کر ان نعمتوں کو کچھ زوال پہنچا جائے تو اس زوال کی مصیبت کو بھی سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی دفع نہیں کر سکتا ، تو پھر یہ مشرک لوگ اندھا راستہ چل رہے ہیں کہ خدا کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں ۔ اسی پر یہ مثال فرمائی ہے کہ خدا کو معبود ٹھہرانے والے لوگ اپنے پیروں سے سیدھی چال چلتے ہیں اور مشرک لوگ ایسے جیسے کوئی پیروں سے چلنا چھوڑ کر منہ کے بل چلنے لگے ۔ پھر فرمایا کہ جس اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے اس نے تو نصیحت کے سننے کے لیے کانی قدرت کے نمونے مثلاً دیکھنے کے لیے آنکھیں ہر بات پر غور کرنے کے لیے اُن کے دل میں عقل سب کچھ دیا ہے اس پر یہ اندھا راستہ چلیں گے تو قیامت کے دن اِس اندھی چال کی سزا بھی اِن لوگوں کو اسی طرح کی دی جاوے گی کہ جب حشر کے دن یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو مُنہ کے بل اُٹھیں گے جس کا ذکر قرآن شریف اور صحیحین وغیرہ کی حدیث میں اوپر گزر چکا ہے ۔ قل ھو الذی ذراکم فی الارض والیہ تحشرون کی تفسیر وہی ہے جو اوپر گزری کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھیل کے طور پر بے فائدہ نہیں پیدا کیا بلکہ انسان کے پیدا کرنے کا نتیجہ وہی ہے جو کئی جگہ قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے کہ چند روزہ زیست میں انسان سے جو نیک و بد ہو سکے وہ کر لے اور دنیا سے اُٹھ جائے ۔ بعد اس کے سب دنیا کے ختم ہونے کے بعد اس کو پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کے عمر بھر کے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر کھپادے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر مہر کرے پھر وہ کون ہے جو بچاتے منکروں کو

عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ

دکھ کی مار سے۔ تو کہہ وہی رحمن ہے ہم نے اس کو مانا اور اسی پر بھروسا کیا۔ سو اب تم جان لوگے کون پڑا ہے

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

صریح بہکاوے میں۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر ہو رہے صبح کو پانی تمہارا خشک پھر کون ہے جو لائے تم پاس پانی نتھرا۔

ع ۲
۱٦

نیک وبد کی جزا وسزا ہوگی تاکہ انسان کا پیدا کرنا رائیگاں نہ ہو اس نصیحت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اب تو یہ مشرک لوگ سرکشی سے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی نصیحت نہ ماننے پر جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے آخر وہ عذاب کب آئے گا سوائے اللہ کے رسول اس کے جواب میں ان مشرکوں سے کہہ دیا جاتے کہ عذاب کے آنے کا وقت تو اللہ کو معلوم ہے لیکن اتنا یاد رہے کہ جب عذاب کا وقت آئے گا تو یہ سرکشی سب نکل جاتے گی اور بڑے بڑے سرکشوں کی صورت نہ پہچانی جائے گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ بدر کی لڑائی والے دن اور مکہ کے قحط کے وقت دنیا میں تو یہ حال گزر چکا، عقبیٰ کے عذاب کا وقت مرنے کے بعد آئے گا اور اس وقت قائل کرنے کے لیے ان سے کہا جائے گا کہ جس عذاب کی دنیا میں تم جلدی کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

۲۸ تا ۳۰۔ سورہ والطور میں گذر چکا ہے کہ مکہ کے مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ کے مسلمانوں کی موت کی آرزو کیا کرتے تھے، اس سورہ میں تو اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی اس آرزو کا جواب دے دیا تھا، یہاں بھی ان مشرکوں کے عذاب کی جلدی پر فرمایا اے رسول اللہ کے ان مشرکوں سے کہہ دو کہ ہم تو اللہ کے حکم کے تابعدار ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ تمہاری یہ آرزو اگر بر آئی کہ ہم کو موت آگئی تو اللہ تعالیٰ اپنی فرمانبرداری کا اجر اپنے وعدہ کے موافق ضرور ہمیں دے گا، تم اپنی کہو کہ تمہاری نافرمانی کی سزا کے طور پر دنیا یا آخرت میں تم پر کوئی عذاب الٰہی آگیا تو اس عذاب سے تم کو کون چھڑائے گا۔ جن بتوں پر تمہارا بھروسہ ہے اُن کا حال قحط کے وقت تم نے دیکھ لیا کہ دنیا میں تو ان بتوں نے کچھ بھی تمہاری مدد نہیں کی، عقبیٰ میں یہ تم سے ایسی بیزاری ظاہر کریں گے جس کو دیکھ کر تم کو نہایت درجہ پچھتانا اور یہ کہنا پڑے گا کہ کیا اچھا ہوتا اگر دنیا میں ایک دفعہ اور ہمارا جانا ہوتا تاکہ ہم بھی اُن سے اسی طرح کی بیزاری ظاہر کرتے جس طرح کی بیزاری آج انہوں نے ہم سے ظاہر کی ہے اور کبھی پچھتا کر یہ کہنا پڑے گا کہ کیا اچھا ہوتا جو دنیا میں ایک دفعہ اور ہمارا جانا ہوتا کہ ہم وہاں جا کر اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمانبردار بن جاتے تاکہ جس طرح فرمانبردار لوگوں کی نجات فرشتوں، انبیاء، علماء کی شفاعت سے ہوگی اسی طرح ہماری بھی نجات کی صورت نکل آتی پھر قحط کی سی مصیبت یاد دلانے اور بتوں کی بیکسی جتانے کے لیے فرمایا کہ چاہ زمزم، چاہ میمونہ جن کنوؤں کا پانی تم لوگ پیتے ہو، وہ صاحب قدرت خدا جس نے یہ پانی مہیا کیا اگر اس پانی کو سوکھا دے تو تمہارے جھوٹے معبودوں میں کیا اتنا دم ہے کہ وہ تمہارے پینے کے میٹھے پانی کا انتظام کر دیں گے۔ بعضے مفسروں نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ یہ آیتیں ایک ظالم بادشاہ کے روبرو پڑھی گئیں تو اس نے کہا کہ اگر خدا کنوؤں کا پانی سوکھا دے گا تو ہم کدال پھاوڑے سے زمین کو کھود کر پھر پانی نکال لیں گے۔ یہ بات اس ظالم کی

آیاتہا ۵۲ ــــــ (۶۸) سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ (۲) ــــــ رکوعاتہا ۲

سورة القلم مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ ۔ اور تجھ کو نیگ ہے

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّكُمُ

بے انتہا ۔ اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر ۔ سو اب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے کون ہے تم میں

زبان پر آئی تھی کہ فوراً اس کی آنکھوں کا پانی بالکل سوکھ گیا اور وہ عالم اندھا ہو کر بیٹھ گیا ؛

(۱تا۶) یہ سورۃ مکی ہے کیونکہ اس کی شروع کی آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں ۔ اور پھر بعد کی کچھ آیتیں بعضے مفسروں کے قول کے موافق مدنی ہیں لیکن جس سورۃ کا شروع کا حصہ مکی ہو امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق وہ سورۃ مکی کہلاتی ہے ۔ اسی واسطے حافظ ابن کثیر نے اس سورۃ کو مکی قرار دیا ہے ۔ حروف مقطعات کی بحث سورۃ بقر میں گزر چکی ہے ۔ قلم اور قلم سے جو کچھ لکھا جائے اللہ تعالیٰ نے اُس کی قسم کھا کر آگے کا مطلب بیان فرمایا ہے ۔ اس قلم میں وہ قلم بھی داخل ہے جس سے لوح محفوظ پر دنیا کی سب کائنات لکھی گئی ہے ۔ قلم کی کتابت میں لوح محفوظ کا نوشتہ بھی داخل ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے عرش سے پہلے قلم کو پیدا کیا یا بعد ۔ اس میں علماء کے دو قول ہیں لیکن اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ عرش کی پیدائش قلم کی پیدائش سے مقدم ہے حدیث اول ما خلق اللہ العقل جو مشہور ہے اُس کی سند میں تردد ہے ۔ قلم اور اس کی کتابت اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے دین و دنیا کا انتظام اسی قلم و کتابت کے ذریعہ سے آج تک چلا اور آئندہ چلے گا ۔ کیونکہ دین کی روایتیں دنیا کی ہر طرح کی باتیں اور کیفیتیں پچھلوں سے ہم تک آئیں اور ہم سے آئندہ کی نسلوں تک جائیں گی ۔ اسی مطلب کے ادا کرنے کے لیے قتادہؓ اور اور سلف کا قول ہے کہ اگر قلم کا وجود دنیا میں نہ ہوتا تو نہ دین قائم رہ سکتا تھا نہ دنیا کی زندگی چل سکتی تھی ۔ غرض اتنی بڑی چیز کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے اللہ کے رسولؐ ! یہ مکہ کے مشرک لوگ جو تم کو دیوانہ کہتے ہیں اُس کا سبب یہ ہے کہ شرک کے اندھیرے نے اُن کو اندھا کر دیا ہے کہ تم تو اللہ کے حکم کے موافق اُن کو نیک راستہ بتلاتے ہو اور وہ تم کو دیوانہ کہتے ہیں ۔ خیر اللہ کے فضل سے تم میں کوئی بات دیوانگی کی نہیں ہے ۔ یہ نادان لوگ نادانی سے کوئی گستاخی کی بات کہیں تو تم سن کر صبر کرو کہ یہ تمہارے حسن اخلاق کا شیوہ ہے اور صبر و استقلال سے اللہ کے حکم کے موافق اپنا کام کیے جاؤ ۔ اللہ کی بارگاہ سے ان سب باتوں کا اجر تمہیں ملنے والا ہے جس کا اثر ہمیشہ رہے گا ۔ پھر فرمایا بہت جلد ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا کہ یہ خود دیوانے تھے جو اللہ کے رسول کو دیوانہ بتاتے تھے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے علم ازلی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ قرآن کی نصیحت کے اثر سے کتنے آدمی اُن کے راہ راست پر آنے والے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کی گستاخیوں کی سزا میں ڈھیل ڈھال کر

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۰ ج ۶ ۔

الْمَفْتُونُ ۞ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۞

کون چل رہا ہے۔ تیرا رب وہی بہتر جانے جو بہکا اس کی راہ سے۔ اور وہی بہتر جانتا ہے راہ پانے والوں کو

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۞ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۞ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ

سو تو کہا نہ مان جھٹلانے والوں کا وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں۔ اور کہا نہ مان کسی قسمیں کھانے والے

مَهِينٍ ۞ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۞ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۞ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ

بے قدر کا۔ طعنے دیتا چغلی کرتا پھرتا بھلے کام سے روکتا حد سے بڑھتا بڑا گنہگار اجڈ[1] اس سب کے پیچھے

رکھی ہے۔ اللہ سچا ہے، اللہ کا کلام سچا ہے۔ اس سورۃ کے نازل ہونے کے وقت سے فتح مکہ تک اہل مکہ میں سے جو لوگ بہکے رہے تھے وہ ذلت سے مارے گئے اور مرنے کے بعد انھوں نے دیکھ لیا کہ وہ خود سو دیوانوں کے دیوانے تھے جو اللہ کے رسول کو دیوانہ بتاتے تھے اور جو راہ راست پر آئے وہ ایسے آئے کہ اب اُن کا شمار دین کے پیشواؤں میں ہے۔ جس پیشوائی کا اجر قیامت تک اُن کے اعمال ناموں میں لکھا جاتا ہے کیونکہ راہ راست پر آنے کے بعد اللہ کے رسول سے علم دین سیکھا جس کی روایت کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ اُن پیشوایانِ دین کا ایک بڑا صدقہ جاریہ ہے جس کا اجر اُن کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد بھی قیامت تک منقطع نہ ہوگا۔ چنانچہ صحیح مسلم[2] وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی روایت سے جو صدقاتِ جاریہ کی حدیث ہے اُس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہی ہے۔ جو اوپر بیان کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن اخلاق کی یہاں تک پابندی تھی کہ آپ حسن اخلاق پر قائم رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ مسند[3] امام احمد وغیرہ میں معتبر سند سے حضرت عائشہؓ کی روایت میں آپ کی اس دعا کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کے موافق آپ کو وہ حسین اخلاق کی دولت عطا فرمائی تھی جس کی سینکڑوں روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

۸ تا ۱۶۔ اوپر ذکر تھا کہ مکہ کے مشرکوں میں سے کوئی شخص اگر آداب دنیا کے برخلاف کچھ کہے تو باقتضاء حسن اخلاق اُس سے درگزر بہتر ہے۔ اِن آیتوں میں اس کی صراحت فرمائی کہ یہ مشرک لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ اُن کو شرک پر اڑے رہنے سے کوئی نہ روکے تو وہ بھی مسلمانوں کی ایذاء کم کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ کو اصلاح دین منظور ہے اس لیے دین کی خرابی کی کوئی بات ان میں سے کوئی شخص کہے تو وہ ہرگز نہ سنی جائے اور اس کے سننے میں کسی طرح کی مدارات ان لوگوں کے ساتھ نہ برتی جائے وہ دین کی خرابی کی باتیں ایسی ہی ہیں جیسے ان لوگوں نے ایک یہ بات کہی تھی کہ کچھ دنوں تک مسلمان ہمارے بتوں کی بڑائی مان لیں تو ہم بھی اتنے ہی دنوں تک ان کے خدا کی عبادت کر لیں گے، لیکن اسلام تو ایسی باتیں مٹانے کے لیے ہے۔ بھلا اسلام میں ایسی باتیں کب سنی جا سکتی ہیں، اس کے بعد مشرکین عرب میں سے خاص ایک شخص کی ایسی باتیں نہ سننے کی تاکید فرمائی اور اس شخص کے چند پتے بھی دیئے۔ حلاف وہ ہے جو اکثر جھوٹی قسمیں کھاتا رہتا ہے۔ مہین کے معنے کم عقل۔ ھماز وہ جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ مشاء بنمیم کے معنے چغلخور مناع للخیر کے معنے بخیل معتد اثیم کے معنے بڑا ظالم اور بڑا

[1] اُجڈ یعنے سخت جاہل [2] صحیح مسلم باب وصول ثواب الصدقات الی المیت ص ۴۱ ج ۲ [3] مشکوٰۃ شریف۔ باب فی الرفق والحیاء۔ فصل ثالث ص ۴۳۲۔

زَنِيمٍ ﴿١٣﴾ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿١٤﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾

بدنام اس سے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے جب سناتیے اس کو ہماری آیتیں کہے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی ۔

سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ﴿١٦﴾ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا

اب داغ دیں گے ہم اس کو سونڈ پر ہم نے ان لوگوں کو جانچا ہے جیسے جانچا باغ والوں کو جب سب نے قسم کھائی

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ

کہ اس کا میوہ توڑیں گے صبح کو اور ان شاء اللہ نہ کہا پھر پھیر کر گیا اس پر کوئی پھیرے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ

نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ

سوتے رہے ۔ پھر صبح تک ہو رہا جیسے ٹوٹ چکا پھر آپس میں بولے صبح ہوتے کہ سویرے چلو اپنے

حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا

کھیت پر اگر تم کو توڑنا ہے ۔ پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے کہ اندر نہ آنے پائے اس میں

الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا

آج تمہارے پاس کوئی محتاج اور سویرے چلے لپکتے زور پر پھر جب اس کو دیکھا بولے ہم

لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾

راہ بھولے نہیں ہماری قسمت پھوٹی بولا بھلا ان کا میں نے تم کو نہ کہا تھا کیوں نہیں پاکی بولتے اللہ کی۔

گنہگار۔ عتل کے معنے بدخو بدزبان زنیم وہ جو کسی قوم میں آن گھسے اور اصل میں اس قوم کا نہ ہو۔ اگرچہ بعضے مفسروں نے ابوجہل کا نام اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے لیکن جمہور مفسرین کا قول یہی ہے کہ اس آیت میں ولید بن مغیرہ کا ذکر ہے۔ اور بعضی علامتوں اور نشانیوں کے سبب سے یہی قول قوی معلوم ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ قریش میں ولید بن مغیرہ کی شہرت زیادہ تھی چنانچہ سورۂ مدثر میں خود اللہ تعالیٰ نے اس کے مال اور اولاد کا ذکر فرمایا ہے۔ دوسری اللہ تعالیٰ نے ناک پر داغ دینے کا جو ذکر فرمایا ہے بدر کی لڑائی والے دن ولید بن مغیرہ کے ہی ناک پر زخم لگا تھا جس کا نشان جیتے جی باقی رہا۔ تیسرے یہ کہ یہی شخص قرآن شریف کو پرانا جادو اور پرانی کہانیاں کہا کرتا تھا۔

۱۷ تا ۳۳۔ اہل مکہ جب اپنے مال و متاع پر بہت اترائے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اللہ کے رسول سے طرح طرح کی سرکشی انھوں نے شروع کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں قحط کی بددعا کی جس کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صحیح بخاری[۱] و مسلم میں ہے۔ اللہ کے رسول کی بددعا سے بڑا سخت قحط پڑا یہاں تک کہ اہل مکہ مردار چیزیں کھا کر زندگی بسر کرنے لگے، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع قحط کی دعا کرنے کی التجا کی اور آپ کی دعا سے وہ قحط رفع ہوا اس لیے اوپر کی آیتوں میں ولید بن مغیرہ کا خاص طور پر ذکر فرما کر سب قریش کو قحط کا قصہ یاد دلایا اور فرمایا کہ ان لوگوں کی نافرمانی کے سبب سے ان پر قحط کی آفت اسی طرح آئی تھی جیسے باغ والوں پر اُن کے باغ کے اُجڑ جانے کے وقت آئی تھی۔ ان باغ والو

[۱] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الدخان ص ۷۱۴ ج ۲۔

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾

بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی، ہم ہی تقصیر دار تھے پھر منہ کر کے ایک دوسرے کی طرف لگے اولاہنا دینے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

بولے اے خرابی ہماری ہم تھے حد سے بڑھنے والے۔ شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو اس سے بہتر ہم اپنے رب سے

رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ ع

آرزو رکھتے ہیں۔ یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت سو سب سے بڑی ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٣٤﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ مَا

البتہ ڈر والوں کو ان کے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے کیا ہم کریں گے حکم برداروں کو برابر گنہگاروں کے کیا

لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا

ہوا تم کو، کیسی بات ٹھہراتے ہو کیا تم پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو۔ اس میں ملتا ہے تم کو جو

قصہ مکہ اور نواحِ مکہ میں بہت مشہور تھا اس لیے اس کا حوالہ دیا گیا۔ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ یمن کے ملک میں ایک شخص کا ایک باغ تھا، وہ شخص نیک نیت تھا۔ اللہ کی نعمت کی شکرگذاری میں فصل کے وقت کچھ میوہ اللہ کے نام پر دیا کرتا تھا۔ اس شخص کی وفات کے بعد اس کے لڑکوں کی نیت بدل گئی اور انھوں نے یہ چاہا کہ فقیروں کے آنے سے پہلے اندھیرے منہ باغ کو جا کر سب میوہ پیڑوں پر سے توڑ لائیں۔ باغ میں پہنچنے سے پہلے اپنی ناشکری کا انھوں نے یہ پھل پایا کہ وہاں رات کو اللہ کے حکم سے آگ لگ گئی اور سارا باغ جل کر خاکِ سیاہ ہو گیا۔ جب یہ لوگ باغ تک پہنچے تو اس کی حالت دیکھ کر ان لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید اندھیرے میں راستہ بھول کر ہم کہیں اور آ گئے۔ پھر جب جگہ پہچان گئے تو اپنی ناشکری کی نیت پر بڑا افسوس کیا۔ آخر آیت میں قریش کو ہوشیار کیا کہ دیکھو خدا کی نافرمانی اور اس کی نعمتوں کی ناشکری سے دنیا میں بھی خدا کی آفتیں یوں آیا کرتی ہیں۔ جس طرح تم پر قحط کی اور باغ والوں پر باغ کے جل جانے کی آفت آئی پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ چند روزہ دنیا ہی کیا اور اس کی چلتی پھرتی آفت ہی کیا آخرت کی آفت بڑی آفت ہے جس کی مدت کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ صرم کے معنے میوہ توڑنے کے ہیں۔ لا یستثنون کے معنے یہ کہ انھوں نے اپنے ارادہ پر انشاء اللہ تعالیٰ نہیں کہا۔ صریم کے معنے کٹی ہوئی کھیتی بھوسا۔ حرد کے معنے کوشش۔ اوسطھم کے معنے ان میں کا صاحبِ عقل۔

۳۴ تا ۴۱۔ اوپر دنیا کے ایک باغ کا ذکر تھا اس کے پورا کرنے کے لیے جنت کے باغوں کا ذکر فرمایا اس طرح کی آیتوں کو سن کر مشرکین مکہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد پھر جینا اور میوے کھانے کے لیے باغوں کا ملنا سچ ہے تو دنیا میں جس طرح ہم لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے خوشحالی سے گذران کرتے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ہم اچھی طرح رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مشرکوں کی اس بات کا یہ جواب دیا کہ آخرت کا حال کسی نے آنکھ سے تو ابھی تک دیکھا نہیں، اللہ تعالیٰ نے وحی کے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۷ ج ۴۔

تَخَيَّرُونَ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿۳۹﴾

پسند کرو کیا تم نے ہم سے قسمیں لی ہیں پوری پہنچتیں قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو تم ٹھہراؤ گے۔

سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿۴۰﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِن كَانُوا

پوچھ اُن سے کونسا اُن میں اس کا ذمّہ لیتا ہے۔ کیا اُن کے کوئی شریک ہیں تو چاہیے لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ

صَادِقِينَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۴۲﴾

سچے ہیں۔ جس دن کھولی جائے پنڈلی اور بلائے جائیں سجدے کو پھر نہ کر سکیں،

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿۴۳﴾

نیچی ہیں اُن کی آنکھیں چڑھی آتی ہے اُن پر ذلّت اور پہلے اُن کو بلاتے تھے سجدے کو اور وہ چنگے تھے۔

ذریعہ سے وہ حال اپنے رسول کو بتایا ہے اور اللہ کے رسول کے ذریعہ سے وہ حال مسلمان لوگوں کو معلوم ہوا ہے۔ ان مشرکوں کے پاس کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نوشتہ آیا ہے یا اللہ نے اُن سے عہد کیا ہے یا کوئی ضامن انھوں نے پیدا کیا ہے یا اُن کے بتوں نے اُن سے اقرار کیا ہے کہ آخرت میں ان کو اللہ کے فرمانبرداروں سے بڑھ کر خوشحالی ملے گی۔ اللہ تعالےٰ کے انصاف میں یہ بات ہرگز روا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو اور فرمانبرداروں کو ایک سا کر دے یا اللہ تعالیٰ نے اُن کے بتوں کو اپنے حکم میں کچھ شراکت کا حق دیا ہے کہ وہ اُس شراکت کے حق کے سبب سے کسی کا کچھ بھلا کر سکیں۔ اچھا اگر یہ سچے ہیں تو دین و دُنیا کی آفت کے وقت اپنے بتوں کو حمایتوں کے طور پر پیش کریں۔ دنیا کے قحط کے وقت تو ان کی بتوں کی حمایت کی قلعی خوب اچھی طرح کھُل گئی، آخرت کا حال بھی ان کی آنکھوں کے سامنے آنے والا ہے۔

۴۲ تا ۴۳۔ مشرکین مکہ کی اس بات کا اوپر ذکر تھا جو وہ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد پھر جینا اور میوے کھانے کے لیے باغوں کا ملنا سچ ہے تو دنیا میں جس طرح ہم لوگ بہ نسبت اِن غریب مسلمانوں کے خوشحالی سے گزران کرتے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ہم اچھی طرح رہیں گے۔ اِن مشرکوں کی اس بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں دیا تھا دوسرا جواب اِن آیتوں میں یہ دیا ہے کہ اصلی کافروں کو تو آخرت میں خوشحالی کا ملنا درکنار جو لوگ ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے دین کا پورا یقین نہیں ہے اور اس ادھورے یقین کے سبب سے وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ محض دُنیا کے دکھاوے کے لیے کرتے ہیں۔ جب قیامت کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا چاہیں گے تو اُن کی کمر تختہ ہو جائے گی۔ اور ان کو سجدہ کرنا نصیب نہ ہوگا اور جو حال سجدہ کے منکر لوگوں کا ہوگا وہی اِن لوگوں کا ہوگا۔ منکرین سجدہ کا حال یہ ہے کہ اُن کا جنت میں جانا اور وہاں کے میوے کھانا تو کجا دوزخ کی بھوک پیاس سے گھبرا کر جب وہ اہل جنت سے جنت کے کھانے کی چیزوں میں سے کوئی چیز اور تھوڑا سا ٹھنڈا پانی بھیک کی طرح مانگیں گے تو یہی جواب ملے گا کہ جنت کا کھانا پانی اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے چنانچہ سورۂ اعراف میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ پنڈلی کے کھولے جانے کی تفسیر صحیح بخاریؒ و مسلم میں ابوسعید خدری کی روایت سے جو آئی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لہ صحیح بخاری۔ کتاب الرد علی الجہمیۃ ص ۱۱۰۷ ج ۲ و صحیح مسلم باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربہم ص ۱۰۳ ج ۱۔

ع ۱۵ عند المتقدمین

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اب چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو اس بات کے اب ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے اُن کو جہاں سے یہ نہ جانیں گے

وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور اُن کو ڈھیل دیتا ہوں۔ بیشک میرا داؤ پکا ہے۔ کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ نیگ سو اُن پر چٹی بوجھ پڑتی ہے۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ

کیا اُن کے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ لکھ لاتے ہیں۔ اب تو ٹھہرا رہ دیکھ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسے مچھلی

الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ ؕ لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ

والا جب پکارا اُس نے اور وہ غصے میں بھرا تھا۔ اگر نہ سنبھالتا اُس کو احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا تھا

ہمارا رب اپنی پنڈلی کھولے گا اور ہر ایماندار مرد و عورت سجدہ میں گر پڑیں گے۔ ان کو دیکھ کر وہ لوگ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے جو دنیا میں منافق ریاکار تھے لیکن ان کی کمر تختہ ہو جائے گی اس لیے وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اس تفسیر پر بعضے متاخرین مفسرین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا صاحب جسم ہونا لازم آتا ہے لیکن سلف نے پہلے ہی اپنے کلام میں اس اعتراض کو یوں دفع کیا ہے کہ جب آیت لیس کمثلہ شیء سے ہم پنڈلی کو مشابہ کسی پنڈلی کا نہیں کہہ سکتے تو جسمیت کیونکر لازم آئے گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صفاتِ الٰہی کی آیتیں اور حدیثیں متشابہات معنوی کہلاتی ہیں۔ سلف کا مذہب اس باب میں یہی ہے کہ اُن کے ظاہر لفظوں پر ایمان لانا چاہیے اور ان کے معنے کی تفصیل اللہ تعالیٰ کے علم پر سونپنا چاہیے۔ چنانچہ زیادہ تفصیل اس کی سورۃ آلِ عمران میں گذر چکی ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین کے لیے فرمایا کہ جو لوگ قرآن کو جھٹلاتے ہیں۔ اے رسول اللہ کے اُن کی حالت پر تم کو زیادہ تشویش کی ضرورت نہیں۔ چند دن اللہ تعالیٰ نے اُن کو ڈھیل دے رکھی ہے اس میں اگر وہ راہِ راست پر نہ آئے تو پھر اللہ کی تدبیر بہت زبردست اور مستحکم ہے۔ اُس کے آگے ان کی شرارت کچھ چل نہیں سکتی۔ استدراج کے معنے تبدیل حالت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان اور درگذر کا نام کیدو استدراج اس لیے رکھا کہ اُس کا انجام ایک داؤ کی مانند ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ قرآن کی آیتیں سنانے پر اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے اُجرت تو مانگتے نہیں۔ پھر قرآن کی نصیحت سننے سے یہ لوگ ایسا کیوں بدکتے ہیں کہ جیسا کوئی کسی تاوان سے بدکتا ہے پھر فرمایا کہ بھلا مسلمانوں کو تو اللہ کے رسول کے ذریعہ سے اور اللہ کے رسول کو وحی آسمانی کے ذریعے سے کچھ غیب کی خبریں معلوم ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ جو بے دیکھی خبروں میں اپنی عقل لڑاتے ہیں تو ان سے پوچھا جائے کہ ان کے پاس ان خبروں کے معلوم ہو جانے کا کیا ذریعہ ہے ۔

۴۸ تا ۵۲ - اوپر ذکر تھا کہ قرآن کی آیتوں کو جو لوگ جھٹلاتے ہیں انھیں اللہ نے کچھ دنوں ڈھیل دے رکھی ہے۔ ان آیتوں میں فرمایا اے رسول اللہ کے اس ڈھیل کی مدت میں تم کو صبر اور اللہ کے حکم کا انتظار ضرور ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بلا انتظار اللہ کے حکم کے یونس علیہ السلام کا سا تم کوئی جلدی کا کام کر بیٹھو۔ یونس علیہ السلام کا قصہ سورۃ یونس، انبیاء اور والصافات میں گذر چکا ہے۔ انھوں نے بلا انتظار اللہ کے حکم کے جلدی کا کام کیا وہ یہ تھا کہ جب اُن کو قوم یونس پر عذاب کے آنے کا حال معلوم

بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ يَّكَادُ

چٹیل میدان میں الزام کھا کر پھر نوازا اس کو اس کے رب نے پھر کر دیا اس کو نیکوں میں اور منکر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾

تو لگتے ہی ہیں کہ ڈگا دیں تجھ کو اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں سمجھوتی اور کہتے ہیں وہ باؤلا ہے۔

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور یہ تو یہی سمجھوتی ہے سارے جہان والوں کو۔

ہو گیا تو وہ بستی کو چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے۔ اور ادھر قوم یونس کے رونے گڑگڑانے اور راہِ راست پر آجانے سے وہ عذاب ٹل گیا۔ غرض وقت مقررہ گزر جانے پر عذاب کے نازل ہونے کی خبر جو یونس علیہ السلام کو کچھ نہ لگی تو بلا انتظار اللہ کے حکم کے یہاں سے چل دیئے۔ یہی انھوں نے گویا خود مختاری اور جلدی کی۔ اب آگے باقی کا قصہ ہے کہ یہ وہاں سے ایک دریا پر جا کر کشتی میں بیٹھے۔ وہ کشتی وہیں تھم گئی۔ کشتی والوں نے قرعہ ڈالا کہ کس کے روکنے کے لیے یہ کشتی اڑی ہے۔ قرعہ میں ان کا نام نکلا۔ انھوں نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ اور ایک مچھلی نے اُن کو نگل لیا اور انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا مانگی لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین اور اللہ کے حکم سے اس مچھلی نے ایک چٹیل میدان میں ان کو اگل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک کدو کی بیل پیدا کی اور اس میں اُن کو رکھا تاکہ مچھلی کے پیٹ کی گرمی سے ان کے جسم کی کھال اُکھڑ کر جگہ جگہ جو زخم پڑ گئے تھے سخت زمین پر لیٹنے سے وہ زخم اور زیادہ نہ چھل جائیں۔ اسی کو فرمایا کہ اُس چٹیل میدان میں اللہ ان کو نہ سنبھالتا تو وہاں زخموں کا جلدی اچھا ہونا ممکن نہ تھا۔ اور پھر جب یہ تندرست ہو گئے تو اسی قوم کی ہدایت کے لیے ان کو بھیجا۔ بعضے مفسروں نے فاجتباہ ربہ فجعلہ من الصالحین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یونس علیہ السلام کا سارا قصہ ان کی نبوت سے پہلے کا تھا۔ پھر قصہ کے بعد اس آیت کے مضمون کے موافق اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبر کیا۔ لیکن امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ پہلے ہی سے پیغمبر تھے۔ اجتباء کے یہ معنے ہیں کہ قصے کے دنوں میں وحی جو منقطع ہو گئی تھی وہ پھر جاری ہو گئی۔ یہ تفسیر والصافات کی آیت وان یونس لمن المرسلین اذ ابق الی الفلک المشحون کے موافق ہے۔ کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یونس علیہ السلام جب کشتی میں بیٹھ گئے تو اس وقت وہ پیغمبر تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے لوگوں کو قرآن کی آیتیں سناتے اور بت پرستی کی مذمت کرتے تو یہ لوگ غصہ ہو کر آپؐ کو دیوانہ کہتے اور آپ کی طرف قہر کی نگاہ سے دیکھتے کہ گویا نگاہ کے تیر کلیجہ کے پار کر کے آپ کا کام تمام کر دیں یا بس چلے تو حملہ کر بیٹھیں، اور قرآن کی آیتوں کا پڑھنا بند کر دیں چنانچہ سورۃ حج میں ہے یکادون یسطون بالذین یتلون علیہم آیٰتنا بعضے مفسروں نے یہ لکھا ہے کہ بعضے قبیلے ایسے تھے کہ جن کی نظر بہت جلد لگ جاتی تھی اس لیے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بری نگاہ سے دیکھتے تھے کہ آپؐ کو نظر لگ جائے اگرچہ نظر کا حق ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے لیکن یہاں اس تفسیر کا موقع نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کو ٹوکنے کے طور پر اچھا کہہ کر آدمی دیکھے تو نظر لگا کرتی ہے غصہ کی نگاہ سے نظر نہیں لگتی۔ اس لیے آیت کی تفسیر جو آیت سے کی گئی ہے وہی اولیٰ ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۹ ج ۴۔

آیاتہا ۵۲ (۶۹) سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ (۷۸) رکوعاتہا ۲

یہ سورۃ مکی ہے ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

اَلْحَاقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَاقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ؕ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ

وہ ثابت ہو چکی کیا ہے وہ ثابت ہو چکی اور تو نے کیا بوجھا کیا ہے وہ ثابت ہو چکی جھٹلایا ثمود اور عاد نے

بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ

اُس کھڑکھڑانے والی کو۔ سو وہ جو ثمود تھے سو کھپائے گئے بھونچال سے اور وہ جو عاد تھے سو کھپائے گئے ٹھنڈی سناٹے کی

عَاتِيَةٍ ۙ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا

باؤ سے ہاتھوں سے نکلی جاتی مقرر کی اُن پر سات رات اور آٹھ دن کٹتے پھر تو دیکھے لوگ اُن میں

پھر فرمایا کہ قرآن کی آیتوں میں تو وہ نصیحتیں ہیں کہ جن کے اثر سے ایک وہ نہیں بلکہ ایک عالم راہِ راست پر آنے والا ہے۔ ایسی نصیحت کے سنانے والے کو جو دیوانہ بتاتا ہے وہ خود دیوانہ ہے ؎

۱ تا ۱۲۔ قیامت کی جس سزا و جزا کا ذکر قرآن و حدیث میں ہے، قیامت کے دن وہ سزا و جزا سب کی آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور پھر اُس کا کوئی منکر باقی نہ رہے گا۔ سب اُس کا حق ہونا مان لیں گے اس لیے قیامت کا نام حاقہ ہے جس کے معنے حق ثابت ہونے والی۔ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک جتنی قوموں نے قیامت کی سزا و جزا اور اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور اس جرم میں طرح طرح کے عذابوں سے وہ قومیں ہلاک ہوئی تھیں۔ ان سب کا ذکر اِن آیتوں میں فرمایا ہے تاکہ یہ قصے اس بات کی ایک یادگار اور نصیحت ہو جائیں کہ اب بھی جو لوگ ان لوگوں کے سے کام کریں گے قیامت کو قیامت کے عذاب کو اللہ کے رسول کو جھٹلائیں گے، اللہ کے حکم کی نافرمانی کریں گے، اُن کا بھی وہی انجام ہوگا جو پچھلے سرکش لوگوں کا ہو چکا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان قصوں کے انجام کے اثر کو سوچا کرنا فائدہ کی بات ہے۔ اسی واسطے حضرت نوحؑ کے قصہ میں فرمایا کہ یہ قصہ ایسے لوگوں کے حق میں نصیحت نہیں۔ جو لوگ نصیحت کی بات کو اس کان سے سُن کر اس کان سے اڑا دیتے ہیں۔ بلکہ یہ قصہ ایسے لوگوں کے حق میں نصیحت ہے جو نصیحت کی بات سُن کر اُس نصیحت کو یاد رکھتے ہیں اور اس نصیحت کے موافق عمل کرتے ہیں۔ ترمذیؒ، ابنِ ماجہ، مسند امام احمد میں حضرت ابو درداءؓ سے بسند معتبر روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے قریب کچھ بے دینی کی باتیں جو ہوں گی اُن کا ذکر فرما کر یہ فرمایا کہ ایسی باتیں دنیا میں اُس وقت ہوں گی جب علمِ دین دنیا سے اٹھ جائے گا۔ اس پر زیاد بن لبید انصاری نے کہا ہم نے قرآن پڑھا اور اپنی اولاد کو پڑھایا اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی، یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، پھر علمِ دین اور کلام الٰہی کی نصیحت کا اثر دنیا سے کیونکر اُٹھ جائے گا۔ آپ نے اس کا جواب دیا کہ زیاد کیا تم نے یہود اور نصاریٰ کو توراۃ اور انجیل پڑھتے نہیں دیکھا۔ مگر جو

[1] جامع ترمذی باب ما جاء فی ذھاب العلم ص ۱۰۵ ج ۲۔

صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ وَجَآءَ

بچھڑ گئے جیسے وہ ٹنڈ ہیں کھجور کے کھوکھلے پھر تو دیکھتا ہے کوئی ان کا بچ رہا۔ اور آیا

فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ

فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹی بستیاں تقصیر کرتی پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا پھر پکڑی ان کو

اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۙ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً

پکڑ دم چڑھتی ہم نے جس وقت پانی اچھلا لاد لیا تم کو بہتی ناؤ میں تا کر کھیں اس کو تمہاری یادگاری کو

وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

اور یاد رکھے اس کو کان یاد رکھنے والا۔

نصیحت توراۃ اور انجیل میں ہے اُس کے موافق وہ لوگ عمل نہیں کرتے۔ یہی حال آخری زمانہ میں امتِ محمدیہ کا ہوگا جس قدر پڑھیں گے اس قدر عمل نہ کریں گے۔ ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص علمِ دین کو دنیا کی عزت کے لیے حاصل کرے گا اُس کا جنت میں داخل ہونا تو درکنار قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک ایسے شخص کی ناک میں نہ آئے گی۔ حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ غرض ان آیتوں اور حدیثوں اور اسی قسم کی اور بہت سی حدیثوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی نصیحت اُن ہی لوگوں کے کام آئے گی جن کے دل پر اُس نصیحت کا اثر ہوتا ہے جس اثر کے سبب سے وہ لوگ اُس نصیحت کے موافق خالص دل سے ثوابِ آخرت کی نیت سے عمل کرتے ہیں۔ اُس زمانہ کے قریش کی طرح جو لوگ بالکل نصیحت قرآن و حدیث کے منکر ہیں یا جو لوگ اسلام کے منکر تو نہیں لیکن اُن کا عمل خالص نیت سے نہیں ہے۔ دنیا کی کسی غرض کا اس عمل میں میل جول ہے یا بعضے لوگ کسی خواہشِ نفسانی کے بعض وقت پابند ہو کر نصیحت خدا اور رسول پر عمل نہیں کرتے۔ یہ سب عادتیں اپنے اپنے درجہ کے موافق مؤاخذۂ آخرت کی عادتیں ہیں۔ اسی مطلب کے سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کے بعد ایسا ذکر فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جاتے کہ بالکل منکروں کا انجام تو وہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے لوگوں کا بیان ہوا اس کے بعد ایک انجام حشر کا ہے جس میں ذرہ ذرہ کا حساب ہونے والا ہے اور ہر طرح کی خلاف شریعت عادت کی سزا اس دن ہوگی۔ طاغیہ کے معنے چنگھاڑ۔ عاتیہ کے معنے حد سے زیادہ۔ حسوماً کے معنے پے در پے۔ صرعیٰ کے معنے لاشیں۔ اعجاز کے معنے درختوں کی جڑیں۔ خاویہ کے معنے کھوکھل۔ مؤتفکات کے معنے قوم لوطؑ کی الٹی ہوئی بستیاں رابیہ کے معنے سخت۔ طغی الماء کے معنے قومِ عاد کی ہوا کی طرح حد سے گزرا ہوا پانی۔ معتبر مفسروںؒ نے لکھا ہے کہ دنیا کے اونچے اونچے پہاڑوں سے وہ پانی پندرہ گز اونچا تھا۔ حملنا کم فی الجاریہ کے یہ معنے ہیں کہ تمہارے بڑوں کو کشتی میں بٹھا کر طوفان سے بچایا۔ اس وقت تم اُن اپنے بڑوں کی پشت میں نطفہ کی حالت میں موجود تھے۔ اور یہ اس لیے کیا گیا کہ

لہ ابوداؤد کتاب العلم۔ باب فی طلب العلم لغیر اللہ ص ج ۲ ص۳ الترغیب والترہیب۔ الترہیب من تعلم العلم لغیر وجہ اللہ ص ۱۲۸ ج ۱ ص۳ تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۰ ج

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً

پھر جب پھونکی جائے نرسنگے میں ایک پھونک اور اٹھائے جائیں زمین اور پہاڑ پھر ٹپکے جائیں

وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾

ایک چوٹ۔ پھر اُس دن ہو پڑے ہو پڑنے والی اور پھٹ جائے آسمان پھر وہ اس دن بکھر رہا ہے۔

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ

اور فرشتے ہیں اُس کے کناروں پر اور اٹھا رہے ہیں تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ شخص اُس دن

تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

سامنے جاؤ گے چھپ نہ رہے گا تم میں کوئی چھپنے والا۔

پشت در پشت پچھلوں سے اگلے یہ طوفان کا قصہ اور اور قوموں کے اس طرح کے قصے سن کر عبرت پکڑیں۔ یہ سب قصے کئی جگہ گزر چکے ہیں۔ اس لیے پھر یہاں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں خیال کی گئی ۔

۱۳ تا ۱۸۔ یہ پہلے صور سے لے کر دوسرے صور سے بعد تک کا حال ہے۔ زمین اور پہاڑوں کے ٹوٹنے پھوٹنے کا حال تو پہلے صور کے وقت کا ہے اور آسمان میں دروازے ہو کر اللہ تعالیٰ کا محشر کے میدان میں نزول فرمانا اور اس نزول کے وقت آٹھ فرشتوں کا عرش کو اٹھانا اور اس نزول کے بعد لوگوں کا حساب و کتاب کے لیے حاضر کیا جانا یہ دوسرے صور کے بعد کا حال ہے۔ معتبر سند سے طبرانی میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسرافیل اپنا ایک گھٹنا ٹیک کر اور دوسرا گھٹنا کھڑا کر کے صور پھونکنے کی حالت میں ہر وقت تیار اور حکم کے منتظر رہتے ہیں مستدرک حاکم میں صحیح سند سے حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوتے ہیں اور قیامت کے دن چار اور بڑھا کر آٹھ فرشتے عرش اٹھائیں گے۔ ان فرشتوں کی صورت جنگلی بکرے جیسی ہے، عرش ان کے کندھوں پر ہے اور ان کے پاؤں ساتویں زمین پر ہیں۔ دوسرے صور پر جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو جو کچھ انھوں نے دنیا میں کیا ہے وہ سب بھولے ہوتے ہوں گے اس لیے اعمال کے یاد دلانے کی غرض سے پہلے ان کو ان کے اعمال نامے اس طرح دیئے جائیں گے کہ نیکوں کے داہنے ہاتھ میں اور بدوں کے پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں اور پھر حساب و کتاب کے لیے ان سب کو خدا تعالیٰ کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ اسی پیشی کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ اُس دن اُمّی اور پڑھے ہوتے سب اپنا اعمال نامہ پڑھ سکیں گے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کے جن گناہوں کو دنیا میں لوگوں پر ظاہر نہیں فرمایا تاکہ لوگوں میں اس بندہ کی رسوائی نہ ہو اس کی ذات پاک سے امید ہے کہ وہ اپنے ایسے بندوں کو حساب کے وقت بھی رسوا نہ کرے گا۔ آیت وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرتِ استغفار اس طرح کی رحمتِ الٰہی کا بڑا سبب ہے ۔

۱ـہ الترغیب و الترہیب۔ فصل فی النفخ فی الصور ص ۲۶۰ ج ۲ ۲ـہ صحیح مسلم باب فی سعۃ رحمۃ اللہ للمؤمنین ص ۳۶۰ ج ۲۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ

سو جس کو ملا اُس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو پڑھیو میرا لکھا ۔ میں نے خیال رکھا مجھ کو ملنا ہے

حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾

میرا حساب وہ ہیں گزران میں من مانتے ، اونچے باغ ہیں جس کے میوے جھک رہے ہیں۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

کھاؤ اور پیو رچ سے بدلا اُس کا جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں ۔

۱۹ تا ۲۴ - ابوداؤد[1] کی حضرت عائشہ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حشر کے دن تین موقعوں پر لوگوں کو بڑی سخت پریشانی ہوگی۔ اُن تین موقعوں میں ایک موقع تو یہی نامہ اعمال کے تقسیم ہونے کا ہے۔ اُس وقت ہر ایک شخص کے دل میں یہ خوف ہوگا کہ دیکھیے اُس کا اعمال نامہ سیدھے ہاتھ میں آتا ہے یا اُلٹے ہاتھ میں۔ باقی دو موقعے اعمال کے تولے جانے اور پُل صراط سے گزرنے کے وقت کے ہیں۔ جن لوگوں کے نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اُن میں بعضے تو ایسے ہوں گے جن کی نیکیاں خود ہی زیادہ اور بدیاں کم ہوں گی۔ اور بعضے ایسے ہوں گے کہ جن کی بدیاں اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور بعض ایسے ہوں گے کہ جن کے نامۂ اعمال دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ اُن سے اقرار فرمالے گا کہ جس طرح تمہارے گناہ میں نے دنیا میں مخلوق پر ظاہر نہیں کیے اور تم کو رسوا نہیں کیا، اسی طرح آج بھی میں تمہیں رسوا نہ کروں گا۔ غرض سب سیدھے ہاتھ والے اپنے نامۂ اعمال خوش ہو کر پڑھیں گے۔ اور جو کوئی رشتہ دار کنبہ والا یا جان پہچان والا اُس وقت نظر آئے گا خوشی کے مارے اُس سے بھی کہیں گے لو ہمارا نامہ اعمال پڑھ کر دیکھو اور یہ بھی کہیں گے کہ ہم کو یقین تھا کہ ایک دن ہمارا اعمال نامہ ہمارے ہاتھ میں آئے گا اور نیک و بد کا حساب ہوگا۔ قرآن شریف میں یقین کی جگہ ظن کا لفظ عقبیٰ کی باتوں میں اس لیے بولا گیا ہے کہ پورا یقین اِن باتوں کا مرنے کے بعد ہوگا۔ دانیہ کا یہ مطلب ہے کہ جنت کے میوے لیٹے بیٹھے سب طرح جنتی توڑ سکیں گے۔ ھنیئا کا یہ مطلب ہے کہ جو کھایا، سب ہضم۔ ترجمہ میں "کھاؤ اور پیو رچ سے" کا بھی یہی مطلب ہے۔ خالیہ کا مطلب دُنیا کا زمانہ۔ صحیح مسلم[2] کی ابوذرؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ ایک شخص کے نامۂ اعمال کا ذکر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی ہنسا کرتے تھے۔ حاصل اس حدیث کا یہی ہے کہ ایک شخص کو پہلے اُس کے صغیرہ گناہوں کا نامۂ اعمال دکھایا جائے گا اور کبیرہ گناہ اُس کے نامۂ اعمال سے جدا کر لیے جائیں گے۔ جب وہ شخص اُن صغیرہ گناہوں کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرماتے گا کہ میں نے اپنی رحمت سے تیرے اِن گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ یہ سُن کر وہ شخص کہے گا یا اللہ میں نے تو دُنیا میں بڑے بڑے اور کبیرہ گناہ بھی کیے تھے، وہ میرے گناہ کہاں ہیں؟ اُس شخص کی اس بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہنسی آیا کرتی تھی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دُنیا میں خالص دل سے کوئی عمل بھی اگر ایسا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند آ گیا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر اپنی رحمت سے ہر طرح

[1] ابوداؤد۔ کتاب السنۃ۔ باب فی ذکر المیزان۔ ص ۲۰ [2] صحیح مسلم باب اثبات الشفاعۃ و اخراج الموحدین من النار۔ ص ۱۰۶ ج ۱۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا

اور جس کو ملا اُس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کسی طرح مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کیا ہے

حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ

حساب میرا کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی کچھ کام نہ آیا مجھ کو مال میرا کھپ گئی مجھ سے

سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا

حکومت میری ۔ اُس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں اُس کو بٹھاؤ پھر ایک زنجیر میں جس کا ناپ

سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ

ستر گز ہے اُس کو جکڑ دو وہ تھا یقین نہ لاتا اللہ پر جو سب سے بڑا اور تاکید نہ کرتا تھا

عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ

فقیروں کے کھانے پر سو کوئی نہیں اُس کا آج یہاں دوستدار اور نہ کچھ کھانا مگر

غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾

زخموں کا دھوون ۔ کوئی نہ کھاوے اُس کو مگر وہ گنہگار ۔

ع ۳۷ / ۵

سے اپنے بندوں کی نجات کی صورت نکال دے گا۔ چنانچہ ترمذی[۱] اور ابنِ ماجہ کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ ایک شخص کا فقط کلمہ کے ثواب کا نامۂ اعمال اس قدر بھاری ہو جائے گا کہ جس کے بوجھ کے آگے ایک کم سو بدی کے نامہ اعمال بالکل ہلکے ہو جائیں گے۔ باقی حال مقرب لوگوں کا اور سیدھے ہاتھ والوں کا سورۂ واقعہ میں گزر چکا ہے ؂

۲۵ تا ۳۷۔ جن لوگوں کے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے جب وہ لوگ اُس میں اول سے آخر تک بدیاں لکھی ہوئی دیکھیں گے تو نہایت پریشانی سے وہ باتیں کہیں گے جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ اُسی وقت خدا تعالیٰ فرماتے گا کہ ایسے لوگوں کو گرفتار کر کے اُن کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں اور اُن کو دوزخ میں جھونک دیا جائے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے نہ اللہ کی عبادت کی نہ اللہ کی مخلوقات کو کچھ فائدہ پہنچایا۔ پھر ان کی گردنوں میں طوق ڈال کر ستر گز کی زنجیر میں ان کی جماعت کی جماعت کو پرو دیا جائے گا اور دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ[۲] بن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ ستر گز فرشتوں کے ہاتھوں کی ناپ کے ہیں ورنہ آدمیوں کے ہاتھوں کے ناپ کے موافق گزوں کا حساب لیا جائے تو وہ زنجیریں بہت بڑی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کی تائید ان معتبر روایتوں سے ہوتی ہے جو مسند امام احمد اور ترمذی[۳] وغیرہ میں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ ان زنجیروں کے اُس سرے سے اُس سرے تک چالیس برس کے راستہ کا فاصلہ ہے۔ حمیم کے معنے رشتہ دار۔ غسلین کے معنے دوزخیوں کے زخموں کی دھوون کے صحیح ہیں کیونکہ علی[۴] بن طلحہ کی روایت سے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہی قول ثابت ہوا ہے۔ اس کے سوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے

[۱] جامع ترمذی باب ما جآء فیمن یموت وھو یشھد ان لا الٰہ الا اللہ ص ۱۰۳ ج ۲ [۲] تفسیر ابنِ کثیر ص ۴۱۶ ج ۴ [۳] جامع ترمذی باب ماجآء فی طعام اھل النار ص ۹۶ ج ۲ [۴] تفسیر ابنِ کثیر ص ۴۱۶ ج ۴۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿٤٠﴾ وَّمَا

سو قسم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور جو چیزیں نہیں دیکھتے یہ کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا اور نہیں

هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾

یہ کہا کسی شاعر کا۔ تم تھوڑا یقین کرتے ہو اور نہ کہا پریوں والے کا تم تھوڑا دھیان کرتے ہو۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ

یہ اتارا ہے جہان کے رب کا۔ اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑتے اس کا

بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾

داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی ناڑ پھر تم میں کوئی نہیں اس سے روکنے والا۔

اور جو روایتیں ہیں جن کو بعضے مفسروں نے اپنی تفسیروں میں بیان کیا ہے وہ روایتیں اس درجہ کی نہیں ہیں چنانچہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جس قدر سلسلے روایت کے ہیں اُن میں علی بن طلحہ کا سلسلہ اعلیٰ درجہ کا ہے۔

۳۸ تا ۴۳۔ تفسیر مقاتل و ابن جریر وغیرہ میں قتادہ سے روایت ہے کہ مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور کچھ کاہن کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں یہ آیتیں نازل فرمائیں اور دونوں جہان کی تمام مخلوقات کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کو اپنے رسول پر اس نے نازل فرمایا ہے جن لوگوں کو عقبیٰ کی باتوں پر پورا یقین نہیں ہے وہ اس قرآن کو شاعر کا اور جو لوگ قرآن کی شان پر پورا غور نہیں کرتے وہ کاہن کا کلام کہتے ہیں۔ یہ نادان اتنا خیال نہیں کرتے کہ اُن میں بعضے لوگ ایسے ہیں جو خود بھی شاعر ہیں اور ایسے جنات کے اُن کو بہت سے شعر بھی یاد ہیں جو چوری سے کچھ غیب کی باتیں اڑا لاتے ہیں اور کاہنوں کو وہ باتیں سکھاتے ہیں۔ پھر قرآن بھی اگر کسی شاعر کا یا کاہن کا کلام ہے تو ان لوگوں سے تو گھڑی گھڑی کہا جاتا ہے کہ تم بھی کچھ ایسا کلام بنا کر پیش کرو جو فصاحت اور اخبار غیب میں قرآن کی مانند ہو۔ جب یہ لوگ اور اُن کے کاہن اور کاہنوں کے مددگار وہ چور جنات سب کے سب مل کر ایسا کچھ کلام بنانے اور پیش کرنے سے عاجز ہیں تو پھر اس قرآن کو شاعر یا کاہن کا کلام بتلانا محض نادانی ہے۔

۴۴ تا ۵۲۔ جس طرح اوپر گزرا کہ اہل مکہ قرآن کو شاعر یا کاہن کا کلام کہتے تھے اسی طرح وہ لوگ ایک بات یہ بھی کہتے تھے کہ آنحضرتؐ نے اپنے دل سے یہ باتیں جوڑ لی ہیں جن باتوں کو انھوں نے کلام الٰہی مشہور کیا ہے اُس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں دیا اور فرمایا کہ غیب سے اس دین کی دن بدن مدد ہوتی چلی جاتی ہے۔ دن بدن یہ دین ترقی پکڑتا جاتا ہے۔ اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ رسول اللہ کے سچے رسول ہیں اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کیونکہ صاحب شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک جو مدد غیبی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی فرمائی ہے۔ وہی مدد رسول کی ہر وقت ہر باب میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ جس طرح یہ قریش کے لوگ کہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کے جھٹلانے سے پہلے اللہ تعالیٰ ہی جھوٹ کی سزا میں اُن کو ہلاک کر ڈالتا اور تم میں سے کوئی اُن کو بچا نہ سکتا لیکن عادت

لہ

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ

اور یہ تو سمجھوتی ہے ڈر والوں کو اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے جھٹلاتے ہیں۔ اور وہ جو ہے پچھتاوا ہے

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

منکروں پر۔ اور وہ جو ہے قابل یقین کرنے کے ہے۔ اب بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو ہے سب سے بڑا۔

ع ۱۵ ۲

آیاتھا ۴۴ ———— (۷۰) سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ (۷۹) ———— رکوعاتھا ۲

سورۃ معارج مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا منکروں کے واسطے کوئی نہیں اُس کو ہٹانے والا اللہ کی طرف سے جو چڑھتے درجوں کا صاحب

تو یہ ہے کہ جس طرح سے اور رسولوں کی غیب سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مدد فرمائی ہے اُسی طرح سے اُن کی مدد غیب سے دن بدن ہو رہی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر ایک قوم کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اُسی زمانہ میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی ان دو شخصوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور ان دو شخصوں کا قصہ گزر چکا ہے کہ آخر کس ذلت سے یہ دونوں شخص مارے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت کا جو انجام ہوا وہ آج بھی ہر قوم کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے اور قیامت تک رہے گا۔ تقول بات بنانے کو کہتے ہیں۔ سزا دیتے وقت مجرم کا سیدھا ہاتھ اُس کے قابو میں رکھنے کے لیے پکڑ لیتے ہیں اس لیے سیدھے ہاتھ کے پکڑنے کا ذکر فرمایا۔ وتین رگِ دل کو کہتے ہیں جس کے کٹ جانے کے بعد آدمی نہیں بچتا۔ اس ترجمہ میں ناڑ کہا ہے۔ اللہ کے رسول اور اللہ کے کلام کے جھٹلانے والوں کا حسرت اور ندامت کا حال جو کچھ قیامت کے دن ہوگا اس کا ذکر سورۂ فرقان میں گزر چکا ہے۔ آخر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس معبود کی تسبیح پڑھنے کا حکم فرمایا ہے جس نے ایسا بے مثل کلام اپنے رسول پر اتارا۔ یہ تسبیح اس لیے کہ اللہ کی اس نعمت کا کچھ تو شکر ادا ہو۔

آنائے۔ نسائی تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوجہل نضر بن حارث اور قریش میں کے سرکش لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ سے عذاب کی خواہش کی اور یہ کہا کہ جو کچھ محمد کہتے ہیں اگر وہ حق بات ہے اور ہم لوگ اس کو نہیں مانتے ہیں تو خدا کرے کہ ہم لوگوں پر آسمان سے پتھروں کا مینہ برسے یا اور کوئی سخت عذاب ہم لوگوں پر نازل ہو جائے۔ اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں اور فرمایا کہ یہ قریش میں کے سرکش لوگ عذاب الٰہی کو دور گن کر اس طرح کی سرکشی کی باتیں کرتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک پچھلی قوموں کی طرح ان مشرکوں پر دنیا میں کوئی عذاب نازل کرنا کچھ دور ہے نہ عذابِ آخرت کا وقت کچھ دور ہے۔ دنیا ایک دن ختم ہونے والی ہے اور عذابِ آخرت کا وقت ایک دن

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۸ ج ۴ وتفسیر الدر المنثور ص ۲۶۳ ج ۶۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ
چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور رُوح اُس دن میں جس کا لمباؤ پچاس ہزار برس ہے۔ سو تُو صبر کر

صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ
بھلی طرح کا صبر کرنا وہ دیکھتے ہیں اُس کو دُور اور ہم دیکھتے ہیں اُس کو نزدیک جس دن ہو گا آسمان

كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ
جیسے تانبا پگھلا اور رہوں گے پہاڑ جیسے اُون رنگی ہوئی۔ اور نہ پوچھے گا دوستدار دوستدار کو۔ سب نظر آ جائیں گے اُن کو

آنے والا ہے اور اگر ان سرکشوں کا یہی ڈھنگ رہا تو دُنیا میں بھی یہ سرکش اپنی سرکشی کا خمیازہ بھگت لیں گے۔ حاکم[۱] نے اس شانِ نزول کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بعد اس کے اپنے رسول کو فرمایا کہ ذرا صبر کرو اور وقت مقررہ کا انتظار کرو۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ بدر کی لڑائی میں ابوجہل، نضر بن حارث اور اور قریش کے سرکشوں پر جو کچھ آفت آئی اُس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے ان آیتوں میں یہ جو ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف فرشتے اور رُوح چڑھتے ہیں۔ اس کے دو معنے ہیں۔ ایک تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نام روح قرآن شریف میں آیا ہے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ نیک لوگ جب مرتے ہیں تو اُن کی رُوح کو فرشتے اللہ کے روبرو لے جاتے ہیں۔ ترمذی[۲]، ابن ماجہ، مسند امام احمد، ابوداؤد و نسائی کی حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث اس باب میں اوپر گزر چکی ہے۔ پچاس ہزار برس کا ذکر جو ان آیتوں میں آیا ہے اس کے بھی دو معنے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قیامت کے دن کی درازی پچاس ہزار برس کی ہوگی جس کا ذکر مسند[۳] امام احمد وغیرہ کی صحیح روایتوں میں ہے۔ دوسرے معنے یہ[۴] ہیں کہ ساتویں زمین سے عرش معلےٰ تک پچاس ہزار برس کا راستہ انسان کے چلنے کا ہے جس کو اللہ کے فرشتے روز کے روز طے کرتے ہیں۔ حاصل مطلب ان دونوں معنوں کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ہزاروں برس کا کام روز کے روز طے ہوتا ہے تو سرکش لوگوں پر عذاب نازل ہونے کو کیا دیر لگتی ہے۔ فقط وقت مقررہ آنے کی دیر ہے جبکہ سزا وجزا کے لیے پچاس ہزار برس کا ایک دن مقرر ہے تو عذاب آخرت کی جلدی ان سرکشوں کو کیا ہے۔ معارج کے معنے آسمانوں کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی قدرت سے سات آسمانوں پر سے اس قدر جلدی ہر ایک کام ہو جاتا ہے تو ان عذاب کے چاہنے والوں پر عذاب کے آنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ ان کے عذاب کے تو بہت سے سامان خود زمین پر ہی موجود ہیں۔ فرعون اور قارون کا قصہ کیا اُن کو یاد نہیں رہا کہ ایک کو دریا میں ڈبویا اور دُوسرا زمین میں دھس گیا۔

۸ تا ۱۸۔ اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو عذاب کی جلدی کرتے تھے۔ ان آیتوں میں پہلے صور سے لے کر دوزخ میں جانے تک کا حال فرمایا تاکہ ان عذاب کے جلدی کرنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ دُنیا میں اگر اُن پر کسی عذاب کے آنے کا اللہ کا حکم نہ بھی ہوا تو قیامت کے دن ایسے جزا و سزا کے منکر لوگوں پر وہ سخت عذاب آنے والا ہے جس کے چھٹکارے کے بدلے میں یہ لوگ اپنے بی بی بچوں اور ساری دُنیا کو دینے پر آمادہ ہو جائیں گے جب بھی اُن کا چھٹکارا نہ ہوگا۔ مُھل کے معنے پگھلا ہُوا تانبا۔

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۳ ج ۶ [۲] الترغیب والترہیب۔ فصل فی عذاب القبر ونعیمہ ص ۱۰۱ تا ۱۵۷ ج ۴ [۳] تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۹ ج ۴
[۴] تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۸ ج ۴۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿۱۲﴾ وَ
منائے گا گنہگار کسی طرح چھڑاوے میں دے اس دن کی مار سے اپنے بیٹے اور ساتھ والی اور بھائی اور

فَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿۱۵﴾
اپنا گھرانا جس میں رہتا تھا اور جتنے زمین پر ہیں سارے پھر آپ کو بچاتے کوئی نہیں وہ تپتی آگ ہے -

نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ﴿۱۶﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿۱۸﴾ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ
کھینچ لینے والی کلیجا - پکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ دی اور پھر گیا اور اکٹھا کیا پس بند کر رکھا۔ بیشک آدمی بنا ہے

هَلُوعًا ﴿۱۹﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿۲۰﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿۲۱﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿۲۲﴾
جی کا کچا جب لگے اُس کو بُرائی تو گھبرا پڑا اور جب لگے اس کو بھلائی تو منع کرتا ہے - مگر وہ نمازی

عھن کے معنے رنگین دھنی ہوئی اُون جو نہایت ہلکی ہوجاتی ہے اور ہوا میں بہت جلدی اڑجاتی ہے۔ اُس دن ہر ایک کو اپنی جان کی ایسی پڑی ہوگی کہ ایک کو دو مرا دیکھے گا اور کوئی کسی سے بات تک بھی نہیں کرنے کا۔ اُس دن عام لوگوں کی بدحواسی کا تو کیا ذکر ہے، سوائے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اور انبیاء تک کی زبان پر نفسی نفسی کا کلمہ ہوگا۔ فصیلہ کے معنے کنبے کے لوگ جو آدمی کے ہر وقت پر کام آتے ہیں۔ لظیٰ جہنم کا ایک نام ہے۔ شوی کے معنے جسم کی کھال مطلب یہ ہے کہ اوپر کی سب کھال جل جائے گی اور دل قائم رہے گا تاکہ عذاب کی تکلیف برقرار رہے۔ ان آیتوں میں یہ جو ذکر ہے کہ دوزخ نافرمان لوگوں کو پکارے گی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث معتبر سند سے ترمذی[1] وغیرہ میں جو ہے۔ وہ اس آیت کی گویا تفسیر ہے۔ حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ کی آگ کی ایک گردن کی صورت دوزخ میں سے نکلے گی اُس کو خدا گویائی دے گا وہ کہے گی کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو مشرک، متکبر اور مصور۔ ان تین قسم کے آدمیوں کے عذاب کے لیے مامور فرمایا ہے۔ آیت ھل من مزید اور جنت دوزخ کی بحث کی صحیح حدیث[2] میں بھی دوزخ کے بولنے کا ذکر ہے۔ اللہ کی قدرت سے جبکہ یہ امر کچھ بعید نہیں ہے کہ پتھر، پیڑ، جنت، دوزخ جس کو چاہے گویا کر دے تو پھر اس قسم کی آیتوں اور حدیثوں میں طرح طرح کے شاخسانے نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب ان لوگوں کی عادتیں بتلائیں جن کو دوزخ پکار کر بلائے گی تاکہ وہ لوگ اپنے کیے کا خمیازہ بھگتیں۔ فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو حق بات سن کر مکرائی کرتے تھے اور حق کے کہنے والے کی طرف سے پیٹھ موڑ کر چلے جاتے تھے۔ اللہ کی فرمانبرداری سے کنیاتے تھے۔ اِدھر اُدھر سے جو کچھ ملا اُس کو سینت کر رکھتے تھے اور کار خیر میں کچھ اس میں سے خرچ نہیں کرتے تھے ؛

۱۹ تا ۳۵۔ شروع سورۃ سے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے کافروں اور ایمان دار لوگوں کی نشانیاں مقابلہ کے طور پر بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً کافروں کی نشانی یہ ذکر فرمائی کہ وہ لوگ عذاب آخرت اور قیامت کے منکر ہیں اس لیے از خود عذاب الٰہی کی خواہشیں کرتے ہیں اور ایماندار لوگوں کی یہ نشانی ہے کہ قیامت اور عذاب آخرت کا ان کے دل میں پورا یقین ہے اس واسطے عذاب الٰہی کا ہر وقت اُن کے جی میں ایک خوف رہتا ہے۔ کافروں کی یہ نشانی ہے کہ بدکاری کو کچھ عیب نہیں جانتے۔ ایماندار اس کے

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی صفۃ النار ص ۹۰ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب جہنم اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۱ ج ۲۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾

جو اپنی نماز پر قائم ہیں اور جن کے مال میں حصّہ ٹھہر رہا ہے

لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ

مانگتے اور ہارے کا اور جو یقین کرتے ہیں انصاف کے دن کو اور جو اپنے

عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک اُن کے رب کے عذاب سے نڈر نہ ہوجاتے اور جو اپنی

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ

شہوت کی جگہ تھامتے ہیں مگر اپنی جوروؤں سے یا اپنے ہاتھ کے مال سے سو اُن پر نہیں

مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

اولاہنا پھر جو کوئی ڈھونڈے اُس کے سوائے سو وہی ہیں حد سے بڑھتے اور جو لوگ اپنے

برخلاف ہیں۔ اسی طرح کافروں کی یہ نشانی ہے کہ مال جمع کر کے رکھتے ہیں اور محتاجوں کو کوڑی نہیں دیتے اور ایمانداروں کی یہ نشانی ہے کہ اُن کے مال میں محتاجوں کا بھی حصّہ ہے۔ اِن آیتوں اور صحیح حدیثوں کو ملا کر دیکھا جائے تو جس طرح کافروں اور ایمانداروں کی نشانیوں کا مقابلہ اِن آیتوں میں ہے اُسی طرح منافقوں اور ایمانداروں کی نشانیوں کا مقابلہ بھی ہے۔ مثلاً اِن آیتوں میں فرمایا ہے کہ ایماندار لوگ وہ ہیں جو امانت اور اپنے عہد کو نباہتے ہیں۔ اور حدیث[۱] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے منافق لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور جب وعدہ یا کوئی عہد و پیمان کرتے ہیں تو اُس کو پورا نہیں کرتے۔ اِن آیتوں میں فرمایا کہ ایماندار لوگ جو گواہی دیتے ہیں سچّی دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ منافق لوگ ہر بات میں جھوٹ سے باز نہیں آتے۔ اِن مکّی آیتوں میں اور سورہ مزمل وغیرہ کی مکّی آیتوں میں جو زکوٰۃ کا ذکر ہے اُس سے اِن علماء مفسّرین کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ ہجرت سے پہلے مکّہ میں فرض ہوئی ہے اور اُس کے وصول کرنے کا عمل ہجرت کے بعد مدینہ میں جاری ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں ایماندار لوگوں کی نماز کی دو نشانیاں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ لوگ سلسلہ وار ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ گنڈے دار نماز پڑھتے ہوں کہ کبھی پڑھی اور کبھی چھوڑ دی۔ دوسری نشانی یہ کہ نماز کے وقت کا اور رکوع سجدہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ وقت کو ٹال کر نماز نہیں پڑھتے اور نماز میں ایسی جلدی نہیں کرتے جس سے رکوع سجدہ پورا ادا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کی نماز میں یہ دو نشانیاں نہ ہوں اُن کا ایمان اور اُن کی نماز دونوں ادھوری ہیں۔ اسی واسطے آخری وقت پر جلدی جلدی ایک شخص کو عصر کی نماز پڑھتے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ منافقوں کی نماز ہے۔ یہ قصّہ صحیحین[۲] کی روایت میں ہے اسی طرح گنڈے دار نماز پڑھنے والوں کو ابو ہریرہؓ کی صحیح بخاری[۳] اور مسلم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق قرار دے کر یہ فرمایا کہ عشاء اور فجر کی نماز

---

[۱] صحیح بخاری باب علامۃ المنافق ص ۱۰ ج ۱ [۲] صحیح مسلم باب استحباب التبکیر بالعصر ص ۲۲۵ ج ۱ [۳] صحیح بخاری۔ باب فضل صلوٰۃ العشاء فی الجماعۃ ص ۹۰ ج ۱

لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

دہریں امانت اور اپنا قول نباہتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے ہیں۔ اور جو اپنی

عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ؕ فَمَالِ الَّذِيْنَ

نماز سے خبردار ہیں۔ وہی ہیں باغوں میں عزت سے۔ پھر کیا ہوا ہے منکروں

كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ

کو تیری طرف دوڑتے آتے ہیں داہنے سے اور بائیں سے جُٹ کے جُٹ کیا لالچ رکھتا ہے ہر ایک

مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ

اُن میں کہ داخل ہو جاوے نعمت کے باغ میں کوئی نہیں، ہم نے اُن کو بنایا ہے جس چیز سے جانتے ہیں سو میں قسم کھاتا ہوں

الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ

مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی ہم سکتے ہیں کہ بدل کر لے آویں اُن سے بہتر اور ہم سے

ع ۱ ۳۵ ۷

منافقوں کو بھاری معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں وقت راحت و آرام کے ہیں۔ اُس راحت اور آرام کو چھوڑ کر یہ لوگ اِن دونوں نمازوں میں حاضر نہیں ہوتے۔ ھلوع کے معنے حرص کے ہیں۔ تفسیر اس کی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اِس لفظ کے بعد فرمائی ؀

۳۶ تا ۴۴۔ مشرکین مکہ قرآن شریف کی آیتیں سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں ہو کر نکل جاتے تھے۔ اور قرآن شریف کی پوری نصیحت سننے سے کتراتے تھے اور آپس میں یہ باتیں کرتے تھے کہ یہ ساری نصیحت اس لیے ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے اور اُس نئی زندگی میں میوے کھانے کو باغ ملیں گے۔ پھر کہتے تھے اگر یہ بات سچ ہے تو جس طرح بہ نسبت اِن مسلمانوں کے دنیا میں ہم راحت و آرام سے ہیں اسی طرح اِن سے پہلے ہم کو ہی وہ باغ ملیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ جنت کچھ اُن کے بڑے بوڑھوں کے بنائے ہوئے باغ نہیں ہیں کہ بغیر مرضی اللہ تعالیٰ کے یہ اُن باغوں میں گھس جائیں گے۔ نہیں یہ خیال اُن کا بالکل غلط ہے۔ آدمی تو ایک ایسی ناچیز شے سے پیدا ہوا ہے کہ اصل پیدائش کی رُو سے اُس کی کچھ قدر و منزلت نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کے پیچھے اپنی فرمانبرداری جو لگائی ہے اُس کے پورے طور پر ادا ہو جانے کی حالت میں انسان قابلِ قدر و منزلت کے ہو سکتا ہے۔ قرآن کی جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی فرمانبرداری کی شکلیں اور شرطیں بیان کی ہیں، ان آیتوں کے سننے سے تو یہ لوگ وحشیوں کی طرح بھاگتے ہیں اور اس پر دعویٰ یہ کہ اللہ کی جنت میں یہ زبردستی گھس رہائیں گے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نادانی ہوگی۔ پھر قسم کھا کر فرمایا کہ قدرت سے یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنا دین پھیلانے کے لیے ان لوگوں سے بہتر لوگ بدل دے۔ اللہ سچا ہے۔ ہجرت کے بعد اُس کا ظہور ہو گیا کہ انصار لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت میں دے دیئے جن کی مدد سے اللہ کا دین بہت جلد پھیل گیا۔ پھر فرمایا کہ اِن اہلِ مکہ کو مسخرا پن کی باتیں بنانے کی حالت میں چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ ان میں سے جو بغیر فرمانبرداری بجالانے کے مر گئے اُن کا پھر زندہ ہو کر اللہ کی جنت میں زبردستی گھس جانا تو درکنار بلکہ جس طرح یہ لوگ دنیا میں بتوں کے تھان کی طرف دوڑتے ہیں

مُّسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾

چڑھ نہ جاویں گے سو چھوڑ دے اُن کو باتیں بناویں اور کھیلیں جب تک ملیں اپنے اُس دن سے جس کا اُن سے وعدہ ہے۔

یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً

جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے دوڑتے جیسے کسی نشانی پر دوڑتے جاتے ہیں جھکی ہوں گی

اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

اُن کی آنکھیں چڑھی آتی ہے اُن پر ذلت۔ یہ ہے وہ دن جس کا اُن سے وعدہ ہے۔

ع ۲ / ۹ / ۸

آیاتھا ۲۸ —— سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ (۷۱) —— رکوعاتھا ۲

سورۃ نوح مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ

ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے اُن پر دُکھ والی

اَلِیْمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ

آفت بولا اے قوم میری میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر کہ بندگی کرو اللہ کی اور اُس سے ڈرو اور

اسی طرح حشر کے دن قبروں سے اُٹھ کر حساب، کتاب، اور اس بُت پرستی کا خمیازہ بھگتنے کے لیے آگے پیچھے میدانِ محشر کی طرف دوڑیں گے اور بُت پرستی کا خمیازہ بھگتنے کے لیے جو کچھ ہوگا اُس کا ذکر شروع سورۃ میں گزر چکا ہے کہ ایک گنہگار اپنے سارے رشتہ داروں اور تمام دُنیا کے مال و متاع کو معاوضہ میں دے کر عذابِ آخرت سے چھٹکارا چاہے گا تو بھی چھٹکارا ہرگز نہ ہوگا۔ اور عذابِ آخرت میں جو کچھ سختی ہوگی اُس کا بیان دوزخ کے ذکر کی آیتوں میں اور کئی جگہ گزر چکا ہے اللہ اُس عذاب سے سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور اُس عذاب سے بچنے کی توفیق دے۔

اتا ام۔ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ چالیس برس کی عمر میں حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت ہوئی اور طوفان سے پہلے ساڑھے نو سو برس تک وہ اپنی قوم کو نصیحت کرتے رہے اور ساٹھ برس طوفان کے بعد زندہ رہے۔ اس حساب سے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار پچاس برس کے قریب ہوتی۔ یہ بھی گزر چکا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح کی قوم کے ابتدائی زمانہ تک لوگ دنیا میں بُت پرستی نہیں کرتے تھے۔ شیطان کے بہکانے سے پہلے پہل اس قوم نے دنیا میں بُت پرستی جس طرح شروع کی اُس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس شرک کے مٹانے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے صاحب شریعت نبی ہوتے ہیں۔ اُس وقت جس قدر آدمی رُوئے زمین پر تھے ان سب پر حضرت نوح علیہ السلام کی اطاعت اور فرمانبرداری فرض تھی۔ اسی واسطے حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمانی کا یہ اثر ہوا کہ فرمانبردار چند آدمیوں کے سوا تمام دنیا کے لوگ طوفان سے ہلاک ہوگئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ نصیحت جو اپنی قوم کو فرمائی کہ اللہ کی عبادت کرو اور میری فرمانبرداری

أَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ

میرا کہا مانو کہ بخشے وہ تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک ٹھہرے وعدہ تک وہ جو وعدہ کیا اللہ نے

إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾

جب آ پہنچے اس کو ڈھیل نہ ہوگی اگر تم کو سمجھ ہے ۔ بولا اے رب میرے میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن ۔

وقف لازم

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ

پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگتی ہی رہی ۔ اور میں نے جس بار اُن کو بلایا تا اُن کو تو معاف کرے ڈالنے لگے اپنی انگلیاں

فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ

کانوں میں اور لپیٹے اوپر اپنے کپڑے اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور پھر میں نے اُن کو بلایا

جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ

اُجاگر پھر میں نے اُن کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے

کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء نے یہی نصیحت فرمائی ہے اس لیے کہ سوائے اللہ کی عبادت کے تو کسی کی عبادت کسی شریعت میں جائز نہیں۔ ہاں اللہ کی عبادت کا طریقہ بغیر اللہ کے رسولوں کی فرمانبرداری کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے اللہ کے رسولوں کی اور ان حاکموں اور دین کے بزرگوں کی جو اللہ کے رسول کے نائب ہیں امت کے عام لوگوں کو فرمانبرداری ضرور ہے لیکن اپنے نائبوں کی فرمانبرداری میں خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط لگا دی ہے کہ یہ فرمانبرداری وہیں تک ہے جہاں تک شریعت کے کسی حکم کی مخالفت نہ پیدا ہو جائے۔ چنانچہ صحیحین[1] میں حضرت علیؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کسی کے قول و فعل کی فرمانبرداری شریعت کی حد تک ہے۔ دوسری حدیث صحیحین[2] میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حد شریعت سے باہر کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نبوت کا زمانہ تو اب دور ہو گیا ہے اس زمانہ میں صاحب شریعت کے حکم کے معلوم کرنے کے لیے صاحب شریعت کے نائبوں کی فرمانبرداری کا موقع پیش آئے تو خود صاحب شریعت کی اس نصیحت اور وصیت کی پابندی ہر مسلمان کو ضرور ہے تاکہ کسی پیر و استاد و حاکم کی فرمانبرداری میں شریعت کی فرمانبرداری ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔ ویؤخرکم الی اجل مسمّی کا یہ مطلب ہے کہ زندگی تک عبادت کرو تاکہ عبادت کے بھروسہ رہنے کے وبال میں کوئی آفت نہ آ جائے۔ اگر موت یا موت سے پہلے کوئی اور آفت خدا کی طرف سے آ جائے گی تو پھر مہلت کا موقع باقی نہ رہے گا۔ یہ باتیں جو کہتا ہوں اگر ان کو تم غور کرو گے تو جلدی راہ راست پر آ جاؤ گے۔

**۵ تا ۲۰۔** اوپر کی آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کو جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اس کے موافق انھوں نے سالہا سال تک اپنی قوم کو بت پرستی کے وبال سے ڈرایا اور جب ان کی سرکش قوم راہ راست پر نہ آئی تو انھوں نے اپنی قوم کی یہ شکایت

[1] صحیح بخاری باب السمع والطاعۃ للامام ص ۱۰۵۸ ج ۲ و صحیح مسلم باب وجوب طاعۃ الامراء الخ ص ۱۲۴ ج ۲ [2] صحیح بخاری باب السمع والطاعۃ للامام ص ۱۰۵۷ ج ۲ و صحیح مسلم باب وجوب طاعۃ الامراء الخ ص ۱۲۴ ج ۲۔

إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ

بیشک وہ ہے بخشنے والا چھوڑ دے آسمان کی تم پر دھاریں اور بڑھتی دے تم کو مال اور بیٹوں سے

وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ﴿١٢﴾ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ

اور بنادے تم کو باغ اور بنادے تم کو نہریں کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی۔ اور اسی نے

خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَجَعَلَ

تم کو بنایا طرح طرح سے کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان تہ پر تہ اور رکھا

الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ

چاند اس میں اجالا اور رکھا سورج چراغ جلتا اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جما کر پھر

يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوا

دُہرا کر ڈالے گا تم کو اس میں اور نکالے گا تم کو باہر اور اللہ نے بنا دی تم کو زمین بچھونا تاکہ چلو

مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾

اس میں کشادہ رستے۔

ع ۲۰ / ۹

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کی جس کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ میں ان لوگوں کو ہر وقت تنہائی میں محفل میں سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا۔ مگر ان لوگوں نے میری ایک نہ سنی بلکہ یہ لوگ نصیحت کی بات سے ایسے گھبراتے ہیں کہ جب ان سے کوئی بات نصیحت کی کہی جاتی ہے تو یہ لوگ کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں۔ منہ سر لپیٹ کر کانوں کو کپڑے کے اندر چھپا لیتے ہیں تاکہ نصیحت کی بات سے ان کے کان آشنا نہ ہوں ان کی بدعادت سے قحط کی آفت جو ان پر پڑی ہوئی ہے۔ میں نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ اگر تم اللہ کی جناب میں اپنی بداعمالی سے توبہ استغفار کرو گے تو اللہ تعالیٰ خوب موسلا دھار مینہ برسا دے گا جس سے تمہاری کھیتی تمہارے باغ سرسبز ہو جائیں گے۔ آدمی اور جانوروں کے لیے نہروں میں پانی آ جائے گا تم آباد ہو جاؤ گے تمہارے مال و اولاد میں ترقی ہوگی۔ اولاد کی ترقی کا ذکر اس لیے کیا کہ سزا کے طور پر جس طرح ان لوگوں میں قحط پڑا تھا اسی طرح ان کے گھر اولاد کا پیدا ہونا بھی بند ہو گیا تھا۔ میں نے ان لوگوں کو یہ بات بھی سمجھائی کہ اللہ کی اس قدرت کو ذرا خیال کرو کہ اس نے تم میں سے کسی کو گورا کسی کو کالا کسی کو مرد کسی کو عورت جس طرح سے چاہا پیدا کیا۔ اور پھر اب پیدا ہونے کے بعد کوئی بچہ ہے کوئی جوان کوئی بوڑھا۔ کوئی تندرست کوئی بیمار۔ پھر کوئی اچھا ہو جاتا ہے کوئی مر جاتا ہے تمہاری طرح طرح کی ضرورتوں کے لیے تم نے کیا یہ نہیں دیکھا کہ اس نے سات آسمان، چاند، سورج کیا کیا پیدا کیا۔ زمین کو بچھونے کی طرح ایسا نرم کر دیا کہ اس میں کھیتی کرو باغ لگاؤ۔ اس کو کھود کر اس کی اینٹ مٹی سے مکان بناؤ۔ پہاڑوں میں گھاٹیاں رکھیں تاکہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو تجارت کے لیے جا سکو۔ تم جو کھیتی کرتے ہو تو اناج کے ہاتھ آنے کی نیت سے۔ باغ لگاتے ہو میوہ کھانے کے ارادہ سے۔ مکان بناتے ہو تو اس میں رہنے کے قصد سے پھر کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ سب انتظام بغیر کسی انجام کے کیے ہیں۔ نہیں نہیں۔ اس سب انتظام کا انجام یہی ہے جو میں تم سے کہتا ہوں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پھر تم کو زندہ کرے گا اور عمر بھر جو تم نے کیا ہے اس سب کی جزا و سزا دے گا۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾
کہا نوح نے اے رب میرے انھوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا جس کو اس کے مال اور اولاد سے اور بڑھا ٹوٹا۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَ
اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ۔ اور بولے نہ چھوڑیو اپنے ٹھاکروں کو اور نہ چھوڑیو ودّ کو اور نہ سواع کو اور

لَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿۲۴﴾
نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو۔ اور بہکا دیا بہتوں کو اور تو نہ بڑھائیو بے انصافوں کو مگر بہکاوا۔

ان سب باتوں کو بھلا کر تم نے جو خدا کی عظمت بالکل دل سے نکال دی اور بتوں کو خدا کا ہمسر ٹھہرا لیا اور اُن کی پوجا کرنے لگے۔ ان بتوں کو خدا کی خدائی میں کیا اختیار ہے جو اُن کی پوجا سے تم کچھ فیض کو پہنچوگے۔ یہ مانا کہ جن لوگوں کی یہ مورتیں ہیں وہ جیتے جی خدا کے نیک بندے تھے۔ لیکن جو جیتے جی خدا کا نیک بندہ ہو مرنے پر اس کو خدائی اختیار نہیں مل جاتے کہ رفع حاجات کے لیے اس کی پوجا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ٹھہرے۔ غرض باوجود ان سب فہمایشوں کے یہ لوگ کسی طرح راہ راست پر نہیں آتے بلکہ اُن کی سرکشی دن بدن بڑھتی جاتی ہے ؛

۲۱تا۲۴۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دوسری شکایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ اس قوم کے صاحب مال اور صاحب اولاد لوگوں نے اس قوم کو یہ بہکا رکھا ہے کہ اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو یہ نعمتیں ہم کو کیونکر ملتیں۔ اس لیے تم اپنے بتوں کی پوجا ہرگز نہ چھوڑو۔ ان مالدار لوگوں کے اس بہکاوے کو حضرت نوح علیہ السلام نے اُن کا بڑا مکر اور بڑا داؤ کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اُن کے مال اور اولاد نے بھی ان کو یہ ایک بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے کہ مال و اولاد کے غرور کے سبب سے وہ خود بھی راہ پر نہیں آتے اور دوسروں کو بھی مال و اولاد کے حیلہ سے بہکاتے ہیں۔ پھر یہ شکایت کی کہ یا اللہ ان بتوں کے سبب سے تیری بہت سی مخلوق گمراہی میں پڑ گئی ولا تزد الظلمین الا ضللا کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ ان کی گمراہی یہاں تک بڑھے کہ آخر ان پر عذاب آ جائے۔ یہ بددعا ہے جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے مشرک لوگوں کے حق میں کی ہے۔ کیونکہ مشرک سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ پانچ بت جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں تھے۔ یہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں جب یہ لوگ فوت ہو گئے تو ان کے معتقد لوگوں کو ان نیک شخصوں کی وفات کا بڑا رنج ہوا۔ شیطان نے موقع پاکر ان کو یوں بہکایا کہ ان نیک لوگوں کی صورت کی مورتیں بنا کر تم اپنے عبادت خانہ میں رکھ لو اور ان مورتوں کے نام بھی وہی رکھو جو اُن نیک لوگوں کے تھے اس سے تمھارا رنج بھی کم ہو جائے گا اور تمھارا جی بھی عبادت میں خوب لگے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ ان لوگوں کی ایک دو پشت تک تو وہ بت ان عبادت خانوں میں یوں ہی رکھے رہے پھر رفتہ رفتہ ان بتوں کی پوجا جاری ہو گئی اور پھر طوفان کے بعد یہ بت مکہ میں آ گئے اس تاریخ سے ان ہی بتوں کو مکہ کے مشرک لوگ بھی پوجتے تھے ہر ایک قبیلہ کا ایک بت تھا یہ اوپر گزر چکا ہے کہ قریش میں کا ایک شخص عمرو بن لحی تھا اس نے مکہ میں یہ پانچوں بت لا کر رکھے تھے۔ بعضے علما نے صحیح بخاری کی اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے

۱ صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ نوح ص ۷۳۲ ج ۲۔

مِمَّا خَطِيٓـَٔتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾

کچھ وہ اپنے گناہوں سے ڈبائے گئے پھر داخل کئے گئے آگ میں پھر نہ پایا اپنے واسطے اللہ کے سوائے کوئی مددگار۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى ٱلْأَرْضِ مِنَ ٱلْكَـٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا

اور کہا نوح نے اے رب نہ چھوڑیو زمین پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا مقرر اگر تو چھوڑ دے اُن کو بہکا دیں

عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَّبِّ ٱغْفِرْ لِى وَلِوَٰلِدَىَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِىَ

تیرے بندوں کو اور جو جنیں سو ڈھیٹھ حق نہ سمجھتا۔ اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو آوے میرے گھر میں

مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَـٰتِ وَلَا تَزِدِ ٱلظَّـٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًۢا ﴿٢٨﴾

ایماندار اور سب ایمان والے مردوں اور عورتوں کو اور گنہگاروں پر بھی بڑھتا رکھ برباد ہونا۔

کہ اس روایت کی سند متصل اور پوری نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو عطا خراسانی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور ابو داؤد، دارقطنی وغیرہ نے صاف لکھ دیا ہے کہ عطا خراسانی کو حضرت عبداللہ بن عباس سے ملاقات کا موقع نہیں ملا۔ اس واسطے یہ روایت منقطع ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کو ابن جریج نے عطا سے روایت کیا ہے۔ اور ابن جریج کی روایت عطا خراسانی اور عطا بن ابی رباح دونوں سے ہوا کرتی ہے۔ یہ روایت ابن جریج کی عطا بن ابی رباح سے ہے عطا خراسانی سے نہیں ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں سے حافظ ابن حجر کے اس جواب کی پوری تائید ہوتی ہے کس لیے کہ خود امام بخاری نے عطاء خراسانی کو اسماء الرجال کی کتابوں میں ضعیف قرار دیا ہے بلکہ جن علماء نے عطا خراسانی سے روایت کی ہے اُن پر بھی امام بخاری نے اعتراض کیا ہے۔ باوجود اس کے امام بخاری کی عادت کے یہ بالکل مخالف ہے کہ جس راوی کو خود وہ ضعیف اور قابل اعتراض ٹھہرائیں پھر اس راوی سے اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت کریں۔ علاوہ اس کے جن علماء پر امام بخاری نے عطا خراسانی سے روایت کرنے کا اعتراض کیا ہے اگر خود امام بخاری عطا خراسانی سے روایت کرتے تو ان علماء کو اس بات کے کہنے کا موقع ملتا کہ خود تم نے بھی تو اپنی کتاب صحیح بخاری میں عطا خراسانی سے روایت کی ہے حالانکہ اس طرح کا کسی نے کوئی اعتراض اسماء الرجال کی کتابوں میں امام بخاری پر نہیں کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت عطاء بن ابی رباح کی ہے عطا خراسانی کی نہیں ہے۔ اسی واسطے حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ عطا خراسانی سے امام بخاری کا روایت کرنا درجہ صحت کو نہیں پہنچتا۔

۲۵ تا ۲۸۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت اور بددعاء کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ سوا تھوڑے سے آدمیوں کے جو حضرت نوح کے سمجھانے سے راہ راست پر آگئے تھے اور سب قوم کے لوگ طوفان سے ہلاک ہو کر سیدھے جہنم کو چلے گئے۔ یہ طوفان کا قصہ سورۃ عنکبوت اور سورۃ ہود میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ ساڑھے نوسو برس تک حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی سرکشی کا خوب تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے طوفان کے وقت انھوں نے یہ دُعاء مانگی کہ یا اللہ اس سرکش قوم میں کا ایک گھر بھی طوفان کی آفت سے باقی نہ رہے کیونکہ ان میں کا ایک گھر بھی باقی رہے گا تو وہ اور ان کی اولاد لوگوں کو بہکائیں گے۔ پھر اپنی ذات اور اپنے ماں باپ اور جو فرمانبردار مرد عورت حضرت نوح کے گھر میں طوفان کی آفت سے امن و امان میں رہنے کے لیے

الربع ۸ ع ۱

آیاتھا ۲۸ (۷۲) سُوْرَۃُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ (۴۰) رکوعاتھا ۲

سورۃ الجن مکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ① يَّهْدِيْٓ اِلَى

تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے پھر کہا ہم نے سنا ایک قرآن عجب سمجھاتا

الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ② وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ

نیک راہ سو ہم اس پر یقین لاتے اور ہرگز نہ شریک بتا دیں گے اپنے رب کا کسی کو اور یہ کہ اونچی ہے شان ہمارے رب کی نہیں رکھی اس نے

صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ③ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ④ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ

جورو اور نہ بیٹا اور یہ کہ ہم میں کا بے وقوف اللہ پر بڑھا کر باتیں کہتا اور یہ کہ ہم کو خیال تھا

آتے تھے۔ ان کے گناہ معاف ہونے کی دعا اور بت پرستوں کی بربادی کی بددعا پر کلام کو ختم کیا۔ بت پرستی حضرت نوح علیہ السلام کے ماں باپ کے بعد پھیلی ہے اس لیے حضرت نوح علیہ السلام کے ماں باپ مسلمان تھے۔ حضرت نوح کے باپ کا نام لامک تھا۔ حضرت آدم کے پانچویں پشت کے پوتے تھے۔

اتا ہے۔ قدیم زمانہ سے علماء مفسرین میں یہ ایک اختلاف چلا آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحیح مسلم[1] کی روایت میں اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے ملاقات کی اور ان کو قرآن شریف سکھلایا اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کے منکر ہیں اور فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے ملاقات کی اور نہ ان کو قرآن شریف سکھایا بلکہ آنحضرت کی بے خبری میں جنات قرآن شریف سن کر چلے گئے۔ بیہقی، حافظ ابن حجر اور اور علماء نے اس اختلاف کو یوں رفع کیا ہے کہ ان دونوں روایتوں کا قصہ جدا جدا ہے۔ پہلے پہل جنات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے خبری میں قرآن شریف سنا اور ایمان لائے جس کا ذکر سورۃ احقاف میں ہے اسی بے خبری کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں بذریعہ وحی کے جتلایا ہے۔ اور اسی حالت اور اسی قصہ کا ذکر حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے۔ اس دفعہ جنات کے آنے کا سبب معتبر سند سے ترمذی[2] نسائی مسند امام احمد وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں جو بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پہلے جنات آسمان کی کچھ خبریں چوری سے سن آیا کرتے تھے اور کاہنوں سے بیان کرتے تھے۔ اسی واسطے اس زمانہ میں عرب کے سب کاموں کا مدار کاہنوں کے بیان پر تھا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور نزول وحی کے زمانہ میں آسمان کی خبروں کا انتظام بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہو گیا اور چوری سے خبر سننے والے جنات پر انگارے زیادہ برسنے لگے تو اس زیادتی انتظام کا سبب دریافت کرنے

[1] صحیح مسلم باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن۔ ص ۱۸۴ ج ۱ ایضاً

[2] جامع ترمذی، تفسیر سورۃ الجن۔ ص ۱۹۰ ج ۲۔

اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ

کہ نہ بولیں گے انس اور جن اللہ پر جھوٹ اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں کے پناہ پکڑتے

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ

کتنے مردوں کی جنوں میں پھر ان کو بڑھایا اور سر چڑھنا اور یہ کہ ان کو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ اٹھائے گا اللہ

اَحَدًا ۝

کسی کو ۔

کے لیے جنات کی ٹکڑیاں زمین کے چاروں طرف چکر لگاتی پھرتی تھیں۔ انھیں ٹکڑیوں میں کے نو دس جنوں کی ایک ٹکڑی وہاں آنکلی جہاں طائف کے راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ جنات قرآن شریف سن کر ایمان لے آئے اور اپنی قوم کو جا کر نصیحت کی اور پھر بارہ ہزار جنات کا قافلہ دین اور اسلام کی باتیں سیکھنے آیا اور آپ نے جنات کے لشکر میں جا کر اُن کو سورۃ الرحمٰن پڑھ کر سنائی اور دین اسلام کی باتیں سکھائیں۔ اس دوسری دفعہ جنات کے آنے کا ذکر صحیح مسلم ترمذی مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے ہے۔ غرض حضرت عبداللہ بن عباس کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کرنے اور جنات کے سامنے قرآن شریف پڑھنے کا انکار ہے۔ وہ جنات کی پہلی دفعہ کے آنے سے متعلق ہے۔ دوسری دفعہ کے آنے سے متعلق نہیں۔ اسی واسطے امام مسلم نے صحیح مسلم میں پہلے حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث کو روایت کر کے اس کے پیچھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو روایت کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں قصے جدا جدا گزرے ہیں اور دونوں روایتیں دونوں قصوں کے موافق ہیں۔ آپس میں مختلف نہیں ہیں۔ سورۃ انعام میں گذر چکا ہے کہ رسول فقط انسان ہی آئے ہیں کوئی جن جنات کی ہدایت کے لئے رسول ہو کر نہیں آیا بلکہ ہدایت جن وانس دونوں فرقوں کی انسان رسول سے ہی متعلق ہے۔ اسی واسطے جنات کا ایک بڑا قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین کی باتیں سیکھنے کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ نفر تین سے دس تک کی جماعت کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جن دس سے زیادہ نہیں تھے۔ قرآن شریف کی فصاحت اور بلاغت کے سبب سے قرآناً عجباً کہا جس کے معنے عجیب کے ہیں۔ جدّ ربنا کے معنے عظمۃ ربنا کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوقوف جن وانس حد سے بڑھ کر گستاخی کا یہ کلمہ جو اللہ تعالیٰ کی شان میں کہتے تھے کہ اللہ صاحب اولاد ہے۔ ہم کو یہ گمان تھا کہ شاید وہ یہ کلمہ جھوٹ نہیں کہتے۔ مگر اب قرآن شریف کے سننے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مقابلہ میں اس کلمہ کا منہ سے نکالنا بڑی گستاخی ہے اور جن وانس میں سے جو یہ کلمہ کہتے ہیں اُن کی عقل ٹھکانے نہیں ہے۔ شططاً اس بات کو کہتے ہیں جو حد سے بڑھ کر نامنصفی کی ہو۔ ایام جاہلیت میں یہ ایک دستور تھا کہ عرب کے لوگ مسافرت کی حالت میں جب کسی جنگل میں اترتے تو نعوذ بسید ھذا الوادی من شر سفہاء قومہ کہا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس جنگل کے جنات کے سردار سے ہم یہ حمایت چاہتے ہیں کہ اس سردار کی قوم میں کا کوئی نادان جن ہماری جان اور مال کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اسی دستور کو جنوں کی اس ٹکڑی نے اپنے کلام میں ذکر کر کے یہ کہا ہے کہ اس دستور نے جنات کے تکبر اور نخوت کو اور بڑھا دیا کیونکہ اس دستور سے وہ سمجھنے لگے کہ ہم بھی ایسے ہیں

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ

اور یہ کہ ہم نے ٹٹول دیکھا آسمان کو پھر پایا اُس کو بھر رہے ہیں اُس میں چوکیدار سخت اور انگارے ۔ اور یہ کہ ہم بیٹھتے تھے

مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ

آسمان کے ٹھکانوں میں سننے کو پھر جو کوئی اب سنا چاہے پائے اپنے واسطے ایک انگارا گھات میں ۔ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے

اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

کچھ بُرا ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا اُن کے حق میں اُن کے رب نے راہ پر لانا ۔

کہ انسان ہم سے حمایت چاہتے ہیں۔ سورہ احقاف میں گزر چکا ہے کہ جنات کی یہ ٹکڑی یہودی مذہب کی تھی۔ اس لیے انھوں نے قرآن کو سُن کر انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ کہا، من بعد عیسیٰ نہیں کہا۔ اسی واسطے لن یبعث اللہ احدًا کے مفسّروں نے دو معنے کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان جنات کا ویسا ہی عقیدہ تھا جس طرح بنی آدم میں یہود کا عقیدہ ہے، کہ قیامت تک کوئی ایسا رسول نہ پیدا ہوگا جس کے سبب سے توراۃ کے احکام منسوخ ہوں۔ دُوسرے معنے یہ کہ اہل مکّہ کی طرح حشر کے منکر تھے۔ حاصل یہ ہے کہ اس جنات کی ٹکڑی نے قرآن کے سننے کے بعد فامنا بہ کہہ کر دونوں معنوں کو غلط ٹھہرایا۔ ان آیتوں میں قریش کو یوں قائل کیا ہے کہ جنات کا حال تو ایک ہی دفعہ کے قرآن کے سننے سے یہ ہُوا جو بیان ہوا۔ قریش باوجودیکہ انسان ہیں اور گھڑی گھڑی اُن کو قرآن کی آیتیں سنائی جاتی ہیں اُن کی آنکھوں کے سامنے وحی نازل ہوتی ہے جس پر اُن کا یہ حال ہے کہ خود بھی قرآن کے منکر اور لوگوں کو بھی قرآن کی آیتوں کے سننے سے روکتے ہیں ۔

۸ تا ۱۰۔ قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانہ سے پہلے جنات بعض روایتوں کے موافق اوّل آسمان بعض کے موافق چوتھے آسمان تک پہنچ کر چوری سے آسمان پر کی کچھ خبریں سُن آتے تھے اور ایک بات میں نو باتیں اپنی طرف سے جھوٹ ملا کر کاہن لوگوں سے کہہ دیتے تھے۔ قرآن شریف کا نزول شروع ہوتے ہی آسمان کی خبروں کی حفاظت کا انتظام زیادہ بڑھ گیا۔ اس انتظام کے بعد پہلے کی طرح جنات نے جب آسمان تک جانے کا قصد کیا تو اُن پر چاروں طرف سے انگارے برسنے شروع ہوگئے جنات نے اس انتظام کا ذکر ابلیس سے کیا۔ اُس ملعون نے ہر طرف جنات کو اس انتظام کا سبب دریافت کرنے کو بھیجا باقی قصّہ اس حدیث کا اوپر کی آیتوں کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ ان ٹکڑیوں میں کی ایک ٹکڑی نے مکہ اور طائف کے مابین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا اور اسلام اختیار کیا۔ ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[1] اس انتظام کو دیکھ کر اس ٹکڑی کے جنات نے قرآن شریف کے سننے سے پہلے شک کے طور پر یہ کہا تاکہ اس انتظام سے یا تو زمین کے رہنے والوں پر کوئی آفت آئے گی یا اُن کی کچھ بہتری ہوگی۔ لیکن جب اُنھوں نے قرآن شریف سنا تو اُن کی سمجھ میں آگیا کہ وہ انتظام اسی قرآن کی حفاظت کے لیے تھا ۔

[1] جامع ترمذی تفسیر سورۃ الجن ۱۹۰ ج ۲ ۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ

اور یہ کوئی ہم میں نیک ہیں اور کوئی اس کے سوا ہم تھے کئی راہ پر پھٹ رہے اور یہ کہ ہمارے خیال میں آیا کہ ہم

نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ

تھکا نہ سکیں گے اللہ کو زمین میں اور نہ تھکا دیں گے اس کو بھاگ کر اور یہ کہ جب ہم نے سنی راہ کی بات ہم نے اس کو مانا۔

فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا

پھر جو کوئی یقین لائے گا اپنے رب پر سو نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے اور یہ کہ کوئی ہم میں حکمبردار ہیں اور کوئی

الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا

بے انصاف سو جو حکم میں آئے سو انھوں نے اٹکل نیک راہ اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے

لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ

دوزخ کے ایندھن اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے ان کو پانی بھر کر تاکہ ان کو جانچیں

فِیْهِ ؕ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾

اس میں اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے وہ ڈال دے گا اس کو چڑھتے عذاب میں

اَنَّا ا۔ سلف کا قول ہے کہ جس طرح بنی آدم میں مشرک، یہود، نصاریٰ طرح طرح کے فرقے ہیں یہی حال جنات کا بھی ہے ان جنات کی گفتگو کے جن کا ذکر اوپر سے چلا آتا ہے اپنا اور اپنی قوم کا حال بیان کر رہے ہیں کہ بعضے ہم میں سے نیک اور اپنے دین کے پابند ہیں اور بعضوں کا ڈھنگ اس کے برخلاف ہے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ جب سے ہم نے یہ قرآن شریف سنا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کریں اور وہ اس نافرمانی کی سزا میں ہم کو پکڑنا چاہے تو اس کے مواخذہ سے ہم کہیں بھاگ کر بچ نہیں سکتے۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے ٹھیک راستہ ڈھونڈ لیا۔ جس میں اس کو کبھی کسی طرح کا ٹوٹا نہ ہوگا۔ اور جو نافرمان ہیں وہ آخر کو دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اب جنات کے اس تذکرہ میں قریش کو یہ ارشاد ہے کہ اے نبی اللہ کے ان لوگوں سے کہہ دو جس طرح مجھ کو یہ وحی اللہ کی طرف سے آئی ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے قرآن سنا اور وہ ایمان لے آئے۔ اسی طرح یہ بھی وحی آئی ہے کہ اگر ان جنات کی طرح یہ لوگ بھی سیدھے راستہ پر آ جاتے تو یہ قحط کی آفت ان پر سے ٹل جاتی۔ اور ان کی شکرگزاری آزمانے کے لیے ان کے رزق میں اچھی فراخی کر دی جاتی انھوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ عادت الٰہی جاری ہے کہ جو اللہ کی نصیحت نہیں مانتا۔ اللہ اسے ایسے عذاب میں پکڑ لیتا ہے جو روز بروز بڑھتا چڑھتا رہتا ہے۔ مثلاً کبھی مکہ کا سات برس کا قحط ہے، کبھی بدر کی لڑائی کے قتل اور قید کی آفت پھر سب سے بڑھ چڑھ کر دوزخ کا عذاب جس کے بڑھنے چڑھنے کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ابن ماجہ مستدرک حاکم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کم تولنے اور زکوٰۃ کے ادا نہ کرنے سے قحط پڑتا ہے [1]۔

[1] الترغیب والترہیب۔ الترہیب من منع الزکوٰۃ الخ ص ۱۷۰ ج ۱۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ

اور یہ کہ سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو۔ اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ اس کو پکارتا

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ

لوگ کرنے لگتے ہیں اس پر ٹھٹھ۔ تو کہہ میں تو یہی پکارتا ہوں اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو۔ تو کہہ

اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ

میرے ہاتھ نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا۔ تو کہہ مجھ کو نہ بچاوے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی۔ اور نہ

اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

پاؤں گا اس کے سوا کہیں سرک رہنے کو جگہ۔ مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغام دینے۔ اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا

۱۸ تا ۲۴۔ مشرکِ مکہ حرم میں اور یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں اللہ کی عبادت خالص نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی عبادتوں میں غیروں کو شریک کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا ہے کہ نبی اللہ کے ان لوگوں سے کہہ دو۔ اوپر کی وحی کی طرح مجھ کو یہ بھی وحی آئی ہے کہ عبادت گاہیں اللہ کے نام سے بنی ہیں۔ ان میں سوا اللہ کے کسی اور کو اس کی عبادت میں شریک کرنا بڑے وبال کی بات ہے۔ پھر مشرکین مکہ کی ایک سرکشی کا ذکر کیا کہ ان لوگوں کو یہ توفیق تو نہیں ہوتی کہ حرم میں خالص اللہ کی عبادت کریں اور شرک سے باز آئیں۔ بلکہ اللہ کے بندے اللہ کے رسول جب ان لوگوں سے اللہ کی وحدانیت کی نصیحت کرنے کو کھڑے ہوتے ہیں تو ان لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ اللہ کے رسول کی مخالفت پر کمر باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ کادوا یکونون علیہ لبدا کی تفسیر میں سلف کا یہ قول بھی[1] ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف پڑھا تو اس کے سننے کے شوق میں جنات کا ہجوم اور اژدحام جو ہوا تھا اسی کو کادوا یکونون علیہ لبدا فرمایا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جنات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کو جماعت سے نماز پڑھتے جو دیکھا تھا، یہ انھوں نے اسی جماعت کی نماز کا ذکر اپنی قوم سے ان لفظوں میں کیا ہے۔ یہ ایک قول حضرت عبداللہ بن عباس کا ہے اور ترمذی[2] نے اس کو روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ ظاہراً اس قول کے معنے یہ ہیں کہ آیت اس مطلب پر بھی صادق آتی ہے ورنہ حافظ ابو جعفر بن جریر نے سلف کے قولوں میں سے قتادہ وغیرہ کے اس قول کو ترجیح دی ہے جو ان دونوں قولوں سے پہلے ذکر کیا گیا ہے اور قرآن شریف کی آیتوں کا مضمون بھی اسی کا مقتضی ہے کہ اس قول کو ترجیح دی جائے کیونکہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے وہ مشرکین کی شان میں ہے اور اسی طرح اس آیت کے آگے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جس جواب کا ارشاد فرمایا ہے وہ مشرکین مکہ کی مخالفت کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے مشرکو تم ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہو کر مجھ سے مخالفت کیوں کرتے ہو۔ میں تو اللہ کے حکم کے موافق فقط اللہ کی خالص عبادت کرتا ہوں۔ اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ رہی تمھاری ہدایت اور گمراہی وہ میرے اختیار میں نہیں جس طرح اللہ کا حکم آتا ہے میں خود بھی اس کے موافق عمل کرتا ہوں اور تم کو بھی وہ حکم الٰہی پہنچا دیتا ہوں۔ کیونکہ اللہ کے حکم کے موافق عمل کرنے میں یا اس کو تم کو پہنچا دینے میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو مجھے اللہ کے مواخذہ سے کون بچا سکتا ہے نہ اس سے بچنے کی کوئی

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۲ ج ۴ [2] جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ الجن ص ۱۹۰ ج ۲۔

فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ

سو اُس کے لیے آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اُس میں ہمیشہ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو اُن سے وعدہ ہُوا تب جان لیں گے

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ

کس کی مدد کمزور ہے اور گنتی میں تھوڑے۔ تُو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہے یا کر دے

لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ

اُس کو میرا رب ایک مدّت کی حد۔ جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کسی

رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا

رسول کو تو وہ چلاتا ہے اُس کے آگے اور پیچھے چوکیدار۔ تاکہ جانے کہ انھوں نے پہنچائے

پناہ کی جگہ مجھ کو نظر آتی ہے۔ اب بعد اس فہمایش کے جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسول کی مخالفت کرے گا اُس کا ٹھکانا ہمیشہ کے لیے دوزخ ہے۔ اگرچہ تم مجھ کو اکیلا اور میرے ساتھیوں کو تھوڑی سی جماعت دیکھ کر مخالفتوں پر آمادہ ہو۔ لیکن اللہ کے وعدہ کے موافق کوئی آفت آگئی تو ہر کوئی جان لے گا کہ تمھاری بڑی بھیڑ کا انجام کیا ہُوا اور ہماری تھوڑی سی جماعت کا کیا حال ہُوا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے۔ بدر کی لڑائی میں یہ انجام ہر ایک کو معلوم ہو گیا۔

**۲۵ تا ۲۸**- اوپر یہ ذکر تھا کہ اللہ کے وعدہ کے موافق کوئی آفت آگئی تو ہر کوئی جان لے گا کہ مشرکوں کی بڑی بھیڑ کا کیا انجام ہُوا۔ اور اللہ کے فرمانبردار تھوڑے سے مسلمانوں کا کیا انجام ہُوا۔ اس کو سُن کر بعضے مشرکوں نے کہا آخر وہ عذاب کب ہے جس سے ہر وقت ڈرایا جاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اور فرمایا اے رسولؐ اللہ کے تُم ان عذاب کے جلدباز لوگوں کو جواب دے دو کہ عذاب دُنیا کا یا عذاب قیامت کا خاص وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے مجھ کو معلوم نہیں۔ کیونکہ عذاب کے آنے کا خاص وقت ایک علم غیب ہے جو بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں وہ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے اُس کو بذریعہ وحی کے غیب کی باتوں میں سے کچھ باتیں بتا دیتا ہے تاکہ وہ غیب کی بات کا بتانا نبی کی نبوت کی شان ٹھہرے اور اس وحی کی حفاظت کا خدا کی طرف سے آسمان و زمین پر بہت بڑا انتظام ہے۔ آسمان پر جگہ جگہ فرشتے تعینات ہیں جو وحی کی خبر چوری سے سننے والے جنات پر چاروں طرف سے انگارے برساتے ہیں، اور کوئی وحی کی خبر اُن کو چوری سے سننے نہیں دیتے۔ آسمان سے زمین پر جب وحی کی خبر آتی ہے تو اللہ کے رسولؐ کے اردگرد ہر طرف فرشتے اس بات کی چوکسی کرتے ہیں کہ اُس میں کوئی شیطانی دخل نہ ہونے پائے۔ یہ سب انتظام اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب کے طور پر فرمایا ہے ورنہ علم باطنی کے طور پر ذرہ ذرہ سب اُس کو معلوم ہے۔ کوئی شے اُس کے علم سے باہر نہیں، جو چیز مخلوقات کی نظروں سے غائب ہے اس کو غیب کہتے ہیں۔ عذاب قبر، جنّت، دوزخ یہ سب غیب کی چیزیں ہیں۔ صحیح بخاریؒ و مسلم میں حضرت ابوذرؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل[1] یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا جنّت اور دوزخ کا حال جو کچھ مجھ کو معلوم ہے اگر وہ تم لوگوں کو معلوم ہو جائے تو تم ہنسنا بالکل کم کر دو، ہر وقت روتے رہو، بستی کو چھوڑ کر جنگل کو چلے جاؤ اور ہر دم اللہ سے لو لگاتے رہو۔ اس سے معلوم ہُوا

[1] الترغیب والترہیب- الترغیب فی الخوف وفضلہ ص ۴۰۹ ج ۴۔

رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

پیغام اپنے رب کے اور قابو میں رکھا ہے جو اُن کے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی۔

ایاتہا ۲۰ — (۷۳) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ (۳) — رکوعاتھا ۲

سورۃ المزمل مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ﴿۳﴾ اَوْ

اے جھرمٹ مارنے والے کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات آدھی رات یا اس سے کم کر تھوڑا سا یا

زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ

زیادہ کر اس پر اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف ہم آگے ڈالیں گے تجھ پر ایک بھاری بات البتہ

کہ بعض غیب کی باتیں دنیا کا انتظام قائم رہنے کے لیے سوائے اللہ کے رسول کے امت کے لوگوں پر تفصیل سے ظاہر نہیں کی گئی ہیں۔ زمخشری اور معتزلہ فرقے کے لوگوں نے الا من ارتضی من رسول سے یہ مطلب نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبکہ رسولوں کا ذکر خاص طور پر غیب کی خبر دیے جانے میں کیا ہے تو اولیاء کی کرامت کا وجود دنیا میں باقی نہ رہنا چاہیے کیونکہ اولیاء رسول نہیں ہیں مگر صحیح حدیثوں سے اولیاء کی کرامات کا ثبوت ملتا ہے اس لیے علمائے اہل سنت نے طرح طرح سے معتزلی فرقے کے لوگوں کو قائل کیا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے ان آیتوں کی تفسیر میں چند کاہنوں کے قصے جو لکھے ہیں وہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانہ سے پہلے کے ہیں اور یہ اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانہ سے پہلے جنات آسمان کی کچھ خبریں چوری سے سن آیا کرتے تھے اور کاہنوں سے بیان کر دیا کرتے تھے کیونکہ اس زمانہ میں جنات کے آسمان تک جانے میں زیادہ روک ٹوک نہ تھی۔ غرض ان وجوہات سے نہ وہ کاہنوں کے قصے ان آیتوں کے مخالف قرار پا سکتے ہیں نہ ان آیتوں کی تفسیر سے ان قصوں کو کچھ تعلق ہے۔ امد کے معنے لمبی مدت کے ہیں۔ رصد کے معنے وحی کی حفاظت کرنے والے فرشتے۔

۱ تا ۹۔ اکثر سلف کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے مگر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے واصبر علی ما یقولون اور اس سے بعد کی آیت یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں۔ لیکن یہ اوپر گزر چکا ہے کہ جس سورۃ کا شروع کا حصہ مکی ہو وہ مکی کہلاتی ہے حسن بصری اور ابن سیرین اس بات کے قائل ہیں کہ رات کا اٹھنا اور تہجد کی نماز کا پڑھنا فرض ہے۔ زیادہ نہ ہو سکے تو اتنی ہی دیر آدمی کو اٹھنا چاہیے جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے۔ لیکن جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ تہجد کی نماز سنت ہے اور ایسی افضل سنت ہے جس کی ترغیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں سے دلائی ہے۔ صحیح مسلم[۱] اور سنن میں ابوہریرہؓ کی حدیث مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرض نماز کے بعد تہجد کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز نہیں ہے۔ اور صحیحین[۲]

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۲۷۰ ج ۶۔ [۲] صحیح مسلم باب تفضل صوم المحرم ص ۳۶۸ ج ۱۔ [۳] صحیح بخاری باب من نام عند السحر ص ۱۵۲۔

نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝

اُٹھان رات کا سخت روندنا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات البتہ تجھ کو دن میں شغل رہتا ہے لمبا ۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ

اور پڑھ نام اپنے رب کا اور چھوٹ اُس کی طرف سب سے الگ ہو کر ۔ مالک مشرق اور مغرب کا اُس بن کسی

اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

کی بندگی نہیں سو پکڑ اس کو کام سونپا ۔

وغیرہ کی حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث بھی مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد علیہ السلام کی تہائی حصہ رات کی نماز بہت پسند ہے ۔ جمہور علماء کا یہ جو مذہب ہے کہ تہجد کی نماز اُمتِ محمدیہ پر فرض نہیں ہے ۔ اس کی تائید صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے ۔ مثلاً ایک صحیح حدیث تو صحیح مسلم وغیرہ کی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ابھی اوپر گزری جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز کا رتبہ فرض نماز کے بعد لکھا ہے ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی نماز فرض نہیں ہے ، فرض نماز کے بعد کے درجہ کی ایک نماز ہے ۔ دوسری حدیث صحیحین میں حضرت زید بن ثابت کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک رمضان میں تین راتوں تک صحابہ کرام مسجدِ نبوی میں تہجد کی نماز جماعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھنے آتے پھر چوتھی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہیں لائے اور صبح کو صحابہؓ سے فرمایا کہ مجھ کو تم لوگوں کا آج کی رات آنا بھی معلوم تھا مگر میں اس خوف سے باہر نہیں آیا کہ کہیں تم پر تہجد کی نماز فرض نہ ہو جائے ، اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ اُمتِ محمدیہ پر تہجد کی نماز فرض نہیں ہے ۔ کیونکہ اس کے فرض ہونے کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہرگز نہ فرماتے کہ مجھ کو اس کے فرض ہونے کا خوف تھا ۔ کس لیے کہ جو چیز خود پہلے ہی سے فرض ہوتی اُس کے فرض ہونے کا خوف آپؐ کیونکر ظاہر فرماتے ۔ اسی طرح صحیحین میں حضرت طلحہ بن عبید کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ دین ایک شخص سائل کو بتلائے ہیں ، اور اِن ارکان میں فقط پنجگانہ نماز کو آپؐ نے فرض بتایا ہے ۔ اُس شخص نے پوچھا بھی کہ نماز کے نام سے میرے اوپر اور کچھ بھی فرض ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں تہجد کی نماز اگر فرض ہوتی تو آپ ضرور اُس کا ذکر فرماتے ۔ ایک اختلاف علماء میں اور ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں اس سورۃ کی شروع کی آیتوں کے موافق جب تہجد کی نماز فرض تھی تو کیا فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی فرض تھی یا اُمت پر بھی فرض تھی ۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی یہ نماز فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی فرض تھی ۔ اور قرآن شریف میں قم الیل اور رتل تبتل الیہ کا خطاب بھی خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس سے یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ بعضے علماء نے یہ جو لکھا ہے کہ مزمّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے آپؐ کا ایک نام ہے یہ قول تو صحیح نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اِن آیتوں میں تہجد کا حکم فرمایا ہے اور تہجد کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اکثر اُس وقت اوڑھے لپیٹے بچھونے پر لیٹا ہوا ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اس حالت کی صفت سے آپؐ کو یاد فرمایا

[1] صحیح مسلم باب استحباب صلوٰۃ النافلۃ فی بیتہ الخ ص ۲۶۶ ج ۱ [2] صحیح بخاری ، باب الزکوٰۃ من الاسلام الخ ص ۱۱ ج ۱ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۵ ج ۴ ۔

آپؐ کی اس صفت سے یاد فرمانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ امت میں کے اور لوگوں سے بھی یہ خطاب یایھا الذین اٰمنوا کے خطاب کی طرح متعلق ہو گیا۔ قم الّیل سے ساری رات کی نماز سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے آگے اس کی مقدار بتادی کیونکہ حفظِ صحت کی غرض سے انسان کے لیے کچھ راحت بھی ضرور ہے۔ ترتیل کے معنے حرفوں کو الگ الگ کر کے اس طرح قرآن پڑھنا کہ سننے والے کی خوب سمجھ میں آتے چنانچہ اکثر صحابہؓ نے صحیح روایتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے حوالہ سے ترتیل کے یہی معنی بتائے ہیں۔ تہجد کی آٹھ رکعتیں اکثر صحیح روایتوں میں ہیں اور وتر کی پانچ رکعتیں بھی ہیں اور تین بھی اور ایک بھی اور کبھی پانچ رکعت سے زیادہ بھی وتر آپؐ نے پڑھے ہیں۔ بھاری بات سے مراد نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ احکام ہیں جو اس سورۃ کے بعد وقت بوقت نازل ہوئے کیونکہ اس سورۃ کے زمانہ تک فقط تہجد کی نماز تھی اور کوئی عبادت نہ تھی پھر معراج کے وقت پانچوں وقت کی نماز مکہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں باقی کی عبادتیں یہ سب کچھ فرض ہوا۔ خالص نیت سے پورے طور پر ان عبادتوں کا ادا کرنا آدمی کے نفس پر ذرا بھاری ہے اس لیے اُن کی پوری ادائی کو بھاری بات فرمایا۔ رات کو کسی قدر سو جانے کے بعد جو آدمی اٹھے تو اس باقی کی رات کو ناشئۃ الیل کہتے ہیں۔ اُس وقت کا اُٹھنا نفس پر شاق گذرتا ہے اس واسطے اس کو نفس کی روندن فرمایا۔ اُس وقت کچھ غُل شور نہیں ہوتا۔ اس لیے اس وقت آدمی کے حواس منتشر نہیں ہوتے بلکہ جو کچھ اس وقت مُنہ سے نکلتا ہے وہ دِل کے ارادہ سے ہوتا ہے اوپری نہیں ہوتا۔ اسی واسطے اس وقت کے زبان کے لفظوں کو سیدھی بات فرمایا اور فرمایا کہ دن کے سے مشغلے رات کو نہیں رہتے۔ اس لیے اس خلوت کے وقت میں اللہ کی عبادت کیا کرو۔ علاوہ اس کے آخری تہائی رات یہ وقت بھی بہت بڑی مقبولیت کا ہے چنانچہ صحیح بخاریؒ مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث ہے وہ مشہور ہے کہ اس وقت ہر رات کو اللہ تعالیٰ اوّل آسمان پہ نزول فرما کر اُس وقت کی ہر طرح کی دُعا اور توبہ و استغفار کے قبول فرمانے کا وعدہ اپنے بندوں سے فرماتا ہے۔ اس باب میں صحابہ کی ایک جماعت سے اور بھی صحیح روایتیں آئی ہیں۔ تبتل کے معنے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں معروف ہونا۔ اب آگے فرمایا کہ مشرق مغرب سارے جہان کا پرورش کرنے والا جبکہ وہی وحدہٗ لاشریک ہے تو وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی کی خالص عبادت کی جائے اور دین و دنیا کے ہر ایک کام کا اسی پر بھروسہ رکھا جائے۔ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ اس لیے دنیا کے کاموں میں اللہ پر بھروسہ رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی اسباب کو بیکار سمجھے بلکہ اللہ پر بھروسا رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی سبب کو سبب کی طرح برتے اور ہر کام میں اصل بھروسہ اللہ کی ذات پر رکھے۔ سبب کو اصل بھروسہ کی چیز نہ سمجھے۔ جس طرح صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا رزق میرے برچھے کے نیچے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی لڑائی پر جانا اور غنیمت کے مال میں سے حصہ لینا۔ یہی اس عالمِ اسباب میں میرے رزق کا سبب اور حیلہ ہے۔ اسی طرح صحابہ کے سینکڑوں قصّے صحیح روایتوں میں ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو تجارت زراعت سب کچھ کرتے تھے اور پھر آپؐ کا اور آپؐ کے اصحابؓ کا اصل بھروسہ اللہ پر تھا۔ یہ اسباب آپؐ کے اور آپؐ کے اصحابؓ کے نزدیک مستقل طور پر بھروسہ کی چیز نہ تھی۔ سبح کے معنے چلنے پھرنے اور کام کاج کے ہیں۔

۵۱ صحیح مسلم۔ باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ ص ۲۵۸ ج ۱۔ ۵۲ تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۱ ج ۴۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی

اور سہارا رہ جو کہتے ہیں اور چھوڑ اُن کو بھلی طرح کا چھوڑنا اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو

النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا

آرام میں رہتے ہیں اور ڈھیل دے اُن کو تھوڑی البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکتا اور دُکھ کی

اَلِیْمًا ﴿۱۳﴾ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَکَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْبًا مَّهِیْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ

مار جس دن کانپے زمین اور پہاڑ اور ہو جائیں پہاڑ ریت پھسلتی ہم نے بھیجا

اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا ۵ شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ

تمھاری طرف رسول بتانے والا تمھارا جیسے بھیجا فرعون پاس رسول پھر کہا نہ مانا فرعون نے

الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ﴿۱۶﴾ فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ

رسول کا پھر پکڑی ہم نے اس کو پکڑ وبال کی پھر کیونکر بچوگے اگر منکر ہوگے اس دن سے جو کر ڈالے

شِیْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ کَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾

لڑکوں کو بوڑھا آسمان پھٹے اس میں ہے اس کا وعدہ ہونا

۱۰ تا ۱۸۔ اوپر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ اے رسول اللہ کے تم اپنے سب کام اللہ کو سونپ دو۔ اللہ تمھارے سب کاموں کے سرانجام کے لیے کافی ہے۔ اُس ہدایت کے پورا کرنے کے لیے فرمایا۔ یہ لوگ جو اپنے مال و متاع کے غرور میں تم کو برا بھلا کہتے ہیں اور اللہ کے کلام کو جھٹلاتے ہیں تم اُس کا کچھ خیال نہ کرو اور تھوڑے دنوں کے لیے اِن لوگوں کو اللہ کے انتقام پر چھوڑ دو۔ اللہ اُن سے خود سمجھ لے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اِن آیتوں کے نازل ہونے سے تھوڑے عرصہ کے بعد بدر کی لڑائی پیش آئی جس میں بڑے بڑے سرکش ستر آدمی مشرکین مکہ میں کے قتل ہوگئے۔ اب آگے اللہ تعالیٰ نے قریش کو دو طرح سے ڈرایا۔ ایک فرعون کا قصہ یاد دلایا کہ اگر ان لوگوں کی بھی فرعون کی سی سرکشی رہی تو وہی نتیجہ اُن کا ہوگا جو فرعون اور اُس کے لشکر کا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر دُنیا کے عذاب سے یہ لوگ بچ بھی گئے تو قیامت کے اُس عذاب سے اُن کو کون بچائے گا جس عذاب کو تفصیل سے اگر کسی لڑکے کے روبرو بیان کیا جائے تو وہ لڑکا بڈھے شخص کی طرح بدحواس ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ قیامت کے حال کو قصہ کہانی کی طرح سن کر اڑا دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کا آنا ایسا یقینی ہے کہ اُس میں کسی صاحب عقل آدمی کو شک و شبہ کا موقع نہیں ہے کیونکہ دنیا کا پیدا کرنا جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ بغیر نیک و بد کی جزا و سزا کے بے ٹھکانے رہتا ہے۔ پھر جب ان کے معمولی عقل کے آدمی اس طرح کے بے ٹھکانے کام کو گھبراتے ہیں تو پھر اللہ کے ذمہ یہ بے ٹھکانے کام کیونکر جائز رکھے جاتے ہیں۔

نعمت کا لفظ خلقت کے لفظ کی طرح نون کے زبر سے مالداری کے معنے میں ہے اور نون کے زیر سے خدمت کے لفظ کی طرح ہو تو انعام اور اکرام کے معنے میں ہے۔ انکال کے معنے قیدیوں کے پیروں کی بیڑیاں، جحیم کے معنی دہکتی آگ۔ جو چیز گلے میں پھنس کر نہ اُگلی جائے اور نہ نگلی جائے اُس کو غصّہ کہتے ہیں۔ یہ زلزلہ اور پہاڑوں کا ریت ہو کر زمین میں مل جانا اور فرشتوں کے

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ

یہ سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کی طرف راہ ۔ تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے

أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ

نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات اور تہائی رات اور جتنے لوگ تیرے ساتھ کے اور اللہ ماپتا ہے رات کو

وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن

اور دن کو اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے تو تم پر معافی بھیجی سو پڑھو جتنا آسان ہو قرآن سے ۔ جانا کہ

سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَ

آگے ہوں گے تم میں کتنے بیمار اور کتنے اور پھریں گے ملک میں ڈھونڈتے اللہ کا فضل اور

آخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا

کتنے اور لڑتے اللہ کی راہ میں سو پڑھو جتنا آسان ہو اس میں سے اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو

الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ

زکوٰۃ اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا ۔ اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے

زمین پر آنے کے لیے آسمان میں دروازوں کا ہو جانا یہ دوسرے صور کے وقت کا حال ہے جس کی تفصیل کئی جگہ گزر چکی ہے ۔ اور عم یتساءلون کے پارہ میں بھی یہی تفصیل آئے گی ۔ وبیل کے معنے سخت اور شدید ؎

۱۹-۲۰- آدھی رات یا اس سے کچھ کم و زیادہ تک تہجد کی نماز کے پڑھنے کا جو حکم اول سورۃ میں تھا وہ انہی آیتوں سے منسوخ ہو گیا اور اس کے آگے پنجگانہ فرض نماز کا ذکر جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ اس سے تھوڑی دیر تہجد کی نماز میں قرآن شریف پڑھنے کا حکم فرض کے طور پر جو نکلتا تھا وہ بھی منسوخ ہو گیا ۔ بعضے علماء نے صحیح بخاری کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس حدیث سے تہجد کی نماز کے فرض ہونے کی تائید نکالی ہے ۔ جس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک شخص کا ذکر آیا کہ وہ صبح تک سوتا رہتا ہے اور نماز کو نہیں اٹھتا لیکن یہ تائید صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ صحیح ابن حبانؒ کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ ذکر فرض کے لیے نہ اٹھنے کا تھا ، تہجد کا ذکر نہیں تھا ۔ اس واسطے امام بخاری نے اس ذکر کی حدیث کو روایت کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں حدیثوں میں مناسبت ہے ۔ اس آیت سے بظاہر جو آیت یا سورۃ آسان معلوم ہو نماز میں اس کے پڑھنے کی اجازت نکلتی ہے اس لیے مذہب حنفی میں یہ مسئلہ قرار پایا ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے ۔ اس کا جواب جمہور علماء نے یہ دیا ہے کہ صحیحینؒ میں حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث اور صحیح مسلمؒ اور صحیح ابن خزیمہ کی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کے نماز نہیں ہوتی تو ان صحیح حدیثوں کے مخالف اور کوئی تفسیر اس آیت کی جائز نہیں ہے ۔ صحیح بخاری و نسائی وغیرہ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نہ

لہ صحیح بخاری باب اذا نام ولم یصل بال الشیطٰن فی اذنہ ص ۱۵۳ ج ۱ ۔ کہ الترغیب والترہیب ۔ الترھیب من نوم الانسان الی الصباح الخ ص ۵۰۲ ج ۱ ۔ سہ صحیح بخاری باب وجوب القراءۃ للامام والماموم الخ ص ۱۰۴ ج ۱ ۔ کہ صحیح مسلم باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ الخ ص ۱۶۹ ج ۱ ۔ ھہ صحیح بخاری باب ما قدم من مالہ فھولہ

عِندَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰

اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ اور معافی مانگو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ع ۱ / ۱۴

## (۷۴) سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ (۴)

آیاتہا ۵۶ ——— رکوعاتہا ۲

سورۃ مدثر مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ وَالرُّجْزَ

اے لحاف میں لپٹنے کھڑا ہو پھر ڈر سنا اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی کو

فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸

چھوڑ دے اور نہ کر کر احسان کرے اور بدلا بہت چاہے اور اپنے رب کی راہ دیکھ۔ پھر جب کھڑکھڑائے وہ کھوکھرا

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝۱۰

پھر وہ اُس دن مشکل دن ہے منکروں پر نہیں آسان۔

صحابہؓ سے پوچھا کہ تم کو اپنا مال پیارا ہے یا اپنے وارثوں کا مال پیارا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم کو اپنا مال پیارا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تمہارا مال وہی ہے جو تم نے اللہ کے نام پر خرچ کیا۔ وہی عقبیٰ میں تمہارے کام آئے گا۔ اور جو کچھ دنیا میں چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارے وارثوں کا مال ہے۔ اُس سے تمہاری ذات کو کچھ نفع نہیں ہے۔ یہ حدیث گویا آیت وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ کی تفسیر ہے کیونکہ اُس آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ دنیا میں رہ جانے والی چیز سے وہی چیز بہتر ہے جس کا عوض عقبیٰ میں انسان کو خدا کی درگاہ سے ملے۔

۱تا ۱۰۔ علمائے مفسرین نے اس باب میں بہت بڑا اختلاف کیا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں میں سب سے پہلے اقرأ باسم ربک الذی خلق نازل ہوئی ہے یا سورۃ مدثر نازل ہوئی ہے۔ صحیحینؒ کی حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ کی دونوں حدیثوں کو ملا کر دیکھا جائے تو رفع اس اختلاف کا وہی ہے جو حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ اور خطیب وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیا صادقہ کے بعد پہلے پہل وحی کا نزول جو شروع ہوا تو سب سے پہلے اقرأ باسم ربک الذی خلق نازل ہوئی پھر چند روز تک وحی بند رہی۔ اس وحی کی بندش کے بعد پھر جو سلسلہ وحی کا چلا تو سورۃ مدثر نازل ہوئی۔ غرض صحیح قول یہی ہے کہ سورۃ مدثر کا نزول اقرأ سے مؤخر اور سب سورتوں سے مقدم ہے جو کپڑا آدمی کے جسم سے ملا ہوا ہو اُس کو شعار اور جو اس کے اوپر پہنا اوڑھا جاتے اس کو دثار کہتے ہیں۔ صحیح مسلم وغیرہ میں جو حضرت جابرؓ سے روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ اقرأ کے نازل ہونے کے بعد کچھ دنوں تک وحی کا نازل ہونا موقوف رہا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی اصلی

ل[1] صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ مدثر ص ۷۳۲ ج ۲ و تفسیر سورۃ اقرأ باسم ربک ص ۷۳۹ ج ۲ ل[2] صحیح مسلم باب بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۹۱۔

ذَرْنِىْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿١١﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿١٢﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿١٣﴾

چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جو میں نے بنایا اکیلا اور دیا میں نے اس کو مال پھیلا کر اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے

وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿١٦﴾

اور تیاری کردی اس کو خوب تیاری پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور دوں کوئی نہیں۔ وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف

صورت میں دیکھا، جس سے آپ ڈر گئے اور آپ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا مجھ کو سردی لگتی ہے معمولی کپڑوں کے اوپر مجھے کچھ اوڑھادو۔ انھوں نے آپ کو لحاف اوڑھادیا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی نام سے یاد فرماکر یہ سورۃ نازل فرمائی۔ اقرأ کی آیتوں میں آپ کو فقط وحی کے پڑھنے کا حکم تھا۔ اس سورۃ میں وحی کے احکام کے موافق لوگوں کو ڈرانے اور نصیحت کرنے کا بھی حکم ہوا کہ جو لوگ سوا اللہ کے اور چیزوں کو پوجتے ہیں ان کو اس کے وبال سے ڈرایا جاتے۔ پھر فرمایا کہ مشرک اللہ کی شان میں شرک کے الفاظ جو کہتے رہتے ہیں، اے نبی اللہ کے تم ان کے برخلاف اللہ کی بڑائی اور توحید بیان کرو تاکہ ان مشرکوں کے کان بھی توحید سے آشنا ہوں۔ مشرکین مکہ پہننے کے کپڑوں کی پاکی ناپاکی کا خیال نہیں رکھتے تھے اور اپنے بتوں سے ہر وقت لگے لپٹے رہتے تھے اس لیے فرمایا کہ اے نبی اللہ کے تم اپنے کپڑے پاک صاف رکھو اور ان مشرکوں کے بتوں سے ہمیشہ دور رہو۔ ولا تمنن تستکثر ولربک فاصبر کی تفسیر میں اگرچہ سلف سے چند قول ہیں لیکن آیتوں کی مناسبت کے خیال سے حافظ ابوجعفر بن جریرؒ نے جس قول کو ترجیح دی ہے اس کے موافق آیت کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اے نبی اللہ کے خدمت نبوت کی ادائی میں جو کوئی اچھا اور بڑا کام تم سے بن آئے تو زیادتی اجر کے خیال سے اس کام کی بڑائی احسان کے طور پر تم کچھ نہ جتلاؤ۔ اللہ کو ہر کام کا اجر خود معلوم ہے۔ تم ہر حال میں اسی پر صابر اور شاکر رہو۔ خدمتِ نبوت کی ادائی اور اس خدمت کی ادائی کے سبب سے مخالف شریعت لوگ جو تم کو کچھ گستاخی کے الفاظ کہیں تو اس پر صبر کرنے کا سب کا پورا اجر اللہ تم کو دے گا۔ پھر فرمایا کہ اے نبی اللہ کے باوجود تمھاری نصیحت کے جو کوئی آخرت کی جزا و سزا کا منکر ہے تو ایسے لوگوں کو یہ سنا دیا جائے کہ مُردوں کو زندہ کرنے کا دوسرا صور پھونک کر جب یہ لوگ زندہ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوں گے اور ذرہ ذرہ کا ان سے حساب لیا جائے گا تو وہ وقت ان پر بڑی مشکل کا ہے، اس مشکل کے لیے ان لوگوں کو تیار رہنا چاہیے رکتھری کا مطلب بت پرستی کی نجاست کھو کھرا یعنی صور ۔

۱۱ تا ۲۵ - ان آیتوں کی شانِ نزول صحیح سند سے مستدرکؒ حاکم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو بیان فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نے اس کو قرآن شریف کی کچھ آیتیں پڑھ کر سنائیں جس سے اس کا دل کسی قدر نرم ہوا۔ یہ خبر ابوجہل کو پہنچی۔ اس نے ولید بن مغیرہ سے کہا کہ قوم کے لوگ تم سے ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک قرآن کے باب میں تم ان کی مرضی کے موافق کوئی بات نہ کہو گے۔ ولید بن مغیرہ نے جواب دیا کہ اچھا میں سوچ کر اس باب میں کچھ کہوں گا۔ پھر اس نے اپنے وعدہ کے موافق لوگوں کے سامنے قوم کے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے یہ بات کہی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں آدمی کا کلام ہے مگر جادو کے سبب سے اس میں ایک اثر ہے۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے

لے تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۱ ج ۴ ۔ ۲ے تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۳ ج ۴ ۔

سَاُرۡهِقُهٗ صَعُوۡدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾

اب اس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی ۔ اس نے سوچ کیا اور دل میں ٹھہرایا ۔ سو مارا جائیو کیسا ٹھہرایا ۔ پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا ۔

ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَكۡبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ

پھر نگاہ کی ۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا ۔ پھر پیٹھ دی اور غرور کیا ۔ پھر بولا اور نہیں یہ مگر جادو ہے

يُّؤۡثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصۡلِيۡهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾

چلا آتا ۔ اور نہیں یہ مگر کہا ہے آدمی کا ۔ اب اس کو ڈالوں گا آگ میں ۔ اور تُو کیا بوجھے کیسی ہے وہ آگ

لَا تُبۡقِيۡ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ۔ نظر آتی ہے پنڈے پر ۔ اس پر مقرر ہیں انیس شخص

یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ جب یہ ولید ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا تو تن تنہا تھا، نہ اس کے پاس بیٹے تھے نہ کچھ مال ومتاع تھا۔ اللہ نے اس کو صاحب اولاد، صاحب مال کیا۔ اس کا شکریہ اس نے یہ کیا کہ قوم کے لوگوں کی خاطر سے اللہ کے کلام کو انسان کا کلام بتایا۔ تم اے نبی اللہ کے اس سے کچھ نہ الجھو بلکہ اس کو اللہ کے حوالے پر چھوڑ دو، وقت مقررہ پر اللہ اس سے خود سمجھ لے گا مالداری کے سبب سے اس کے بیٹے کہیں تجارت کو مکہ سے باہر نہیں جاتے تھے بلکہ باپ کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ اس لیے ان کو باپ کی مجلس میں بیٹھنے والے فرمایا۔ یہ ولید کہا کرتا تھا کہ اگر مرنے کے بعد پھر جینا سچ ہے تو وہاں بھی اس سے زیادہ مجھ کو مال و اولاد سب کچھ ملے گا، اور دنیا میں بھی میری خوش حالی روز بروز بڑھتی جائے گی اسی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ باوجود اس ناشکری کے دین و دنیا میں اس کو اور بہبودی کی توقع ہے۔ نہیں نہیں ہرگز یہ توقع اس کی پوری نہ ہوگی بلکہ آخرت میں تو اس کو وہ عذاب بھگتنا پڑے گا جس کی تکلیف روز بروز بڑھتی رہے گی اور دنیا میں جو کچھ اس ناشکری کا حال ہوگا۔ وہ بھی سب دیکھ لیں گے۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے۔ سلف کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کو ولید تنگ حال ہو کر مرا۔ یہ تو دنیا کا حال اس وقت کے لوگوں کے روبرو گزرا۔ آخرت میں ایسے لوگوں کا جو کچھ انجام ہوگا وہ بھی سب کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا مسند امام احمد ترمذی[1] وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صعود دوزخ میں ایک پہاڑ ہے۔ اس پر بعضے دوزخیوں کو چڑھانے اور اتارنے کا عذاب کیا جائے گا۔ یہ عذاب بڑی تکلیف کا ہوگا۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ہے۔ بعضے علماء کو اگرچہ ان کے حق میں کلام ہے لیکن تقریب میں اس کو صدوق لکھا ہے۔ تقدیر کے معنے دل میں ایک بات کا اندازہ ٹھہرانا۔ عبس وبسر کے معنے تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔ ادبر کے معنے حق بات سے پھرا سحر یؤثر کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہی جادو ہے جو پچھلے جادوگروں سے چلا آتا ہے۔ لا تبقی کے یہ معنی کہ کھال گوشت، ہڈی، کچھ باقی نہ چھوڑے گی۔ سب کچھ جلا دے گی۔ لاتذر کے یہ معنے کہ پھر کھال وغیرہ سب کچھ نیا تیار ہو جائے گا۔ لواحۃ کے معنے جلد سیاہ کر دے گی۔ بشر کے معنے بشرہ یعنی جلد ٭

[1] جامع ترمذی تفسیر سورۃ مدثر ص ۱۹۰ ج ۲۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا

اور ہم نے جو رکھے ہیں دوزخ پر لوگ اور نہیں فرشتے ہیں اور اُن کی جو گنتی رکھی سو جانچنے کو منکروں کے،

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ

تا یقین کریں جن کو ملی ہے کتاب اور بڑھے ایمانداروں کو ایمان اور دھوکا نہ کھائیں جن کو

أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا

ملی ہے کتاب اور مسلمان اور تا کہیں جن کے دل میں روگ ہے اور منکر کیا

أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ

غرض تھی اللہ کو اس کہاوت سے یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور کوئی نہیں جانتا تیرے

رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ

رب کے لشکر مگر وہی آپ۔ اور وہ تو سمجھوتی ہے لوگوں کے واسطے۔ سچ کہتا ہوں قسم ہے چاندکی اور رات کی جب پیٹھ پھیرے اور صبح کی

إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ

جب روشن ہوئے، وہ دوزخ ایک ہے بڑی چیزوں میں ڈراوا ہے لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں کہ آگے بڑھے

أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

یا پیچھے رہے۔

ع ۱ ۱۵

۳۱ تا ۳۷۔ تفسیر ابن جریرؒ وغیرہ میں جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اوپر کی آیتوں میں یہ لفظ اترے کہ دوزخ پر انیس[۱] فرشتے تعینات ہیں تو ابوجہل نے قریش سے کہا کہ تم لوگ تو بہت بڑی قوم ہو تم میں سے ہو سو شخص بھی اگر ایک ایک فرشتے سے بھگت لوگے تو انیس فرشتے تمہارا کیا کر سکتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ ان لوگوں کی عقل ماری گئی ہے جو یہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ انیس انسان نہیں جو سارے قریش مل کر ان سے بھگت لیں گے یہ تو فرشتے ہیں۔ ان میں کا تو ایک ایک ساری دنیا کے اُلٹ پلٹ کر دینے کو کافی ہے۔ کیا ان لوگوں نے سنا نہیں کہ اللہ کے ایک فرشتے نے لوط کی قوم کو مع اُن کی بستی کے اُٹھا کر اُلٹ دیا۔ پھر فرمایا پچھلی کتابوں میں بھی ان فرشتوں کی تعداد یہی ہے اس لیے اہلِ کتاب کو اس گنتی کا حال سن کر قرآن کے کتابِ آسمانی ہونے پر یقین بڑھ جائے گا۔ اور اُن کے یقین کا حال سن کر مسلمانوں کے یقین میں بھی ترقی ہو جائے گی۔ پھر فرمایا کہ اللہ کے علم ازلی میں جو لوگ کافر اور منافق ٹھہر چکے ہیں وہ اس گنتی کو سن کر ایسی باتیں کریں گے جیسی باتیں ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے کیں کیونکہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ کے علم میں نیک و بد کا اندازہ ٹھہر چکا ہے۔ اسی اندازہ سے اللہ ہر ایک کو لگا دیتا ہے۔ مجبور کر کے دوسرے ڈھنگ پر کسی کو نہیں لگاتا تاکہ مجبوری کا ایمان یا نیک عمل اس کی بارگاہ میں قبول نہیں۔ پھر فرمایا ان انیس فرشتوں پر کیا منحصر ہے، آسمانوں پر تو اتنے فرشتے ہیں کہ چپہ چپہ بھر جگہ فرشتوں سے خالی نہیں، سوا اس کے آگ، پانی، ہوا یہ سب اللہ کے لشکر ہیں پچھلی قومیں ان ہی لشکروں کی چڑھائی سے غارت ہو چکی ہیں، اُس کے لشکروں کا کوئی کیا

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۴۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّآ أَصْحٰبَ الْيَمِينِ ﴿۳۹﴾ فِي جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُونَ ﴿۴۰﴾

ہر جی اپنے کئے میں پھنسا ہے مگر داہنے والے باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں

عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ

گنہگاروں کا احوال تم کا ہے سے پڑے دوزخ میں ۔ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے اور نہ

نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِينَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ

تھے کھلاتے محتاج کو اور ہم تھے بات میں دھنستے ساتھ دھنسنے والوں کے اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے

الدِّينِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ أَتٰىنَا الْيَقِينُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفٰعَةُ الشّٰفِعِينَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ

دن کو جب تک آپہنچی ہم پر یقیناً آنے والی ۔ پھر کام نہ آئے گی اُن کو سفارش سفارش کرنے والوں کی پھر کیا ہوا ہے اُن کو

اندازہ کرسکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ قرآن کی آیتیں نہ انسانی کلام ہے نہ جادو ہے۔ بلکہ یہ تو انسان کو ایک نصیحت ہے۔ پھر قسم کھا کر فرمایا کہ اِن آیتوں میں جس دوزخ سے لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے وہ بڑی ڈر کی چیزوں میں سے ہے۔ اسی طرح جنت بڑی رغبت کی چیز ہے اُن کی طرف نیکی بدی سے قدم آگے بڑھانا پیچھے ہٹانا انسان کا کام ہے ؛

۳۸ تا ۵۶ ۔ جس طرح گروی رکھوانے والا شخص گروی رکھوائی ہوئی چیز کے چھڑانے کا پابند اور ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن کافر مومن سب اپنی اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے چھڑانے کے لیے اپنے اپنے عمل کے پابند کئے گئے ہیں اسی واسطے ہر ایک نیک و بد عمل کا حساب لکھنے کے لیے ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے رہتے ہیں جو ہر شخص کا زندگی بھر کا حساب لکھتے ہیں اور اس شخص کے مر جانے کے بعد وہ حساب کا کاغذ سربمہر رکھ لیا جاتا ہے۔ اس کاغذ کو اعمال نامہ کہتے ہیں۔ یہ اعمال نامہ اُن لوگوں کو تو داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا جن کا حساب آسانی سے ہو کر جلدی سے ان کی نجات ہونے والی ہے۔ چنانچہ اذا السماء انشقت میں آئے گا۔ فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا۔ مسند امام احمد میں صحیح سند سے حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی دعاؤں میں یہ دعا مانگتے ہوئے دیکھا اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ جب آنحضرتؐ نماز پڑھ چکے تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت! حسابا یسیرا کا کیا مطلب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ حسابا یسیرا ان لوگوں کے حساب کا نام ہے کہ جن کے اعمال ناموں کو خدا تعالیٰ سرسری نظر سے ملاحظہ فرمائے گا اور اس سرسری نظر میں کچھ درگزر بھی ہوگی، ورنہ بغیر درگزر کے جن لوگوں کا حساب ذرا جانچ سے ہوگا وہ عذاب میں پھنس جائیں گے۔ مختصر طور پر حضرت عائشہ کی یہ حدیث صحیح بخاری[۲] و مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔ اذا السماء انشقت کی آیت اور ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ منکرین حشر کے اور جن کے حساب میں جانچ منظور ہے ان سب کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دے کر اُن کے حساب کی جانچ ہو کر اُن کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ پھر منکرین حشر تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کلمہ گو گنہگار جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ آخر کو دوزخ سے نجات پا کر جنت میں جائے گا۔ چنانچہ صحیح بخاری[۳] و مسلم کی

[۱] مشکوٰۃ شریف باب فی الحساب والقصاص والمیزان۔ فصل ثالث ص ۴۸۰ [۲] صحیح بخاری۔ باب من نوقش الحساب عذب ص ۹۶۷ ج ۲ [۳] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیۃ ص ۱۱۰۷ ج ۲ و صحیح مسلم باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربہم ص ۱۰۳ ج ۱ ۔

التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ

نصیحت سے منہ موڑتے ہیں جیسے گدھے ہیں بدکے بھاگے غل کرنے سے بلکہ چاہتا ہے

كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ

ہر ایک مرد ان میں کہ اُس کو ملیں ورق کھلے کوئی نہیں پر ڈرتے نہیں آخرت سے کوئی نہیں یہ تو

تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى

نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اسے یاد کرے اور وہ یاد بھی کریں گے مگر چاہے اللہ وہ ہے جس سے ڈر چاہیے

وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

اور وہ ہے بخشنے کے لائق۔

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ یہ لوگ جو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہ جائیں گے، انہی سے جنتی لوگ ان کے ہمیشہ دوزخ میں رہ جانے کا سبب پوچھیں گے اور وہ دوزخی جواب دیں گے کہ ہم مرتے دم تک سزا و جزا کے منکر تھے۔ مرنے کے بعد ہمیں اس کا یقین آیا۔ ورنہ جیتے جی جو لوگ آخرت کی باتوں کو جھٹلاتے تھے۔ اُن کے ہی ساتھ ہم بھی لگے رہتے تھے اور جبکہ ہم کو سزا و جزا کا یقین ہی نہیں تھا تو ہم نے نہ خدا کی عبادت کی نہ خدا کے بندوں کا کوئی حق ادا کیا۔ پھر فرمایا کہ ایسے لوگوں کی سفارش بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ سفارش تو اس بات کی ہوگی کہ گنہگاروں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے جو لوگ سرے سے دوزخ اور جنت کے ہی منکر تھے۔ اُن کی سفارش کیا ہو سکتی ہے۔ اب اس قدر نصیحت کے بعد فرمایا کہ باوجود اس نصیحت کے ان اہل مکہ کو کیا ہو گیا ہے۔ جو یہ لوگ نصیحت کی بات نہیں سنتے بلکہ نصیحت سے ایسے بھاگتے ہیں جس طرح جنگلی گدھے شیر یا شکاری یا شور و غل سے بھاگتے ہیں۔ اس سے اہل مکہ کی ایک سرکشی بیان فرمائی جس کا حاصل سلف کی روایتوں کے موافق یہ ہے کہ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص کے نام آسمان سے ایک حکم نامہ اس مضمون کا آنا چاہیے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں تم لوگ ان کی فرمانبرداری کرو۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کی سرکشی کے سبب سے اللہ کی بارگاہ سے جو انتظام ہو چکا ہے وہ نہیں پلٹ سکتا۔ کیونکہ یہ خواہش ان لوگوں کی کچھ اس خیال سے نہیں ہے کہ اگر ان کی خواہش پوری ہو جائے تو اُن کے دل میں اللہ کے رسول۔ اللہ کے کلام کی صداقت پیدا ہو جائے بلکہ ان کے دل میں تو دُنیا کے انجام پر غور کر کے عقبیٰ کا یقین اور اس یقین کے سبب سے اس کا خوف کچھ بھی نہیں ہے۔ اس واسطے یہ لوگ بے ٹھکانے کی باتیں کرتے ہیں اور قرآن کی نصیحت کان کھول کر نہیں سنتے۔ پھر فرمایا کہ جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن انسان کا کلام اور جادو ہے۔ حقیقت میں ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ جادو کا سیکھ لینا اور انسان کے کلام کے مانند کلام کا بنا لینا ان لوگوں کو ایسا عاجز نہ کر دیتا جیسا کہ اب یہ قرآن کے مانند کلام کے بنانے سے عاجز اور لاچار ہیں اس لیے یہ قرآن اللہ کا کلام اور ہر نصیحت پکڑنے والے کے لیے ایک نصیحت ہے۔ لیکن جس کو اللہ چاہے وہی اس سے نصیحت پکڑتا ہے اور اللہ کے علم ازلی میں ہر نصیحت کا پکڑنے والا اور نصیحت سے بھاگنے والا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے ہی قرار پا چکا ہے۔ اس واسطے زبردستی سے اللہ کسی کو

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۸۶ ج ۲۔

آیاتھا ۴۰ — (۷۵) سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۳۱) — رکوعاتھا ۲

سورۃ القیامۃ مکی ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ ۝۲ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ

قسم کھاتا ہوں میں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں میں جی کی جو اولاہنا دیتا ہے کیا خیال رکھتا ہے آدمی

اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ ۝۳ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ۝۴ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ

کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں کیوں نہیں، کر سکتے ہیں ہم کہ ٹھیک کر دیں ہم اس کی پوریاں بلکہ چاہتا ہے آدمی

نصیحت پکڑنے کے راستہ پر لانا نہیں چاہتا۔ پھر فرمایا کہ جن باتوں سے اللہ نے منع کیا ہے، انسان کو ان سے ڈرنا لائق اور سزاوار ہے اور اس کے بعد اللہ کو ایسے لوگوں کے گناہوں کا بخش دینا لائق اور سزاوار ہے۔ مسند امام احمد، ترمذی[1]، ابن ماجہ وغیرہ میں انس بن مالک کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ھواھل التقوٰی واھل المغفرۃ پڑھ کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان کو سزاوار ہے کہ وہ میری عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اگر انسان نے ایسا کیا تو پھر وہ اس لائق ہے کہ میں اس کے گناہ بخش دوں۔ اس حدیث کے راویوں میں ایک شخص سہیل بن عبداللہ کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن ابن عدی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور اس باب میں اور صحابہؓ سے بھی روایتیں ہیں جس سے ایک روایت کو دوسری سے تقویت ہو جاتی ہے۔ خصوصاً معاذ بن جبل کی صحیح بخاری[2] و مسلم کی وہ حدیث اس کی پوری تائید کرتی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اور اس کے بعد بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرماوے۔ جس چیز کے دیکھنے یا سننے سے دل پر خوف پیدا ہو اہل عرب کی زبان میں اس کو قسورہ کہتے ہیں۔ جنگلی گدھے شیر کی صورت دیکھنے اور شور وغل سننے سے دونوں چیزوں سے بھاگتے ہیں، اس واسطے سلف میں سے اکثر علماء نے قسورہ کے معنے یہاں شیر کے لیے ہیں اور کچھ علماء نے شور وغل کے لیے ہیں۔ حقیقت میں دونوں معنے صحیح ہیں کیونکہ حاصل معنے یہ ہیں کہ جس طرح جنگلی گدھے شیر کی صورت دیکھنے یا شور وغل کی آواز سننے سے بھاگتے ہیں، اسی طرح یہ مشرک لوگ اللہ کے رسول کی صورت دیکھنے سے اور قرآن شریف کی نصیحت کے سننے سے بھاگتے ہیں۔

۱ تا ۱۵۔ عربی زبان کے محاورہ کے موافق ایسی قسم کھانے کی جگہ پر لا زاید بڑھا دیا جاتا ہے جیسے لا واللہ۔ اکثر سلف کے نزدیک نفس لوامہ وہ نفس ہے جو اپنی خطا پر خود اپنے آپ کو ملامت کرے اور اس طرح کا نفس آدمی کے ایماندار ہونے کی نشانی ہے۔ چنانچہ مسند[3] امام احمد میں ابی امامہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ حضرت آدمی کے ایماندار ہونے کی کیا نشانی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب تو نیکی کر کے خوش ہو اور برائی کر کے پچھتائے تو یہی

[1] جامع ترمذی، تفسیر سورۃ مدثر ص ۱۹۰ ج ۲ [2] صحیح بخاری باب الرد علی الجھمیۃ الخ ص ۱۰۹۷ ج ۲ [3] مسند امام احمد۔ ص ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۶ ج ۵۔

لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ
کہ ڈھٹائی کرے اُس کے سامنے پوچھتا ہے کب ہے دن قیامت کا ۔ پھر جب چوندلانے لگے تیور اور گہہ جائے

الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا لَا
چاند اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند کہے گا آدمی اُس دن کہاں جاؤں بھاگ کر ۔ کوئی نہیں کہیں نہیں ہے

وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ
بچاؤ ۔ تیرے رب تک ہے اُس دن جا ٹھہرنا جتاویں گے انسان کو اُس دن جو آگے بھیجا

وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝۱۵
اور پیچھے چھوڑا بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ سوجھ ہے اور پڑا لا ڈالے اپنے بہانے ۔

ایمانداری کی نشانی ہے۔ شرح جامع الصغیر میں اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے۔ ایحسب الانسان سے علیٰ ان نسوی بنانہ تک قسم کے جواب کا مضمون ہے ۔حاصل اُس کا یہ ہے کہ ہڈیوں کی خاک کو جمع کر کے پھر اُن کو ہڈیاں بنا دینا، یہ تو انسان کی پیدائش کے موافق ایک بات ہے ہم تو یہی پیدائش سے نئی چیز پر بھی قادر ہیں کہ ابھی دنیا میں چاہیں تو اُس کی انگلیوں کی پوروں کی ہڈیاں کو ایک ہڈی کر دیں جس سے اُس کا پنجہ اُونٹ کا سا ہو جائے۔ پھر وہ کوئی چیز ہاتھ سے نہ پکڑ سکے ۔ سورۂ یٰسین میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور اُس ہڈی کو مل کر اُس کی خاک ہوا میں اڑائی اور اس اُڑی ہوئی خاک کے جمع ہو جانے اور اُس سے پھر ہڈی کے بن جانے میں طرح طرح کی بحث کی۔ اُس کی ایک بحث کا جواب تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ یٰسین میں دیا ہے اور قیامت کے ذکر میں یہاں یہ دوسری طرز سے دوسری بحث کے دوسرے جواب کا ذکر فرمایا ہے ۔ پھر فرمایا کہ ایک حق بات جو انسان کے سامنے آنے والی ہے کہ مرنے کے بعد پھر جینا ہے اور نیک اور بد کی جزا و سزا ہونی ہے ، یہ اُس کا منکر ہے اور اس لیے پوچھتا ہے کہ آخر وہ مر کر پھر جینے کا دن کب ہے ؟ یہ نہیں جانتا کہ جب وہ دن آئے گا تو سورج کے قریب آجانے ، دوزخ کو آنکھوں کے سامنے لا کر کھڑا کر دیئے جانے ' دوزخ کی آگ کے پیچھے لگ جانے سے اُس کی آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج اور چاند کو قیامت کے دن لپیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جس سے دوزخ کی آگ کی تیزی بڑھ جائے گی ۔ مقداد سے صحیح مسلم میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سورج حشر کے وقت ایک میل کے فاصلہ کی بلندی پر آجائے گا اور لوگ اپنے اپنے اعمال کے موافق پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے ۔ کوئی ٹخنوں تک کوئی گھٹنوں تک، کوئی گلے تک اور کسی کا پسینہ تو سر سے بھی اُونچا ہو جائے گا ۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ نافرمان لوگ جب قبروں سے اُٹھیں گے تو اُن کو محشر کے میدان تک ایک آگ گھیر کر لے جائے گی جو دوزخ میں جانے تک اُن کے ساتھ رہے گی ۔

ل۵ صحیح بخاری باب صفۃ الشمس والقمر بحسبان الخ ص ۴۵۴ ج ۱ ۔ ۵۲ صحیح مسلم باب فی صفۃ یوم القیامۃ الخ ص ۳۸۴ ج ۲ ۔ ۵۳ صحیح بخاری باب کیف الحشر ص ۹۶۵ ج ۲ ۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ

نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کہ شتاب اس کو سیکھ لے وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو سمیٹ رکھنا اور پڑھنا پھر جب ہم پڑھنے لگیں

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُوْنَ

تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول بتانا کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو شتاب ملتی اور چھوڑتے ہو

صحیح مسلم[1] ترمذی وغیرہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ستر ہزار نکیلیں لگاکر دوزخ کو محشر کے میدان میں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا جائے گا۔ غرض جن آفتوں کا ذکر ان حدیثوں میں ہے، یہ اور اسی طرح کی اس دن کی اور آفتیں دیکھ کر انسان اپنے دل میں کہیں بھاگ جانے کے منصوبے باندھے گا۔ لیکن سوا اللہ کے روبرو کھڑے ہونے کے اور کوئی چارہ اس کو نہ ہوگا۔ اور تمام عمر کے اعمال کا اس سے حساب لیا جائے گا، اور اس دن وہ چاہے کہ کسی بُرے کام سے مکر جائے تو یہ بھی نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ اور گواہوں کے علاوہ اس کے ہاتھ پیر بھی اس کے مخالف شہادت ادا کریں گے۔ چنانچہ فرمایا وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون۔ صحیح مسلم[2] میں انس بن مالک کی روایت سے جو حدیث ہے اس میں بھی ہاتھ پیروں کی اس شہادت کا ذکر ہے اس لیے فرمایا کہ اس دن آدمی کے بھاگنے کے منصوبے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اور اپنے کیے پر خود اس کو سوجھ ہو کر آنکھیں کھل جائیں گی کہ عمر بھر اس نے کیا کیا۔ وزر کے معنے پناہ کی جگہ کے ہیں ؛

۱۶ تا ۲۵۔ شروع سورۃ سے منکرین حشر اور قیامت کا ذکر تھا۔ اور پھر آخر سورۃ میں بھی وہی ذکر ہے۔ بیچ میں یہ آیتیں آگئیں ہیں۔ ترمذی[3] اور نسائی وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے وحی کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خوف سے کہ کوئی آیت بھول نہ جائیں جب حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قرأت کے ساتھ وحی کی آیتوں کو خود بھی پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ اس کی ممانعت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اسی واسطے ان آیتوں کو سورۃ کی اوّل اور آخر کی آیتوں کے مضمون سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس بے تعلقی کے سبب سے امامیہ مذہب کے مفسروں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس سورۃ میں چند آیتیں رہ گئی ہیں۔ ان کی یہ بات تو غلط ہے۔ کیونکہ ان ہی آیتوں میں جب اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے اکٹھا اور جمع کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے خلاف یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ چند آیتیں جمع ہونے سے رہ گئی ہوں اور امامیہ مذہب کے مفسروں کے علاوہ اہل سنت میں سے بعضے مفسروں نے ان آیتوں کی بے تعلقی کے سبب سے طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ لیکن مسند امام احمد ابوداؤد[4] ترمذی نسائی، صحیح ابن حبان مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر ایک سورۃ میں ہر ایک آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتبوں سے کہہ کر اور پتہ بتا کر لکھوایا کرتے تھے اور مسند امام احمد وغیرہ کی حضرت عثمان بن ابی العاص کی روایت سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام

[1] صحیح مسلم۔ باب جھنم اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۱ ج ۲ [2] صحیح مسلم۔ فصل بیان ان الاعضاء منطقۃ شاھدۃ یوم القیمۃ الخ ص ۴۰۹ ج ۲ [3] جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ القیامۃ ص ۱۹۰ ج ۲ [4] جامع ترمذی تفسیر سورۃ التوبۃ ص ۱۵۷ ج ۲۔

الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

دیر آتی ۔ کتنے منہ اُس دن تازے ہیں ۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے ۔ اور کتنے منہ اُس دن

بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

اداس ہیں ۔ خیال میں ہیں کہ اُن پر وہ ہووے جس سے کمر ٹوٹے۔

ہر ایک آیت کا موقع اور مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا دیا کرتے تھے تو یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ سورہ طٰہٰ کی آیت ولا تعجل بالقران من قبل ان یقضی الیک وحیہ اور اس سورۃ کی اس آیت کا سبب نزول یہی ہے کہ ان دونوں سورتوں کے نازل ہونے کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قرأت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا موقع پیش آیا اور اسی وقت یہ ممانعت کا حکم نازل ہوا۔ اور جس سورۃ کے نزول کے وقت کا یہ حکم تھا اُسی سورۃ میں یہ آیتیں شمار کی گئیں اس لیے اصل سورۃ کے مضمون سے اِن آیتوں کو کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ ایک جدا مضمون اور جدا حکم کی یہ آیتیں ہیں جو حسب موقع ہر ایک سورۃ میں شریک کی گئی ہیں اس کے بعد سلسلہ منکرین حشر کے ذکر کا پھر شروع کیا۔ اور فرمایا کہ ان لوگوں کے عقبیٰ سے غافل رہنے کا اور کوئی سبب نہیں فقط اُس کا یہی سبب ہے کہ یہ لوگ دنیا کی محبت اور الفت میں گرفتار ہو کر ایسے کام کرتے ہیں جس سے گناہ پر گناہ کرتے کرتے اِن کے دل بالکل مُردہ ہو گئے ہیں اور ان پر زنگ آ گیا ہے جس زنگ کے سبب سے اُن کے دل پر عقبیٰ کی کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے اِن لوگوں نے عقبیٰ کے خیال کو چھوڑ رکھا ہے بسند امام احمد صحیح ابن حبان مستدرک حاکم میں ابو درداء سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دنیا کی اس قدر فراغت جو آدمی کی ضرورتوں کو کافی ہو اُس مالداری سے بہت بہتر ہے جو آدمی کو دین سے غافل کر دے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور مسند امام احمد کی سند بھی قوی ہے۔ اب اس کے بعد دنیا کے پیچھے جو لوگ دین کو بالکل چھوڑے بیٹھے تھے اُن کا اور اُن کے برعکس جو لوگ دنیا میں گزر کرتے تھے اُن کے آخرت کے انجام کا ذکر فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں رہ کر عقبیٰ کو نہیں بھولے تھے بلکہ ثواب آخرت کی نیت سے انھوں نے اپنی نیکیوں کا پلڑا بھاری کر لیا تھا۔ جب ایسے لوگ جنت میں داخل ہو کر جنت کی طرح طرح کی نعمتوں سے اس قدر خوش ہوں گے کہ خوشی کے مارے ان کے چہروں پر ایک رونق اور چمک آ جائے گی تو ان سب نعمتوں سے بڑھ کر اُن کو ایک یہ نعمت عطا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ جس غلام کی آقا تک رسائی ہو اُس کی ہر طرح کی روز بروز کی بہبودی ایک لازمی بات ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی نعمت جنت میں نہیں ہو سکتی۔ پھر اُن لوگوں کے عقبیٰ کے انجام کا ذکر فرمایا جو دنیا کی زندگی پر غش اور عقبیٰ سے بے خبر تھے کہ جب جنتی اور دوزخیوں کو الگ الگ کیا جائے گا تو ان کے چہروں پر ایک اداسی چھائی ہوئی ہوگی۔ اور دوزخ کی بلا سر پڑنے سے پہلے وہ جان لیں گے کہ آج پر ایسی بھاری بلا آنے والی ہے جس سے اُن کی کمر ٹوٹ جاتی ہے گی۔ نیک لوگوں کو عقبیٰ میں اللہ کا دیدار جو نصیب ہوگا اُس کا ذکر صحیح حدیثوں میں تفصیل سے آیا ہے کہ بغیر ابر والے دن میں سورج کو اور بغیر ابر والی رات میں چاند کو سب لوگ جس طرح دیکھتے ہیں اسی طرح جن

۱؎ الترغیب والترہیب ۔ الترغیب فی الفراغ للعبادۃ الخ ص ۲۰۳ ج ۴ ۔ ۲؎ ایضاً ص ۱۴۸ ج ۴ ۔ ۳؎ صحیح بخاری۔ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ الآیۃ ص ۱۱۰۵ ج ۲ ۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ

کوئی نہیں جس وقت جان پہنچے ہانس تک — اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا — اور وہ اٹکلا کہ اب آیا وقت جدائی کا — اور لپٹ گئی

السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾

پنڈلی پر پنڈلی — تیرے رب کی طرف ہے اس دن کھنچ جانا۔ — پھر نہ یقین لایا — اور نہ نماز پڑھی۔

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهِ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوْلٰى

پر جھٹلایا — اور منہ موڑا — پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا۔ — خرابی تیری خرابی پر خرابی — پھر خرابی تیری

لوگوں کو دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا وہ دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوں گے۔ معتزلی، خارجی اور مرجیہ فرقے کے بعضے لوگوں نے دیدارِ الٰہی کا انکار کیا ہے۔ اور اہلسنت نے طرح طرح سے اِن لوگوں کو قائل کیا ہے خاص کر اس مسئلہ میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔ فاقرہ وہ سخت مصیبت ہے جس سے آدمی کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔

۲۶ تا ۴۰۔ اُوپر ان اہلِ دنیا کا ذکر تھا جنھوں نے دنیا کے پیچھے اپنی عقبیٰ کو برباد کر دیا۔ اِن آیتوں میں اُنہی لوگوں کے خبردار کرنے کے لیے فرمایا کہ جس طرح ان لوگوں نے خیال کر لیا ہے کہ دُنیا ایک پائیدار چیز ہے وہ بات ہرگز نہیں ہے۔ یہ لوگ دُنیا کو نہ چھوڑیں دنیا کے پیچھے عمر بھر عقبیٰ کو برباد کریں۔ پھر آخر یہ دُنیا کی گردیدگی عقبیٰ کی بربادی کب تک۔ اُن کے بڑوں میں سے کوئی ہمیشہ جیا ہے جو یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ قبر، حشر، قیامت کی باتیں تو بھلا آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں۔ کیا کسی کی یہ حالت بھی اُن کی آنکھوں کے سامنے نہیں گزری کہ آخری وقت آن پہنچا اور جان سارے جسم میں سے کھنچ کر حلق میں آگئی۔ ایسے حکیم یا جھاڑنے پھونکنے والے کی ڈھونڈیا پڑی جو بیمار کو اچھا کر دے۔ ادھر بیمار کو زندگی سے نا امیدی ہوگئی، مرنے کا گمان قوی ہوگیا۔ پکے دُنیا داروں کو جان بہت پیاری ہوتی ہے، مرنا نہیں چاہتے۔ آخری وقت تک اُن کو زیست کی توقع رہتی ہے۔ اس لیے یقین کی جگہ گمان کا لفظ فرمایا لیکن آخر یہ گمان یوں یقین کے درجے کو پہنچ گیا کہ پیروں کا دم نکل گیا پنڈلیاں بالکل سُوکھ گئیں یہاں تک کہ پیروں کو کوئی دُوسرا آدمی سیدھا نہ کرے تو سمٹے ہی ہوتے رہ جائیں۔ آخر سارے جسم میں سے کھنچ کر جو جان حلق میں آگئی تھی اُس نے بھی جسم کو چھوڑ دیا۔ اور پھر اُس جان کا پالا اُس پروردگار سے پڑا جس نے پہلے جسم میں یہ جان ڈالی تھی۔ مسند[1] امام احمد ابوداوٗد وغیرہ میں براء بن عازبؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک آدمی کی رُوح جب جسم سے نہایت آسانی کے ساتھ نکل جاتی ہے تو اُس کو ساتویں آسمان پر فرشتے لے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اس کا نام اس دفتر میں لکھ لو جس کا نام علیین ہے اور رُوح کو منکر نکیر کے سوال و جواب کے لیے زمین پر پھر لے جاؤ۔ اور مردے کے جسم میں اس کو جانے دو۔ اور بد آدمی کی روح کو جب اوّل آسمان تک فرشتے لے جاتے ہیں تو اُس کو آسمان پر لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ یہیں سے سجین میں اُس کا نام لکھ لینے کا حکم ہوتا ہے اور رُوح کو منکر نکیر کے سوال و جواب کے لیے مردے کے جسم میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ منذری[2] نے اِس حدیث کو حسن کہا ہے۔ اکثر سلف کا قول ہے کہ علیین ساتویں آسمان پر ایک دفتر ہے جس میں

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب فیما یقال عند من حضرہ الموت۔ الفصل الثالث ص ۱۴۲ [2] الترغیب والترہیب۔ فصل فی عذاب القبر ونعیمہ الخ ص ۱۰۰، ج ۴۔

لَكَ فَاَوْلٰىۙ ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًىؕ ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ
خرابی پر خرابی کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوٹا رہے گا بے قید بھلا نہ تھا ایک بوند منی کی جو

يُّمْنٰىۙ ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰىۙ ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰىؕ ﴿۳۹﴾
ٹپکی پھر تھا لہو کی پھٹکی پھر اس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا پھر کیا اس میں جوڑا نر اور مادہ۔

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾
کیا ایسا شخص نہیں سکتا کہ جلا دے مُردے۔

نیک روحیں اور ان کے اعمال نامے ہیں اور سجین ساتویں زمین پر ایک دفتر ہے جس میں بدروحیں اور ان کے اعمال نامے ہیں۔ اس حدیث سے آیت کی یہ تفسیر معلوم ہو گئی کہ جسم سے نکلتے ہی نیک و بدروح کا پالا اللہ تعالیٰ سے کیونکر پڑتا ہے۔ اب ایسے لوگوں کی شان میں آخر سورۃ تک آیتیں نازل فرمائیں جو اہل مکہ میں منکر حشر تھے اور یہ کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ کیونکر پیدا ہو جائیں گی، ان کے حال میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ نادانی سے ایسی باتوں کے منکر ہیں جن باتوں کی صداقت ہر عقل مند کے دل میں ہونی چاہیے جیسے مثلاً یہ بات کہ جس قادر مطلق نے پانی جیسی پتلی چیز منی سے آدمی کی ہڈی پسلی آنکھ ناک غرض سارا پتلا بنا دیا اور رحم جیسی تنگ جگہ میں روح کا تعلق اس جسم سے کر دیا جس سے روح کو کبھی پہلے کچھ واسطہ نہ تھا اس کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ مٹی جیسی پرکار چیز سے آدم علیہ السلام کے پتلے کی طرح خاک کا پتلا بنا کر کھلے میدان میں روح کا اس پتلے سے تعلق کر دے جس پتلے اور روح میں ہر شخص کی عمر کی مدت تک تعلق پہلے دنیا میں رہ چکا ہے۔ اسی طرح یہ بات ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جس اللہ نے انسان کو انسان کی زندگی کے قائم رہنے کے ہر ایک طرح کے سامان کو پیدا کیا اس اللہ کی تعظیم انسان پر لازم ہے برعکس اس کے یہ لوگ بتوں کی تعظیم کرتے ہیں اور خالص اللہ کی تعظیم میں ایک سجدہ تک ان سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح ہر شخص سمجھدار سمجھ سکتا ہے کہ انسان جب ایسی حقیر چیز سے پیدا ہوا ہے تو اس کی کوئی چیز اترانے کے لائق نہیں ہے برخلاف اس کے بازار وغیرہ میں جب یہ لوگ کسی شخص کو اپنے سے کم درجہ کا خیال کر کے اپنے گھر کی طرف مڑتے ہیں تو ایسے مغروروں کی چال سے اتراتے ہوئے گھر تک پہنچتے ہیں کہ ان میں کا ہر شخص گویا کہ فرعون ہے۔ آگے چار دفعہ تاکید سے یہ جو فرمایا کہ "تیری خرابی ہے" اس کی شان نزول نسائی، تفسیر ابن جریر وغیرہ میں معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے یہ ہے کہ ابوجہل کی طرح طرح کی شرارتوں کے سبب سے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی چادر کا پلو پکڑ کر یہی لفظ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے کلام کی صداقت کے طور پر یہی لفظ ان آیتوں میں نازل فرمائے۔ حاکم نے اس شان نزول کو صحیح کہا ہے۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے۔ بدر کی لڑائی کے وقت ابوجہل کی جو خرابی پیش آئی اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ خاص ابوجہل کے حق میں فرمائے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے عام طور کے ذکر میں یہ لفظ اس لیے فرمائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ خرابی کچھ ابوجہل پر منحصر نہیں ہے بلکہ جو شخص ابوجہل کی سی عادتوں کا ہو گا اس کے پیچھے یہ دونوں جہان کی خرابی لگی ہوئی ہے پھر فرمایا کہ اس نادان انسان نے یہ گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے فائدہ

۱؎ تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۲ ج ۴ ۲؎ تفسیر الدر المنثور ص ۲۹۶ ج ۶۔

آیاتھا ۳۱ (۷۶) سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ (۹۸) رکوعاتھا ۲

سورۃ الدہر مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا

کبھی گزرا ہے انسان پر ایک ایک وقت زمانے میں جو وہ نہ تھا وہ کچھ چیز کہ مذکور میں آتی ہم نے بنایا

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ

آدمی ایک بوند کے لچھے سے پلٹتے ہیں پھر کر دیا اس کو سنتا دیکھتا ہم نے اس کو سمجھائی

السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③

راہ یا حق مانتا ہے یا ناشکرا ہے۔

پیدا کیا ہے۔ دنیا میں نہ کسی نیک کام کرنے کی اس کو تاکید کی جائے گی نہ کسی بد کام سے اسے روکا جائے گا۔ پھر دنیا کا معاملہ دنیا پر ہی ختم کر کے نہ اس کو پھر دوبارہ پیدا کیا جائے گا، نہ نیک و بد کی کچھ جزا و سزا دی جائے گی۔ اس نادان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر دنیا کا معاملہ دنیا پر ختم ہے تو دنیا کا پیدا کرنا بالکل بلا نتیجہ رہے گا جو اللہ کی حکمت سے سرتاپا بعید ہے۔ اسی طرح اس نادان کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس قادر مطلق نے اس طرح خلاف عقل ایک قطرہ پانی سے انسان کو سب کی آنکھوں کے سامنے پیدا کیا۔ پھر یہ تو تجربہ انسانی کی بات ہے کہ جو کام ایک دفعہ کر لیا گیا، پھر دوبارہ اس کا کرنا نہایت سہل ہو جاتا ہے۔ چند روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کے ختم کے بعد لفظ بلیٰ کا کہنا سنت ہے۔[1] جس کا مطلب یہ ہے کہ ہاں اللہ تعالیٰ انسان کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے۔ کیونکہ اس کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں ہے ✦

(اکثر سلف کے نزدیک یہ سورۃ مدنی ہے مگر امام المفسرین اس کے مکی ہونے کے قائل ہیں)۔

(آیات ۱ تا ۳) لم یکن شیئا مذکورا کا یہ مطلب ہے کہ انسان کا وجود اگرچہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے علم الٰہی میں تو تھا لیکن آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے انسان کا کچھ ذکر تذکرہ ظاہر میں نہیں تھا، اوپر صحیح حدیثوں کے حوالہ سے یہ گزر چکا ہے کہ ہر ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فطرت اسلام پر پیدا کرتا ہے جب تک اس بچہ کی زبان کھلتی ہے اور بات چیت کرنی سیکھتا ہے اس وقت تک اسی فطرت اسلامی کی حالت پر رہتا ہے اور بعد اس کے ہر ایک امت کی ہدایت کے لیے رسول بھیجے جاتے ہیں۔ ہر طرح کی ہدایت آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے بیان کی جاتی ہے۔ اگر اس بچہ کے ماں باپ نیک راستہ پر نہ ہوئے تو پھر وہ بچہ ماں باپ کی صحبت سے اور شیطان کے بہکانے سے بگڑ جاتا ہے۔[2] اس واسطے پہلے پیدائش انسان کا ذکر فرما کر پھر فرمایا کہ پیدائش کے وقت جو نیک راہ انسان کو دکھا دی جاتی ہے پیدا ہونے کے بعد ہوشیار ہو کر بعضے اس پر قائم رہتے ہیں اور بعضے نہیں رہتے۔ پھر نیک راہ پر قائم رہنے والوں اور نہ رہنے والوں کے انجام کے طور پر جنت و دوزخ کا اور جنت کی

[1] مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوٰۃ فی القراءۃ فیہا۔ فصل ثانی۔ ص ۸۱ [2] صحیح بخاری۔ باب اللہ اعلم بما کانوا عاملین ص ۹۷۶ ج ۲۔

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ سَلٰسِلَا۟ وَأَغْلٰلًا وَسَعِيرًا ④ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن

ہم نے رکھی ہیں منکروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور آگ دہکتی ۔ البتہ نیک لوگ پیتے ہیں پیالہ

كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ⑤ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ⑥

جس کی ملونی ہے کافور ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے چلاتے ہیں وہ اس کی نالیاں ۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ⑦ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى

پوری کرتے ہیں منت اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑے گی ۔ اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی

طرح طرح کی نعمتوں اور دوزخ کے طرح طرح کے عذابوں کا ذکر فرمایا ۔ اور دنیا میں اہل جنت اور اہل دوزخ کی جو نشانیاں ہیں، وہ بھی ذکر فرمائیں کہ اہل جنت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فرائض کو اور اپنی طرف سے جو نذریں مان لیں اس کو پورا کرتے ہیں اور اللہ کے نام پر محتاجوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں اور اہل دوزخ وہ ہیں جو عاقبت کو بھولے ہوئے ہیں اور رات دن دنیا کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں ۔ اور فقط ذکر نذر کا اس لیے فرمایا کہ جو شخص اپنی مانی ہوئی نذر کو خالص دل سے اللہ کے واسطے ادا کرے گا وہ اللہ کے فرائض کو ضرور ادا کرے گا ۔ صحیحین[1] میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ۔ اس طرح کی شرع کی تکلیف کی چیزوں سے گھری ہوئی ہے ۔ اور دوزخ طرح طرح کی حرص و ہوا کی چیزوں سے گھرا ہوا ہے ۔ امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ جنت اور دوزخ دو مکان ہیں اور تکلیفات شرعیہ اور ممنوعات شرعیہ ان دونوں مکانوں کے دو رہبر ہیں ۔ جس شخص نے تکلیفات شرعیہ کو اپنا پیشوا اور رہبر بنایا وہ جنتی ہوا ، اور جس نے دنیا کی حرص و ہوس کی چیزوں کو اپنا پیشوا اور رہبر بنایا وہ دوزخی ہوا ۔ صحیح مسلم[2] میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا ایک بازار ہے، بعضے لوگ اس بازار سے اپنی ہلاکت کی چیزیں خریدتے ہیں اور بعضے لوگ اپنی نجات کی چیزیں خریدتے ہیں ۔ امشاج کے معنے مرد اور عورت کی ملی ہوئی منی ۔ نبتلیہ کے معنے یہ ہیں کہ علم ازلی میں نیک و بد جو ٹھہر چکے تھے، علم ظاہری میں ان کا ظہور جانچنے کو انسان کی پیدائش عمل میں آئی کیونکہ علم باطنی پر جزا و سزا کا مدار خلاف انصاف تھا ۔

۴ تا ۱۲ ۔ اوپر ذکر تھا کہ پیدائش کے وقت نیک راہ پر انسان کو پیدا کیا جاتا ہے ۔ اور پھر انسان کے بڑھنے کے بعد اس کی ہدایت کے لیے رسول بھیجے جاتے ہیں ۔ ہر طرح کا نجات کا راستہ آسمانی کتابوں کے ذریعے سے اس کو سمجھایا جاتا ہے لیکن بعضے لوگ اس نیک راہ پر قائم ہیں اور بعضے نہیں ۔ غرض یہ سب ذکر تو نیک و بد دنیا کی حالت کا تھا ۔ اب اس دنیا کی حالت کے موافق جو کچھ سزا و جزا کی حالت ان دونوں گروہوں کی آخرت میں ہوگی اس کا ذکر ان آیتوں میں فرمایا کہ اہل سزا کے پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی اور گلے میں طوق ۔ جس طوق میں ہاتھ بھی جکڑے ہوں گے اور دہکتی آگ میں اس زنجیر و طوق میں جکڑنے کے بعد ان لوگوں کو جھونک دیا جائے گا ۔ اہل جزا کی حالت یہ ہے کہ جنت کے درجوں کا حال تو اوپر گزر چکا ہے ان میں سے اپنے عمل کے موافق ہر شخص کو جنت کے ہر درجہ میں عام شراب کی نہر تو ہر جنتی کے گھر میں ہوگی مگر اعلیٰ درجے کی شراب کے چشمے کو

[1] صحیح مسلم باب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا ۔ ص ۳۷۸ ج ۲ [2] ایضاً [3] صحیح مسلم باب فضل الوضوء ص ۱۱۸ ج ۱ ۔

حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ
محبت پر محتاج کو اور بن باپ کے لڑکے کو اور قیدی کو ۔ ہم جو تم کو کھلاتے ہیں ۔ نرا اللہ کا منہ چاہنے کو ۔ نہ تم سے ہم چاہیں بدلا اور

لَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ
نہ چاہیں شکرگزاری ۔ ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ۔ ایک دن ۔ اور اس کی سختی سے ۔ پھر بچایا اُن کو اللہ نے برائی سے

ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾
اُس دن کی اور ملائی اُن کو تازگی اور خوش وقتی ۔ اور بدلہ دیا اُن کو اس پر کہ وہ ٹھہرے رہے باغ اور پوشاک ریشمی ۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ
تکیے بیٹھے اُس میں تختوں پر ۔ نہیں دیکھتے وہاں دھوپ اور نہ ٹھٹھر ۔ اور جھک رہیں اُن پر

ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ
اُس کی چھائیں اور پست کر رکھے ہیں اُس کے گچھے لٹکا کر ۔ اور لوگ لئے پھرتے ہیں اُن پاس باسن روپے کے اور آبخوروں سے

جس کا نام کافور ہے ۔ جنت کے اعلیٰ درجہ کے مقرب لوگ تو عام طور پر استعمال کریں گے بلکہ جنت کے جس محل میں چاہیں گے وہاں اُس چشمے سے نہر جاری ہو جائے گی لیکن مقرب لوگوں سے کم درجے کے لوگوں کی عام شراب میں اس اعلیٰ درجہ کی شراب کی ملونی ملائی جائے گی ۔ اب آگے ابرار لوگوں کے ان عملوں کی تفصیل فرمائی ۔ جن عملوں کے سبب سے اُن کو یہ درجہ ملا ہے وہ تفصیل یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی فرض کی ہوئی عبادت کو تو پورے طور پر ادا کرتے ہی تھے لیکن اپنی مانی ہوئی نذر کو اور محتاجوں کو کھانا کھلانے کی نیکی کو بھی باوجود تنگ دست ہونے کے خالص عقبیٰ کے ثواب کی نیت سے پورا کرتے تھے ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے عقبیٰ میں ان کو یہ درجہ دیا جو مقرب لوگوں کی خاطرداری کے قریب قریب ہے ۔ ابرار عام نیک لوگوں کو فرمایا ۔ انہی کی عام شراب میں کافوری چشمہ کی شراب کی ملونی ہوگی ۔ اور جو خاص اللہ کے بندے کافور چشمہ کی شراب کو عام طور پر استعمال کریں گے وہ مقرب لوگ ہیں جن کا ذکر سورۂ واقعہ میں گزر چکا ہے ۔ ولقّٰہم نضرۃ وسرورًا کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اتنا کچھ دیا جس کی فرحت کا اثر اُن کے چہروں سے ظاہر ہونے لگا ۔ بما صبروا کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے ممنوعاتِ شرعیہ سے نفس کو روکا اور صبر کیا ۔ اسی طرح ماموریہ شرعی کے بجالانے کی تکلیف کو اور ہر طرح کی مصیبت کی تکلیف کو جھیلا اور صبر کیا ۔

۱۳ تا ۲۲ ۔ اوپر ذکر تھا کہ نیک لوگوں میں سے ہر ایک گروہ کو اُس کے عمل کے موافق جنت کا درجہ ملے گا ۔ اور اُس درجہ کے موافق اُن کو جنت کی نعمتوں کے برتنے کا حق حاصل ہوگا ۔ اسی کی تفصیل میں یہ فرمایا تھا کہ جنت کے اعلیٰ درجہ کے مقرب لوگ تو کافوری چشمہ کی اعلیٰ درجہ کی شراب کو عام طور پر برتیں گے اور سا برار لوگوں کی شراب میں اس چشمے کی شراب کی ملونی ہوگی ۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ان ابرار لوگوں کی پوشاکیں ریشمی ہوں گی ۔ ان آیتوں میں ابرار لوگوں کی حالت کی اور یہ تفصیل فرمائی کہ وہ تکیے لگاتے چھپرکھٹوں میں بیٹھے ہوں گے اور وہاں گرمی سردی کی اُن کو کچھ تکلیف نہ ہوگی ۔ بغیر سورج اور چاند کے وہاں قدرتِ الٰہی سے خود بخود اُجالا ہوگا اور اُس اُجالے کے ساتھ ہمیشہ ایک بیچ کی راس کا موسم رہے گا ۔ اگرچہ وہاں سورج نہیں ہے جس کی دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ کی ضرورت ہو ۔ لیکن زیادہ ٹھنڈک کے لیے گھنے درختوں کی خوب گہری چھاؤں ہوگی ۔ اور میوے دار درختوں کے

كَانَتْ قَوَارِيرَا ﴿١٥﴾ قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا

جو ہوتے ہیں شیشے شیشے پر روپے کے ماپ رکھا اُن کا ماپ اور اُن کو وہاں پلاتے ہیں پیالے

كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

جس کی ملونی سونٹھ۔ ایک چشمہ ہے اُس میں اُس کا نام کہتے ہیں سلسبیل اور پھرتے ہیں اُن پاس لڑکے

مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا

سدا رہنے والے۔ جب تو اُن کو دیکھے خیال کرے موتی ہیں بکھرے اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت

كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَ

بڑی اوپر کی پوشاک ان کی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے اور ان کو پہنائے جاویں کنگن روپے کے۔ اور

سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾ ع

پلائی ان کو اُن کے رب نے شراب جو پاک کرے دل کو۔ یہ ہے تمہارا بدلا اور کمائی تمہاری نیک لگی۔

میوے اس ڈھب سے لگے ہوں گے کہ ان میووں کو جنتی لوگ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں کھا سکیں گے۔ وہاں چاندی کے برتن ایسے شفاف ہوں گے جن میں سے شیشے کے برتنوں کی طرح اندر کی چیز باہر نظر آئے گی۔ اگرچہ جنت میں کھانے پینے، پہننے، برتنے کی جتنی چیزیں ہیں ان کے فقط نام دنیا کی چیزوں سے ملتے جلتے ہیں، لیکن جنت کی چیزوں اور دنیا کی چیزوں میں بڑا فرق ہے جیسے مثلاً دنیا میں ایسا دودھ کہاں ہے جس کی ہمیشہ نہر بہتی ہو اور پھر دوسرے ہی دن وہ کھٹا نہ ہو جائے۔ وہ شہد کہاں ہے جس کی نہر بہتی ہو اور مکھیاں بھنک کر اُس میں جم جم کر نہ مریں۔ اور ہوا سے خاک اور کوڑا کرکٹ اُس پر نہ پڑے۔ وہ شراب کہاں ہے جس کی نہر ہو اور بدبو کے سبب سے اس نہر کے آس پاس کا راستہ کچھ دنوں میں بند نہ ہو جائے۔ اسی طرح جنت کے یہ چاندی کے برتن ہوں گے جن میں سے اندر کی چیز باہر سے نظر آئے گی۔ دنیا کی زمین مٹی کی ہے اور جنت کی زمین چاندی کی ہو گی۔ جس صاحب قدرت نے دنیا کی زمین کی مٹی میں یہ تاثیر دی ہے کہ اس سے شیشہ بن جاتا ہے اور اس شیشہ کے برتن میں سے اندر کی چیز باہر سے نظر آتی ہے۔ جنت کی زمین کی چاندی میں اس تاثیر کا دے دینا اس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی چاندی کی چیز ایسی شفاف نہیں جس میں اندر کی چیز باہر سے نظر آئے اس لیے وہ برتن جس دن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دکھائے گا۔ اسی دن چاندی کا ایسا شفاف ہونا سمجھ میں آئے گا۔[1] یہ چاندی کے آبخورے پیاس کی مقدار کے موافق ہوں گے تاکہ نہ جھوٹی چیز بچے نہ دوبارہ پھر مانگنے کی ضرورت ہو۔ ابرار لوگوں کی شراب میں کبھی کافور چشمے کی شراب کی ملونی ہو گی اور کبھی زنجبیل چشمہ کی سلسبیل کے معنے بہتا ہوا چشمہ۔ جنت میں نو عمر لڑکے اہل جنت کی خدمت گزاری میں ہوں گے اور وہ خوبصورت لڑکے اسی لڑکپن کی عمر میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کام کاج میں ہر وقت پھرتے رہیں گے۔ اس لیے ان کی مثال بکھرے ہوئے موتیوں کی فرمائی۔ تفسیر خازن میں اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ حوروں کی پیدائش کی طرح وہ لڑکے بھی جنت کی مخلوقات میں سے ہیں بنی آدم میں سے نہیں ہیں۔ جنت کی نعمتوں کو بڑی بادشاہت اس لیے فرمایا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۶ ج ۶۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا

ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سہج سہج اتارنا سو تو راہ دیکھ اپنے رب کے حکم کی اور کہا نہ مان اُن میں کسی گنہگار

أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ

یا ناشکر کا ۔ اور یاد کر نام اپنے رب کا صبح اور شام اور کچھ رات میں سجدہ کر اس کو

کہ صحیح مسلم[1] میں مغیرہ بن شعبہ کی جو روایت ہے اُس کے موافق ادنیٰ سے ادنیٰ اہل جنت کے قبضہ میں دنیا سے دس چند ملک ہوگا اسی طرح ترمذی،[2] ابن ماجہ، دارمی اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو سعید خدری کی جو روایت ہے اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ اہل جنت کی خدمت میں اسی ہزار خدمت گار اور موتیوں اور یاقوت کے خیمے ہوں گے۔ ترمذی نے اگرچہ اس حدیث کو غریب کہا ہے، لیکن صحیح[3] ابن حبان کی سند معتبر ہے۔ ان حدیثوں سے ہر شخص کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب ادنیٰ سے ادنیٰ اہل جنت کی یہ شان ہے تو متوسط درجہ اور اعلیٰ درجہ کے اہل جنت کی کیا شان ہوگی۔ اسی واسطے حضرت ابو ہریرہؓ کی صحیح بخاری[4] و مسلم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قدر جگہ میں گھوڑے کا سوار اپنے گھوڑے کا کوڑا ڈال دیتا ہے جنت کی اتنی سی جگہ تمام دنیا سے بہتر ہے۔ سندس ریشمی باریک کپڑے کو کہتے ہیں اور استبرق موٹے ریشمی کپڑے کو اس سورۃ میں چاندی کے کنگنوں کا جو ذکر ہے یہ اہل جنت اور جنت کے درجوں کے موافق ہے جیسا کہ خالص اور ملونی کی شراب کا ذکر گزرا۔ اور سورہ واقعہ میں گزر چکا ہے کہ بعضے اہل جنت تختوں پر بیٹھیں گے اور بعضے فرش پر۔ شراب طہور وہ شراب ہے جس کے پینے سے اہل جنت کے دل نورانی ہو جائیں گے۔ آن میں آپس کے حسد کا کوئی مادہ باقی نہ رہے گا۔ جب اہل جنت کو یہ جنت کی سب نعمتیں مل جائیں گی تو انھیں ان نعمتوں کا سبب یوں جتلایا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہاری تھوڑی سی عمر کے اعمالوں کے بدلے میں یہ ابدالآباد کی نعمتیں تم کو دی ہیں۔ بندوں کی سعی کو اللہ تعالیٰ نے مشکور فرمایا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے عملوں کو قبول فرمایا۔ مطر کے معنے زور کی سخت سردی ۔

۲۳ تا ۳۱ ۔ اوپر نیک و بد لوگوں کا اور جنت اور دوزخ کا حال تھا۔ اس قسم کی آیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حشر کے منکر لوگ جب سنتے تو یہ کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خلاف عقل باتیں اپنی طرف سے بنالی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ ان لوگوں کو تو ایک سیدھی سی بات بتلا دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ قرآن کو کلام انسان جانتے ہیں تو ایک چھوٹی سی سورۃ یہ لوگ بھی بنا کر پیش کریں۔ جب اس بات سے یہ لوگ عاجز ہیں تو پھر ان لوگوں کا قرآن کو کلام انسان کہنا محض اُن کی ہٹ دھرمی ہے۔ یہ کلام بلاشک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو سہج سہج ضرورت کے موافق اے نبی اللہ کے اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا ہے۔ یہ جو فرمایا تو راہ دیکھ اپنے رب کے حکم کی اور ان گنہگار ناشکر لوگوں کی باتوں کا کچھ خیال نہ کر، یہ راہ دیکھنے کا حکم جہاد کا حکم تھا جس کے نازل ہونے کے بعد آخر کو مکہ فتح ہوا اور اہل مکہ اسلام کے تابع ہو گئے

[1] صحیح مسلم باب اثبات الشفاعة واخراج الموحدین من النار ص ۱۰۶ ج ۱ [2] جامع ترمذی باب ماجاء ما لادنی اهل الجنة من الكرامة ص ۹۳ ج ۲ [3] الترغیب و ترہیب فصل فیما لادنیٰ اهل الجنة فیها ص ۹۰۴ ج ۴ [4] صحیح بخاری باب صفة الجنة والنار ص ۹۰۲ ج ۲۔

وَسَبِّحۡهُ لَيۡلًا طَوِيۡلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ وَيَذَرُوۡنَ وَرَآءَهُمۡ يَوۡمًا

اور پاکی بول اُس کی بڑی رات تک۔ یہ لوگ چاہتے ہیں شتاب ملنے والی کو اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک دن

ثَقِيۡلًا ﴿۲۷﴾ نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ‌ۚ وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَهُمۡ تَبۡدِيۡلًا ﴿۲۸﴾

بھاری ہم نے اُن کو بنایا اور مضبوط باندھی اُن کی گرہ بندی اور جب ہم چاہیں بدل لائیں اُن کی طرح کے لوگ بدل کر

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ‌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ

یہ تو سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ اور تم نہ چاہو گے مگر جو چاہے

تفسیر مقاتل میں[1] ہے کہ عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم یہ نئی دین کی باتیں دنیا کمانے کے لیے کرتے ہو تو ہم بہت سامان تمہارے لیے جمع کر سکتے ہیں اور مکہ میں جو عورت تمہاری پسند کی ہو اُس سے تمہارا نکاح کرا سکتے ہیں یہاں تک کہ عتبہ اپنی بیٹی بغیر مہر کے آپ کے نکاح میں دینے کو راضی ہو گیا۔ یہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا کہ یہ لوگ آخرت کے تو منکر ہیں فقط دنیا پر ان لوگوں کا مدار ہے اور اللہ کے نزدیک دنیا کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے اے نبی اللہ کے تم ان لوگوں کی ایک نہ سنو اور لوگوں کی نصیحت اور اللہ کی عبادت میں جہاں تک ممکن ہو، رات دن لگے رہو۔ اللہ تمہاری ہر طرح کی مدد کو کافی ہے۔ یہ گنہگار کافر لوگ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ مقاتل بن سلیمان کی تفسیر کو امام شافعیؒ نے معتبر کہا ہے۔ مستدرک[2] حاکم میں ابو سعید خدری سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس طرح تم لوگ اپنے بیمار آدمی کو بدپرہیزی کی چیزوں سے بچاتے ہو اُسی طرح اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو دنیا کی ثروت سے بچاتا ہے۔ حاکم نے اِس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس باب میں صحیح ابن حبان اور طبرانی وغیرہ میں معتبر سند سے اور بھی روایتیں ہیں۔ مسند ابو[3] یعلی، طبرانی، مستدرک حاکم میں معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حشر کے میدان میں سورج کے قریب آجانے سے گنہگار لوگوں کو پسینے اور گرمی کی ایسی تکلیف ہوگی کہ وہ اس تکلیف سے دوزخ میں جانے کو اچھا گنیں گے۔ اس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ جب اُس دن کی ایک چھوٹی سی تکلیف ایسی بھاری ہوگی تو اور بڑی تکلیفوں کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اسی واسطے اُس دن کو بھاری فرمایا۔ حشر کی باتوں کو یہ لوگ خلاف عقل جو کہتے تھے اُس کے جواب میں فرمایا کہ پانی جیسی پتلی چیز سے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی ہڈی پسلی وغیرہ یہ سب مضبوط چیزیں اُن کی آنکھوں کے سامنے پیدا کر دیں تو وہ جب چاہے ان کے غارت کرنے کے بعد ان جیسی اور مخلوق کو یا حشر کے دن انہی کو پیدا کر سکتا ہے۔ آنکھوں کے سامنے جو چیز ایک دفعہ آچکی تو پھر دوبارہ اُس کے پیدا ہو جانے کا انکار یہ خلاف عقل سلیم ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ قرآن تو اللہ کی طرف سے ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اس نصیحت کو سن کر اس کے موافق عمل کرے تاکہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ اچھا ہو۔ مگر اتنی بات ہے کہ جو لوگ راہ پر آنے والے تھے وہ اور جو اُن کے برعکس تھے وہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے ہی

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۹۰ ج ۴ [2] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی الفقر وقلۃ ذات الید ص ۲۲۶ ج ۴ [3] الترغیب والترہیب ص ۲۲۶ ج ۴

[4] الترغیب والترہیب فصل فی الحشر وغیرہ ص ۴۵۷ ج ۴۔

اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٣٠﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ

اللہ بیشک اللہ ہے سب جانتا حکمت والا داخل کرے جس کو چاہے اپنی مہر میں اور جو گنہگار ہیں رکھی ہے

لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣١﴾

اُن کو دکھ کی مار۔

آیاتھا ۵۰ (۷۷) سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (۳۳) رکوعاتھا ۲

سورۃ المرسلات مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿١﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿٢﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿٣﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿٤﴾

قسم ہے چلتی باؤں کی دل کو خوش آتی پھر جھونکا دینے والیاں زور سے پھر ابھارنے والیاں اٹھا کر پھر پھاڑنے والیاں بانٹ کر

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿٥﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿٦﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ

پھر فرشتے اتارنے والے سمجھوتی کے الزام اتارنے کو یا ڈر سنانے کو مقرر جو تم سے وعدہ ہوا سو ہونا ہے پھر جب تارے

اللہ کے علم ازلی میں پہچانے جا چکے ہیں۔ اُس کے موافق جن کی قسمت میں ہدایت نہیں ہے، وہ باوجود نصیحت کے کبھی راہ راست پر آنے والے نہیں اور مجبور کر کے ان کو راہ پر لانا اللہ کو منظور نہیں۔ کیونکہ مجبوری کا ایمان مجبوری کی عبادت کچھ اُس کی بارگاہ میں قبول نہیں۔ اس واسطے نتیجہ یہی ہو گا کہ اُن میں کے بعضے لوگ حالتِ شرک میں مریں گے اور اُس کی سزا میں ان کو قیامت کے دن سخت عذاب بھگتنا پڑے گا۔ آیت ان الشرک لظلم عظیم کے موافق یہاں بھی ظلم کے معنے شرک کے ہیں۔

آتا ۱۵۔ حافظ ابن کثیر نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے۔ مفسرین نے ترجیح اسی قول کو دی ہے کہ جن پانچ چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے شروع میں قسم کھائی ہے ان میں اوّل کی تین چیزوں سے مقصود ہوائیں ہیں اور باقی کی دو سے ملائکہ عرفا کے معنے پے درپے۔ عاصفات وہ ہوائیں جن میں سناٹے کی آواز ہو۔ ناشرات وہ ہوائیں جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں فارقت اور ملقیات کا یہ مطلب ہے کہ ملائکہ طرح طرح کے حکم وحی کے ذریعہ سے رسولوں پر لاتے ہیں۔ عذرا کا یہ مطلب ہے کہ ہر طرح کے حکم نازل ہو جانے کے بعد انجانی کا عذر کسی کو باقی نہ رہے۔ نذرا کا یہ مطلب ہے کہ نافرمانی کی حالت میں قیامت کے نافرمان لوگوں کو جو عذاب ہو گا اُس سے ہر شخص ڈرا دیا جاتا ہے۔ بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ ملائکہ سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ جمع کا لفظ تعظیم کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے۔ قسم کا جواب یہ ہے کہ جس سزا و جزا کے دن کا اللہ نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ کیا ہے وہ ضرور پیش آنے والا ہے۔ پھر اُس دن کی نشانیاں فرمائیں کہ اُس دن تاروں کی روشنی جاتی رہے گی۔ حشر کے انتظام کے لیے فرشتے زمین پر آئیں گے اس لیے اُن کے آنے کے واسطے آسمان میں دو دروازے ہو جائیں گے۔ پہاڑوں کو اڑا دیا جاتے گا اور زمین کو ایک چٹیل میدان کر دیا جائے گا۔ پھر فرمایا یہی وقت ہے جس کا رسولوں سے وعدہ تھا کہ اُن کا اور اُن کے

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۸ ج ۱ ؁ ایضاً ۵۹ ج ۴۔

طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَإِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا الرُّسُلُ

مٹائے جائیں، اور جب آسمان میں جھروکے پڑیں، اور جب پہاڑ اڑا دیئے جائیں اور جب رسولوں کا

أُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾

وعدہ ٹھہرے کس دن کے واسطے اُن کو دیر ہے اُس فیصلے کے دن کے واسطے۔ اور تو نے کیا بُوجھا کیا ہے فیصلے کا دن۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۵﴾ أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ﴿۱۷﴾

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی۔ کیا ہم کھپا نہیں چکے اگلے پھر اُن کے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلے۔

كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۹﴾ أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن

ہم یہی کچھ کرتے ہیں گنہگاروں سے۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی۔ کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک

مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿۲۱﴾ إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ

بے قدر پانی سے پھر رکھا اُس کو ایک جمے ٹھہراؤ میں ایک وعدے مقرر تک پھر ہم کر سکے سو کیا خوب

فرمانبردار اور نافرمان امتوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس فیصلہ کی تفصیل سورۂ بقرہ اور سورۂ زمر میں گزر چکی ہے کہ جب پچھلی امتوں کے منکر شریعت لوگ یہ کہیں گے کہ یا اللہ ہم کو تیرا حکم کسی رسول نے نہیں پہنچایا تو انبیاء اپنی رسالت ادا کر دینے کی تصدیق میں امتِ محمدیہ کو پیش کریں گے۔ اور امتِ محمدیہ پچھلے رسولوں کے کلام کی تصدیق کرے گی۔ پچھلی امتوں کے لوگ جب یہ کہیں گے کہ یا اللہ امتِ محمدیہ کے لوگ تو ہم سے پیچھے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کو ہمارا حال کیا معلوم۔ اس پر امتِ محمدیہ کے لوگ یہ جواب دیں گے کہ قرآن مجید میں پچھلا سب حال تھا اس لیے ہم کو ان لوگوں کا حال معلوم ہو گیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی گواہی کی تائید فرمائیں گے۔ اور ان سب گواہیوں پر فیصلہ اخیر ہو جائے گا۔[1] اسی واسطے فرمایا کہ اس فیصلہ کے دن اُن لوگوں کی بڑی خرابی ہے جو اس دن کے فیصلہ کے منکر ہیں۔

۱۶ تا ۲۸۔ قوم نوح سے لے کر فرعون تک کے ان لوگوں کو اولین فرمایا جن پر عذابِ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب آیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ اسی واسطے فرمایا ہم یہی کچھ کرتے ہیں گنہگاروں سے۔ کفارِ مکہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منکر شریعت لوگوں کو آخرین فرمایا۔ اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اگر یہ آخر زمانہ کے لوگ بھی اللہ کے رسول کی مخالفت اور اللہ کے کلام کے جھٹلانے میں پہلے لوگوں کے قدم بقدم رہے، تو اُن پر بھی ایسی آفت آئے گی جو اُن سے پہلوں پر آئی۔ قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے جو خرابی در پیش ہے وہ اس آفتِ دنیاوی کے علاوہ ہے۔ پھر ایک ناچیز نطفہ سے انسان کی پیدائش کا اور تا حیات اس کے زمین پر رہنے کا اور مُردہ انسان کی زمین میں سمائی کا اور بارش اور زمین کی ندیوں نالوں چشموں کنوؤں سے میٹھے پانی کے بہم پہنچانے کا ذکر فرما کر یہ تنبیہ فرمائی کہ انسان کی سمجھ سے باہر یہ سب انتظام آنکھوں سے دیکھ کر پھر بھی جو کوئی حشر کا انکار کرے گا۔ اس کے لیے اس دن بڑی خرابی ہے۔ جمے ٹھہراؤ سے مقصود رحم ہے جہاں نطفہ حفاظت سے رہا۔ وعدہ مقرر سے مقصود حمل کی مدت ہے۔ فقدرنا فنعم القٰدرون کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی

[1] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۂ بقرہ ص ۶۴۴ ج ۲۔

الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً

سکت والے ہیں خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی جیتوں کو

وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ

اور مُردوں کو اور رکھے اُس میں بوجھ کو پہاڑ اونچے اور پلایا ہم نے تم کو پانی میٹھا پیاس بجھاتا خرابی ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ

اُس دن جھٹلانے والوں کی ۔ چلو دیکھو جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے ۔ چلو ایک چھاؤں میں

ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ

جس کی تین پھانکیں نہ گھن کی چھاؤں اور نہ کام آئے تپش میں وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں

كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا

جیسے محل جیسے وہ اونٹ ہیں زرد خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی یہ وہ دن ہے کہ نہ

يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾

بولیں گے اور نہ اُن کو حکم ہو کہ توبہ کریں خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ۔

نطفہ سے مرد عورت پورا ادھورا گورا کالا جس کو جیسا چاہا پیدا کیا۔ کفاتا کے معنے ٹھکانا، زندے زمین کے اوپر مُردے زمین کے اندر رہتے ہیں۔ اس لیے زمین کو زندوں اور مردوں کا ٹھکانا فرمایا ۔

۲۹ تا ۴۰۔ منکرین سزا و جزا کو جب فرشتے دوزخ میں لے جانے لگیں گے تو ان منکروں کو قائل کرنے کے لیے اُن سے یہ کہیں گے چلو ذرا اُس آگ کا مزہ چکھو جس کے تم دنیا میں منکر تھے۔ صحیح مسلم[1] میں انسؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دنیا میں بڑے عیش و آرام سے جن دوزخیوں نے اپنی تمام عمر گزاری ہے۔ دوزخ کے پہلے ہی جھونکے کے بعد فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ دُنیا کا عیش و آرام تمھیں کچھ یاد ہے۔ وہ لوگ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ آج کے دن کی تکلیف کے سامنے دُنیا کا سب عیش و آرام ہم بھول گئے۔ حساب و کتاب سے فارغ ہونے تک اہلِ دوزخ کو دوزخ کی آگ کی لپٹ کے نیچے رکھا جائے گا جس میں دھواں بھی ہوگا، اس دھوئیں کی تین پھانکیں ہوں گی تاکہ اس لپٹ کی تپش بدستور قائم رہے۔ اس دھوئیں کی چھاؤں کے گھنی نہ ہونے کا اور اُس چھاؤں کا آگ کی تپش میں کام نہ آنے کا یہی مطلب ہے۔ پھر اُس آگ کی لپٹ سے ایسی بڑی بڑی چنگاریاں اُڑتی رہیں گی جیسے بڑے بڑے مکان۔ وہ چنگاریاں زرد رنگ اور بڑے ہونے کے سبب سے زرد اُونٹ معلوم ہوں گے۔ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا اور اس میں طرح طرح کی حالتیں پیش آئیں گی۔ حساب و کتاب تک تو دوزخیوں کو جواب ہی کرنے اور عذر پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا جس کا ذکر اور آیتوں میں ہے۔ پھر اُن کو کسی جواب دہی کا موقع نہ ملے گا۔ اُسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے اور قیامت کی ہر حالت کا انکار ایک جرم ہے۔ اس لیے اُس دن کی مختلف حالتوں کا ذکر فرما کر ہر ایک جگہ

[1] صحیح مسلم باب فی الکفر ص ۳۷۴ ج ۲ ۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ

یہ ہے دن فیصلے کا جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا تو چلا لو مجھ پر۔ خرابی ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾

اُس دن جھٹلانے والوں کی۔ جو ڈر والے ہیں وہ چھاؤں میں ہیں اور نہروں میں اور میوے جس قسم کے جی چاہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ

کھاؤ اور پیو رچتے بدلا اُس کا جو کرتے تھے ہم یوں ہی دیتے ہیں بدلا نیکی والوں کو خرابی ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اُس دن جھٹلانے والوں کی کھا لو اور برت لو تھوڑے دنوں تم مقرر گنہگار ہو۔ خرابی ہے اُس دن



فرمایا ہے کہ اُس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ اگلے پچھلے منکرینِ حشر کو قائل کرنے کے لیے ان سب سے اُس دن یہ کہا جائے گا کہ آج جزا و سزا کے آخری فیصلہ کا وہ دن ہے جس کی خبر اللہ کے رسولوں نے تم کو دی تھی اور تم نے اُس خبر کو جھٹلایا تھا آج بھی اُس کے جھٹلانے کا کوئی حیلہ تم لوگ رکھتے ہو تو اُس کو اٹھا نہ رکھو۔ ورنہ اُس دن کے جھٹلانے کی خرابی کو بھگتو۔

۴۱ تا ۵۰۔ متقیوں سے مطلب ان آیتوں میں یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں شرک سے بچتے رہے۔ کیونکہ متقیوں کا لفظ ان آیتوں میں اُن مشرک لوگوں کے مقابلہ میں فرمایا ہے جن کا ذکر شروع سورۃ سے یہاں تک تھا۔ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ کلمہ گو گنہگار اگرچہ اپنے گناہوں کی سزا میں ایک وقت مقررہ تک دوزخ میں جائیں گے لیکن پھر آخر ان کو جنت نصیب ہوگی اور یہی نعمتیں اُن کو ملیں گی جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ اس لیے لفظ متقی کے جو معنے بیان کیے گئے اُن میں سب جنتی شامل ہو سکتے ہیں۔ دوزخیوں کی چھاؤں وہ ہے جس کا ذکر اوپر گزرا۔ یہ جنتی لوگوں کی چھاؤں جنت کے عالیشان مکانوں اور میوہ کے نہایت سایہ دار درختوں کی ہوگی۔ علاوہ اِس کے فقط درخت طوبیٰ کا سایہ جنت میں ایسا ہے جس کو سو برس تک میں بھی گھوڑے کا سوار طے نہیں کر سکتا۔ چنانچہ صحیح بخاری[۱] و مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت میں اُس کا ذکر ہے۔ جنت کے چشموں میں نہ کبھی ہوا سے اُڑ کر کوڑا پڑے، نہ اُن کی شراب اُن کا پانی، دُودھ، شہد کبھی بگڑے۔ کتنی بڑی بات ہے کہ جنت کے میوؤں کے لیے کوئی فصل مقرر نہیں۔ ہر وقت ہر طرح کا میوہ موجود ہے۔ چنانچہ فواکہ مما یشتھون کا یہی مطلب ہے۔ دنیا کے کچھ میوے بعضے لوگوں کو نقصان کرتے ہیں۔ وہاں یہ بات بھی نہیں جو کھاؤ سو رچے پچے۔ چنانچہ ھنیئًا کا یہی مطلب ہے۔ وہاں اہلِ دوزخ کے ذکر میں فرمایا تھا۔ ہم یہی کچھ کرتے ہیں گنہگاروں سے۔ یہاں جنت کی طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمانے کے بعد ارشاد ہوگا، ہم یوں ہی بدلا دیتے ہیں نیکی والوں کو۔ لیکن جو ان نعمتوں کے منکر ہیں وہ اِن سے محروم اور اپنے انکار کی خرابی بھگتیں گے۔ اور دنیا میں اِس طرح کے عقبیٰ کے منکروں کو جو کچھ خوش حالی ہے وہ تھوڑے دِنوں کی ہے۔ کیونکہ نہ دنیا رہنے والی چیز ہے نہ اُس کی خوشحالی آنکھ بند ہوتے ہی پھر طرح طرح کی خرابی ہے۔ کیونکہ جس اللہ نے اُن کو پیدا کیا خالص اُس کے نام پر سر جھکانے کو یہ لوگ عار سمجھتے ہیں۔

[۱] صحیح بخاری باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وانھا مخلوقۃ ص ۴۶۱ ج ۱۔

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾

جھٹلانے والوں کی اور جب کہیے ان کو نیوٗ وہ نہیں نیوتے خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی۔

فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

اب کس بات پر اس کے بعد پر یقین لائیں گے۔

ع ۲ / ۱۰ / ۲۲

تفسیر مقاتل بن سلیمان میں[1] ہے کہ ثقیف ایک قبیلہ نے نماز سے انکار کرکے یہ کہا کہ کمر جھکانے کو ہم لوگ عار سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اِن لوگوں کو جس اپنی فصاحت و بلاغت کا بڑا دعویٰ تھا، قرآن کی فصاحت و بلاغت نے وہ دعویٰ تو اُن کا باقی نہیں رکھا جس سے یہ لوگ خوب سمجھ گئے کہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں ہے اس پر بھی ان لوگوں کا قرآن کے احکام کو نہ ماننا محض ان کی ہٹ دھرمی ہے۔ مسند[2] امام احمد ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورہ والمرسلٰت پڑھے تو اس کے ختم پر اٰمنّا باللہ کہے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ نماز میں امام اور مقتدی دونوں اٰمنّا باللہ کہہ سکتے ہیں۔ نیونا کے معنے جھکنا۔

---

[1] تفسیر الدرالمنثور ص ۳۰۵ ج ۶۔ [2] مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوٰۃ فی القراءۃ فیہا۔ الفصل الثانی ص ۸۱۔

آیاتها ۴۰ —— (۷۸) سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ (۸۰) —— رکوعاتها ۲

سورۃ نبا مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں اس بڑی خبر سے جس میں وہ کئی طرح ہو رہے ہیں۔

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤

یوں نہیں اب جان لو گے پھر بھی یوں نہیں اب جان لیں گے۔

امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق یہ سورۃ مکی ہے۔

۱ تا ۵۔ اگرچہ مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ بڑی خبر سے مراد قرآن شریف ہے۔ لیکن قتادہؒ اور اکثر سلف کا قول یہ ہے کہ بڑی خبر سے مراد حشر اور قیامت ہے۔ آگے کی آیتوں میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی قیامت کا ہی ذکر فرمایا ہے۔ اس لیے یہی قول قرآن شریف کے مطلب کے موافق معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے حافظ ابن کثیرؒ[1] نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ حشر اور قیامت کی بہت سی باتیں انسان کی عقل میں نہیں آتیں۔ اس واسطے اسلام لانے سے پہلے مکہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے حشر اور قیامت کی باتوں میں طرح طرح سے جھگڑتے تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ مرنے کے بعد انسان کی خاک رواں دواں ہو جائے گی، پھر اس خاک کا پتلا کیوں کر بن جائے گا۔ کبھی کہتے تھے کہ آگ میں زقوم کا پیڑ کیوں کر ہو گا۔ کبھی کچھ کہتے کبھی کچھ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ان کے بڑے بوڑھے ان کی آنکھوں کے روبرو دنیا سے اٹھ گئے۔ اس لیے یہ تو ان کو معلوم ہے کہ ایک دن یہ بھی مر جائیں گے۔ کیونکہ دنیا ہمیشہ نہیں رہنے والی۔ اور دنیا کے فنا ہونے کے بعد آخرت کی یہ سب باتیں ان منکروں کے سامنے آجائیں گی اور اس وقت ان کو ان باتوں کا یقین آئے گا جس وقت کا یقین انھیں کچھ فائدہ نہ دے گا۔ رہی یہ بات کہ آخرت کی باتیں ان کی عقل میں نہیں آتیں، ایک بوند پانی سے انسان کا پیدا ہو جانا اور دنیا کے ہزارہا عجائبات، کیا یہ سب انسان کی عقل میں آنے والی باتیں ہیں۔ پھر جس نے دنیا میں آنکھوں کے سامنے کے عجائبات خلافِ عقل کو پیدا کر کے دکھا دیا وہ آخرت میں بھی خلافِ عقل عجائبات پیدا کرنے پر قادر ہے اور دنیا کے عجائبات کو آنکھوں سے دیکھنے اور تجربہ کر لینے کے بعد اس کی اس قدرت کا انکار کسی صاحبِ عقل کا کام نہیں ہے۔ معتبر سند سے ترمذیؒ اور ابن ماجہ کی روایت سے حضرت شداد بن اوس کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحبِ عقل وہی شخص ہے جو زندگی میں موت کے بعد کے لیے کچھ سامان کر لے۔ اور کم عقل وہ شخص ہے جو زندگی بھر شیطانی وسوسوں میں لگا رہے اور موت کے بعد اللہ سے راحت کی توقع رکھے یہ حدیث عبداللہ بن عمر کی روایت سے بھی معتبر سند سے ابن ماجہ طبرانی وغیرہ میں آئی ہے۔ اور یہ تو ایک ظاہر بات ہے کہ موت کے بعد کا کچھ سامان بغیر خالص نیک عمل کے نہیں ہو سکتا۔

۱؎ تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۲ ج ۴ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ۴؎ جامع ترمذی۔ ابواب صفۃ القیامۃ ص ۸۲ ج ۲ ۵؎ الترغیب والترہیب الترغیب فی ذکر الموت الخ ج

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨ وَّجَعَلْنَا

کیا ہم نے نہیں بنائی زمین بچھونا اور پہاڑ میخیں اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے اور بنائی

اور خالص نیت کا نیک عمل بغیر آخرت کے پورے یقین کے نہیں ہو سکتا اور آخرت کی بہت سی باتیں محض عقل سے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ اس واسطے بغیر اس کے انسان کی نجات کی صورت کوئی نہیں ہے کہ آخرت کی غیب کی باتیں جو بذریعہ وحی کے دنیا میں آئی ہیں۔ اُن کو بغیر عقل کے دخل کے انسان تسلیم کر لے۔ اس تسلیم کے بعد آخرت کا یقین دل میں پیدا ہو جائے گا جس یقین کے سبب سے خالص نیت کا نیک عمل ہونے لگے گا جو آخرت میں نجات کا باعث ہوگا۔ اور جو شخص ان غیب کی باتوں میں عقل کو دخل دے گا، عقل تو ان باتوں کے سمجھنے سے عاجز ہے۔ اس لیے اس طرح کا شخص طرح طرح کے شیطانی وسوسوں میں پڑ کر اپنی عاقبت کو ضرور خراب کر لے گا۔ کسی بات کی تاکید منظور ہوتی ہے تو اس کو دو دفعہ کہا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً سانپ نکلنے کے وقت سانپ سانپ دو دفعہ کہتے ہیں اس واسطے کلا سیعلمون کو دو دفعہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کو خلافِ عقل سمجھ کر یہ لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ قریب ہے کہ مرتے ہی ان باتوں کو ضرور یہ لوگ خوب اچھی طرح سے جان لیں گے۔ کلا کا لفظ عربی میں کلا سے پہلے کے کلام کو غلط اور کلا کے بعد کے کلام کو صحیح قرار دینے کے لیے آتا ہے۔ یہاں حاصل مطلب یہ ہے کہ قیامت کے آنے میں اختلاف ڈالنا غلط اور اس کا آنا ایسا صحیح ہے جو قریب میں آنکھوں سے دیکھ لیا جائے گا۔

۶ تا ۱۱۔ اوپر ذکر تھا کہ حشر اور قیامت کی باتوں کو خلافِ عقل خیال کر کے اسلام لانے سے پہلے مکّہ کے لوگ ان باتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کی حجتیں کرتے تھے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں دُنیا کے چند عجائبات کا ذکر فرمایا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور جن کی حالت کے دیکھنے سے بڑے بڑے عقل مندوں کی عقل دنگ ہے کسی کی عقل میں نہیں آسکتا ہے کہ اتنی بڑی سات زمینوں کو پانی پر بچھونے کی طرح کیونکر بچھایا ہے۔ اور ان کے ٹکنے اور جم جانے کے لیے اتنے اتنے بڑے پہاڑوں کی میخیں ان میں کیونکر ٹھونکی ہیں کہ جس طرح خیمہ کی میخیں ٹھونک دینے سے خیمہ خوب مضبوط اور چورس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پہاڑوں کی میخوں سے زمین خوب چورس اور مضبوط ہو گئی، ہلتی جلتی نہیں۔ انسان کو مرد اور عورت کی صورت میں کس طرح پیدا کیا کہ ایک سے دوسرے کی شباہت بالکل الگ ہے۔ ایک حضرت آدم اور حوّا کے جسم میں افزائش نسل کا یہ مادہ کیونکر رکھا گیا کہ جس سے قیامت تک کی نسل چلے گی۔ آدمی کے مرجانے اور مرجانے کے بعد جینے کی نشانی کے لیے سونے اور جاگنے کو کس طرح پیدا کیا ہے۔ پھر ایسے صاحب قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ جس طرح اُس نے سرے سے بغیر کسی نمونہ کے ایک دفعہ یہ سب کچھ پیدا کیا ہے وہ دوبارہ اسی نمونہ کے موافق جو کچھ چاہے پھر پیدا کر دے۔ کیونکہ جب ایک چیز کا نمونہ قرار پاکر پیدائش دنیا سے اُس کے ختم ہو جانے تک ہزارہا برس تک وہ نمونہ چل چکا ہے تو پھر دوبارہ اسی چیز کا بنانا نہایت سہل ہے۔ اسی لیے سورہ روم میں فرمایا وھو الذی یبدؤا الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیہ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے تجربہ کے موافق بھی اسی طرح دوبارہ ہر چیز کا بنانا سہل ہے۔ ورنہ اللہ کی قدرت کے آگے تو سب کچھ سہل اور آسان ہے۔ اور یہ دوبارہ پیدائش اس واسطے ضرور ہے کہ دُنیا کی پیدائش سے اس کے ختم تک

نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا ﴿٩﴾ وَّجَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾

نیند تمہاری دفع ماندگی کو اور بنائی رات اوڑھنا اور بنایا دن روزگار کو ۔

جو کچھ نیکی بدی دنیا میں ہوئی ہے اس کی جزا و سزا ہو جاتے اور دنیا کی پیدائش بلا نتیجہ نہ رہے۔ چنانچہ اسی مطلب کو سورۂ جاثیہ میں ان لفظوں سے ادا فرمایا ہے۔ وخلق اللّٰہ السموٰت والارض بالحق ولتجزیٰ کل نفس بما کسبت وھم لا یظلمون جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد نیک و بد کا انصاف نہ ہوتا تو یہ ایک بے انصافی تھی کیونکہ نیکی کا ثمرہ بدی کی پرسش کچھ بھی نہ ہوتا۔ یہ خلاف انصاف ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اس ارادہ سے پیدا کیا ہے کہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد ایک دن نیک و بد کا انصاف ہو کر جزا و سزا ہو جائے اور دنیا کا پیدا کرنا ناانصافی کی بنیاد پر نہ رہے۔ سبات کہتے ہیں راحت اور سکون کو۔ نیند سے تھکان رفع ہو کر آدمی کو ایک طرح کی راحت حاصل ہو جاتی ہے، اس لیے نیند کو سبات فرمایا۔ رات کو لباس اس لیے فرمایا کہ جس طرح کپڑا بدن کو ڈھانک لیتا ہے اسی طرح رات کا اندھیرا ہر چیز پر چھا جاتا ہے اور دن کو روزگار کا موقع محل اس لیے فرمایا کہ اس میں چل پھر کر آدمی ہر طرح گزران کی صورت نکال سکتا ہے اگر رات کی طرح دن کو بھی اندھیرا رہتا تو آدمی دنیا کا کوئی کام دھندا نہ کر سکتا تھا۔ مسند امام احمد و ترمذیؒ میں ابو ہریرہؓ سے اور مسند بزار وغیرہ میں عباسؓ اور ابوذرؓ سے اور مستدرک حاکم میں عمرو بن العاصؓ سے جو روایات ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک اور اسی طرح ایک زمین سے دوسری زمین تک پانسو برس کی راہ ہے اور ہر آسمان کا فاصلہ بھی اسی قدر ہے۔ زمینوں میں پانسو پانسو برس کے راستے کے ٹکڑے کو حاکم نے صحیح کہا ہے اور باقی کے ٹکڑے کی چند روایتیں ہیں جن میں ایک سے دوسری روایت کو تقویت ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے ان اہل ہیئت کا قول بے اصل ٹھہرتا ہے، جو کہتے ہیں کہ زمینوں کے مابین میں کچھ فاصلہ نہیں ہے۔ اسی طرح صحیح بخاریؒ وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت سے روایات ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایک بالشت بھر زمین بھی کسی کی دبا لے گا، قیامت کے دن ساتوں زمینوں کے اسی قدر ٹکڑے کا ایک طوق بنا کر ایسے شخص کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ آیت اللّٰہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن اور ان حدیثوں سے ان متکلمین کا قول غلط قرار پاتا ہے جو زمین کے ایک ہونے کے قائل ہیں۔ ترمذیؒ وغیرہ میں جو حضرت انسؓ سے روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب زمین پانی پر بچھائی گئی تو وہ ہلتی تھی۔ اس واسطے اس کی مضبوطی کے لیے پہاڑ پیدا کر کے میخوں کی طرح اس میں ٹھونکے گئے۔ اگرچہ اس کی سند میں ایک شخص سلیمان بن ابی سلیمان مجہول ہے۔ لیکن آیت والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم سے اور مسند عبدالرزاقؒ میں جو بعضے آثار ہیں ان سے اس روایت کی پوری تائید ہو کر سلیمان کی مجہولیت کسی قدر رفع ہو جاتی ہے۔ سورۂ انبیاء میں گزر چکا کہ پہاڑوں کی میخیں زمین میں اس حکمت سے ٹھونکی گئی ہیں کہ پہاڑوں میں گھاٹیاں بھی رکھی گئی ہیں تاکہ پھرنے چلنے کا راستہ بند نہ ہو۔ صحیح بخاریؒ وغیرہ میں جو حضرت عائشہؓ سے روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی شرارتوں سے بہت تنگ آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ملک الجبال کو

ؔ۱ جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ الحدید ص ۱۸۵ ج ۲ ؔ۲ صحیح بخاری۔ باب اثم من ظلم شیئاً من الارض ص ۳۳۲ ج ۱ ؔ۳ جامع ترمذی۔ اواخر ابواب التفسیر ص ۱۹۵ ج ۲ ؔ۴ تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۵ ج ۲ و تفسیر ابن جریر ص ۹۰ ج ۱۴ ؔ۵ صحیح بخاری۔ باب بعد باب ذکر الملائکۃ ص ۴۸۸ ج ۱۔

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ

اور چنی تم سے اوپر سات چنائی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا اور اتارا نچوڑتی بدلیوں سے

مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ

پانی کا ریلا کہ نکالیں اس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے بیشک دن فیصلہ کا ہے ایک

مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾

وقت ٹھہرا جس دن پھونکیں نرسنگا پھر چلے آؤ جُٹ جُٹ اور کھولا جائے آسمان تو ہو جائیں دروازے۔

آپؐ کے پاس بھیجا۔ اس فرشتے نے آپؐ سے کہا کہ اگر آپؐ فرمائیں تو مکہ کے اردگرد کے دو پہاڑوں میں اہل مکہ کو بھینچ کر ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں، مجھ کو تو اللہ کی ذات سے یہ توقع ہے کہ ان لوگوں کی نسل میں وہ لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کو وحدہٗ لاشریک اور مجھے اس کا رسول جانیں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور خدمتوں کی تعیناتی کی طرح پہاڑوں کے انتظام پر بھی فرشتوں کا ایک خاص گروہ تعینات ہے، اور ملک الجبال اسی گروہ کے سردار کا لقب ہے۔

۱۲ تا ۱۶۔ زمین کے عجائبات کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں آسمانی عجائبات کا ذکر ہے۔ سات چنائیوں سے سات آسمان مراد ہیں۔ مضبوطی ان کی سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ ہزارہا برس سے بغیر کسی طرح کی مرمت کے بالکل بے سہارا کھڑے ہیں اور یہ تو اوپر گزر چکا ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کے راستہ کا فاصلہ ہے۔ اور اسی قدر ہر ایک آسمان کا دل ہے۔ چمکتے ہوئے چراغ سے مراد سورج ہے کہ جس کی چمک ساری دنیا میں یکساں ہے۔ معصرات کے معنے میں سلف کے دو[۱] قول ہیں، ایک ہوا۔ دوسرا خوب برسنے والا بادل۔ مطلب دونوں قولوں کا یہ ہے کہ پہلے ہوا آسمان پر چلتی ہے۔ اس سے بادل اکٹھے ہو کر جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں مینہ برستا ہے جس سے طرح طرح کا اناج میوہ اور جانوروں کا چارہ پیدا ہوتا ہے۔ ماءً ثجاجًا کے معنے لگاتار بارش۔ الفافًا کے معنے خوب گھن کے درخت۔

۱۷ تا ۳۰۔ اوپر سونے جاگنے اور کھیتی اور باغوں کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں حشر کا ذکر اس بات کے سمجھانے کے لیے فرمایا ہے کہ نیند کی مثال بے حس و حرکت کر دینے میں بالکل موت کی سی اور پھر جاگنے کی مثال بالکل حشر کی سی ہے۔ اسی طرح اناج کے بیج اور میوے کی گٹھلی کی مثال مردہ آدمی کے دفن جیسی ہے۔ اور بیج اور گٹھلی سے پھر اناج اور میوہ کا پیدا ہونا بمنزلہ حشر کے ہے۔ کیونکہ جس طرح مینہ سے یہ چیزیں اگتی ہیں اسی طرح حشر سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس سے سب آدمیوں کے جسم تیار ہو جائیں گے۔ پھر دوسرا صور پھونکا کہ ان جسموں میں روحیں پھونک دی جائیں گی اور حشر قائم ہو جائے گا۔ صحیح بخاری[۲] اور صحیح مسلم میں روایات ہیں ان میں اس حشر سے پہلے مینہ برسنے کا ذکر ہے۔ اگرچہ نیک و بد کا فیصلہ دوسرے صور کے اور اس صور سے لوگوں کے قبروں سے اٹھنے کے بعد ہو گا۔ لیکن دنیا کا پیدا کیا جانا، مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جانا۔ یہ سب کچھ، نیک و بد کی جانچ اور اس کے فیصلہ کے لیے ہے، اس لیے اس فیصلہ کا اہتمام زیادہ فرما کر اس کا ذکر صور سے پہلے فرمایا اور یہ تو سورۃ زمر میں گزر چکا ہے کہ پہلے صور کے پھونکنے سے تمام دنیا اجڑ جائے گی۔ اور دوسرے صور کے پھونکنے سے سب جی اٹھیں گے۔ ان آیتوں میں

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۲ ج ۴ [۲] صحیح مسلم باب ما بین النفختین ص ۴۰۶ ج ۲۔

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿٢٢﴾

اور چلائے جائیں پہاڑ تو ہو جائیں ریتا بیشک دوزخ ہے تاک میں شریروں کا ٹھکانا

لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾

رہتے ہیں اس میں قرنوں نہ چکھیں وہاں کچھ مزہ ٹھنڈک کا اور نہ ملے کچھ پینا مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔

منکرین حشر کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس لیے مختصر طور پر فقط دوسرے ہی صور کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ جو کچھ دوسرے صور کے وقت ہوگا منکرین حشر فقط اس کے ہی منکر تھے۔ دونوں صوروں کے مابین میں چالیس برس کا عرصہ لگنے کی بابت صحیح بخاری کے بعضے شارحوں نے جو لکھا ہے کہ صحیح مسلم میں چالیس برس کے عرصہ کی روایت موجود ہے یہ تو ان شارحوں کا سہو ہے۔ صحیح مسلم میں چالیس برس کے عرصہ کی کوئی روایت نہیں ہے۔ ہاں مسند ابن مبارک تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن مردویہ میں جو روایتیں ہیں، ان میں چالیس برس کا ذکر ہے۔ دوسرے صور کے بعد جب سب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان محشر میں جا کر کھڑے ہوں گے، اسی وقت دوزخ کو ستر ہزار نکیلیں دے کر فرشتے میدانِ محشر میں لائیں گے جس کا ذکر صحیح مسلم[1] ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے۔ اسی واسطے دوسرے صور کے ذکر کے ساتھ اللہ نے ان آیتوں میں دوزخ کا ذکر فرمایا ہے۔ صور اس نرسنگے کو کہتے ہیں جس کو اسرافیل علیہ السلام دو دفعہ پھونکیں گے۔ چنانچہ ترمذی[2] ابو داؤد و صحیح ابن حبان میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے جو روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے معنے پوچھے تھے۔ آپؐ نے وہی معنے بتلائے جو اوپر بیان کئے گئے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ صحیح مسلم[3] میں حضرت انس سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کسی نبی کے پیرو اس قدر کثرت سے نہ ہوں گے جس قدر کثرت سے میرے پیرو ہوں گے۔ اور مستدرک[4] حاکم و طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی معتبر سند سے۔ جو روایتیں ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ کسی نبی کے پیرو نہیں ہیں بلکہ اغوائے شیطانی سے کوئی گروہ بتوں کی اور کوئی سورج اور چاند وغیرہ کی پوجا کرتا ہے۔ ان لوگوں کے گروہ قیامت کے دن الگ الگ بن جائیں گے۔ غرض ان حدیثوں کے موافق جتّ کے جتّ اور گروہ کے گروہ اللہ تعالیٰ کے روبرو جانے کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑے یا بہت جس قدر لوگ کسی نبی کے پیرو ہوں گے وہ تو اپنے اپنے نبی کے ساتھ ہوں گے اور باقی کے لوگوں کی جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ آسمان کے کھل جانے اور اس میں دروازے ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ محشر کے میدان میں طرح طرح کے انتظام کے لیے بہت سے فرشتے آسمان سے اتریں گے جن کے زمین پر اترنے کے لیے بہت سے دروازوں کی طرح کے راستے آسمان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بن جائیں گے۔ قیامت کے دن نیا آسمان جو بنے گا دوسرے صور کے ذکر میں یہ اس نئے آسمان کا ذکر ہے۔ کیونکہ حال میں جو آسمان موجود ہے یہ تو پہلے صور کے صدمہ سے ٹوٹ جائے گا۔ پہاڑوں کی کئی حالتیں قرآن شریف میں آئی ہیں کہ اول ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھر دھنی ہوئی روئی کے مانند ہو جائیں گے یہ سب حالتیں پہلے صور کے وقت کی ہیں۔ دوسرے صور کے حال میں جہاں پہاڑوں کا ذکر ہے وہ اصل میں اس زمین کے

[1] صحیح مسلم باب جہنم اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۱ ج ۲ [2] جامع ترمذی باب ماجاء فی الصور ص ۶۰ ج ۲ [3] صحیح مسلم باب الشفاعۃ و اخراج الموحدین من النار ص ۱۱۲ ج ۱ [4] الترغیب والترہیب فصل فی الحشر وغیرہ ص ۴۰۷ ج ۴۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ

بدلا ہے پورا وہ تھے توقع نہ رکھتے حساب کی اور جھٹلائیں ہماری آیتیں مکرا کر اور ہر

شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾

چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر مار۔ بیشک ڈر والوں کو مراد ملتی ہے

ع ۱ [۳۰]

ذکر کے ساتھ ہے جو قیامت کے دن نئی پیدا کی جائے گی۔ یہاں پہاڑوں کے ذکر سے مطلب یہ ہے کہ پہلے صور کے وقت پہاڑ اُڑ کر بکھرے ہوئے رہیں گے۔ اس نئی زمین پر پہاڑوں کا کہیں نام و نشان بھی نہ ہوگا بلکہ اُن کی جگہ فقط ریت ہوگی۔ چنانچہ اس مطلب کو اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں اِن لفظوں میں ادا فرمایا ہے ویوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ ۔ مرصاداً اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بیٹھ کر دشمن پر قابو پانے کے لیے تاک لگائی جاتی ہے۔ حاصل معنے یہ ہیں کہ دوزخ پر جو ملائکہ تعینات ہیں وہ نافرمان لوگوں کی تاک میں لگے ہوئے ہیں اور ان نافرمانوں کی گرفتاری کے وقت کے منتظر ہیں۔ احقاب حقبہ کی جمع ہے۔ ایک حقبہ کس قدر مدت کا ہوتا ہے اس میں سلف کا اختلاف ہے۔ مگر مسند بزار میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حقبہ اسّی برس کا ہوتا ہے۔ اس روایت کی سند میں ایک شخص حجاج بن نصیر راوی ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے۔ لیکن ابن حبان نے اس کو ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے اس لیے حقبہ کی یہی تفسیر صحیح ہے۔ جو اس روایت میں ہے۔ آخر رکوع تک معنے اِن آیتوں کے یہ ہیں کہ دوزخی دوزخ میں سالہا سال رہیں گے۔ جہاں نہ اُن کو کچھ کسی طرح کی ٹھنڈک میسر آئے گی کہ دوزخ کی آگ سے کچھ آرام ملے۔ اور نہ گرم پانی اور دوزخیوں کی پیپ کے سوا کوئی ایسی چیز پینے کی ملے گی جس سے پیاس بجھے۔ بلکہ یہ لوگ قیامت اور اس کی سزا جزا کے منکر تھے اور باوجود طرح طرح کی فہمایش کے اس انکار پر ان کو اصرار تھا۔ اور وہ انکار اور اصرار سب کچھ دفتر الٰہی میں لکھا جاتا تھا۔ اس لیے اس انکار اور اصرار کی سزا میں اُن پر دن بدن عذاب بڑھتا اور بدلتا رہے گا۔ اسی کو جزآءً وفاقا فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اُن کے اعمال ویسی ہی اُن کی سزا۔ ان آیتوں میں پہلے تو فرمایا کہ دوزخی دوزخ میں قرنوں رہیں گے۔ پھر فرمایا کہ دوزخیوں کا عذاب دن بدن بڑھتا جائے گا۔ بعضے مفسروں نے پہلی آیت کہ جس میں قرنوں کے عذاب کا ذکر ہے۔ دوسری آیت سے جس میں ہمیشہ عذاب کے بڑھنے کا ذکر ہے منسوخ ہونا لکھا ہے۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ ایک مدت دوزخیوں پر ایک قسم کا عذاب رہے گا پھر دوسری قسم کا عذاب ہوگا۔ اسی طرح دن بدن عذاب بڑھتا اور بدلتا جائے گا۔ مثلاً ایک مدت تک ان پر پیاس کا عذاب رہے گا۔ پھر گرم پانی ملے گا تو ایسا جس سے انتڑیاں کٹ کر نکل پڑیں گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایک آیت دوسری آیت کا بیان ہے۔ دونوں آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

۳۱ تا ۳۶۔ اوپر دوزخ اور دوزخیوں کا ذکر تھا اس کے مقابلے میں اِن آیتوں میں جنت اور جنتیوں کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مفازاً کے معنے سیر گاہ کے کیے ہیں۔ حدیقۃ وہ باغ ہے جس میں ہر طرح کے درخت ہوں انگور ایک خاص شان کا مزہ دار میوہ ہے۔ اس لیے خاص طور پہ اس کا نام جدا فرمایا۔ کواعب سے مراد کواری اور

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۳۰۷ ج ۶ [۲] ایضاً ص ۳۰۸ ج ۶۔

حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا

باغ ہیں اور انگور اور نوجوان عورتیں ایک عمر کی سب اور پیالہ چھلکتا۔ نہ سنیں گے وہاں بکنا

وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

اور مکرانا بدلا ہے تیرے رب کا دیا حساب سے جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو اُن کے بیچ

الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا

ہے بڑی مہر والا قدرت نہیں کہ کوئی اُس سے بات کرے جس دن کھڑی ہو روح اور فرشتے قطار ہو کر۔

اور اتراب سے مراد ہم عمر عورتیں دہاق کے معنے لبریز پیالہ شراب طہور کا۔ پھر فرمایا کہ دنیا کی شراب نوشی کے بعد جس طرح کی بیہودہ باتیں ہوتی ہیں، جنت کی شراب نوشی کے بعد ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔ جنت کو عطا اس لیے فرمایا کہ جس کسی کو جنت ملے گی وہ اللہ کے فضل سے عطا کے طور پر ملے گی ورنہ انسان کی کیا طاقت ہے کہ تھوڑی سی عمر کے نیک عملوں کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی دنیا کی بے شمار نعمتوں کی شکر گذاری کو پورا کر کے جنت کی اس قدر بے حساب نعمتوں کو پا سکتا۔ چنانچہ واثلہ بن الاسقع سے مستدرک[1] حاکم وغیرہ میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پچھلی امتوں میں ایک عابد تھا جس نے مدتوں ایک پہاڑ پر بیٹھ کر عبادت کی تھی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس عابد سے فرمائے گا کہ میری رحمت کے سبب سے جا جنت میں چلا جا۔ وہ عابد کہے گا یا اللہ میرے نیک عملوں کا بدلہ کہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر فرشتوں سے فرمائے گا۔ اچھا اس کے نیک عملوں کا ان نعمتوں کے ساتھ تول کر اندازہ کیا جاتے جو نعمتیں اس کو دنیا میں دی گئی تھیں، اس اندازہ میں عابد کے سب نیک عمل فقط آنکھوں کی نعمت کے بدلے میں برابر ہو جائیں گے۔ آخر قائل ہو کر وہ عابد اللہ کی رحمت سے جنت میں جانے کا اقرار کرے گا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ان ہی نعمتوں کا شکر یہ آدمی کے ذمہ ہونے سے صحیح[2] حدیثوں میں آیا ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکتا۔ عطا کے ساتھ حساب کا لفظ جو فرمایا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ حساب بھی ایک عطا ہے۔ کیونکہ ہر نیکی کا بدلہ ٹھہرا ہونے کی جگہ دس سے لے کر سات سو تک کبھی اس سے بھی زیادہ کا حساب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ٹھہرایا ہے۔ جس کا ذکر صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔

۳۷ تا ۴۰۔ اوپر ذکر تھا کہ جس شخص کو نیک عملوں کے بدلہ میں جنت ملے گی وہ محض عطائے الٰہی کے طور پر ملے گی۔ ان آیتوں میں اس بیشمار عطا کی صراحت یوں فرمائی کہ زمین آسمان جنت اور نیکی کے ثواب کے درجہ کو بڑھانا سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے وہ جس کو جو کچھ چاہے عطا کے طور پر دے دیوے آس کی بارگاہ میں کچھ کمی نہیں۔ وہ رحمٰن ہے اس کی رحمت بندوں پر عام ہے۔ پھر فرمایا باوجود اس عام رحمت کے اس کا جلال بھی ایسا ہے کہ قیامت کو جب اس سے آمنا سامنا ہوگا تو بغیر اس کے حکم کے اس سے کوئی بات نہ کر سکے گا۔ حضرت عبداللہ[3] بن عباسؓ کا مشہور قول یہی ہے کہ اس آیت میں روح سے

[1] الترغیب والترہیب فصل فی ذکر الحساب وغیرہ ص ۹۲۳ ج ۴۔ لکن رواہ عن جابر رضی اللہ عنہ وفی روایۃ الطبرانی عن واثلہ بن الاسقع بمعناہ ص ۹۲۲ ج ۴

[2] صحیح مسلم باب لن یدخل الجنۃ احد بعملہ الخ ص ۳۷۶ ج ۲ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۵ ج ۴۔

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ج

کوئی نہیں بولتا مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے اور بولا ٹھیک بات وہ دن ہے تحقیق۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا ہم نے خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک کی جس دن دیکھ لے آدمی

مراد بنی آدم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حشر کے دن بنی آدم اور ملائکہ اللہ کے روبرو صف باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ صحیح حدیثوں کے موافق یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب اللہ تعالیٰ نیک و بد کے فیصلہ کے لیے آسمان سے زمین پر میدانِ محشر میں نزول فرمائے گا اور لوگ سورج کی گرمی اور پسینہ سے گھبرائیں گے۔ اور حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک سب انبیاء کے پاس حساب و کتاب شروع ہو جانے کے لیے جائیں گے اور کسی نبی کی جرأت اور طاقت اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کی نہ ہوگی آخر خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بات کرنے کا حکم ہوگا، اور آپ کی شفاعت سے سب لوگوں کا حساب و کتاب شروع ہوگا۔ چنانچہ اس کا ذکر تفصیل سے اوپر گزر چکا ہے۔ وقال صوابا کے یہ معنے ہیں کہ جس طرح اُس دن بغیر حکم اللہ تعالیٰ کے اُس سے کوئی بات نہ کر سکے گا اُسی طرح اُس کی مرضی کے خلاف کوئی کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی مرضی کے خلاف اپنے باپ آذر کی بخشش یا تخفیفِ عذاب کی سفارش نہ کر سکیں گے سورہ انبیاء میں ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ۔ وقال صوابا کی گویا تفسیر ہے۔ پھر فرمایا جس دن کے حساب و کتاب اور عذاب سے اِن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے اُس دن کا پیش آنا ایسا یقینی اور اُس کی صداقت ایسی ایک حق بات ہے کہ جس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ کس لیے کہ جن آیاتِ قرآنی میں قیامت کے آنے کا ذکر ہے اُن آیتوں کو یہ قیامت کے منکر لوگ محض ہٹ دھرمی سے جھٹلا رہے ہیں۔ اگر اس ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اپنی آنکھوں کے سامنے کے انتظامِ دنیا پر بھی یہ لوگ ذرا غور کریں تو اُن کی سمجھ میں اچھی طرح یہ بات آسکتی ہے کہ خود موجودہ انتظام اس کا مقتضی ہے کہ دنیا کے ختم کے بعد قیامت جیسے ایک دن کی سخت ضرورت ہے کیونکہ دُنیا میں بہت سے نیک لوگ ایسے ہیں کہ عمر بھر دُنیا کی اکثر راحتوں سے محروم رہے اور بہت سے بد لوگ ایسے ہیں کہ دنیا کی ہر طرح کی راحت میں اُن کی ساری زندگی بسر ہوئی۔ اب دُنیا کے چھوٹے چھوٹے حاکم و آقا تو اس بات کو بڑی ناانصافی گنتے ہیں کہ نیک و بد نوکر یا غلام کو ہمیشہ ایک حالت میں رکھا جائے، اُس احکم الحاکمین کے انصاف پر یہ دھبہ کون لگا سکتا ہے کہ اُس کی بارگاہ میں نہ نیکی کا کچھ ثمرہ ہے نہ بدی کی کوئی پرسش۔ چنانچہ اِسی مطلب کو سورۃ جاثیہ میں اِن لفظوں سے ادا فرمایا ہے ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلهم کالذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سواء محیاهم ومماتهم ساء ما یحکمون وخلق الله السمٰوٰت والارض بالحق ولتجزیٰ کل نفس بما کسبت وهم لا یظلمون اور اسی مطلب کی تاکید سورۃ نون میں ان لفظوں سے فرمائی ہے افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون۔ ان آیتوں کے اصلی معنے تو سورۃ جاثیہ اور سورۃ نون میں گزر چکے۔ یہاں حاصل مطلب اِسی قدر ہے کہ آخرت کا حال کسی نے آنکھ سے تو ابھی تک دیکھا نہیں، ہاں وہاں کا حال دنیا میں اُسی قدر کسی کو معلوم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے اپنے رسول کو بتا دیا ہے۔ وہ حال تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انصاف میں یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ وہ دنیا کو دُنیا کی ہی حالت پر رکھے

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾ ع

جو آگے بھیجا اُس کے ہاتھوں نے اور کہے منکر کسی طرح میں مٹی ہوتا ۔

## اٰیاتھا ۴۶ — (۷۹) سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ (۸۱) — رکوعاتھا ۲

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ سورۃ مکی ہے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿١﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿٢﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿٣﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿٤﴾

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی ڈوب کر، اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر ۔ اور پیرنے والوں کی پیر نے کر ۔ پھر آگے بڑھتے دوڑ کر ۔

اور ختم دُنیا کے بعد دُوسرا جہان سزا اور جزا کے لیے نہ پیدا کرے اور فرمانبرداروں اور نافرمانبرداروں کو یکساں کر دے، اس کے سوا اٹکل پچو باتیں جو یہ نافرمان لوگ بناتے ہیں وہ اُن کی باتیں بالکل بے ٹھکانے ہیں۔ پھر فرمایا جب قیامت کا آنا یقینی ہے تو آدمی کو چاہیے کہ اُس دن خدا کو اچھی طرح مونہہ دکھانے کے ارادہ سے جہاں تک ہو سکے نیکی کرے اور جس عذاب سے اُس کو ڈرایا گیا ہے اُس سے ڈر کر بُرے کاموں سے پرہیز کرے اور یہ خوب جان لے کہ دنیا میں نیک و بد جو کچھ کرے گا اُس دن وہ سب اُس کے سامنے آنے والا ہے۔ دو روزنامچہ نویس خدا کی طرف سے ہر ایک شخص پر مقرر ہیں، رات دن انسان کے ہر قول و فعل کو لکھ لینا ہی ان کا کام ہے۔ شدادؓ بن اوس اور عبداللہ بن عمر کی روایتیں اُوپر گذر چکی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صاحب عقل وہی ہے جو زندگی میں موت کے بعد کا کچھ سامان کر لے اور کم عقل وہ ہے جو عمر بھر بُرے کاموں میں لگا رہے اور موت کے بعد پھر راحت کی توقع رکھی۔ بخاریؒ اور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صحت اور فارغ البالی اللہ تعالیٰ کی یہ دو بڑی نعمتیں ہیں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دو نعمتیں دیں اور پھر وہ اللہ کی عبادت سے غافل رہے تو ایسے لوگ بڑے ٹوٹے میں ہیں۔ ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ پھر فرمایا جو کوئی اس فہمایش کے بعد بھی عقبیٰ کے انکار پر اڑا رہے گا تو اُس کو وہاں ایسا پچھتاوا ہوگا کہ وہ عذاب کی سختی کے خیال سے یہ آرزو کرے گا وہ خاک ہو جاتا تو اچھا ہوتا۔ صحیح مسلمؒ ترمذی، مسند امام احمد میں جو حضرت ابوہریرہ سے روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن یہاں تک انصاف ہوگا کہ اگر کوئی سینگ والا جانور بغیر سینگ والے جانور کو مار بیٹھا ہوگا تو اُس سے بھی بدلہ لیا جائے گا۔ بیہقی، تفسیر ابنؒ جریر، ابن ابی حاتم کی روایتوں میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اس بدلہ کے بعد سب جانوروں کو خاک ہو جانے کا حکم ہوگا اور وہ خاک ہو جائیں گے۔ جانوروں کی یہ حالت دیکھ کر حشر کے منکر لوگ یہ آرزو کریں گے کہ وہ بھی اسی طرح خاک ہو جاتے تو عذاب سے بچ جاتے ؛

آیات ۵ - صحیح حدیثوں میں اللہ کے فرمانبردار لوگوں کی جان آسانی سے نکلنے کا اور نافرمان لوگوں کی جان سختی سے نکلنے کا ذکر آیا ہے

---

لہ مشکوۃ شریف باب فی استحباب المال والعمر للطاعۃ فصل ثانی ص ۴۵۱ ۔ والترغیب والترہیب فی ذکر الموت الخ ص ۲۴۴ ج ۴ و جامع ترمذی ابواب صفۃ القیمۃ ص ج

لہ صحیح بخاری کتاب الرقاق ص ۹۴۹ ج ۲ لہ جامع ترمذی ابواب الزھد ص ۵۶ ج ۲ لہ صحیح مسلم باب تحریم الظلم ص ۳۲۰ ج ۲ لہ تفسیر الدر المنثور ص ج ۶

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۷ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ
پھر کام بناتے ہیں حکم سے جس دن کانپے گی کانپنے والی اس کے پیچھے دوسری کتنے دل اس دن

وَّاجِفَةٌ ۝۸ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝۱۰ ءَاِذَا
دھڑکتے ہیں ان کے نیوا نیوے ہیں لوگ کہتے ہیں کیا ہم پھیر دیں گے الٹے پاؤں کیا جب

كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝۱۱ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝۱۲ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳
ہو چکے ہم ہڈیاں کھوکھری بولے تو تو پھر آنا ٹوٹا ہے سو وہ تو ایک جھڑکی ہے۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝۱۴
پھر تبھی وہ آرہے ہیں میدان میں۔

وقف لازم وقف لازم وقف لازم

اور آگے کی آیتوں میں نافرمان اور فرمانبردار لوگوں کا تذکرہ بھی ہے۔ اس واسطے اگرچہ بعضے مفسروں نے والنازعات و الناشطات کی تفسیر میں اور اور کچھ بھی لکھا ہے۔ مگر امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود اور حضرت ... نے ان لفظوں کی تفسیر سختی اور آسانی سے جان کھینچنے والے فرشتوں کی جو قرار دی ہے۔ یہی تفسیر صحیح حدیثوں کے مضمون کے موافق ہے۔ ان حدیثوں میں ایک حدیث براء بن عازب کی سند معتبر سے مسند امام احمد اور ابوداؤد کی روایتوں میں ہے جو نازعات اور ناشطات کی پوری تفسیر ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرمانبردار لوگوں کی قبض روح کے وقت اچھی شکل کے فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں اے نیک روح اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور مغفرت کی ہم تجھ کو خبر دیتے ہیں جلدی سے جسم کو چھوڑ دے۔ یہ خوشخبری سن کر وہ نیک روح جسم کو چھوڑ کر اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے جس طرح مشک کا دہانہ کھول دینے سے مشک کا پانی نکل آتا ہے۔ اسی طرح نافرمان لوگوں کی قبض روح کے وقت خوفناک صورت کے فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں اے بد روح جسم سے نکل، خدا کے غضب سے تیرا سامنا پڑنے والا ہے۔ یہ خوفناک خبر سن کر وہ روح آدمی کے جسم میں جگہ جگہ چھپتی پھرتی ہے اور فرشتے اس کو گھسیٹتے ہیں۔ آخر بڑی دشواری سے جسم کو چھوڑتی ہے۔ سابحات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ہر طرح کا حکم بجالانے کے لیے آسمان سے زمین پر اس طرح جلدی سے اترتے ہیں جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہے۔ سابقات سے وحی کے انبیاء تک پہنچانے میں سبقت اور جلدی کرنے والے فرشتے اور مدبرات سے وہ فرشتے مراد ہیں جو آسمان سے ہر ایک کام کی تدبیر اور انتظام کے لیے زمین پر اترتے ہیں ٭

۶ تا ۱۴۔ اوپر کی قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں پہلے صور سے دنیا کے اجڑ جانے اور دوسرے صور سے حشر کے ہو جانے کا ذکر فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ حشر کا برپا ہونا ایسا یقینی ہے جس طرح قسم کھانے کے بعد کوئی بات یقینی ہو جاتی ہے۔ راجفۃ سخت آواز کو کہتے ہیں یہاں مراد اس سے پہلا صور ہے۔ رادفۃ وہ چیز ہے جو پہلی چیز کے بعد آئے یہاں اس سے مراد دوسرا صور ہے جو پہلے صور کے بعد پھونکا جائے گا۔ واجفۃ کے معنے خوف زدہ کے ہیں۔ حافرۃ

؎۱ تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۰ ج ۶ ؎۲ ابوداؤد باب فی المسألۃ فی القبر وعذاب القبر کتاب السنۃ ص ج ۲۔

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ﴿۱۵﴾ اِذۡ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذۡهَبۡ

کچھ پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی ۔ جب پکارا اُس کو اُس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طوٰی ہے ، جا

اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰٓى اَنۡ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ

فرعون پاس اُس نے سر اُٹھایا پھر کہہ تیری چاہتا ہے کہ تو سنور ے اور راہ بتاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف

فَتَخۡشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الۡاٰيَةَ الۡكُبۡرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ يَسۡعٰى ﴿۲۲﴾

پھر تجھ کو ڈر ہو ۔ پھر دکھائی اُس کو وہ بڑی نشانی پھر جھٹلایا اُس نے اور نہ مانا پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ۔

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ وَالۡاُوۡلٰى ﴿۲۵﴾

پھر سب کو جمع کیا پھر پکارا ، تو کہا میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر پھر پکڑا اُس کو اللہ نے سزا میں پچھلی کے اور پہلی کے ۔

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ﴿۲۶﴾

بے شک اس میں سوچ کی جگہ ہے جس کو ڈر ہے ۔

معنے قبر کے ہیں ۔ حاصل یہ ہے کہ حشر کے منکر لوگ کہتے تھے کہ جب قبر میں بدن گل سڑ گیا اور ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں تو پھر کیا دوبارہ جی سکتے ہیں اور اگلے پچھلے سب جئے تو ایک ایک چیز کے ہزاروں مدعی بنیں گے ۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے یہ سب باتیں اُن کی مسخراپن کے طور پر تھیں ۔ اس لیے جھڑکی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کے جواب میں فرمایا کہ جب دوبارہ جینے کا وقت آئے گا تو دوسرے صور کی ایک ہی آواز سے یہ سب قبروں سے اٹھ کر محشر کے میدان میں آن کھڑے ہوں گے ۔ زجرۃ واحدۃ سے مراد دوسرے صور کی آواز ہے زجر کے معنی جھڑکنے کے ہیں ۔ منکرین حشر کی مسخراپن کی باتوں کے جواب میں اس جھڑکی کے لفظ کو دوسرے صور کی آواز کے معنوں میں استعمال فرمایا ہے ۔ ساھرۃ کے معنے میدان کے ہیں ۔ یہ میدان اُس نئی زمین کا ہے جس پر حشر برپا ہوگا ۔ اس میں کوئی پہاڑ یا ٹیلہ نہ ہوگا ۔ صرف میدان ہی ہوگا ۔ اس نئی زمین کا صحیح حدیثوں میں ذکر آیا ہے ❖

۱۵ تا ۲۶ ۔ اوپر قیامت کا ذکر تھا ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ یاد دلا کر اہل مکہ کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ عذاب الٰہی کچھ قیامت پر ہی منحصر نہیں ۔ اگر یہ لوگ اللہ کے رسول کے جھٹلانے پر اپنی عادت کے موافق اڑے رہے تو اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ جس طرح رسول وقت کی نافرمانی سے فرعون پر دنیا میں آفت آ گئی ۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی آفت آ جائے چنانچہ اس تنبیہ کی غرض سے اس قصہ کے ذکر کے بعد فرمایا کہ جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہے اُس کو اس قصہ سے نصیحت پکڑنی چاہیے ۔ اسی طرح کی تنبیہ کے مطلب کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الم سجدہ میں ان لفظوں سے ادا فرمایا ہے ۔ ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون ۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے ۔ اس مکی سورۃ کے وعدہ کے موافق ہجرت کے بعد اہل مکہ پر بدر کی لڑائی میں بڑی آفت آئی جس میں اُن کے ستر آدمی قتل اور ستر قید ہو گئے ❖

ك صحیح بخاری باب یقبض اللہ الارض ص ۹۶۵ ج ۲ ۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا

کیا تم مشکل ہو بنانے میں یا آسمان اُس نے وہ بنایا۔ اُونچی کی اُس کی بلندی پھر اُس کو صاف کیا اور اندھیری کی رات اُس کی

وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾

اور کھول نکالی اُس کی دھوپ اور زمین کو اُس کے پیچھے صاف بچھایا نکالا اُس سے اُس کا پانی اور چارا

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾

اور پہاڑوں کو بوجھ رکھا کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے۔ پھر جب وہ آئے بڑا ہنگامہ

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾

جس دن یاد کرے آدمی جو اُس نے کمایا اور نکال رکھی دوزخ جو چاہیے دیکھے جو جس نے شرارت کی۔

۲۷ تا ۳۳۔ سورۂ عم یتساءلون میں جس طرح حشر کے منکر لوگوں کے قائل کرنے کو اُن کی آنکھوں کے سامنے کی چند چیزوں کا ذکر فرمایا تھا۔ حشر کے ذکر کے بعد یہاں بھی چند عجائبات کا ذکر اسی غرض سے فرمایا ہے کہ ان عجائبات کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کسی صاحب عقل کا کام نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت سے انکار کرے کہ ایک دفعہ ان سب عجائبات کو پیدا کر کے دوسری دفعہ ان میں سے جو کچھ وہ چاہے اُس کا پیدا کرنا اُس کی قدرت سے کچھ بعید ہے۔ اِن آیتوں کو سورۂ حٰم السجدہ کی آیتوں سے ملا کر پڑھنے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ پہلے زمین کو بنایا پھر آسمان کو پیدا کیا۔ پھر زمین پھیلائی اور پھر آسمان کو یکساں اور برابر کیا۔ سمک کے معنے بلندی کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان کو زمین سے پانسو برس کے راستہ کی بلندی پر بغیر کسی سہارے کے کس حکمت سے بنایا۔ پھر جس طرح سے اوّل آسمان زمین کی چھت ہے۔ اسی طرح اسی فاصلہ پر ہر ایک آسمان دوسرے آسمان کی چھت ہے۔ حاصل یہ کہ جو ایسی عظیم الشان انسان کی سمجھ سے باہر چیزوں کے بنانے کی قدرت رکھتا ہے، ایک دفعہ پیدا کر کے پھر دوبارہ انسان کو پیدا کرنا اُس کی قدرت کے آگے کیا مشکل ہے۔ دن اور رات کا تعلق آسمان سے یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں آسمان کی حرکت کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں۔ زمین کا پانی نکالنے سے مطلب دریا اور ندیاں اور چشمے ہیں۔ مرعیٰ کے معنے جانوروں کے چارے کے ہیں۔ پہاڑوں کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

۳۴ تا ۴۱۔ دنیا کی موجودات کے ذکر کے بعد قیامت کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ موجودات ہمیشہ رہنے والی چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب موجودات ایک دن اجڑ کر اُس کے بعد سزا و جزا کا دوسرا نظام قائم ہوگا جس کا نام قیامت ہے۔ طامّہ اُس آفت کو کہتے ہیں کہ جس کی برداشت نہ ہو سکے۔ یہاں طامّہ سے مطلب قیامت ہے۔ اُس دن دوزخ کو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لایا جائے گا۔ سورج ایک میل کے فاصلہ کی بلندی پر آجاتے گا۔ ادھر سورج کی گرمی اور اُدھر دوزخ کی آگ کی گرمی۔ اس لیے پسینہ کی وہ حالت ہوگی کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہیں گے۔ نیکی بدی کے تولے جانے کا پل صراط پر گزرنے کا جدا خوف لگا ہوگا۔ غرض ایسی ایسی خوفناک آفتیں اُس دن آدمی کو پیش آنے والی ہیں جس کی برداشت اس قدر مشکل ہے کہ جس کو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے والساعۃ ادھیٰ وامر جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی بڑی آفت اور سختی کی گھڑی ہے۔ پھر جب انسان اُس دن دیکھے گا کہ بغیر نیک عمل کے اِن آفتوں سے نجات نہیں مل سکتی تو اُس وقت

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

اور بہتر سمجھا دُنیا کا جینا سو دوزخ ہی ہے اُس کا ٹھکانا اور جو کوئی ڈرا اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے سے

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ

اور روکا اُس نے جی کو چاؤ سے سو بہشت ہی ہے اُس کا ٹھکانا۔ تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی

اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ

کب ہے ٹھہراؤ اُس کا تجھ کو کیا کام اُس کے مذکور سے۔ تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اُس کی تو تو ڈر سنانے کو ہے

مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

اُس کو جو اُس سے ڈرتا ہے ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اُس کو کہ دیر نہیں لگی اُس کو مگر ایک شام یا صبح اُس کی۔

ع ۲ / ۲۰ / ۴

ہر شخص اپنے نیک و بد عملوں کو سوچے گا مگر اُس وقت کا سوچنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اُس وقت تو یہی انجام ہوگا کہ جس شخص نے فقط دنیا کے عیش و عشرت میں اپنی ساری عمر گنوائی۔ اور اُس عیش و عشرت میں عقبیٰ کو بالکل بھولا رہا وہ دوزخی قرار پائے گا اور جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے رُوبرو کھڑے ہونے کا کھٹکا لگا رہا۔ اور اس کھٹکے کے سبب سے وہ اپنے جی کو بُرے کاموں سے ہمیشہ روکتا اور نیک کاموں میں جی کو لگاتا رہا وہ جنتی ٹھہرے گا۔ ترمذی[۱] مستدرک حاکم بیہقی طبرانی وغیرہ میں معتبر اسناد سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک وہ آدمی ہے جس نے دنیا میں بڑی عمر پائی اور نیک کاموں میں لگا رہا اور بد وہ ہے جس نے دنیا میں بڑی عمر پائی اور اُس کو بُرے کاموں میں گنوایا۔ شداد[۲] بن اوس اور عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایتیں اوپر گزر چکی ہیں کہ وہ شخص بڑا کم عقل ہے جو عمر بھر بُرے کاموں میں لگا رہا۔ اور پھر مرنے کے بعد راحت کی توقع رکھی۔ اُس دن آدمی کو نیک عمل کی بڑی قدر ہوگی۔ چنانچہ مسند[۳] امام احمد میں معتبر سند سے محمد بن ابی عمیرہ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عمر بھر نیک کاموں میں جہاں تک ہو سکا لگا رہا اُس کو بھی اُس دن یہ پچھتاوا ہوگا کہ اُس نے اور زیادہ نیک عمل کیوں نہیں کیے کہ زیادہ ثواب کا مستحق ٹھہرتا۔ 

۴۲ تا ۴۶۔ نسائی، مستدرک[۴] حاکم مسند بزار مسند عبد بن حمید وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ جب تک یہ آیتیں نازل نہیں ہوئی تھیں اُس وقت تک ٹھٹھے کے طور پر اکثر مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کا حال پوچھا کرتے تھے۔ جب یہ آیتیں نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے یہ جتلایا کہ قیامت کے آنے کا وقت سوا اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں تو مشرکین مکہ اور ٹھٹھے کی باتیں کرتے تھے، مگر عاجز آ کر قیامت کا حال پوچھنا انھوں نے کم کر دیا تھا۔ ان روایتوں میں بعض صحیح ہیں اور باقی کی تقویت صحیح روایتوں سے ہو جاتی ہے۔ صحیح حدیث[۵] اوپر گزر چکی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سائل کی صورت بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے چند مسئلے پوچھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے جواب دیئے

---

[۱] جامع ترمذی۔ باب ما جاء فی طول العمر للمؤمن ص ۶۸ ج ۲ [۲] تفسیر ہذا جلد ہذا ص ۱۰۱ [۳] جامع ترمذی ابواب صفۃ القیٰمۃ ص ۸۲ ج ۲۔

[۴] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۴ ج ۶ [۵] صحیح مسلم کتاب الایمان ص ۲۷ ج ۱۔

آیاتھا ۴۲ —— (۸۰) سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (۲۴) —— رکوعھا ۱

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ سورۃ مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ③ اَوْ يَذَّكَّرُ

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس سے کہ آیا اس پاس اندھا اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا یا سوچتا

فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ

تو کام آتا اس کے سمجھانا وہ جو پرواہ نہیں کرتا سو تو اس کے فکر میں ہے اور تجھ پر کچھ گناہ نہیں

جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قیامت کے آنے کا وقت پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس بات سے میں اور تم دونوں انجان ہیں غرض بہت سی صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوا اللہ تعالیٰ کے قیامت کے آنے کا وقت کسی انسان یا فرشتے کو معلوم نہیں ہے۔ صحیح حدیثوں میں ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ اس لیے اس کے اور اس کی آفتوں کے مقابلہ میں حشر اور قیامت کے منکروں کو دنیا کا رہنا بالکل تھوڑا نظر آئے گا۔

۱تا۱۶۔ ترمذی صحیح ابن حبان مستدرک حاکم تفسیر عبدالرزاق وغیرہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ سے جو روایتیں ہیں جن کو ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ حاصل ان روایتوں کا یہ ہے کہ ابی ابن خلف ایک شخص مشرک کو ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اسلام کی خوبی کی باتیں سمجھا رہے تھے کہ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم صحابی نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف کی ایک آیت پوچھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ بن ام مکتوم کا یہ قطع کلام ذرا شاق گزرا۔ اور آپؐ نے تیوری چڑھائی۔ اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائی۔ ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد سے جب عبداللہ بن ام مکتوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خاطر کیا کرتے تھے اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر خفا ہوا ہے۔ بعضی روایتوں میں بجائے ابی بن خلف کے ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کا نام جو اس قصہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان روایتوں کی سند صحیح نہیں ہے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم مہاجرین اولین میں سے ہیں مشہور نام تو ان کا عبداللہ ہے لیکن بعضی روایتوں میں ان کا نام عمرو بن ام مکتوم آیا ہے۔ غرض مکتوم ان کی ماں کا نام ہے۔ جہاد میں جاتے وقت تیرہ مرتبہ کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عبداللہ بن ام مکتوم کو خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑا ہے۔ لفظ عبس وتولے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب ٹھہرا کر جو باتیں کی ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں ترک اولیٰ کے طور پر جو ایک بات ہو گئی تھی اس کو نہایت مہربانی سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح جتلایا کہ گویا یہ بات چیت کسی دوسرے سے ہے۔ عبداللہ بن ام مکتوم کے سنور جانے کا یہ مطلب ہے کہ آئندہ اسلام میں وہ اور پکے ہو جاتے۔ کیونکہ وہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور نصیحت سن کر نفع اٹھانے کا

ف۱ صحیح مسلم باب اثم مانع الزکوٰۃ ص ۳۱۸ ج ۱ ف۲ تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۴ ج ۶ ف۳ جامع ترمذی۔ تفسیر سورہ عبس ص ۱۹۱ ج ۲

أَلَّا يَزَّكَّىٰ ⑦ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ⑧ وَهُوَ يَخْشَىٰ ⑨ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ⑩ كَلَّا

کہ وہ نہیں سنورتا اور جو آیا تیرے پاس دوڑتا اور وہ ڈرتا ہے سو تو اُس سے غفلت کرتا ہے یُوں نہیں

إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ⑫ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ⑭

یہ تو سمجھوتی ہے ۔ پھر جو کوئی چاہے اُس کو پڑھے لکھے ادب کے ورقوں میں اُونچے دھرے ستھرے

بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ⑯ قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ⑰ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ

ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو سردار ہیں نیک ۔ مارا جائیو آدمی کیسا ناشکرا ہے کس چیز سے

یہ مطلب ہے کہ آگے کو انھیں نیک عمل کا شوق زیادہ ہوتا ۔ پھر فرمایا جو کوئی اپنی آسودہ حالی کے گھمنڈ میں اللہ کا کلام سننے سے بے پروائی کرتا ہے اس کی طرف متوجہ ہونا اور جو اللہ کے خوف سے اللہ کے کلام کے سننے کے شوق میں اپنے گھر سے دوڑتا ہُوا آیا ۔ اُس سے کم توجہی کرنا یہ اللہ کو پسند نہیں ۔ اب جو ہُوا سو ہُوا ۔ آیندہ ایسا نہیں کرنا چاہیے ۔ اللہ کا کلام غریب آسودہ حال ، سب کو یکساں حالت سے سُنا دینا چاہیے ۔ پھر اُس کو سن کر ۔ جو راہِ راست پر نہ آئے گا تو اپنا کچھ کھوئے گا ۔ اے نبی اللہ کے ایسے شخص کا کچھ بار تم پر نہیں ۔ کیونکہ جب تم نے اللہ کا حکم سب کو پہنچا دیا تو تمھارا فرض ادا ہو گیا ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی عظمت جتلائی کہ یہ کلام ساتویں آسمان پر کی باعزت بلند ستھری جگہ لوحِ محفوظ سے عزیز فرمانبردار فرشتوں نے نقل کیا ہے ۔ اللہ کے نزدیک اس کلام کی بڑی قدر ہے وہ لوگ بڑے ناقدرے ہیں جو اس کی قدر نہیں کرتے ۔ چنانچہ اس مطلب کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام میں ان لفظوں سے ادا فرمایا ہے وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیٔ حاصل یہ ہے کہ اہلِ مکہ پر قرآن کا کلام خدا ہونا تو اس سبب سے ثابت ہو چکا تھا کہ باوجود دعویٰ فصاحت کے وہ لوگ ایسی ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا کر نہ لا سکے ۔ اب جن پر یہ قرآن نازل ہوتا تھا ۔ ان کو اللہ کا رسول اس لیے ماننا ضرور ہے کہ بغیر وحی آسمانی کے کوئی ایسا کلام بنا نہیں سکتا ۔ اس کے بعد اہلِ مکہ کا قرآن اور اللہ کے رسول کو جھٹلانا بڑی ناقدری تھی کہ ایسے بڑے باعظمت کلام کو وہ لوگ جھٹلاتے تھے جس کی عظمت نے ان کے دعوٰے فصاحت کو خاک میں ملا دیا ۔

سفر جمع ہے سافر کی ، جس کے معنے کاتب کے ہیں ۔ مطلب وُہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ کاتب فرشتوں نے اس قرآن شریف کو لوحِ محفوظ سے نقل کیا ہے ۔ معتبر سند سے دلائل النبوۃ ، بیہقی ، تفسیر ابن جریر ، ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایتیں ہیں ، اُن کا حاصل یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں کاتب ملائکہ نے ایک دفعہ سارے قرآن کو لوحِ محفوظ سے نقل کیا ۔ اور وہ ان کاتب ملائکہ کے صحیفوں میں حفاظت سے آسمان دنیا پر رکھا رہا ۔ اور حسبِ ضرورت وقت بوقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہُوا ۔

۷ اتا ۳۱ ۔ اوپر ذکر تھا کہ اہلِ مکہ قرآن کو کلامِ الٰہی جان چکے تھے مگر بجائے اس کے کہ وہ اللہ کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرتے کہ اس نے ان لوگوں کی اصلاح اور ان کے بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملتِ ابراہیمی کے پھر دنیا میں قائم ہو جانے کی مصلحت سے اپنے رسول کی معرفت ان لوگوں پر یہ کلام بھیجا ۔ ان لوگوں نے یہ ناشکری اور اللہ کے کلام کی یہ ناقدری کی کہ اس کو جھٹلایا

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۹ ج ۴ و تفسیر الدر المنثور ص ۳۲۰ ج ۶ ۔

خَلَقَهُ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهُ

بنایا اُس کو ایک بوند سے، بنایا اُس کو پھر اندازہ رکھا اُس کا پھر راہ آسان کردی پھر اُس کو مُردہ کیا

فَاَقْبَرَهُ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهُ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهُ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ

پھر قبر میں رکھوایا اس کو، پھر جب چاہا اٹھا نکالا اُس کو کوئی نہیں پورا نہیں کیا جو اُس کو فرمایا اب نگاہ کرے

الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾

آدمی اپنے کھانے کو، کہ ہم نے ڈالا پانی اُوپر سے گرتا پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر،

اب اُس ناشکری کے ذکر کو پورا کرنے کے لیے ان آیتوں میں فرمایا کہ انسان کی ناشکری کچھ اس پر منحصر نہیں ہے جس کا ذکر اوپر گزرا بلکہ انسان تو ایسا بڑا ناشکرا ہے کہ اللہ نے اُس کو ناچیز شے ایک پانی کی بوند سے مناسب اعضاء میں بنایا۔ پیدائش کا وقت اُس پر ایک مشکل کا وقت تھا اُس کو آسان کیا اور پھر طرح طرح کی چیزیں اُس کی زیست بھر کی ضرورت کی پیدا کیں اور جب اُس کی زیست پوری ہوگئی تو عقبیٰ کے انتظام کی مصلحت سے اُس کی رُوح قبض کی اور اُس کی لاش کو رواں دواں نہیں ہونے دیا کہ کتے کوے اُس کو کھاجائیں بلکہ مُردوں کو زمین میں دفن کرنے کی حکمت دُنیا میں ایجاد کردی تاکہ مُردہ کی لاش کا پردہ ڈھکا رہے۔ اِن سارے انتظاموں کو آنکھوں سے دیکھ کر اور اس کی قدرت کے لاکھوں کرشموں کا تجربہ کرکے بھی ناسمجھ انسان اُس صاحبِ قدرت کی اِس قدرت کا انکار کرتا ہے کہ وہ صاحبِ قدرت اس انسان کو پھر دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یہ ناسمجھ اتنا نہیں سمجھتا کہ اللہ تو وہ حکیم ہے جس کا ثانی نہیں۔ دُنیا کے معمولی عقل و سمجھ کے آدمی بھی دنیا کا جو کام کرتے ہیں اُس کا کوئی نہ کوئی انجام اپنے دل میں سوچ لیتے ہیں مثلاً مکان بنانے کا انجام اس میں رہنے کا، کھیتی کرنے اور باغ لگانے کا انجام اناج کے ہاتھ آنے اور میوہ کے کھانے کا ہوتا ہے۔ پھر اللہ کی حکمت اور تدبیر کو ان لوگوں نے کیا معمولی عقل اور سمجھ کے لوگوں کی عقل و سمجھ سے بھی کم سمجھا ہے کہ اُس نے دُنیا کے اتنے بڑے کارخانہ کو بغیر کسی انجام کے پیدا کیا ہے۔ دُنیا میں لوگ رہیں گے۔ کوئی اللہ کی نعمتوں کو بھول کر بتوں کو پوجے گا اور کوئی اللہ کی نعمتوں کے شکریہ میں اُس کا فرمانبردار بن کر اپنی زیست بسر کرے گا۔ پھر آخر مرنے کے بعد سب یکساں حالت میں ہو جائیں گے۔ نہ نیکوں کا کچھ اجر نہ بدوں کی کچھ پرسش۔ اللہ کی شان میں ایسی بدگمانی بڑی بے ادبی کی بات ہے۔ اس بے ادبی سے خفا ہو کر اس بے ادبی کے کرنے والوں کو یہاں قتل الانسان کے لفظوں سے خفگی فرمائی ہے۔ اور سورہ مومنون میں فرمایا افحسبتم انما خلقنکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون فتعالی اللہ الملک الحق۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ کی شان سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ دُنیا کو محض کھیل تماشے کے طور پر پیدا کرتا اور دُنیا کے ختم ہوجانے کے بعد نیک و بد کا کچھ انجام نہ ٹھہراتا۔ اسی واسطے اس آیت میں سب انتظام انسان کو جتلا کر فرمایا کلا لما یقض ما امرہ جس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود اِن احسانات کے اُن کے شکریہ میں انسان کو طاعتِ الٰہی بجالانے کا جو حکم تھا بجائے اس کے اس نے طرح طرح کی نافرمانی کی اور اللہ کی قدرت کو جھٹلایا۔ صحیح بخاری[۱] وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ

[۱] صحیح بخاری تفسیر سورہ اخلاص۔ ص ۷۴۳، ج ۲۔

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾

پھر اُگایا اس میں اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور باغ گھنے

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ

اور میوہ اور دوب کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چرپایوں کے۔ پھر جب آئے وہ غل جس دن

يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ

بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنے ساتھ والوں اور اپنے بیٹوں سے ہر مرد کو

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بنی آدم نے مجھ کو جھٹلایا اور یہ جھٹلانا اس کو مناسب نہ تھا اور وہ جھٹلانا اس کا یہ ہے کہ میں نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ مرنے کے بعد بنی آدم کو پھر پیدا کر کے سب نیک و بد کا حساب و کتاب ہوگا اور بنی آدم نے اس کو جھٹلایا۔ صحیح مسلم[1] میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سب لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے رُوبرو کھڑے ہوں گے تو جو لوگ عقبیٰ سے غافل تھے اللہ تعالیٰ ان کو دُنیا کی طرح طرح کی نعمتیں یاد دلائے گا۔ جب وہ ان نعمتوں کا اقرار کریں گے تو پھر اُن سے فرمائے گا کہ اِن نعمتوں سے خوش ہو کر کبھی تم نے مجھ کو بھی یاد کیا تھا وہ کہیں گے نہیں۔ فرمائے گا۔ اچھا آج میں نے بھی تم کو ویسا ہی بھلا دیا جیسا تم نے مجھ کو بھلا دیا تھا۔ اب ذرا غور کرنے کی جگہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی نظرِ رحمت سے اُس دن بھلا دے اُس کا انجام سوائے دوزخ میں جانے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سورہ جاثیہ میں فرمایا الیوم ننسٰکم کما نسیتم لقاء یومکم ھذا وماوٰکم النار ومالکم من ناصرین ذٰلکم بانکم اتخذتم اٰیات اللہ ھزوا وغرتکم الحیاۃ الدنیا فالیوم لایخرجون منھا ولاھم یستعتبون۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح تم نے آیاتِ قرآنی کو مسخراپن میں اڑا دیا اور دُنیا کے عیش و آرام میں پھنس کر آج کے دِن کی سزا و جزا کو تم بالکل بھول گئے، ویسا ہی معاملہ خدا کی طرف سے تمہارے ساتھ آج کیا جائے گا کہ بے یار و مددگار تم کو دوزخ میں ڈال دیا جاتے گا اور پھر تمہاری خبر نہ لی جائے گی کہ تمہارے اُوپر کیا گزری۔ قضب زمین کی وہ پیداوار جو سال میں کئی بار کاٹی جائے جیسے ترکاری یا بعض قسم کی گھانس غلبًا کے معنے موٹے اور گھنے درخت۔ اَب کے معنے خودرو چارہ +

۳۲ تا ۴۲۔ اوپر کی آیتوں میں انسان کے پیدا کرنے اور اس کی زیست بھر کے چند انتظاموں کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں حشر کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسان کی پیدائش اور اس کی زیست بھر کے انتظام اِسی انجام کے لیے ہیں کہ مرنے کے بعد ایک دفعہ اس کو پھر زندہ کیا جائے اور دُنیا کے سب نیک و بد کا حساب و کتاب ہو کر ہر ایک کی جزا و سزا کا فیصلہ اخیر صادر ہو جائے۔ حاصل یہ کہ دنیا فیصلہ اخیر کی روداد جمع ہو جانے کے لیے ہے۔ اور قیامت کا دِن اُس روداد کے موافق فیصلہ اخیر صادر کرنے کی پیشی کی تاریخ ہے۔ اور تمام دنیا کے مختلف روداد کے مقدمات کا فیصلہ اخیر ایک ہی وقت پر ہوگا۔ اس لیے دنیا کے ختم کے بعد کی یہ وسیع تاریخ پیشی قرار دی گئی۔ دوسرے صور کے پھونکے جانے اور تمام دنیا کے قبروں سے اٹھنے کا جو بہت بڑا غل شور ہوگا اس کو صاخہ فرمایا۔ صاخہ اس سخت آواز کو کہتے ہیں جس سے کان گنگ ہو جائیں۔ حشر کے دن ایک رشتہ دار

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الزھد۔ ص ۴۰۹ ج ۲۔

مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾

اُن میں سے اُس دن ایک فکر لگا ہے اُس کو بس ہے　کتنے منہ اُس دن　روشن ہیں　ہنستے　خوشیاں کرتے ۔

وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

اور کتنے منہ اُس دن اُن پر گرد پڑی ہے　چڑھتی ہے اُن پر سیاہی　وہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ ۔

ع ۱ / ۴۲

دوسرے رشتہ دار سے کچھ تو بدحواسی کے سبب سے بھاگے گا۔ کیونکہ عام لوگوں کی بدحواسی کا تو کیا ذکر ہے۔ صحیح حدیثوں[۱] کے مضمون کے موافق سوائے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سب انبیاء کے زبان پر نفسی نفسی کا کلمہ ہوگا۔ عام خلائق کی بدحواسی کا اندازہ اُس حدیث سے ہو سکتا ہے جو عبداللہ بن عباس کی روایت سے ترمذی نسائی وغیرہ میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حشر کے ذکر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اُس دن مرد و عورت سب ننگے اٹھیں گے۔ اس پر ایک بی بی نے عرض کیا کہ اس حالت میں تو ایک دوسرے کو ننگا دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا دوزخ کے میدان محشر میں لائے جانے سورج کے قریب ہو جانے کے سبب سے گرمی اور پسینہ کی تکلیف سب کو ایسا بدحواس کر دے گی کہ کوئی کسی کو ایسے وقت میں نہیں دیکھے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ علاوہ اس کے اُس دن ایک رشتہ دار کا دوسرے رشتہ دار سے کتراتے اور بھاگنے کا سبب یہ بھی ہوگا کہ اُس دن آپس کے ظلم اور زیادتی کا انصاف کا ڈھنڈورا پٹ جائے گا۔ چنانچہ مسند امام[۳] احمد میں معتبر سند سے عبداللہ بن انیس کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس کے ظلم و زیادتی کے انصاف کے لیے قیامت کے دن عام منادی کرا دی جائے گی کہ جس کا کوئی حق کسی پر ہو وہ اپنی فریاد پیش کرے اس کا انصاف کیا جائے گا۔ جس پر ایک دوسرے سے ظلم و زیادتی کا بدلا چاہیں گے اور اس طرح کا سخت بدلا چاہیں گے جو بیان سے باہر ہے چنانچہ مستدرک[۴] حاکم وغیرہ میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک بھائی اپنے بھائی پر ظلم و زیادتی کی فریاد پیش کرے گا اور اس ظلم و زیادتی کے معاوضہ میں اُس کی سب نیکیاں لے کر اپنے گناہ اُس پر ڈالنے کی خواہش کرے گا۔ یہ ذکر فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت روئے۔ اور فرمایا اللہ کی پناہ وہ دن بھی کیا آپادھاپی کا دن ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح[۵] کہا ہے۔ یہ تو اوپر گزر چکا ہے کہ اس دن سب ننگے اٹھیں گے۔ روپے پیسے کا پاس ہونا تو درکنار کسی کے تن پر کپڑا تک نہ ہوگا اس لیے صحیح حدیثوں کے مضمون کے موافق اُس دن ظلم و زیادتی کرنے والوں کے نیک عمل ظلم و زیادتی کے معاوضہ میں مظلوموں کو دیئے جائیں گے۔ اُس دن بعضے لوگوں کے چہروں پر رونق کا آجانا اور بعضوں کے سیاہی کا چھا جانا یہ اُس وقت ہوگا جب دائیں اور بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دے کر جنتی اور دوزخی کو چھانٹ دیا جائے گا۔ چنانچہ ترمذی[۶] صحیح ابن حبان وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں کے اعمال نامے

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب الرد علی الجہمیۃ الخ ص ۱۱۰۶ ج ۲ [۲] جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ عبس ص ۱۹۱ ج ۲ [۳] الترغیب والترہیب۔ فصل فی ذکر الحساب ص ۷۷۲ ج ۴ [۴] الترغیب والترہیب۔ باب فی ذکر الحساب ص ۷۷۰ ج ۴ [۵] ایضاً [۶] جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ بنی اسرائیل ص ۱۴۷ ج ۲۔

آیاتہا ۲۹ ——— (۸۱) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (۸) ——— رکوعہا ۱

سورۃ التکویر مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ② وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③ وَ

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جائے اور جب تارے میلے ہو جائیں۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور

اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ⑤ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥ وَ

جب بیاہتی اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑے اور جب دریا جھونکے جائیں اور

اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ⑦ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ⑧ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ⑨ وَاِذَا

جب جیوں کے جوڑے بندھیں اور جب بیٹی جیتی گاڑدی گئی کو پوچھے کس گناہ پر وہ ماری گئی اور جب

سیدھے ہاتھ میں دیئے جائیں گے، جنت میں جانے کی خوشی سے ان کے چہروں پر رونق آجائے گی۔ اور جن کے اعمال نامے اُلٹے ہاتھ میں دیئے جائیں گے، دوزخ میں جانے کے غم سے ان کے چہروں پر سیاہی چھا جائے گی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے، لیکن مسند بزار میں عبداللہ بن عباس کی ایک روایت ابوہریرہؓ کی اس روایت کے موافق ہے جس کو بزار نے صحیح کہا ہے۔ اس لیے ایک روایت کی تقویت دوسری روایت سے ہو جاتی ہے ❖

آتا ۱۴۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سورج اور چاند کو لپیٹ کر دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس حدیث کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ دنیا میں بعضے لوگ سورج اور چاند کو پوجا کرتے ہیں۔ اُن کے ذلیل کرنے کے لیے سورج اور چاند کو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا۔ مسند امام احمد ترمذیؒ مستدرک حاکم طبرانی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ منظور ہو کہ قیامت کو دنیا میں بھی اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لے تو اُس کو چاہیے کہ اذا الشمس کورت و اذا السماء انفطرت و اذا السماء انشقت پڑھے کہ ان سورتوں میں دنیا کے ختم ہونے اور قیامت کے قائم ہونے کا پورا حال ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث کو ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور مسند امام احمد کی سند بھی معتبر ہے۔ ہاں ترمذی کی روایت موقوف ہے لیکن وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات قرآن کی تفسیر میں عقل سے نہیں کہی جا سکتی۔ مسند ابویعلیٰ میں حضرت انسؓ کی روایت سے اس کی صراحت بھی آئی ہے کہ جو لوگ دنیا میں سورج اور چاند کو پوجتے ہیں قیامت کے دن ان کے قائل اور ذلیل کرنے کے لیے سورج اور چاند کو دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا۔ آیت انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ آیت کے مطلب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ سوا خدا کے سورج چاند وغیرہ کو پوجتے ہیں اُن کے ذلیل کرنے کو یہ فرمایا کہ تمہارے

لہ صحیح بخاری باب صفۃ الشمس والقمر بحسبان ص ۴۵۴ ج ۱ ۔ ۲ہ جامع ترمذی تفسیر سورۃ تکویر ص ۱۹۱ ج ۲ ۔ ۳ہ تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۵ ج ۴۔

الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَإِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَإِذَا

کاغذ کھولے جائیں اور جب آسمان کا چھلکا اتارا جائے اور جب دوزخ دہکائی جاوے اور جب

الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

بہشت پاس لائی جائے جان لے جی جو لے کر آیا۔

جھوٹے معبود سب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے جس کا حاصل یہ ہوا کہ سورج اور چاند کا دوزخ میں ڈالا جانا صرف اس کے پوجنے والوں کے ذلیل کرنے کے لیے ہوگا۔ حسن بصری اور ابو سلمہ راوی حدیث کا جھگڑا جو اس حدیث کے باب میں ہوا ہے وہ مشہور ہے کہ جب ابو سلمہ نے بصرہ کی مسجد میں حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے اس حدیث کی روایت کی تو حسن بصری نے کہا سورج اور چاند کا کیا قصور ہے جو ان کو دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا۔ ابو سلمہ نے خفا ہو کر جواب دیا کہ میں اللہ کے رسول کی حدیث بیان کرتا ہوں اور حسن بصری تم حدیث کے مقابلہ میں عقلی باتیں کرتے ہو۔ یہ سن کر حسن بصری چپکے ہو رہے۔ اس جھگڑے کی پوری تفصیل مسند بزار[۱] کی روایت میں ہے۔ اس قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تابعیوں کے زمانہ تک حدیث کی اتنی عظمت تھی کہ حدیث کے مقابلے میں عقلی بات کو منہ سے نکالنا بہت معیوب گنا جاتا تھا۔ اب قرب قیامت کے سبب سے یہ بات دنیا سے بالکل اٹھ گئی۔ تفسیر ابن جریر[۲] اور ابن ابی حاتم میں اذا الشمس کورت سے واذا البحار سجرت تک کی تفسیر میں ابی بن کعب سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ پہلے صور کی یہ چھ نشانیاں ہیں کہ سورج کی روشنی جاتی رہے گی۔ تارے زمین پر گر پڑیں گے۔ پہاڑ ٹوٹ کر اڑنے لگیں گے۔ حاملہ اونٹنیوں کو جو عرب میں بڑی عزیز چیز ہے، بدحواسی کے سبب سے لوگ چھوڑ دیں گے۔ جنگلی جانور گھبرا کر آدمیوں میں گھس آئیں گے دریا سلگ کر آگ ہو جائیں گے۔ تفسیر عبد[۳] بن حمید اور ابن منذر میں سلف سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اذا النفوس زوجت سے واذا الجنۃ ازلفت تک چھ نشان دوسرے صور کے وقت کے ہیں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس سے آدمیوں کے جسم بن کر تیار ہو جائیں گے۔ اب ان جسموں سے روحوں کا تعلق جو کیا جائے گا اس کو واذا النفوس زوجت فرمایا۔ یہی تفسیر سلف کے مشہور قول کے موافق ہے۔ مَوْءُدَةُ وہ لڑکی ہے جس کو عرب کی رسم کے موافق جیتا گاڑ دیا جاتا تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے وہ لوگ دامادی کے رشتہ کو ایک شرم کا رشتہ خیال کرتے تھے۔ قیامت کے دن اس جرم کی دریافت ہو کر قاتل کو سزا دی جائے گی۔ جب تک آدمی دنیا میں زندہ رہتا ہے اس کے ہر طرح کے عمل لکھے جاتے ہیں۔ قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے وہی کاغذ نکالے جائیں گے اور ہر شخص اپنے نامہ اعمال کو دیکھ کر اپنے عملوں کے حال سے خوب واقف ہو جائے گا۔ دوسرے صور کے بعد آسمان کے پھٹ جانے کا جو مطلب ہے وہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حشر کے میدان میں طرح طرح کا انتظام کرنے کے لیے آسمان سے زمین پر بہت سے فرشتے جو آئیں گے ان کے لیے بہت سے آسمان میں دروازے کئے جائیں گے۔ حال کے آسمان کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا پہلے صور کے وقت ہوگا جو اس کے علاوہ ہے۔ بخاری[۴] مسلم ترمذی وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے جو

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۵ ج ۴ [۲] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۸ [۳] ایضاً [۴] صحیح بخاری باب صفۃ النار وانہا مخلوقۃ ص ۴۶۲ ج ۲ و صحیح مسلم باب جہنم اعاذنا اللہ

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا

سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے سیدھے چلنے دبک جانے والوں کی اور رات کی جب اُس کا اٹھان ہو اور صبح کی جب

تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ

دم بھرے مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا قوت رکھتا تخت کے مالک پاس درجہ پایا ہوا کہا مانا گیا

ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا

وہاں کا معتبر ہے اور یہ تمھارا رفیق کچھ نہیں دیوانہ اور اُس نے دیکھا ہے اس کو کھلے کنارے آسمان پاس اور

روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کی موجودہ حرارت دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ ہے۔ اس پر قیامت کے دن اس کی آگ کو اور بھڑکایا جائے گا کہ اُس کے منکر اس کا خوب مزہ چکھیں۔ اپنے اپنے عمل کے موافق کوئی ہوا کی طرح کوئی تیز گھوڑے کی طرح اور کوئی پیدل کی طرح پلصراط کا راستہ طے کرکے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اس لیے واذا الجنۃ ازلفت کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص کو اس کے عمل کے موافق جنت کا راستہ قریب کر دیا جائے گا۔

۱۵ تا ۲۹۔ خنّس کے معنے پیچھے ہٹ جانے اور کنّس کے معنے نکلنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تارے جو دن کو سورج کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں اور رات کو نکل آتے ہیں ان کی اور اوّل شب کی تاریکی اور طلوع صبح کی تاکید کے طور پر قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کلام اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول فرمایا ہے۔ اگرچہ بعضے مفسروں نے لکھا ہے کہ انہ لقول رسول کریم میں رسول سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ لیکن صحیح قول وہی ہے جو امام المفسرین۱؎ حضرت عبداللہ بن عباس اور سلف نے فرمایا ہے کہ رسول سے مراد اس آیت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں کیونکہ مشرکین مکہ کبھی کہتے تھے انما یعلمہ بشر۔ کبھی کہتے تھے افترٰی علی اللہ کذبا ام بہ جنۃ۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کے قول کے جھٹلانے کو یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ نہ اللہ کے رسول مجنوں اور دیوانے ہیں نہ انھوں نے اپنی طرف سے اس قرآن کو بنایا ہے نہ کسی انسان نے اس قرآن کو انھیں سکھایا ہے بلکہ یہ ایسا کلام نہیں ہے جس طرح شیاطین چوری سے بعضی باتیں آسمان کی سن کر کاہنوں سے کہہ دیتے ہیں، بلکہ پیغام کے طور پر اللہ کی طرف سے ایک صاحبِ قوت معتبر امانت دار فرشتہ نے یہ قرآن اللہ کے نبی کو پہنچایا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت کا ذکر یہاں اس لیے فرمایا ہے کہ حضرت جبرئیل کی قوت کے سبب سے شیطان حضرت جبرئیل سے بھاگتا ہے۔ چنانچہ سورۂ انفال میں گذر چکا ہے کہ بدر کی لڑائی کے وقت پہلے تو شیطان قبیلہ بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی شکل بن کر مشرکوں کے لشکر میں موجود تھا اور مشرکوں کو کہا تھا کہ آج تمھاری فتح ہے۔ جب لشکرِ اسلام کی مدد کو فرشتے آئے اور اس ملعون نے جبرئیل علیہ السلام کو پہچانا تو فوراً بھاگ گیا۔ غرض حاصل معنے یہ ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت کے سبب سے اُن کی پیغام رسانی میں نہ شیطان کا کچھ دخل ہے نہ اُن کی امانت داری کے سبب سے اس پیغام رسانی میں کچھ خیانت کا دخل۔ اس طرح کے صاحبِ قوت امانت دار فرشتہ کی معرفت جو

۱؎ صحیح بخاری۔ کتاب الرد علی الجہمیۃ الخ ص ۱۱۰۷ ج ۲ ۲؎ تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۴۔

هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَٰنٍ رَّجِيمٍ ﴿۲۵﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾

یہ غیب کی بات پر نہیں بخیل اور یہ کہا نہیں کسی شیطان مردود کا پھر تم کدھر چلے جاتے ہو

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَٰلَمِينَ ﴿۲۷﴾ لِمَن شَآءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ

یہ تو ایک سمجھوتی ہے جہان کے واسطے جو کوئی چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے اور تم جبھی چاہو کہ

أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿۲۹﴾ ع

چاہے اللہ جہان کا صاحب۔

اللہ کا پیغام اللہ کے نبی کو پہنچاتا ہے وہ بلا شک اللہ کا کلام ہے۔ بعضے مفسروں کے قول کی بنا پر اگر اس آیت میں رسول سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قرار دی جائے تو مشرکین کی جس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں وہ مطلب ہرگز حاصل نہیں ہوتا بلکہ مشرکوں کے قول کی تائید ہو جاتی ہے۔ کس لیے کہ مشرک لوگ بھی یہی کہتے تھے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں خود محمدؐ کا کلام ہے اور آیت کا بھی یہی مطلب ہو گا کہ قرآن اللہ کے رسول محمد کا کلام ہے۔ شریعت میں جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت مشہور ہے کہ قوم لوط کی چار بستیوں کو ایک دفعہ ہی اُٹھا کر اُلٹ دیا۔ ایک چنگھاڑ میں ثمود کو غارت کر دیا۔ اسی طرح شریعت میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے سرداروں میں سے ہیں۔ معراج کی صحیح حدیث اوپر گزر چکی ہے[1] کہ اُس رات حضرت جبرئیل علیہ السلام کے حکم پر آسمان کے دروازے کھلے۔ بعضے علماء نے اِن آیتوں سے یہ مطلب جو نکالا ہے کہ حضرت جبرئیل کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہے کیوں کہ ان آیتوں میں حضرت جبرئیل کی چند صفتیں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط اتنا ہی فرمایا ہے کہ اللہ کے نبی مجنوں نہیں ہیں۔ یہ مطلب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مرتبہ قاصد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ مکتوب الیہ کا۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ کاتب کے نزدیک قاصد سے مکتوب الیہ کا مرتبہ ہمیشہ بڑھ کر ہوتا ہے۔ خود مکتوب الیہ کو خط لکھا جاتا ہے، اور قاصد تو محض قاصد ہوتا ہے۔ بظنین میں ظا کی قرأۃ اولیٰ ہے۔ معنے اُس کے یہ ہیں کہ اللہ کے رسول پر اس تہمت کا لگانا غلط ہے کہ قرآن خود ان کا کلام ہے۔ بلکہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ کیونکہ جب تم لوگوں سے اس کی مانند ایک آیت بھی نہ بن سکے تو جان لو کہ اس طرح کا کلام کسی انسان سے ہرگز نہیں بن سکتا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دو دفعہ دیکھا ہے۔ پہلی دفعہ مقام حرا میں اور دوسری دفعہ معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس آیت میں پہلی دفعہ کے دیکھنے کا ذکر ہے جس کی تفصیل صحیح حدیثوں میں ہے۔

[1] صحیح بخاری۔ باب المعراج ص ۵۴۸ ج ۱۔

آیاتہا ۱۹ (۸۲) سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ (۸۲) رکوعہا ۱

سورۃ انفطار مکی ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾

جب آسمان چِر جائے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب دریا بہہ چلیں۔

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾ یٰۤاَیُّهَا

اور جب قبریں اٹھائی جاویں جان لیوے جی جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔ اے

الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ﴿۶﴾ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾

آدمی کاہے سے بہکا تو اپنے رب کریم پر جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا۔

آیات ۱ تا ۱۲۔ آسمان کے پھٹ جانے اور تاروں کے زمین پر آن پڑنے کا حال تو اوپر گزر چکا ہے۔ ایک جگہ دریا کا بہہ نکلنا اور ایک جگہ دریا کے پانی کا آگ ہو جانا جو فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمین پر کے سب دریا ایک ہو جائیں گے اور پھر اُن کا پانی آگ ہو جائے گا۔ بعضے سلف نے پانی کے آگ ہو جانے کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ دریا کا پانی کھولا کر آگ کی مانند گرم کر دیا جائے گا اور وہی پانی دوزخ میں دوزخیوں کو پلایا جائے گا۔ واذا القبور بعثرت کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا کہ آسمان سے ایک مینہ برسے گا جس سے سب آدمیوں کے جسم تیار ہو جائیں گے اور پھر اُن جسموں سے روحوں کا تعلق ہو جائے گا۔ موت سے پہلے آدمی نے جو کچھ کیا وہ اس کا مقدم عمل ہے اور موت کے بعد کوئی صدقہ جاریہ یا کوئی بدرسم جو کچھ چھوڑا وہ اُس کا مؤخر عمل ہے۔ اب آگے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے کرم اور احسانات یاد دلائے ہیں کہ جس طرح دنیا میں چند روز جینے کے بعد مر کر انسان آخر کو مٹی ہو جائے گا۔ اسی طرح دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے انسان بالکل نیست و نابود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا۔ بُرا بھلا دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں۔ ہر طرح کی بات سننے کے لیے کان دیئے۔ ہر طرح کی بات سمجھنے کے لیے عقل دی۔ اِن سب چیزوں سے انسان نے کام لیا تو یہ لیا کہ شیطان کے فریب میں آکر بعضے لوگ تو بالکل خدا کو بھول ہی گئے اور اپنے پیدا کرنے والے کو چھوڑ کر کوئی بتوں کی پرستش میں لگ گیا اور کوئی اور چیزوں کی۔ بعضے لوگوں نے یہ فریب کھایا کہ خدا کی عبادت میں دنیا کے دکھاوے اور ریاکاری کو دخل دیا۔ بعضے اس فریب میں ہیں کہ جن باتوں سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے اُن باتوں کے کرنے پر دلیر ہیں اور رات دن طرح طرح کے گناہوں میں اُن کی عمر گزرتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ان فریبوں کا سبب یہ ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد پھر جینے کا اور جزا و سزا کے ہونے کا یقین نہیں ہے ورنہ کوئی انسان جان بوجھ کر اپنا برا نہیں چاہتا۔ اگر یہ یقین آدمی کے دل میں جم جائے کہ بُرائی کی سزا ایک دن ضرور پیش آنے والی ہے تو شیطان کے فریبوں میں پھر آدمی بہت کم آنے لگا جس طرح حاکم وقت لوگوں نے قانون بنا دیا ہے۔ مثلاً چوری ڈاکہ یہ جرم ہے۔ جو کوئی یہ جرم کرے گا تو ثبوت کے بعد

فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ﴿۸﴾ کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ بِالدِّیۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ

جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا کوئی نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف ہونا اور تم پر

لَحٰفِظِیۡنَ ﴿۱۰﴾ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿۱۱﴾ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾

نگہبان مقرر ہیں سردار لکھنے والے جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

اس کو اس قدر سزا ملے گی۔ اب جن لوگوں کو قانون کے مطلب اور منشا کا پورا یقین ہے ان کو چوری اور ڈاکہ کی ہزار طرح کی رغبت دلائیے لیکن وہ لوگ جہاں تک ہو سکتا ہے اپنے آپ کو خلاف ورزی قانون حاکم وقت سے بچاتے ہیں۔ اسی طرح حاکم حقیقی نے دفعہ وار ہر جرم کی سزا مقرر کر دی ہے۔ ثبوتِ جرم کے لیے روداد جمع کرنے کو دو روزنامچہ نویس ہر شخص کے ساتھ ہر وقت مرتے دم تک لگے ہوئے ہیں۔ تجویزِ سزا کے لیے ایک تاریخ پیشی جس کا نام قیامت کا دن ہے قرار پا چکی ہے۔ پھر کیا سبب ہے کہ حاکم وقت کے قانون کا جس قدر عمل دنیا میں نظر آتا ہے قانونِ الٰہی کا اس قدر عمل بھی نظر نہیں آتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ منہ سے مرنا ہے مرنا ہے، سب کہتے ہیں لیکن مرنے کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کو ایک قصہ کہانی جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ اپنی نادانی اور شیطان کے فریب سے آخرت کی یقینی باتوں کو قصہ کہانی سمجھتے ہیں ان کے سمجھنے پر کچھ انتظامِ الٰہی منحصر نہیں ہے نہ ان کے سمجھنے سے آخرت کی یقینی باتیں قصہ کہانیاں قرار پا سکتی ہیں۔ انتظامِ الٰہی میں تو آخرت کی سزا و جزا ایسا ایک ضروری امر ہے جس کے سرانجام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے متعین کر رکھے ہیں، ہر وقت کا قول و فعل ہر ایک انسان کا وہ اللہ کے فرشتے لکھتے ہیں جس دن یہ تمام عمر کا نامہ اعمال ہر ایک انسان کے سامنے آئے گا اس دن آخرت کی ان یقینی باتوں کا سب کو پورا یقین ہو جائے گا، لیکن کام آنے والا یقین یہی دنیا کا یقین ہے۔ اس دن کا یقین کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔ ابوسعید خدری سے مسند امام احمد[۱] اور مستدرک حاکم میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نے آسمان سے نکالے جانے کے وقت اللہ تعالیٰ سے قسم کھا کر یہ کہا کہ جب تک انسان کے جسم میں جان ہے میں اس کے بہکانے میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں قسم کھا کر فرمایا کہ انسان جب تک گناہ کر کے توبہ استغفار کرتا ہے گا میں بھی اس کے گناہ کے بخش دینے میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح معتبر سند سے ابن ماجہ[۲] اور بیہقی میں عبداللہ بن لبسر اور زبیر سے جو روایات ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ منظور ہو کہ وہ اپنا اعمال نامہ پڑھ کر خوش ہو تو وہ اپنے گناہوں سے توبہ استغفار کیا کرے۔ حاصل یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ دنیا کے پیچھے عقبیٰ کو نہ بھولے اور اقتضائے بشریت سے جب کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً سچے دل سے توبہ استغفار کرے اور آیندہ گناہوں سے بچنے کا دل میں مضبوط ارادہ رکھے اور خوب جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو روزنامچہ نویس ہر وقت لگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح جب تک انسان کے دم میں دم ہے اس کے دم کے پیچھے

---

[۱] الترغیب والترہیب۔ باب فی الاستغفار ص ۸۰۰ ج ۲ [۲] ایضاً ص ۷۹۳ و ص ۷۹۴ الترغیب والترہیب۔ باب فی الاستغفار ص ۸۰۱ جلد ۲۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ⑬ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ⑭ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ⑮

بیشک نیک لوگ بہشت میں ہیں اور بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں ڈالے جائیں گے اُس میں انصاف کے دن۔

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ⑯ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ⑰ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا

اور نہ ہوں گے اُس سے چھپ رہنے والے۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے

يَوْمُ الدِّينِ ⑱ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ⑲

دِن انصاف کا۔ جس دن بھلا نہ کر سکے کوئی جی کسی جی کا اور حکم اُس دن اللہ ہی کا ہے۔

ع ۹ / ۲

آیاتها ۳۶ — (۸۳) سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ (۸۶) — رکوعها ۱

یہ سورۃ المطففین مکی ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ ① الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ② وَإِذَا كَالُوهُمْ

خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ کہ جب ماپ لیں لوگوں سے پورا بھر لیں اور جب ماپ دیں اُن کو

أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ③ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ④ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ⑤

یا تول دیں تو گھٹا کر دیں کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ اُن کو اُٹھنا ہے ایک بڑے دن کے واسطے

ایک ایسا قوی بہکانے والا ہر دم لگا ہوا ہے جو آدمی کے تمام جسم میں خون کے دورہ کی طرح دورہ کرتا ہے اور جو اپنا کام پورا کرنے پر خدا تعالیٰ کے روبرو حلف اٹھا چکا ہے۔ انسان کے لئے اس مخمصے سے چھٹکارا ہے تو وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اُس ملعون کے جواب میں فرمایا ہے۔

۱۳ تا ۱۹۔ اوپر کی آیتوں میں انسان کے پیدا کرنے اور حشر کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں اُس سب کا یہ نتیجہ فرمایا کہ نیکوں کو نیکی کی جزا میں جنت کی طرح طرح کی نعمتیں ملیں گی اور بدوں کو بدی کی سزا میں دوزخ کا طرح طرح کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ پھر قیامت کا تاکید کے طور پر دو دفعہ ذکر فرما کر یہ جتلا دیا کہ اُس دن کے عذاب سے بغیر مرضی الٰہی کوئی کسی کو چھوڑا نہیں سکتا۔ کیونکہ دنیا کی طرح اُس دن اللہ تعالیٰ کے روبرو بیجا سفارش کرنے کا کسی کا مقدور نہیں۔ اس آیت میں فاجر سے وہی لوگ منکر حشر مراد ہیں جن کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گذرا۔ اہل ایمان گنہگار اس میں داخل نہیں ہیں۔ کس لئے کہ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان گنہگاروں میں سے جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا اُس کی بھی شفاعت قبول ہوگی اور وہ آخر کو جنت میں جائے گا۔

۱ تا ۶۔ معتبر سند سے نسائیؒ اور ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مدینہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مدینہ کے لوگوں کو کم تولنے اور کم ناپنے کی بہت عادت تھی،

۱؎ تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۳ ج ۴۔

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷ وَمَآ اَدْرٰىكَ
جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہان کے صاحب کی کوئی نہیں لکھا گنہگاروں کا پہنچا بندی خانے میں اور تجھ کو کیا خبر

مَا سِجِّيْنٌ ۝۸ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۹ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ
کیا ہے بندی خانہ ایک دفتر ہے لکھا ہوا خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی جو جھوٹ جانتے ہیں دن

الدِّيْنِ ۝۱۱ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ
انصاف کا اور اس کو جھٹلاتا وہی ہے جو بڑھ چلنے والا گنہگار ہے جب سنائے اُس کو ہماری آیتیں کہے

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی اور فرمایا کہ کیا یہ لوگ حساب وکتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے رُوبرو کھڑے ہونے سے نہیں ڈرتے جو انھوں نے کم تولنے اور کم ناپنے کا شیوہ اختیار کیا ہے۔ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد اکثر لوگ تو پورا تولنے اور ناپنے لگے۔ اور کچھ لوگ اسی حال پر رہے +

۷ تا ۱۷۔ جو لوگ قیامت کے دن خدا کے رُوبرو کھڑے ہونے کے ڈرانے سے نہ ڈرے اُن کو فرمایا کہ وہ گنہگار قیامت کے منکر ہیں۔ کیونکہ جس کو قیامت کے آنے اور اُس دن خدا تعالیٰ کے رُوبرو کھڑے ہونے کا یقین ہے وہ اُس دن کے عذاب سے ایسا بے فکر نہیں ہے جیسے کہ یہ لوگ ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان کے نامۂ اعمال سجین میں رکھے جائیں گے۔ سجین ساتویں زمین میں ایک جگہ ہے جہاں بدلوگوں کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں چنانچہ ابوداؤد اور مسند امام احمد وغیرہ میں براء بن عازب سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ بدلوگوں کی قبض رُوح کے بعد فرشتے اُن رُوحوں کو آسمان پر لے جانے کا جب قصد کرتے ہیں تو اُن روحوں کو آسمان پر لے جانے کا خدا کا حکم نہیں ہوتا بلکہ یہ حکم ہوتا ہے کہ ایسے روح کو زمین پر پھینک دو اور ایسے بدلوگوں کے اعمال کا حوالہ ساتویں زمین کے اُس دفتر میں لکھ لو جس کا نام سجین ہے۔ اِس حکم کے موافق اُس کے اعمال نامہ کا حوالہ سجین میں لکھ لیا جاتا ہے اور اُس کی روح کو قبر کے سوال وجواب کے لیے پھر جسم میں پھونک دیا جاتا ہے۔ منذری نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے لوگوں کی بڑی خرابی ہے جو جزاو سزا کے منکر ہیں اور آیاتِ قرآنی کو قصہ کہانی بتلاتے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے منکر وہی لوگ ہیں جو گناہ کے کرنے میں حد سے بڑھ گئے اور کثرتِ گناہوں سے اُن کے دِل پر زنگ آگیا ہے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد، ترمذی نسائی وغیرہ میں ابوہریرہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس وقت کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک چھوٹا سا داغ پڑجاتا ہے۔ پھر اگر اُس گناہ کے بعد اُس شخص نے خالص دل سے توبہ واستغفار کرلی تو وہ داغ دل پر سے جاتا رہتا ہے اور اُس شخص کا دل صاف ہوجاتا ہے۔ اور اگر وہ شخص بغیر توبہ و استغفار کے گناہ پر گناہ کرتا رہا تو رفتہ رفتہ ایسے شخص کے دِل پر زنگ لگ جاتا ہے۔ یہ حدیث فرما کر آپ نے آیت کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون پڑھی۔ غرض اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کم تولنے اور ناپنے والوں کا ذکر

لہ مشکوٰۃ شریف باب فیما یقال عند من حضرہ الموت۔ فصل ثالث ص ۱۴۲ ؎ الترغیب والترہیب باب فی عذاب القبر ونعیمہ ص ۱۱۰ ج ۲

؎ جامع ترمذی۔ تفسیر سورہ تطفیف ص ۱۹۱ ج ۲ ۔

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ
نقلیں ہیں پہلوں کی کوئی نہیں پر زنگ پڑگیا ہے اُن کے دلوں پر جو وہ کماتے تھے کوئی نہیں وہ

عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا
اپنے رب سے اُس دن روکے جائیں گے پھر مقرر وہ گرنے والے ہیں دوزخ میں پھر کہے گا وہ یہ ہے

الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾
جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ۔

فرماکر پھر دل کے زنگ کا تذکرہ فرمایا ہے ۔ حاصل مطلب اِن آیتوں کا یہ ہے کہ کم تولنے کی گناہ کی عادت سے اُن لوگوں کے دل سیاہ ہوگئے ہیں اور دل کے سیاہ ہو جانے کے سبب سے اُن لوگوں کے دِل پر نصیحت کا اثر نہیں ہوتا ۔ اس واسطے باوجود نصیحت کے یہ لوگ اپنی بری عادتیں نہیں چھوڑتے اور حساب و کتاب کے لیے خدا کے رُوبرو کھڑے ہونے کا خوف اِن کے دِل میں باقی نہیں رہا ۔ بغیر توبہ کے گناہ کی عادت ڈالنے کو اصرار کہتے ہیں ۔ جو لوگ گناہ پر اصرار نہیں کرتے ، اُن لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران میں تعریف اس لیے فرمائی ہے کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار کرتے کرتے آدمی کبیرہ گناہ کرنے لگتا ہے اور کبیرہ گناہ کے اصرار سے اخیر کو آدمی کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے ۔ یہ جو ایک قول مشہور ہے کہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے کبیرہ گناہ بن جاتا ہے کسی حدیث سے اِس قول کی تائید نہیں ہوتی ۔ ہاں حدیث شریف سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے جس آدمی کے نامۂ اعمال میں صغیرہ گناہوں کا ایک بڑا مجموعہ ہو جائے تو شریعت میں ایسے شخص کی حالت ایک خوفناک حالت ہو جاتی ہے ۔ معتبر سند سے مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، صغیرہ گناہوں کی عادت سے ہر شخص کو بچنا چاہیے ۔ کیونکہ صغیرہ گناہ کی عادت پڑ جانے کے سبب سے جب صغیرہ گناہوں کا مجموعہ بڑھ جائے گا تو انسان کی ہلاکت کا خوف ہے ۔ پھر آپؐ نے مثال کے طور پر فرمایا کہ ایک صغیرہ گناہ گویا ایک لکڑی ہے اور بہت سے صغیرہ گناہ ایک لکڑیوں کا انبار ہے ، لکڑیوں کے انبار میں آگ کا لگنا ہلاکت کا موجب ہے ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بغیر توبہ کے کبیرہ گناہ کی عادت سے آدمی کے دِل پر زنگ لگ جاتا ہے اور صغیرہ گناہوں کی کثرت سے گناہ کی تعداد کا نیکیوں کی تعداد سے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے اس واسطے ہر طرح کے گناہ سے آدمی کو فوراً توبہ کرنی چاہیے اور ترمذیؒ اور ابن ماجہ کی حضرت انسؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ اچھے گناہ گار وہ ہیں جن کو توبہ کی عادت ہے ۔ اگرچہ یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ نیک عمل کے کرنے سے بھی صغیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف ہو جاتے ہیں ۔ لیکن انسان کو کیا معلوم ہے کہ اُس کا کونسا نیک عمل اللہ کی درگاہ میں قبول ہوا اور جبکہ نیک عمل کا قبول ہونا ہی یقینی نہیں ہے تو نیک عمل کے قبول ہونے کے بھروسہ پر صغیرہ گناہ کی توبہ میں سستی کرنا مناسب نہیں ہے ۔ بلکہ ہر طرح کے گناہ سے فوراً توبہ کا کر لینا مناسب ہے ۔ تاکہ کسی طرح کے گناہ پر اصرار کا شبہ باقی نہ رہے ۔ اِن آیتوں کے موافق حشر کے میدان میں تو نیک و بد سب خدا کے رُوبرو کھڑے

لہ الترغیب والترہیب ۔ الترھیب من ارتکاب الکبائر الخ ص ۱۷۰ ج ۳ ۔ لہ الترغیب والترہیب ۔ الترغیب فی التوبۃ ص ۱۲۱ ج ۴ ۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾

کوئی نہیں لکھا ہوا نیکوں کا ہے اوپر والوں میں اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہیں اوپر والے ایک دفتر ہے لکھا ہوا

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ

اُس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے (یعنی فرشتے) بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں تختوں پر بیٹھے دیکھتے پہچانے تو

فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ

اُن کے منہ پر تازگی آرام کی اُن کو پلائی جاتی ہے شراب خالص کی گئی جس کی مُہر جمتی ہے مشک پر

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ

اور اُس پر ڈھکیں ڈھکنے والے اور اُس کی ملونی ہے اوپر سے پڑتی وہ ایک چشمہ ہے پیتے

بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾

جس سے نزدیک والے

ہوں گے اور اسی روبکاری میں جب جنتی اور دوزخی کا فیصلہ اخیر ہو جائے گا تو پھر دوزخیوں کو خدا کا دیدار نصیب نہ ہوگا اور منکرینِ حشر کے دوزخ میں جانے کے بعد طرح طرح کا اُن پر عذاب ہوگا اور اُن کے قائل کرنے کے لیے گھڑی گھڑی اُن سے فرشتے یہ کہیں گے کہ جس عذاب کے تم لوگ دُنیا میں منکر تھے لو اب اُس کا مزہ چکھو۔

١٨ تا ٢٨ - اوپر حشر کے منکر اہلِ دوزخ کا ذکر تھا اُس کے مقابلہ کے لیے اِن آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جن کو دنیا میں ایک دن خدا کے رُوبرو کھڑے ہونے کا پورا یقین تھا۔ اور اس یقین کے سبب سے جہاں تک ہو سکا دنیا سے اُس دن کی راحت کا کچھ سامان بھی وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ براء بن عازب کی وہ حدیث جس کا ذکر اوپر گزرا اُس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ نیک لوگوں کی روح قبض کر کے جب فرشتے آسمان پر لے جانے کا قصد کرتے ہیں تو ساتوں آسمانوں کے دروازے کُھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رُوبرو جب اس روح کو حاضر کیا جاتا ہے تو علیین مقام کے دفتر میں جو ساتویں آسمان پر ہے اُس کے نامۂ اعمال کا حوالہ لکھنے کا حکم ہوتا ہے اور اُس روح کو منکر نکیر کے سوالات کا جواب دینے کے لیے پھر جسم میں پلٹا دیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ نیک لوگ جنت میں جانے کے بعد اپنے چھپر کھٹوں میں بیٹھے ہوئے جنت کے باغوں کی سیر کیا کریں گے۔ اور رحیق نام شراب کی سربمہر بوتلیں جس میں تسنیم نام شراب کے چشمہ کی ملونی ہوگی، بعضے جنتیوں کو ملے گی اور جو جنتی اِن سے اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ عام طور پر تسنیم کو پیا کریں گے۔ اِس سے جب یہ بات نکلی کہ جنت کی نعمتیں لوگوں کے عملوں کے موافق کسی کو کمتی کسی کو بڑھتی ملیں گی تو اس ذکر کے بیچ میں یہ بھی جتلا دیا ہے کہ جنت کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کے لیے ہر شخص کو نیک عمل کی حرص کرنی چاہیے۔ صحیح حدیثوں[۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں اور ہر درجہ دوسرے درجہ سے پانسو برس کے راستہ کے برابر بلند ہے۔ اِن سب درجوں میں اعلیٰ درجہ وہ ہے جس کا نام فردوس ہے۔ اُسی کے اوپر عرش معلّے ہے اور اس درجہ میں سے جنت کی سب نہریں نکلتی ہیں۔

[۱] جامع ترمذی باب ماجاء فی صفۃ درجات الجنۃ ص ۹۸ ج ۲۔

| إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ |
|---|
| وہ جو گنہگار ہیں تھے ایمان والوں سے ہنستے اور جب ہو نکلتے اُن پاس |
| يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ |
| آپس میں سین کرتے اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر پھر جاتے باتیں بناتے اور جب اُن کو دیکھتے |
| قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ |
| کہتے بےشک یہ لوگ بہک رہے ہیں اور اُن کو بھیجا نہیں اُن پر نگہبان۔ سو آج |
| الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ |
| ایمان والے منکروں سے ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں اب بدلا پایا |
| الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ |
| منکروں نے جیسا کچھ کرتے تھے۔ |

ع ۱ / ۳۶ / ۸

۲۹ تا ۳۶۔ اوپر جنتیوں اور دوزخیوں کا ذکر تھا اُسی ذکر کو پُورا کرنے کے لیے اس مدنی سورۃ میں کچھ مکّہ کے نافرمان صاحبِ نخوت مشرک لوگوں کا ذکر فرمایا۔ حاصل اس قصّہ کا یہ ہے کہ ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور اس قسم کے مالدار لوگ بلال و عمار جیسے غریب مسلمانوں کو طرح طرح کی مسخراپن کی باتوں میں اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں تو اس قصّہ کا یہ فیصلہ کیا کہ یہ مشرک مالدار لوگ اِن غریب مسلمانوں کے قول و فعل کی نگرانی و نگہبانی کے لیے نہیں پیدا کئے گئے ہیں جو یہ ہر وقت اِن غریب مسلمانوں کے درپے رہتے ہیں ان کو اپنے کام سے کام دوسروں سے اُن کو کیا غرض اور عقبیٰ کا دونوں فریق کا یہ حال سنایا کہ وہاں کا معاملہ برعکس ہوگا کہ یہ غریب مسلمان تختوں پر شاہانہ ٹھاٹ سے بیٹھے ہُوئے جنت کے باغوں کی سیر کر رہے ہوں گے۔ اس سیر میں جنت کے بلند مکانوں کی سیر گاہوں سے جب اِن غریب مسلمانوں کی نظر دوزخ میں اُن مشرک لوگوں پر جا پڑے گی اور دیکھیں گے کہ دُنیا میں اُن پر ہنسنے والے لوگ آج عجیب ذلّت اور خواری میں ہیں تو ان غریب مسلمانوں کو بھی اِن مشرکوں پر ہنسی آئے گی اور آپس میں یہ تذکرہ کریں گے کہ اِن مشرکوں نے دُنیا میں جیسا کیا ویسا ہی پھل پا لیا۔ یا نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے کئے کا پورا ثمرہ پا لیا۔ ثواب بدلہ کو کہتے ہیں۔ ثُوِّبَ اسی سے بنایا گیا ہے۔ معنے وہی ہیں جو اُوپر بیان ہُوئے۔ یہ مشرک مالدار دوزخ میں جانے کے بعد اِن غریب مسلمانوں کے حق میں جو کچھ کہیں گے وہ سورہ صٓ میں گزر چکا ہے کہ پہلے پہل وہ کہیں گے ، ما لنا لا نرى رجالا كنا نعدهم من الاشرار اتخذنٰهم سخريا ام زاغت عنهم الابصار حاصل مطلب دونوں آیتوں کا یہ ہُوا کہ وہ مشرک مالدار غریب مسلمانوں کو اپنے ساتھ نہ دیکھیں گے تو اُن کو بڑا تعجب ہوگا۔ پھر اُن کو اپنے اُوپر ہنستے ہُوئے جنت میں ہر طرح کی راحت میں دیکھ کر جان لیں گے کہ جن کو یہ بہکا ہوا سمجھ کر اُن سے مسخراپن کرتے تھے وہ بہکے ہوئے نہ تھے بلکہ یہ خود بہکے ہوئے تھے۔ صحیح مسلم[1] وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت

[1] صحیح مسلم۔ باب فی الکفار ص ۳۷۴ ج ۲۔

آیاتھا ۲۵ (۸۴) سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ (۸۳) رکوعھا ۱

سورۃ الانشقاق مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝۲ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳

جب آسمان پھٹ جائے اور سن لے حکم اپنے رب کا اور اسی لائق ہے اور جب زمین پھیلائی جائے،

وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ۝۴ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ

اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جائے اور سن لے حکم اپنے رب کا اور اسی لائق ہے اے آدمی تجھ کو

كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ

پچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں کھینچ کھینچ کر، پھر اس سے ملنا ہے۔ سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں تو اس سے

۱ تا ۱۵۔ یہ دوسرے وقت کا آسمان کا پھٹنا ہے کیونکہ اس کے ساتھ زمین سے مُردوں کے اٹھنے کا ذکر ہے اور نئی زمین کے پھیلانے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں عمارت، پہاڑ، ٹیلہ کوئی چیز نہ ہوگی۔ اِس سرے سے اُس سرے تک فقط چوڑی زمین ہے خوب پھیلی ہوئی ہوگی۔ زمین میں جو کچھ ہے اس کے باہر آجانے کا مطلب اگر ان خزانوں کے زمین سے باہر آجانے کا لیا جاوے جو قیامت کے قریب زلزلہ کے سبب سے نکل آئیں گے جس کا ذکر صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے تو پھر آسمان کا یہ پھٹنا اول صور کے وقت کا ہو سکتا ہے۔ کدح کے معنے کسی کام میں لگنے اور اس کام کے کرنے میں کوشش کرنے کے ہیں۔ قیامت کے ذکر کے بعد انسان کے عمل کا ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ زیست بھر دنیا میں نیک و بد جو کچھ ہر شخص کرے گا جس وقت قیامت قائم ہوگی تو اس کا وہ سب عمل اس کے سامنے آجائے گا۔ قیامت کے دن نیک و بد عمل کے سامنے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ہر شخص کو اس کے ہر طرح کے عمل کی جزا و سزا مل جائے گی۔ ورنہ نیک و بد عمل تو ہر شخص کو قبر میں رکھتے ہی اس کے سامنے آجاتا ہے چنانچہ جس براء بن عازب کی حدیث کا ذکر اوپر گزرا اس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال و جواب کے بعد نیک شخص کے پاس اس کی قبر میں ایک آدمی اچھی صورت کا اچھا لباس پہنے ہوئے آتا ہے اور مُردہ سے کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اسی طرح بد آدمی کے مردہ کی قبر میں بدشکل برے لباس کا ایک شخص اس مردہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے میں تیرا بد عمل ہوں۔ اس کے بعد نیک آدمی قیامت کے جلدی آنے اور اپنے نیک عمل کی جزا پانے کی تمنا کرتا رہتا ہے اور بد آدمی قیامت کے نہ آنے اور اپنے بدعمل کی سزا سے بچ جانے کی آرزو میں لگا رہتا ہے۔ آسان حساب کی بابت مسند امام احمدؒ مستدرک حاکم، تفسیر عبد بن حمید تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں،

ے۱ صحیح مسلم فصل فی حسر الفرات عن جبل من ذھب ص ۳۹۱ ج ۲ ے۲ مشکوٰۃ شریف باب فیما یقال عند من حضرہ الموت فصل ثالث ص ۱۴۲

ے۳ تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۸ ج ۴۔

يُّحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ

حساب لینا ہے آسان حساب اور پھر کر آئے اپنے لوگوں پاس خوش وقت اور جس کو ملا اُس کا لکھا

وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِىٓ اَهْلِهٖ

پیٹھ کے پیچھے سے سو وہ پکارے گا موت کو اور پڑے گا آگ میں۔ وہ رہا تھا اپنے گھر میں

مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

خوش وقت اس نے خیال کیا تھا کہ پھر نہ جائے گا کیوں نہیں اُس کا رب اُس کو دیکھتا تھا۔

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ دعا مانگتے ہوئے دیکھا اللھم حاسبنی حسابا یسیرا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت آسانی سے حساب ہو جانے کی صورت قیامت کے دن کیا ہوگی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسانی سے حساب ہو جانے کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعضے بندوں کے نامۂ اعمال پر فقط نظر ڈالے گا اور درگذر فرما کر حساب میں زیادہ کرید نہ فرمائے گا کیونکہ جس شخص کے حساب میں کرید نکالی جائے گی وہ ضرور عذاب کا مستحق ٹھہرے گا۔ صحیحین[1] وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آسانی سے حساب کا اس آیت میں ذکر ہے وہ فقط یہی ہے کہ نامۂ اعمال پر سرسری طور سے ایک نظر ڈالی جائے گی ورنہ کرید سے اصل حساب جس شخص کا ہوگا وہ ضرور عذاب کا مستحق ٹھہر جائے گا۔ بیہقی مستدرک[2] حاکم مسند بزار طبرانی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں گی قیامت کے دن اُس کا حساب آسانی سے ہوگا۔ ایک بد مزاج رشتہ داروں سے سلوک اور صلہ رحمی کا کرنا۔ دوسرے جو برائی سے اپنے سے پیش آئے اُس کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ تیسرے اگر کوئی ظلم زیادتی کرے تو اُس کو معاف کر دینا۔ اللہ تعالیٰ کی جن بندوں پر نظر عنایت ہوگی تو بندوں کے حساب میں آسانی کی صورت یہ بھی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اُن کے گناہ معاف فرمائے گا۔ صحیحین[3] کی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث اس پر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعضے اللہ کے بندے اپنے نامۂ اعمال میں جب قیامت کے دن اپنے گناہ لکھے ہوئے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے روبرو اُن گناہوں کا اقرار کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس طرح دنیا میں تمہارے گناہوں کو میں نے پوشیدہ رکھا تھا اور تم کو رسوا نہیں کیا تھا۔ آج بھی میں تم کو رسوا نہیں کرتا اور تمہارے گناہوں کو بخش دیتا ہوں۔ ایک صورت آسانی حساب کی یہ بھی ہوگی کہ تھوڑی سی نیکی کا حساب اللہ تعالیٰ بہت سا عنایت فرمائے گا جس سے بدی کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا اور نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو کر حساب میں کچھ دقت باقی نہ رہے گی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی ترمذی[4] اور ابن ماجہ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں کلمۂ توحید کے ثواب کے پلڑا کے بھاری ہو جانے کا ذکر ہے۔ ایک آسانی حساب کی صورت یہ ہوگی کہ نامۂ اعمال میں جو گناہ لکھے ہوئے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکیوں کے ساتھ بدل دے گا، جس کا ذکر

---

[1] صحیح بخاری۔ باب من نوقش الحساب عذب ص ۹۶۷ ج ۲ [2] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی صلۃ الرحم وان قطعت الخ ص ۵۶۱ جلد ۳ [3] صحیح بخاری باب ستر المؤمن علی نفسہ ص ۸۹۶ ج ۲ [4] جامع ترمذی باب ماجاء فیمن یموت وھو یشھد ان لا الہ الا اللہ ص ۱۰۳ ج ۲۔



معانقة ۱۷

فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا

سو قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی اور رات کی اور جو اُس میں سمیٹتا ہے۔ اور چاند کی جب پورا بھرے تم کو چڑھنا ہے کھنڈ پر

عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿۲۱﴾

کھنڈ۔ پھر کیا ہوا ہے اُن کو جو یقین نہیں لاتے۔ اور جب پڑھیے ان پاس قرآن سجدہ نہیں کرتے۔

صحیح مسلم[۱] کی حضرت ابوذر کی حدیث میں اوپر گزر چکا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شرک ظاہری اور شرک باطنی سے جس کو ریاکاری کہتے ہیں۔ انسان کو بچنا چاہیے۔ پھر اگر آدمی گنہگار بھی بغیر توبہ کے مرگیا ہے تو اللہ کی ذات سے اللہ کی رحمت اور آسانی حساب کی توقع ہے۔ صحیح مسلم[۲] میں حضرت ابوذر کی روایت سے بہت بڑی حدیث قدسی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قیامت کے دن جو شخص اس طرح حساب کے لیے میرے رُوبرو کھڑا ہوگا اس کے نامۂ اعمال میں کسی طرح کا شرک نہ ہوگا تو اگر ایسے شخص کے گناہ اس قدر بھی ہوں گے کہ اُن گناہوں سے ساری زمین بھر جائے جب بھی مجھ کو اُن گناہوں کے بخش دینے میں کچھ دریغ نہیں ہے۔ یہ اُن لوگوں کا ذکر تھا جن کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اب دوسری آیت میں اُن لوگوں کا ذکر فرمایا جن کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ قیامت کے دن کے حساب و کتاب کے منکر یا اُس سے بے فکر تھے اُن کے حساب میں طرح طرح کی کرید نکالی جائے گی۔ انجام اُن کا دوزخ ہوگا کیونکہ اُن کے سب کام اللہ کی نظر میں تھے۔

۱۶ تا ۲۵۔ اکثر علماء کے قول کے موافق شفق وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب سے عشاء کے وقت تک آسمان پر رہتی ہے وسق کے معنے چند چیزوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رات ایسی چیز ہے جس میں سب چیزیں ایک جگہ ہو جاتی ہے۔ دن بھر چل پھر کے آدمی رات کو ایک جگہ ٹھکانے سے آن کر سو جاتا ہے۔ جانور بسیرا لیتے ہیں۔ اتساق کے معنے برابر ہونے کے ہیں۔ چودھویں رات کا چاند خوب بھرپور اور برابر ہوتا ہے۔ کوئی کونا اس کا دبا ہوا نہیں ہوتا اس لیے چاند کے حق میں یہ لفظ فرمایا۔ اِن قسموں کے بعد فرمایا اے لوگو تم کو کھنڈ پر کھنڈ چڑھنا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمیشہ نہیں زندہ رہو گے بلکہ موت اور موت کے بعد کی سختیاں تم کو جھیلنی ہیں۔ معتبر سند سے مسند امام احمد اور طبرانی میں انس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ انسان کے لیے موت سخت چیز ہے۔ لیکن موت کے بعد جو چیزیں اُس کو پیش آنے والی ہیں وہ موت سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ موت کی سختی سے آدمی کی جان نکل جاتی ہے۔ عذاب قبر کی سختی حشر و قیامت کی سختی میں یہ بھی نہیں ہے کہ آدمی مر کر اس سختی سے چھوٹ جائے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کو جب یہ سختیاں جھیلنی ہیں اور یہ سختیاں بغیر اطاعتِ خدا اور خدا کے رسول کے کسی طرح آسان نہیں ہو سکتیں تو پھر ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو یہ لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت نہیں کرتے اور جب اُن کے رُوبرو اللہ کا کلام پڑھا جائے تو اُس کو دل سے نہیں سنتے اور کلامِ الٰہی کی تعظیم میں سر نہیں جھکاتے۔ پھر فرمایا بعضے تو ان میں اللہ کی فرمانبرداری کے ایسے منکر ہیں کہ اللہ کا کلام ماننے کے بجائے اُلٹا اُس کو جھٹلاتے ہیں۔ پھر فرمایا

[۱] صحیح مسلم باب فضل الذکر والدعاء والتقرب الی اللہ تعالیٰ ص ۳۴۳ ج ۲ [۲] صحیح مسلم باب تحریم الظلم ص ۳۱۹ ج ۲۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾

اوپر سے یہ منکر جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں سو خوشی سنا ان کو دکھ والی مار کی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

مگر جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں ان کو نیگ ہے بے انتہا۔

ایسے لوگوں کے دلوں میں جو نافرمانی سمائی ہوئی ہے اللہ اس سے غافل نہیں ہے اس کو سب معلوم ہے اس کے خمیازہ میں وقت مقررہ پر ایسے لوگوں کو سخت عذاب بھگتنا پڑے گا جس طرح کوئی کسی کو بڑی خوشخبری سناتا ہے بجائے کسی دوسری خوشخبری کے خدا کی طرف سے ان کو اس عذاب کی خوشخبری سنا دی جائے۔ ہاں اس فہمایش کے بعد ان میں سے جو لوگ اللہ کی فرمانبرداری قبول کر کے نیک کام کریں گے ان کا بدلہ کہیں مارا نہ جائے گا۔ اجرٌ غیر ممنون کے معنے مفسرین نے اس بدلہ کے کیے ہیں جس میں کسی طرح کی کمی نہ ہو۔ ان آیتوں میں سجدہ کا جو ذکر ہے بعضے مفسروں نے تو اس کے معنے وہی اللہ کے کلام کی تعظیم کے لیے ہیں اور بعضوں نے اس کے معنے سجدہ تلاوت کے لیے ہیں۔ سجدہ تلاوت کے سنت یا واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حنفی مذہب کی فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سورۃ حج کے دوسرے سجدہ کے سوا سجدہ کی جو آیت پڑھی جائے تلاوت کرنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ سننے والے میں خواہ وہ شخص جو قرآن شریف کے سننے کے ارادہ سے وہاں موجود ہو خواہ وہ شخص جو بغیر ارادہ کے وہاں آگیا ہو اور آئمہ فقہ وحدیث اس کے مخالف ہیں اور تلاوت کے سجدہ کو سنت کہتے ہیں۔ اس سبب سے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جو روایتیں ہیں ان سے تلاوت کے سجدہ کو سنت کہتے ہیں۔ اس سبب سے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جو روایتیں ہیں ان سے تلاوت کے سجدہ کی زیادہ تاکید ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ کی حدیث کا حاصل تو یہ[1] ہے کہ ایک جمعہ کو تو سورۂ نحل پڑھ کر حضرت عمرؓ نے سجدہ کیا۔ اور پھر دوسرے جمعہ کو سورۂ نحل پڑھی اور سجدہ نہیں کیا اور فرمایا کہ جس کسی نے سجدہ کیا تو ٹھیک ہے اور جس کسی نے سجدہ نہیں کیا تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کا حاصل یہ[2] ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے تلاوت کا سجدہ فرض نہیں کیا ہے۔ حنفی مذہب کے علماء نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں فرض کی نفی کی گئی ہے اور فرض کی نفی سے واجب کی نفی لازم نہیں آتی اور مذہب کے علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ فرض کے علاوہ اصطلاحی طور پر حنفی مذہب میں واجب جو نکالا گیا ہے۔ یہ واجب صحابہ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ پھر کسی صحابی کے قول سے اس واجب کا مطلب نکالنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کی حدیث کا کوئی جواب کسی حنفی مذہب کی فقہ کی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور شعبی کا قول یہ ہے کہ تلاوت کا سجدہ بغیر وضو بھی جائز ہے[3]۔

[1] صحیح بخاری باب من رای ان اللہ عزوجل لم یوجب السجود ص ۱۴۷ ج ۱۔ [2] صحیح بخاری باب من رای ان اللہ عزوجل لم یوجب السجود ص ۱۴۷ ج ۱۔ [3] صحیح بخاری باب سجود المسلمین مع المشرکین الخ ص ۱۴۶ ج ۱۔

ایاتھا ۲۲ (۸۵) سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (۲۷) رکوعھا ۱

سورۃ البروج مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ③ قُتِلَ

قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے۔ اور حاضر ہونے والے کی اور جس پاس حاضر ہوں۔ مارا جائیو

اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ④ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ⑤ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ⑥ وَّهُمْ عَلٰى مَا

کھائیاں کھودنے والے آگ بھری ایندھن سے جب وہ اس پر بیٹھے اور جو کچھ

يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ⑦ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ

وہ کرتے مسلمانوں سے سامنے دیکھتے اور ان سے بدلہ نہ لیتے مگر اسی کا کہ وہ یقین لائے اللہ پر جو زبردست

(۱ تا ۱۰) ان سات تاروں اور بارہ برجوں کا ذکر سورۃ فرقان میں گزر چکا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ آسمان کے بارہ حصے ہیں۔ اُن کے ہر ایک حصہ کو برج کہتے ہیں۔ چاند سورج۔ زہرہ۔ مریخ۔ عطارد، مشتری۔ زحل۔ تاروں کا دورہ جب ان برجوں میں ہوتا ہے تو اس سے مہینہ سال کی گنتی، تبدیلی موسم، طرح طرح کی اللہ کی قدرتیں نمودار ہوتی ہیں۔ ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس آیت میں یوم موعود قیامت کا نام ہے اور یوم مشہود عرفہ اور شاھد جمعہ کا اس حدیث کی سند میں ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن اس باب میں اور بھی متفرق روایتیں ہیں جن سے ابوہریرہؓ کی اس حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔ علاوہ اس کے بہاں موسیٰ بن عبید کی روایت عبداللہ بن دینار سے ہو وہاں اس میں ضعف زیادہ مشہور ہے۔ ترمذی کی روایت میں عبداللہ بن دینار نہیں ہیں۔ اسی واسطے ترمذی نے اس روایت کے بعد موسیٰ بن عبیدہ کی کسی قدر توثیق کی غرض سے یہ کہا ہے کہ یہ موسیٰ ایسے شخص ہیں جن سے شعبہ اور سفیان ثوری جیسے لوگوں نے روایت جائز رکھی ہے[1]۔

اوپر کی چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ایک بادشاہ کا قصہ لوگوں کو آگ میں جلاتے کا بیان فرمایا ہے اس قصہ کی روایت صحیح مسلم[2]۔ ترمذی۔ نسائی وغیرہ میں صہیب کے حوالہ سے ہے۔ حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ اس بادشاہ نے اس زمانہ کے اہل ایمان سے کہا کہ تم اپنے دین سے پھر جاؤ۔ جب ان اہل ایمان نے اس بادشاہ کی بات کو نہ مانا تو اس بادشاہ نے گلی کوچوں میں کھائیاں کھدوا کر اُن میں خوب آگ دہکا دی۔ اور بہت سے آدمیوں کو اس آگ میں ڈال کر جلا دیا۔ تفسیر کلبی وغیرہ میں ہے کہ آخر کو وہ آگ اس بادشاہ اور اس کے ساتھیوں پر پلٹ گئی اور وہ سب جل کر خاک ہو گئے۔ متقدمین مفسرین کی تفسیروں میں ایک بہت بڑی تفسیر کلبی ہے۔ ابن عدی نے اس تفسیر کی تعریف کی ہے۔ اور بعض علماء نے

[1] جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ البروج ص ۱۹۱ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب قصۃ اصحٰب الاخدود ص ۴۱۵ ج ۲ و جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ البروج ص ۱۹۲ ج ۲۔

الْحَمِيْدِ ⑧ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑨

خوبیوں سے سراہا جس کا راج ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ

جو دین سے بچلانے لگے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو اُن کو عذاب ہے دوزخ کا

وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ⑩ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

اور ان کو عذاب ہے آگ کا لگنے کا۔ جو لوگ یقین لائے اور کیں انھوں نے بھلائیاں اُن کو باغ ہیں جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ⑪ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ⑫ اِنَّهٗ

بہتی ہیں نہریں۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی۔ بیشک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے۔ بیشک

تفسیر مقاتل سے اس تفسیر کلبی کو اچھا کہا ہے۔ تفسیر مقاتل بن سلیمان میں جس تفسیر کو امام شافعی معتبر کہا کرتے تھے، یہ لکھا ہے کہ اگرچہ تاریخ کی کتابوں کی رو سے دنیا میں تین بت پرست بادشاہوں نے لوگوں کو آگ میں جلایا ہے۔ فارس کے ملک میں بخت نصر نے۔ شام کے ملک میں انطناؤس رومی نے۔ یمن کے ملک میں یوسف ذونواس نے لیکن مکہ کے لوگوں میں یمن کا قصہ زیادہ مشہور تھا۔ اس واسطے یہ اسی قصہ کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں مشرک لوگ مکہ میں اہل اسلام کو بڑی بڑی تکلیفیں دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو ذکر فرما کر اہل اسلام کی یہ تسکین فرمائی کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے کچھ تم پر تکلیف نئی نہیں ہے۔ ہر زمانہ کے پابند شریعت لوگوں کو مخالف لوگوں کے ہاتھ سے تکلیف پہنچ چکی ہے لیکن آخر کو اہل حق کا بول بالا ہوا ہے۔ زمانہ امتحان تک ذرا صبر درکار ہے۔ پھر آخیر کو ہمیشہ کی عادت الٰہی کے موافق اہل حق کا غلبہ ہوگا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ آخیر کو مکہ میں جو کچھ اسلام پھیلا اُس کا اثر آج تک موجود ہے۔ اس قصہ کی روایت کے بعد حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی رحمت کا حال اس قصہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جن بت پرستوں نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو شہید کیا، اللہ تعالیٰ کو اُن بت پرستوں کی توبہ قبول کرنے میں کچھ دریغ نہ تھا۔ اسی واسطے فرمایا ثم لم یتوبوا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ لوگ توبہ کرتے تو فوراً اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لیتا۔ اس توبہ کے ذکر سے اُن علماء کے مذہب کی تائید ہوتی ہے جو قاتل کی توبہ قبول ہونے کے قائل ہیں۔

۱۱ تا ۲۲- اوپر ان اہل ایمان کا ذکر تھا جو دنیا میں ایک ظالم بادشاہ کے ظلم سے آگ میں ڈال کر جلائے گئے تھے۔ ان آیتوں میں اہل جنت کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ نیک لوگوں کو اگر دنیا میں کچھ تکلیف ہوتی ہے تو وہ چند روزہ ہے پھر اس تکلیف پر صبر کے اجر میں عقبیٰ اُن کے لیے بڑی راحت کی جگہ ہے۔ مکہ کے مشرک لوگ مکہ کے اہل ایمان کو ہجرت سے پہلے بہت ستاتے تھے۔ اس واسطے ان اہل ایمان کی تسکین کے لیے فرمایا کہ اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے۔ وقت مقررہ کی دیر ہے۔ پھر اگر مکہ کے یہ سرکش مشرک باز نہ آئے تو اُن میں سے وقت مقررہ تک جو زندہ رہے گا وہ دنیا میں بھی اپنی کرتوت کا خمیازہ بھگت لے گا۔ اور جو لوگ وقت مقررہ سے پہلے دنیا سے اٹھ گئے تو جس اللہ نے ان سب کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۵ ج ۴ ۔ ۵ے ایضاً ص ۴۹۶ ج ۴ ۔

هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ
وہی پیدا کرے پہلی مرتبہ اور دوسری اور وہی بخشتا اور محبت کرتا مالک تخت کا بڑی شان والا کر ڈالتا

لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ
جو چاہے۔ کچھ پہنچی تجھ کو بات اُن لشکروں کی فرعون اور ثمود کی کوئی نہیں بلکہ

كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾
منکر جھٹلاتے ہیں اور اللہ نے اُن کے گرد سے گھیرا ہے۔ کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا

فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾
تختی میں جس کی نگہبانی ہے۔

ع ۱ ۲۲ ۱۰

آیاتہا ۱۷ — سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (٨٦) (٣٦) — رکوعہا ۱
سورۃ الطارق مکی ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ﴿١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ﴿٢﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿٣﴾ إِن كُلُّ
قسم ہے آسمان کی اور اندھیرا پڑے آنیوالے کی۔ اور تو کیا سمجھا کون ہے اندھیرا پڑے آنے والا وہ تارا چمکتا کوئی جی نہیں

نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾
جس پر نہیں ایک نگہبان اب دیکھ لے آدمی کا ہے سے بنا بنا ایک اچھلتے پانی سے۔

وہ وقت مقررہ پر دوبارہ ان سب کو پیدا کر کے اُن کو ان کے کرتوت کا پورا مزہ چکھا دے گا کیونکہ وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے اُس کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ جو فرمایا تھا کہ اللہ کی پکڑ سخت ہے۔ اس کے دل میں جم جانے کے لیے ثمود و فرعون کے دو قصّے جو عرب میں زیادہ مشہور ہیں وہ اہلِ مکّہ کو یاد دلائے تاکہ اِن دو قصّوں سے وہ عبرت پکڑیں اور فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو جو جھٹلاتے ہیں تو یہ یاد رکھیں کہ اللہ کی قدرت ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے وہ جب چاہے اُن کو پکڑ سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اُن کا کلام الٰہی کو جھٹلانا اگر اس خیال سے ہے کہ وہ کلام الٰہی نہیں ہے تو یہ خیال اُن کا غلط ہے۔ بلاشک یہ اللہ کا کلام ہے جس کو اس نے لوحِ محفوظ سے اپنے رسول پر اتارا ہے اور اس کی دلیل ان لوگوں کو پہلے ہی سمجھا دی گئی ہے کہ اگر تم لوگ اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں کچھ شبہ رکھتے ہو تو تم بھی کوئی ٹکڑا اس جیسا بنا لو۔ جب یہ بات اِن لوگوں سے نہیں ہو سکتی تو پھر اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک و شبہ کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ (آتا ۱۰۔ طارق رات کو آنے والی چیز کو کہتے ہیں صبح کا تارا اور تاروں کی طرح شام سے نہیں نکلتا بلکہ رات کا بڑا حصّہ گزر جانے کے بعد نکلتا ہے اس واسطے اس کو بھی طارق کہتے ہیں۔ ثاقب چمک دار چیز کو کہتے ہیں۔ یہ تارا خوب روشن اور چمکدار ہوتا ہے اس لیے اس کو ثاقب فرمایا۔ اس قسم کے بعد یہ بات فرمائی کہ ہر جاندار کے لیے اللہ کی طرف سے محافظ اور

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝٧ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝٨ يَوْمَ تُبْلَى

جو نکلتا ہے پیٹھ اور چھاتی کے بیچ سے۔ بیشک وہ اُس کو پھیر لا سکتا ہے جس دن جانچے جائیں

السَّرَآئِرُ ۝٩ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝١٠

بھید، تو کچھ نہ ہوگا اُس کو زور نہ کوئی مدد کرنے والا۔

نگہبان مقرر ہیں۔ سورۂ رعد میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حفاظت اور نیکی بدی لکھنے کے لیے رات اور دن کے الگ الگ فرشتے ہر انسان پر خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ صبح کی نماز کے وقت دن کو تعینات رہنے والے فرشتے اور عصر کے وقت رات کو تعینات رہنے والے فرشتے چوکی بدلوا دیتے ہیں اور ہر وقت انسان کے تمام جسم کی ہر طرح کی آفت سے اُس وقت تک آدمی کی حفاظت کرتے ہیں جب تک تقدیری کوئی آفت پیش نہ آئے۔ زیادہ تفصیل اس کی سورۂ رعد کی تفسیر میں ہے۔ اہلِ مکہ میں ایک شخص بڑا شہ زور ابوالاسد تھا، اونٹ کی کھال پر جب وہ کھڑا ہو جاتا تھا تو دس دس آدمی اس کھال کو پکڑ کر کھینچتے تھے یہاں تک کہ وہ کھال پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی تھی مگر وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا تھا۔ سورۂ مدثر میں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ دوزخ پر انیس فرشتے تعینات ہیں جن کو دوزخ کا خازن کہتے ہیں تو ابوالاسد نے کہا تھا کہ اُن میں سے دس کو میں اکیلا کافی ہوں۔ اُس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی آیت نازل فرما کر فرمایا کہ انسان کی کیا حقیقت ہے جو اللہ کے فرشتوں سے مقابلہ کرے گا۔ ایک بوند پانی سے انسان پیدا ہوا اور پھر جب شہ زور کہلایا تو ہر وقت اللہ کے فرشتے ہر طرح کی آفت سے اُس کی نگہبانی میں لگے رہتے ہیں۔ اس پر اُس کی یہ جرأت کہ اللہ کے فرشتوں سے مقابلہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ ترائب عورت کی چھاتیوں کے بیچ میں جو جگہ ہوتی ہے اُس کو کہتے ہیں۔ انہ علی رجعہ لقادر کی تفسیر علماء مفسرینؒ نے دو طرح کی ہے، ایک تو یہ کہ جن اعضاء سے اللہ تعالیٰ نے منی کو نکالا ہے پھر اُن اعضاء میں ہی منی کو پھیر دینا اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے بلکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ چاہے تو اُس کو پھر اُن اعضاء میں پھیر دے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ انسان کو پانی جیسی پتلی چیز سے دنیا میں سب کی آنکھوں کے سامنے پیدا کیا ہے حشر کے دن مٹی سے اس انسان کا پیدا کرنا بھی اُس کی قدرت میں ہے۔ منکرینِ حشر کی عقل ناقص ہے ورنہ عقل کا یہ کام نہیں ہے کہ پانی جیسی پتلی چیز سے انسان کے پتلے کے بن جانے کو دیکھ کر مٹی جیسی چیز سے اس پتلے کے بن جانے کا انکار کرے۔ پہلی تفسیر اگرچہ مجاہد کی ہے اور اوپر گزر چکا ہے کہ مجاہد کی تفسیر کے مقابلہ میں سلف میں سے دوسرے تابعین کا قول کم لیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن شریف کے آگے کی آیت میں قیامت کا ذکر تھا اور اس ذکر سے دوسری تفسیر کو زیادہ مناسبت تھی۔ اس مناسبت کے سبب سے ابوجعفر ابن جریرؒ اور اور مفسروں نے دوسری تفسیر کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔ یہ دوسری تفسیر ضحاک کے قول کے موافق ہے۔ اگرچہ ضحاک بن مزاحم کے حضرت عبداللہ بن عباس سے ملاقات کے ہونے اور اُن سے تفسیر قرآن کے سیکھنے

۵۱ صحیح بخاری باب قول اللہ تعرج الملئکۃ والروح الیہ الآیۃ ص ۱۱۰۵ ج ۲ و صحیح مسلم باب فضل صلاۃ الصبح والعصر ص ۲۲۷ ج ۱ ۵۲ تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۸ ج ۴ ۵۳ ایضاً۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾
قسم ہے آسمان چکّر مارنے والے کی۔ اور زمین دراڑ کھلنے والی کی۔ یہ بات دو ٹوک ہے۔

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِیْدُ كَیْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ
اور نہیں یہ بات ہنسی کی۔ البتہ وہ لگے ہیں ایک داؤ کرنے میں۔ اور میں لگا ہوں ایک داؤ کرنے میں، سو ڈھیل دے منکروں کو

اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا ﴿۱۷﴾
ڈھیل دے اُن کو تھوڑے دن۔

ع ۱۱

میں علماء کو کلام ہے مگر سعید بن جبیر سے ضحاک کی تفسیر کے حاصل کرنے میں کسی کو کلام نہیں۔ اسی واسطے امام احمد بن معین اور ابو زرعہ وغیرہ نے ضحاک کو ثقہ اور فن تفسیر میں بڑا معتبر قرار دیا ہے۔

(۱۱تا۱۷) امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ رجع سے مراد بارش ہے چنانچہ حاکم کی روایت میں صحیح سند سے یہ قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ثابت ہوا ہے۔ اسی واسطے امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد مجاہد کی روایت سے اس قول کو لیا ہے۔ ترجمہ میں چکر مارنے والا آسمان جو ترجمہ کیا گیا ہے۔ سلف میں سے یہ قول عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم تبع تابعی کا ہے۔ ان عبدالرحمٰن نے تفسیر کی روایات اپنے باپ زید بن اسلم کوفی سے لی ہیں۔ یہ زید بن اسلم مشہور مفسر اہل مدینہ میں سے ہیں لیکن عبدالرحمٰن کو بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے۔ غرض یہ قول پہلے قول کے مرتبہ کا نہیں ہے۔ اسی واسطے اکثر تفسیروں اور فارسی اور اردو لفظی ترجمہ میں اس قول کو نہیں لیا گیا پہلے قول کو لیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق صدع کی تفسیر زمین کا وہ شق ہونا ہے جو روئیدگی کے وقت ہوتا ہے۔ علم ہیئت کی کتابوں میں اگرچہ زمین کو گول لکھا ہے۔ لیکن شریعت کی کتابوں میں زمین جو کھونٹی ثابت ہوتی ہے۔ بعضے علماء نے لکھا ہے کہ بہت بڑے دائرہ میں مرکز سے محیط تک جو میدان ہوتا ہے اُس میں گولائی باقی نہیں رہتی۔ اسی واسطے اہل ہیئت کا ساتویں اقلیم کی حد نظر تک کی زمین کو گول کہنا صحیح نہیں ہے۔ اوپر کی قسم کے بعد فرمایا کہ یہ قرآن دنیا میں نیک راستہ بتانے اور بدی سے روکنے اور عقبیٰ میں جزا و سزا کی خبر سنانے کا ایک فیصلہ قطعی ہے۔ عرب کے اشعار یا قصے کہانیوں کی طرح اس میں کوئی بات ہنسی دل لگی کی نہیں ہے اس پر یہ لوگ اگر قرآن کو جھٹلائیں تو تھوڑے دنوں تک ان سے درگزر کی جاتی ہے۔ کوئی مکروفریب تو ان لوگوں کا قرآن سے روکنے میں اللہ کی تدبیر کے آگے نہیں چل سکتا۔ بلکہ تھوڑے دنوں کے بعد اللہ کی تدبیر کا نتیجہ سب کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں کچھ قرآن کے مخالف لوگ ذلت اور خواری سے ہلاک ہوگئے۔ اور اکثر قرآن کے حامی بن گئے۔

---

لہ صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الطارق ص ۷۳۶ ج ۲


لہ یہ بات محل نظر ہے۔

ایاتھا ۱۹ ——— (۸۷) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (۸) ——— رکوعھا ۱

سورۃ اعلیٰ مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ① الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ② وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ③ وَالَّذِيْ

پاکی بول اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا اور جس نے ٹھہرایا پھر راہ دی اور جس نے

اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ④ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ⑤ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ⑥ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

نکالا چارہ پھر کر ڈالا اس کو کوڑا کالا ہم پڑھائیں گے تجھ کو پھر تو نہ بھولے گا مگر جو چاہے اللہ

(۱تا۱۳) ہجرت سے پہلے بلکہ فتح مکہ تک جو کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور احکام میں شرک کا رواج تھا۔ وہ تو سب کو معلوم ہے۔ اس مکی سورۃ کے اول میں فرمایا کہ اہل مکہ کی شرک کی باتوں سے لئے نبی اللہ کے تم اور تمہارے ساتھی اللہ کی توحید ہردم ورد زبان رکھو تاکہ ان مشرک اہل مکہ کے کان بھی ذرا توحید کی آواز سے آشنا ہو جائیں۔ اسی واسطے اکثر صحابہؓ جب اس آیت کو پڑھا کرتے تھے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے[۱]۔ خلق فسوٰی کا یہ مطلب ہے کہ انسان حیوان سب کو مناسب اعضا مناسب حالت میں پیدا کیا۔ والذی قدر فھدیٰ کی تفسیر کے طور پر مسند امام احمد صحیح مسلم وغیرہ میں جو صحابہ کی ایک جماعت سے روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے اس سب کو دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی سے اندازہ کے طور پر معلوم کر لیا ہے۔ اب جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اخیر کو اسی راہ سے جا لگتا ہے جو راہ اندازہ کے طور پر علم ازلی میں قرار پا چکی ہے۔ لیکن جس طرح ہر بیمار کی موت اور تندرستی تقدیر الٰہی میں ٹھہر چکی ہے اور پھر شریعت میں ہر بیماری کے علاج کرنے کا بھی حکم ہے اور جس بیمار کا علاج تقدیر الٰہی کے موافق پڑتا ہے وہ بیمار علاج سے تندرست بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت میں ہر آدمی کو نیک کام کرنے کا حکم ہے جو شخص علم ازلی میں نیک ٹھہر چکا ہے وہ نیک حالت میں دنیا سے اٹھتا ہے۔ اور جو شخص علم ازلی میں بد قرار پا چکا ہے جیسے مرنے والے بیمار کو کوئی علاج مفید نہیں پڑتا اور اخیر کو وہ بیمار مر جاتا ہے۔ اسی طرح اس بد شخص کو ابتدائے عمر سے یا اخیر عمر میں نصیحت شرعی مفید نہیں پڑتی اور عمر بھر یا آخری عمر میں ایسے بد کام کر کے وہ شخص دنیا سے اٹھ جاتا ہے جس سے اس کی عقبیٰ خراب ہو جاتی ہے۔ بہت سی صحیح حدیثوں میں مطالب تفصیل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے[۲]۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس اندازہ کے موافق کسی فعل کے کرنے پر اللہ نے انسان کو مجبور نہیں کیا ہے لیکن وہ غدا غیب دان کا کیا ہوا اندازہ ہے۔ اس واسطے اپنے اختیار سے انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اخیر کو اس اندازہ کے مطابق پڑتا ہے۔ چوپائے پر انسان کی طرح کچھ تکلیف شرعی

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۹ ج ۴ [۲] صحیح مسلم باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام۔ ص ۳۳۵ ج ۲۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ﴿٧﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٨﴾ فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ﴿٩﴾

وہ جانتا ہے پکارا اور جو چھپے اور سہج سہج پہنچائیں گے ہم تجھ کو آسانی تک۔ سو تو سمجھا دے اگر کام کرے سمجھانا

سَيَذَّكَّرُ مَن يَخْشَىٰ ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ﴿١٢﴾ ثُمَّ

سمجھ جاوے گا جس کو ڈر ہوگا اور سرک رہے گا اس سے بڑا بدبخت وہ جو داخل ہوگا بڑی آگ میں پھر

لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿١٣﴾

نہ مرے گا اس میں نہ جیوے گا۔

نہیں ہے بلکہ وہ فقط انسان کی ہر طرح کی ضرورت کے لیے دنیا میں پیدا کئے گئے ہیں۔ اُن کے کھانے پینے کا انتظام دنیا میں کیا جانا اور اس کے برتاؤ کی سمجھ اُن کو دے کر پھر اُن کو دُنیا میں پیدا کر دینا۔ یہی اُن کا اندازہ تقدیری تھا۔ اس لیے اُن کے چارہ کا ذکر الگ فرمایا۔ گھاس کے پہلے سرسبز اور پھر خشک ہو کر سیاہی مائل اور بالکل کوڑے کے مانند ہو جانے کے تذکرہ میں یہ اشارہ ہے کہ یہی حال دنیا کی تمام چیزوں کا ہے کہ اس کی ہر ایک چیز کا کمال زوال سے خالی نہیں اور جب یہ بات ہے تو دنیا فقط اس لیے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ اُس کا کمال و زوال بغیر کسی نتیجہ کے ایک تماشے کے طور پر ہو بلکہ دنیا کے بعد اُس کا ایک بہت بڑا نتیجہ یہی ہے جس کا نام قیامت ہے۔ اسی کے یہ لوگ منکر اور کم عقلی سے دنیا کی پیدایش کو بغیر نتیجہ کا ایک تماشا ٹھہراتے ہیں۔ طبرانی تفسیر کلبی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب وحی لاتے اور آیاتِ قرآن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھنا شروع کرتے تو حضرت جبرئیل کی قرأت کے ختم ہونے سے پہلے آیت کے کچھ لفظ بھول جانے کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ادھوری آیت کے لفظوں کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت سنقرئك فلا تنسى الا ماشاء الله نازل فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ وحی کے لفظوں میں سے کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بھولیں گے۔ اس وعدہ میں یہ جو فرمایا کہ الا ماشاء اللہ اس کا مطلب سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں کے منسوخ ہو جانے میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ دل سے ان آیتوں کے لفظوں کی یاد اڑ جاتی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورۂ برأت کے برابر ایک سورۃ صحابہ پڑھا کرتے تھے۔ اب اُس میں کا فقط یہ ٹکڑا یاد ہے لوکان لابن آدم وادیان من مال لتبغى واديا ثالثا ولا يملاء جوفه الا التراب حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وحی کے نہ بھولنے کا وعدہ ان آیتوں کے حق میں ہے جو آیتیں منسوخ نہیں ہوئیں۔ منسوخ آیتوں کے حق میں یہ وعدہ نہیں ہے جن کو الا ماشاء اللہ فرما کر اس وعدہ سے الگ کر دیا گیا ہے۔ انه یعلم الجهر وما یخفی کا مطلب یہ ہے کہ جن آیتوں کی قرأت اللہ کو دنیا میں باقی رکھنی ہے اور جن کی قرأت باقی نہیں رکھنی ہے۔ یہ سب حال خدا کو معلوم ہے۔ اِس لیے اُس غیب داں نے الا ماشاء اللہ فرما کر بعض آیتوں کو اس وعدہ سے الگ کر دیا ہے۔ پھر فرمایا اے نبی اللہ کے اِس وحی کے

ؔ تفسیر الدر المنثور ص ۳۳۶ ج ۶ ۔ ؔ صحیح مسلم باب کراھۃ الحرص علی الدنیا ص ۳۳۵ ج ۱۔

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰىۙ ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىؕ ﴿۱۵﴾ بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ﴿۱۶﴾

بیشک بھلا ہوا اُس کا جو سنورا اور لیا نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی کوئی نہیں تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا۔

وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰىؕ ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰىۙ ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى ﴿۱۹﴾

اور پچھلا گھر بہتر ہے اور رہنے والا۔ یہ کچھ لکھا ہے پہلے ورقوں میں ورق میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے۔

لفظوں کو یاد رکھنا۔ اور اُن کے موافق لوگوں کو نصیحت کا کرنا ہم تمہارے لیے ایسا آسان کر دیں گے جس سے تم کو کوئی دقت باقی نہ رہے گی اور اس نصیحت کا اثر سب لوگوں پر یکساں ہو یہ تمہارا کام نہیں۔ تمہارا کام یہی ہے کہ تم سب کو نصیحت کرتے چلے جاؤ۔ تقدیر الٰہی کے موافق جو لوگ راہ راست پر آنے والے ہیں وہ خود راہ راست پر آجائیں گے۔ اور جن کی قسمت میں دوزخ ہے وہ اس نصیحت سے بھاگیں گے اور آخر دوزخ میں جائیں گے اور پھر دوزخ میں جانے کے بعد اُن پر مصیبت پڑے گی کہ نہ وہ وہاں مریں گے کہ مر کر چھٹکارا ہو جاتے نہ ایسی زیست جئیں گے جس زیست سے اُن کو کچھ راحت ملے۔ صحیح بخاری[1] و مسلم و ترمذی وغیرہ کی ابو ہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ دوزخ کی آگ کی تیزی دنیا کی آگ سے انہتر حصے بڑھی ہوئی ہے۔ اس واسطے دوزخ کی آگ کو بڑی آگ فرمایا۔ ثم لا یموت فیھا ولا یحییٰ ان کے حق میں ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے قابل ہیں ورنہ بعضے کلمہ گو جنھوں نے نیک عمل کچھ نہیں کیے۔ دوزخ میں مر کر کوئلے ہو جائیں گے اور سب شفاعتوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی لاشیں لپ بھر کر دوزخ سے باہر نکالے گا۔ اور نہر حیات میں غوطہ دینے سے وہ لوگ پھر زندہ ہو کر جنت میں جائیں گے۔ چنانچہ ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بہت بڑی حدیث جو بخاری[2] و مسلم میں ہے اس میں اس کا ذکر ہے۔

۱۴ تا ۱۹۔ حاصل یہ ہے کہ جو شخص توحید پر قائم رہا اور اللہ کی یاد دل میں رکھ کر پانچوں وقت کی نماز اس نے ادا کی۔ اس کے لیے عقبیٰ میں بلاشک بھلائی ہے۔ اللہ کی یاد دل میں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عبادت میں دنیا کا دکھاوا اور ریاکاری نہ ہو۔ بعضے علماء نے اللہ کی یاد سے زبانی یاد لے کر وذکر اسم ربہ سے تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے کا مطلب نکالا ہے۔ مکی آیتوں میں فقط توحید اور نماز کا ذکر اس واسطے ہے کہ روزہ حج زکوٰۃ یہ چیزیں ہجرت کے بعد مدینہ کے قیام میں فرض ہوئی ہیں۔ قد افلح من تزکیٰ کی تفسیر بعضے مفسروں[3] نے صدقۂ فطر سے جو کی ہے اُن کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت اُن آیتوں میں سے ہے جن کا نزول عمل سے پہلے ہے جیسے آیت وانت حل بھذا البلد کا نزول مکہ میں ہجرت سے پہلے ہوا اور اس کے موافق مکہ میں قتل اور قید کا حلال ہونا فتح مکہ کے وقت ہوا۔ پھر فرمایا کہ عقبیٰ کی بھلائی کے کاموں میں اکثر لوگ کوتاہی اس لیے کرتے ہیں کہ دنیا کے شغلوں کو چھوڑ کر عقبیٰ کے کاموں میں مصروف ہونا ان کو شاق گزرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ دنیا کے شغلوں کو نہ چھوڑیں تو نہ چھوڑیں، ایک دن وہ دنیا کے شغلے خود اُن کو چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ دنیا اور اس کے شغلے اُن میں کوئی باقی رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اور عقبیٰ کے کاموں کو یہ چھوڑ

[1] صحیح بخاری باب صفۃ النار وانھا مخلوقۃ ص ۴۶۲ ج ۱ [2] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجھمیۃ ص ۱۱۰۷ جلد ۲ وصحیح مسلم باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربھم الخ ص ۱۰۲ ج ۱ [3] تفسیر الدر المنثور ص ۳۳۹ ج ۶۔

آیاتہا ۲۶ ــــــ (۸۸) سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۶۸) ــــــ رکوعہا ۱

سورۃ الغاشیہ مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ② عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③

کچھ پہنچی تجھ کو بات اُس چھپا لینے والی کی　کتنے منہ اُس دن لوے ہیں　محنت کرتے تھکتے

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ④ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ⑤ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ⑥

بیٹھیں گے دہکتی آگ میں　پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے کا　نہیں اُن پاس کھانا مگر جھاڑ کانٹے۔

بیٹھے ہیں۔ مگر عقبیٰ ان کو نہیں چھوڑتے کی۔ کس لیے کہ وہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ مسند امام احمد، صحیح ابن حبان مستدرک حاکم میں ابو درداؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر روز دو فرشتے یہ لفظ پکار کر کہا کرتے ہیں کہ اے لوگو خدا کے کاموں کی طرف متوجہ رہو۔ دنیا کی بقدر کفایت معیشت اُس مال و دولت سے بہت بہتر ہے جو عقبیٰ سے غافل کر دے۔ اِن فرشتوں کی آواز کو سوا جن اور انسان کے اور اللہ کی سب مخلوقات روز سنا کرتی ہے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے قد افلح من تزکّٰی سے والاخرۃ خیر وابقٰی تک ایسا مضمون ہے کہ اس کی ترغیب خدا کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کے دس صحیفوں اور توراۃ میں بھی موجود ہے ÷

میت آتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس کے قول کے موافق غاشیہ قیامت کا نام ہے۔ غشاء کے معنے پڑے کے ہیں۔ قیامت کی سختیاں لوگوں کی عقل اور اُن کے حواس پر پردہ کی طرح چھا جائیں گی جس سے وہ بالکل بد حواس ہو جائیں گے۔ اِس لیے قیامت کو غاشیہ کہا گیا۔ آدمی کے اعضاء میں منہ ایک بڑی دکھانے کی چیز ہے۔ اس لیے منہ کا ذکر کر کے سارا بدن اُس سے مراد لیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں ھل کے معنے قد کے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اے نبی اللہ کے قیامت کے دن نیک و بد پر جو کچھ حالت گزرے گی اُس کا حال تم کو اور تمھاری اُمت کو اکثر آیات قرآنی سے معلوم ہو چکا ہے۔ پھر اُس حالت کی تفصیل فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل دوزخ اس دن طرح طرح سے خوار ہوں گے اور اہل جنت طرح طرح کی عزت اور راحت پائیں گے۔ صحیحینؓ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کی آگ میں دنیا کی آگ سے ستر حصے حرارت زیادہ ہوگی۔ ترمذیؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہزار برس تک دوزخ کی آگ کو دہکایا گیا تو اُس کا رنگ سرخ ہوا پھر ہزار برس تک دہکایا گیا تو سفیدی مایل رنگ ہو گیا۔ پھر ہزار برس دہکایا گیا تو بالکل سیاہ رنگ

[1] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی الفراغ للعبادۃ الخ ص ۲۰۳ ج ۴ [2] ایضاً [3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۲ ج ۴ و تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۲ ج ۶ [4] صحیح بخاری باب صفۃ النار و انہا مخلوقۃ ص ۴۶۱ ج ۱ و صحیح مسلم باب جہنم اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۱ ج ۲ [5] جامع ترمذی۔ ابواب صفۃ النار ص ۹۶ ج ۲۔

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِىْ مِنْ جُوْعٍ ⑦ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ⑧ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ⑨

نہ موٹا کرے اور نہ کام آوے بھوک میں ۔ کتنے منہ اُس دن آسودہ ہیں اپنی کمائی سے راضی ۔

فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ⑪ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ فِيْهَا سُرُرٌ

اونچے باغ میں ، نہیں سنتے اُس میں بکنا ۔ اُس میں ایک چشمہ ہے بہتا ۔ اس میں تخت ہیں

وقف لازم

مَّرْفُوْعَةٌ ⑬ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ⑭ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ⑮ وَّزَرَابِىُّ

اونچے بچھے ، اور آبخورے دھرے ، اور غالیچے قطار پڑے ، اور مخمل کے نہالچے

مَبْثُوْثَةٌ ⑯

کھنڈ رہے ۔

ہوگیا۔ اب اُس کا رنگ خوفناک بالکل کالا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت سمرۃ بن جندب سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخی لوگ جو دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے تو اپنے اپنے عمل کے موافق کسی کے ٹخنوں تلک آگ ہوگی اور کسی کے گھٹنوں تلک اور کسی کی کمر تلک اور کسی کی گردن تلک۔ دوزخ کے گرم پانی کی تفسیر ترمذی[2] وغیرہ کی روایتوں میں ہے کہ دوزخیوں کے پلانے کے لیے جب وہ پانی اُن کے مُنہ کے پاس لایا جائے گا تو اس پانی کی گرم بھاپ سے دوزخیوں کے مُنہ کی کھال اتر جائے گی اور جب وہ پانی پلایا جائے گا تو انتڑیاں کٹ کر گر پڑیں گی اور وہی پانی اُن کے سر پر ڈالا جائے گا جس سے جسم کے اندر تک حرارت پہنچ کر دل اور جگر سب نکل پڑے گا۔ پھر ہر دوزخی کو اصلی حال پر لایا جائے گا اور گھڑی گھڑی یہی عذاب کیا جائے گا۔ اور کانٹوں دار گھانس اُن کو نگلائی جائے گی جو اُن کے حلق میں پھنس جائے گی، اس کو حلق سے اتارنے کے لیے جب وہ پانی مانگیں گے تو یہی گرم پانی پلایا جائے گا۔ اور یہ گھانس کچھ پیٹ میں اترے گی تو اس سے پیٹ نہ بھرے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ دوزخیوں کی خوراک ضریع کانٹوں دار گھانس ہوگی تو مشرکین مکہ کہنے لگے ضریع تو اچھی چیز ہے اس سے تو ہمارے اونٹ موٹے ہو جاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کا ٹکڑا نازل فرمایا کہ اس گھانس سے نہ کسی کا پیٹ بھرے گا اور نہ کوئی موٹا ہوگا۔

۸ تا ۱۶۔ اہلِ دوزخ کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں اہلِ جنت کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی ایک ایک نیکی کا دس گنے سے سات سو تک اور بعضی نیکیوں کا اس سے بھی زیادہ اجر پائیں گے تو اپنے نیک عملوں کے نتیجہ سے خوش ہو جائیں گے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ جنت کے درجے ہیں جیسا جس کا عمل ہوگا ویسا ہی اُس کو درجہ ملے گا لیکن دوزخ کے مقابلہ میں جنت کا ہر درجہ بلند اور عالی ہے۔ اس لیے فی جنة عالیہ فرمایا۔ سورۂ بقرہ میں آیت اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا گزر چکی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ دوزخ آپس میں لغو باتیں اور ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ اس واسطے فرمایا اہلِ جنت نہ کوئی لغوبات کہیں گے اور نہ کوئی ایسی لغوبات کسی دوسرے سے سنیں گے۔ پھر فرمایا وہاں طرح طرح کی

[1] صحیح مسلم باب جہنم اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۱ ج ۲ [2] جامع ترمذی باب ما جاء فی صفة شراب اهل النار ص ۹۵ ج ۲ -

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى

بھلا کیا نہیں نگاہ کرتے اونٹوں پر کیسے بنائے ہیں۔ اور آسمان کیسا بلند کیا ہے اور

الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ

پہاڑوں پر کیسے کھڑے کیے ہیں اور زمین پر کیسی صاف بچھائی ہے سو تو سمجھا تیرا کام یہی ہے

مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ

سمجھانا۔ تو نہیں اُن پر داروغہ مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہوا تو عذاب کرے گا اُس کو اللہ

نہریں جاری ہوں گی اُن نہروں کے کناروں پر آبخورے رکھے ہوں گے، نرم نرم تخت بچھے ہوں گے اُن تختوں پر جابجا طرح طرح کے بچھونے اور تکیے ہوں گے۔ جہاں جو کوئی چاہے، بیٹھے لیٹے۔ ترجمہ میں یہ جو ہے کہ مخمل کے نہالچے کھڑے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مخمل کے نہالچے جابجا بچھے ہوئے ہوں گے۔ غرض اوپر گزر چکا ہے کہ جنت کی نعمتیں وہ ہیں کہ نہ کسی بادشاہ و امیر نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں۔ نہ کسی کے دل میں ان کا تصور گزر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کرم سے جب وہ نعمتیں نصیب کرے گا، اسی وقت ان نعمتوں کی تفصیل معلوم ہو گی۔ اب دنیا کی کسی زبان یا قلم میں وہ طاقت کہاں کہ اُن نعمتوں کی تفصیل بیان کر سکے۔

۱۷ تا ۲۶۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر[۱] ابن ابی حاتم میں قتادہ سے روایت ہے کہ اوپر کی آیتوں میں جب اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کا ذکر فرمایا تو مشرکین مکہ کو وہ نعمتیں اور جنت کی چیزیں خلاف عقل معلوم ہوئیں اور جنت کی چیزوں کا تعجب کے طور پر وہ لوگ آپس میں ذکر کرنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے جس اللہ نے خلافِ عقل اور جانوروں کی عادت کے خلاف اونٹ کو اس طرح کی عادت کا جانور پیدا کیا کہ کانٹے کھا کر اپنی گزر کرتا ہے اور منزلوں بوجھ لے جاتا ہے اور عرب کا ملک جس طرح کا خشک تھا اور اُس ملک میں پانی کی کمی تھی۔ اسی عادت کا یہ جانور ہے کہ دس دس دن تک اس کو پانی کی خواہش نہیں ہوتی۔ غریب ایسا کہ ایک بچہ بھی نکیل پکڑ لے تو جہاں چاہے لے جائے۔ کسی جانور کی یہ عادت نہیں کہ اُس کو بٹھا کر اُس کی پیٹھ پر بوجھ لادا جائے اور پھر بوجھ پیٹھ پر لے کر وہ جانور کھڑا ہو جائے۔ برخلاف اور جانوروں کے یہ اونٹ کی ہی عادت ہے کہ اُس کو بٹھا کر اُس کی پیٹھ پر بوجھ لادا جاتا ہے۔ اور پھر وہ اسی بوجھ کو پیٹھ پر لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس اللہ تعالیٰ نے خلافِ عقل آسمان کو بغیر ستون کے اس طرح قائم کر دیا اور زمین کو پانی پر بچھا دیا اور زمین میں پہاڑوں کی کیلیں ٹھونک دیں۔ اس طرح کے ہزار ہا کرو‌ڑہا عجائبات قدرتِ الٰہی کو یہ لوگ نظر غور سے دیکھیں گے تو اُن کو ہرگز یہ تعجب باقی نہ رہے گا کہ دوزخ یا جنت میں کسی خلافِ عقل چیز کو پیدا کرنا اللہ کی قدرت سے باہر ہے۔ دنیا میں انسان کی چند روزہ زیست اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے اور پھر اس چند روزہ زیست کے لیے یہ کچھ عجائبات پیدا کیے ہیں، جہاں انسان کا ہمیشہ کا رہنا خدا تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، وہاں جس قدر عجائبات ہوں کچھ عقل سے دور نہیں ہیں۔ غرض جو چیز عقل میں نہ آئے اُس کو قدرتِ الٰہی سے باہر جاننا

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۳ ج ۶۔

الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

بڑا عذاب ۔ بیشک ہم پاس ہے پھر آنا پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے ان سے حساب لینا ۔

ع ۱ / ۲۶ / ۱۳

آیاتھا ۳۰ ——— (۸۹) سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۰) ——— رکوعھا ۱

سورۃ الفجر مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِي

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور اس رات کی جب رات گزر چکی ہے ان چیزوں کی

ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ﴿۵﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾

قسم پوری عقلمندوں کے واسطے ۔ تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد سے وہ جو ارم تھے بڑے ستونوں والے

کسی عقلمند کا کام نہیں ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے ،پھر عقل میں یہ جرأت کیونکر ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی قدرت کا انکار کر سکے غرض اسی عقل غلطی کے سبب سے یہ لوگ حشر کا انکار کرتے ہیں ان لوگوں کی یہ غلطی عجی عجائباتِ قدرت پر غور کرنے سے رفع دفع ہو سکتی ہے ۔مسند امام احمد صحیح مسلم ترمذی[۱] نسائی مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انما انت مذکر سے اخیر سورۃ تک اس سورۃ کی آیتیں پڑھیں اور فرمایا کہ مجھ کو مشرک لوگوں سے لڑنے کا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جب تک مشرک لوگ کلمہ گو نہ بن جائیں جب وہ کلمہ گو بن گئے تو جہاد تو ختم ہو گیا لیکن ان کے دل کا حال اور ان کا حساب کتاب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ۔غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جو ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو کلام الٰہی سنا کر اپنا حق ادا کر دو بس تمہارا اتنا ہی کام ہے ،تم ان لوگوں پر داروغہ نہیں ہو کہ کسی پر زور زبردستی کرو ۔اس کا حکم جہاد کے حکم کے نازل ہونے تک محدود تھا ۔اوپر اس طرح کی دو ایک اور آیتوں کے حکم کی تفصیل گزر چکی ہے ۔

۱تا۴ ۔ دس راتوں اور طاق اور جفت کی تفسیر اگرچہ سلف نے طرح طرح سے کی ہے ۔لیکن امام المفسرین[۲] حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابن زبیرؓ اور مجاہد اور اکثر سلف کا قول یہی ہے کہ دس راتوں سے مراد ماہ ذی الحجہ کی اول کی دس راتیں ہیں یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ۔کیونکہ مسند[۳] امام احمد نسائی و مستدرک حاکم بیہقی وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت میں یہی تفسیر آچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دس راتوں سے مراد شروع ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں ۔حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار[۴] دیا ہے ۔اور طاق اور جفت کی تفسیر میں یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ طاق اور جفت سے مراد طاق اور جفت نمازیں ہیں جیسے مغرب اور عشاء ۔کیونکہ مسند امام احمد ترمذی[۵] ابو داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مرفوع اور

[۱] جامع ترمذی ۔تفسیر سورۃ الغاشیہ ص ۱۹۲ ج ۲ و تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۳ ج ۶ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۷ ج ۴ [۳] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۸ ج ۴ ، تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۵ ج ۶ [۴] تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۶ ج ۶ [۵] جامع ترمذی ۔تفسیر سورۃ الفجر ص ۱۹۲ ج ۲ ۔

الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ

جو بنے نہیں سارے شہروں میں مانند اُن کے اور ثمود سے جنھوں نے تراشے پتھر وادی میں اور فرعون سے

ذِي الْأَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ

وہ میخوں والا یہ سب جنھوں نے سر اٹھایا ملکوں پر پھر بہت ڈالی ان میں خرابی پھر پھینکا ان پر

رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

تیرے رب نے کوڑا عذاب کا تیرا رب لگا ہے گھات میں۔

موقوف روایتوں میں بھی تفسیر آچکی ہے۔ بعضے مفسروں نے یہ جو اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی مبہم ہے اُس کا جواب حافظ ابن کثیرؒ نے دے دیا ہے کہ وہ راوی عمران بن عصام ضبعی ہے چنانچہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر کی سند میں اُس کی صراحت کردی ہے اور اس عمران بن عصام کو ابن حبانؒ نے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے اور قتادہؒ نے اِن عمران کو اپنا استاد قرار دیا ہے۔ بعضے مفسروں نے اس سورۃ کی تفسیر میں شہر ارم کا جو قصہ لکھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ معاویہ کے زمانہ میں عبداللہ بن قلابہ ایک شخص نے اس شہر کو جاکر دیکھا ہے۔ اس قصہ کی سند صحیح نہیں ہے اور معتبر مفسرین نے اس قصہ کو نامعتبر ٹھہرایا ہے۔ صحیح تفسیر یہی ہے کہ عاد بن ارم عاد اولیٰ حضرت ہود کی امت کا نام ہے۔ غرض ارم قبیلہ کا نام ہے کسی شہر کا نام نہیں ہے۔ عاد اولیٰ اسی قبیلہ ارم کو کہتے ہیں۔ اور عاد ثانی ثمود کو اور یہ دونوں ارم کی طرف نسبت کیے جاتے ہیں والليل اذا يسر کا یہ مطلب ہے کہ جب کچھ رات آجائے۔ حجر کے معنے عقل کے ہیں۔ ذات العماد سے مراد دراز قد ہے کیونکہ ان میں ہر شخص بارہ گز کے قد کا ہوتا تھا۔ ابی بن کعب کی قرأت میں لم يخلق مثلهم فى البلاد ہے اسی کے موافق لم يخلق مثلها فى البلاد کے معنے یہ ہیں کہ قبیلہ ارم کے مانند کوئی قبیلہ قوت اور زور میں پیدا نہیں ہوا۔ یا عماد کے معنے ان ستون اور مناروں کے ہیں جو یہ لوگ بلند مقاموں پر اپنے نام کے لیے بناتے تھے۔ اس صورت میں لم يخلق مثلها فى البلاد کے معنے یہ ہوں گے کہ اس قبیلہ جیسے مضبوط ستون اور منارے کسی شہر میں کسی قوم نے نہیں بنائے۔ ثمود حضرت صالح کی قوم کا نام ہے۔ یہ لوگ سنگتراشی کے بڑے ماہر تھے۔ پتھروں کو تراش تراش کے انھوں نے بہت سی عمارتیں بنائیں۔ وادی سے مراد وادی القریٰ ہے جو ملک شام کی طرف ہے۔ فرعون بڑا صاحب لشکر تھا خیموں کی میخیں کثرت سے اُس کے لشکر کے ساتھ رہتی تھیں اس لیے اس کو میخوں والا فرمایا۔ سخت آندھی سے عاد اور سخت آواز سے ثمود کو اللہ تعالیٰ نے غارت کیا اور فرعون مع اپنے لشکر کے ڈوب کر مرا۔ ان عذابوں کو کوڑا اس لیے فرمایا کہ گویا بہ نسبت عذاب آخرت کے یہ عذاب ایسے ہیں کہ جس طرح کسی کو چند کوڑے مار دیے۔ اوپر کی قسموں کے بعد جو کچھ فرمایا اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کام اللہ کی نگاہ میں ہے جس طرح ان پچھلی قوموں کی سرکشی اُن کے آگے آئی۔ قریش اگر اپنی گردن کشی سے باز نہ آئے تو ایک دن یہی نتیجہ اُن کے آگے آنے والا ہے اور قریش کے صاحب عقل لوگوں کے لیے یہ فہمائش ایسی یقینی ہونی چاہیے کہ اُس سے بڑھ کر کوئی یقینی بات ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ اللہ نے اس مطلب کو قسم کھا کر فرمایا ہے۔ اللہ سچا ہے۔ اللہ کا

۵۱؎ تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۶ ج ۴ ۵۲؎ ایضاً ۵۳؎ تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۸ ج ۴۔

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ۬ فَيَقُوۡلُ رَبِّيۡۤ اَكۡرَمَنِ ؕ﴿۱۵﴾ وَ

سو آدمی جو ہے جب جانچے اُس کو رب اُس کا پھر اُس کو عزت دی اور اُس کو نعمت دی تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی۔ اور

اَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ۬ فَيَقُوۡلُ رَبِّيۡۤ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلۡ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ

وہ جس وقت اُس کو جانچے پھر کھینچ کرے اُس پر روزی اس کی تو کہے رب نے مجھ کو ذلیل کیا کوئی نہیں، پر تم عزت نہیں کرتے

الۡيَتِيۡمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾

یتیم کی اور تاکید نہیں رکھتے آپس میں محتاج کی کھانے کی اور کھاتے ہو مرُدے کا مال سمیٹ کر سارا

وَّتُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الۡاَرۡضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ

اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر۔ کوئی نہیں جب پست کرے زمین کو کوٹ کوٹ کر اور آئے تیرا رب

وعدہ سچا ہے۔ بدر کی لڑائی سے لے کر فتح مکہ تک قریش کے نافرمان لوگوں کے سامنے جو آیا وہ ظاہر ہے۔

۱۵ تا ۲۰۔ اوپر کی آیتوں میں قریش کی طرح طرح کی سرکشی کے سبب سے عاد و ثمود و فرعون کی ہلاکت کا قصہ اُن کے راہِ راست پر آنے کے لیے ذکر فرمایا تھا۔ ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو قیامت کا انکار ہے اس لیے عقبیٰ کی بھلائی برائی کو تو یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں فقط دنیا کی زیست پر ان کے سب کاموں کا مدار ہے جس کے سبب سے ان کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں جو کوئی آسودہ حال ہے اُس پر خدا مہربان ہے اور اس کی عزت خدا کو منظور ہے اور جو کوئی دنیا میں تنگ حال ہے اُس سے خدا ناخوش ہے اور اُس کی ذلت خدا کو منظور ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کے نزدیک بات یوں نہیں جیسے ان کا خیال ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ ابھی فرعون کا قصہ جو اُن کو سنایا۔ مثلاً اس میں فرعون کی آسودہ حالی کو اور اُس پر جو عتابِ الٰہی ہوا، اس کو یہ لوگ یاد کریں تو اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کی آسودہ حالی خدا کے نزدیک کچھ ایسی قدر کی چیز نہیں ہے کہ جس پر وہ مہربان ہو، اُسی کو آسودہ حالی دے۔ بلکہ آسودہ حالی اور تنگ حالی یہ خدا کی ایک مصلحت ہے جس کا حال اسی کو معلوم ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ قریش میں یہ بھی ایک دستور تھا کہ وہ مُردہ کے مال میں سے یتیم نوعمر لڑکوں اور عورتوں کو کچھ حصہ نہیں دیتے تھے۔ اسی واسطے آسودہ حالی اور تنگ حالی کے تذکرہ میں یہ بھی قریش کی مذمت فرمائی کہ یہ لوگ دنیا کی آسودہ حالی کو ایسا عزیز جانتے ہیں کہ یتیموں کا حق مار کر مُردہ کا سب مال دبا رکھنے کا دستور اور محتاج کو ایک ٹکڑا روٹی کا نہ دینے کا دستور اُنھوں نے نکال رکھا ہے۔ غرض قریش کے اس غلط خیال کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کی آسودہ حالی تو کچھ خدا کی مہربانی کا سبب نہیں بلکہ دنیا کے آسودہ حال لوگوں کا اس طرح کا برتاؤ جیسا کہ تم لوگوں کا ہے اور اُلٹا خدا کی خفگی کا سبب ہے۔

۲۱ تا ۳۰۔ قیامت کے انکار کے سبب سے قریش طرح طرح کی نافرمانی جو کرتے تھے اُس کے انجام سے ڈرانے کے لیے اوپر کی آیتوں میں اُن کو عاد ثمود اور فرعون کی ہلاکت اور تباہی کا قصہ سنایا گیا تھا اُس کے بعد ان آیتوں میں قیامت کا ذکر فرمایا کہ نافرمان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی نافرمان دنیا کے عذاب سے بچ بھی جائے تو اُس کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بچ گیا۔ کیونکہ اصل سزا و جزا کی جگہ دنیا نہیں، اصل جزا و سزا کے لیے دنیا کے ختم کے بعد قیامت کا دن ہے جس میں

وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی

اور فرشتے آویں قطار قطار ۔ اور لائے اُس دن دوزخ کو اُس دن سوچے آدمی اور کہاں ملے

لَهُ الذِّكْرٰی ﴿۲۳﴾ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿۲۴﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ

اُس کو سوجھنا ۔ کہے کسی طرح میں کچھ آگے بھیجتا اپنے جیتے پھر اُس دن مار نہ دے اُس کی سی مار

اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰی

کوئی اور باندھ نہ لے اُس کا سا باندھنا کوئی اے جی چین پکڑے پھر چل اپنے

وہ فیصلہ کیا جائے گا جس کا آگے ذکر ہے۔ زمین کا جو حال ان آیتوں میں ہے وہ دوسرے صور کے وقت کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نئی زمین میں کوئی بلندی کی چیز نہ ہوگی بلکہ پہاڑوں ٹیلوں اور عمارات اِن سب بلندی کی چیزوں کو کوٹ کر پست کر دیا جائے گا جس سے کل زمین پست ہو جائے گی اور اس سرے سے اُس سرے تک ایک میدان نکل آئے گا محشر کے طرح طرح کے انتظام کے لیے فرشتوں کے زمین پر اترنے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے زمین پر نزول فرمانے کا جو ذکر ہے اُس کا اور صحاح کی حضرت ابوہریرہؓ[۱] کی حدیث کا مضمون ایک ہی ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ اُس حدیث سے پچھلی رات کے وقت ہر شب کو اللہ تعالیٰ کا اوّل آسمان پر نزول فرمانا اور حاجتمندوں کی دعاء اور گنہگاروں کی توبہ قبول کرنا ثابت ہوتا ہے اور یہاں لوگوں کے حساب و کتاب کے لیے میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کا نزول فرمانا ثابت ہوتا ہے[۲]۔ جس وقت تمام دنیا کے لوگ میدانِ محشر کی گرمی اور پسینے سے گھبرائیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاء کے پاس حساب کتاب کی جلدی شروع ہو جانے کی شفاعت بارگاہِ الٰہی میں پیش کرنے کی خواہش ان انبیاء سے کریں گے اور سب انبیاء اس شفاعت سے انکار کریں گے۔ آخر خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس شفاعت کا اقرار اہلِ محشر سے کریں گے اور اپنے اس اقرار کے موافق بارگاہِ الٰہی میں شفاعت بھی فرمائیں گے آپ کی شفاعت قبول ہو کر اس وقت خلائق کے حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کا میدانِ محشر کا یہ نزول ظہور میں آئیگا جس کا یہاں اور سورۂ بقر میں اور آیتوں اور حدیثوں اور آثار صحابہ میں تفصیل سے ذکر آیا ہے اور سورۂ آلِ عمران میں آیات متشابہات کی بحث جو گزری ہے اُس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ سلف کا مذہب اس طرح کی آیتوں اور حدیثوں کے باب میں یہی ہے کہ بغیر تشبیہ کے اُن کے معنوں پر مسلمان آدمی کو ایمان لانا اور ان معنے کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے علم پر سونپنا چاہیے۔ اور اسی طرح کی آیتوں اور حدیثوں کے معنے میں تاویل کرنے کو ایک امر خلاف سلف خیال کرنا چاہیے۔ میدانِ محشر میں دوزخ کے لائے جانے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اُس وقت انسان اپنے کئے پر پچھتائے گا۔ لیکن اُس وقت کا پچھتانا اُس کو کچھ فائدہ نہ دے گا اُس وقت تو اسی قدر فیصلہ ہو جائے گا کہ جو لوگ عقبیٰ کی باتوں پر یقین اور اطمینان رکھتے تھے۔ جس یقین اور اطمینان کے سبب سے انھوں نے جہاں تک ہو سکا اپنی عقبیٰ سنواری

[۱] صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل ص ۲۵۸ ج ۱۔ [۲] صحیح مسلم باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار ص ۱۱۰، ۱۱۱ ج ۱۔

رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِي فِي عِبٰدِي ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿۳۰﴾

رب کی طرف تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی ، پھر مل میرے بندوں میں اور داخل ہو میرے بہشت میں ۔

ع ۱۴

آیاتھا ۲۰ ―― (۹۰) سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (۳۵) ―― رکوعھا ۱

یہ سورۃ بلد مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَأَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ

قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی اور تجھ کو قید نہ رہے گی اس شہر میں اور جنتے کی اور جو جنا ہم نے

خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿۴﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿۵﴾ يَقُولُ

بنایا آدمی کو محنت میں کیا خیال رکھتا ہے وہ کہ اس پر بس نہ چلے گا کسی کا ۔ کہتا ہے

وقف لازم

ان کو جنت اور جو اُن کے برخلاف تھے ان کو دوزخ کا حکم ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور اور سلف نے نفس مطمئنہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جس شخص کے دل میں ایمان اور آخرت کی باتیں منافقوں کی طرح اوپری نہ ہوں بلکہ خوب جمی ہوئی ہوں اور آخرت کی ہر ایک بات پر اس کو پورا یقین ہو ایسے ہی نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ طبرانی[۱] وغیرہ میں سعید بن جبیر اور عکرمہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس کا طائف میں انتقال ہوا اور لوگ اُن کو دفن کرنے کے لیے لے گئے تو ایک نئی صورت کا جانور آ کر حضرت عبداللہ بن عباس کی لاش میں سما گیا۔ اور جب اُن کی لاش پر لوگ مٹی ڈالنے لگے تو قبر کے اندر سے اس آیت کے پڑھنے کی آواز آئی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ اچھے لوگوں کو قبض روح اور دفن اور قبر سے اٹھنے کے وقت اور قیامت کے دن فرشتے نجات کی خوشخبری دیں گے۔ اس لیے یہ خوشخبری کا فرشتہ تھا جو جانور کی صورت میں لوگوں کو نظر آیا۔

۱تا۱۰۔ شروع سورۃ میں جس بات پر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے وہ یہی بات ہے جو ان آیتوں میں آگے فرمائی۔ تجھ کو قید نہ رہے گی کا مطلب یہ ہے کہ مکہ میں جو قید ہے کہ وہاں لڑائی منع ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اے نبی اللہ کے تم کو تھوڑی دیر کے لیے وہاں لڑائی حلال ہو جائے گی۔ ہجرت سے پہلے اس مکی سورۃ میں اللہ کا یہ ایک وعدہ تھا جس کو فتح مکہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے پورا کیا۔ چنانچہ صحیح[۲] بخاری و مسلم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑی دیر کے لیے مجھ کو مکہ میں لڑنا حلال کر دیا تھا۔ اس کے بعد مکہ میں بدستور لڑائی کی ممانعت ہے اب جس بات کو قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ یہ ہے کہ انسان ایک محنت اور مشقت کی حالت میں ہمیشہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ماں کے پیٹ سے لے کر مرتے دم تک کوئی وقت انسان کا محنت اور سختی سے خالی نہیں ہے

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۳۵۰ ج ۶ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۱ ج ۴ [۳] صحیح بخاری باب بعد باب منزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفتح ص ۶۱۵ ج ۲۔

أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾

میں نے کھپایا مال ڈھیروں کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں کسی نے بھلا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں

وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَا

اور زبان اور دو ہونٹ اور سوجھا دیں اس کو دو گھاٹیاں سو نہ دھمک سکا گھاٹی پر اور تو

أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا

کیا بوجھے کیا ہے وہ گھاٹی چھڑانا گردن کا یا کھلانا بھوک کے دن میں بن باپ کے لڑکے کو

بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو ماں کے سونے اور لیٹنے کے وقت ایک فرشتہ اس بچہ کا سر اونچا کر دیتا ہے تاکہ ماں کے لیٹنے کے وقت ماں کے سارے جسم میں جو خون دوڑتا ہے وہ خون بچہ کی ناک اور منہ میں بھر کر بچہ مر نہ جائے پھر پیدا ہونے کے وقت جو سختی ماں اور بچہ پر گزرتی ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اسی طرح پیدا ہونے کے بعد بچپنے میں جوانی میں بڑھاپے میں دکھ درد، طرح طرح کا رنج و غم ہر ایک کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ تفسیر کلبی میں لکھا ہے[1] کہ مشرکین مکہ میں ایک شخص ابو الاسد بڑا شہ زور تھا۔ اونٹ کی کھال پر کھڑا ہو جاتا تھا۔ دس دس آدمی اس کھال کو کھینچتے تھے کھال پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے اڑ جاتی تھی مگر اس کا قدم تک کھال پر سے نہ ڈگتا تھا۔ جب سورۂ مدثر کی یہ آیت اتری کہ دوزخ کے خازن انیس فرشتے ہیں تو اسی شخص نے کہا تھا کہ ان فرشتوں کو تو میں اکیلا کافی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شخص بڑی عداوت رکھتا تھا۔ اسی شخص کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر اس کو اور اس کی طرح اور جو لوگ اپنی جسمانی قوت یا مالی ثروت پر اتراتے ہیں ان کو نصیحت فرمائی ہے کہ انسان کے حالت اترانے کی نہیں ہے بلکہ جو بلائیں انسان کے پیچھے لگی ہوئی ہیں ان کو اگر ہر انسان دیکھے تو انسان کی حالت پچھتانے کی ہے۔ اور جس اللہ تعالیٰ نے انسان کے خلاف مرضی انسان کے پیچھے اس قدر بلائیں لگا کر انسان کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ منکرین حشر کی خلاف مرضی ان کے مر جانے کے بعد ان منکروں کو پھر پیدا کرے اور ان سے ذرہ ذرہ کا حساب لے۔ دو گھاٹیوں کی تفسیر وہی ہے جو صحیح مسلم[2] میں ابو مالک اشعری کی حدیث میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر روز صبح اٹھ کر لوگ دو طرح کے کام کرتے ہیں کوئی ایسا کام کرتا ہے جو عقبیٰ میں نجات کا سبب ہے اور کوئی اس کے برخلاف کام کرتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ دنیا کے نام کے لیے ہزاروں روپے خرچ کر کے اس پر بڑا فخر کرتے تھے اس کو فرمایا کہ کوئی یہ نہ جانے اللہ لوگوں کے ایسے بیجا اخراجات سے غافل ہے۔ نہیں نہیں۔ ایک دن ان سب اخراجات کا حساب ہوگا +

۱۱ تا ۲۰۔ عقبہ پہاڑ کی اس گھاٹی کو کہتے ہیں جس سے گزر مشکل ہو اور اقتحام کسی کام میں جان بوجھ کر پڑنے کو کہتے ہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ نیک کام کرنا ایسا مشکل ہے جس طرح کسی دشوار گزار گھاٹی سے گزر مشکل سے ہوتا ہے، اس کے بعد نیک کاموں کے غلام کے آزاد کرنے اور بھوکے کو کھانا کھلانے کو مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۴ ج ۴ [2] صحیح مسلم۔ باب فضل الوضوء ص ۱۱۸ ج ۱۔

ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا

جو ناتے دار ہے یا محتاج کے لڑکے کو جو خاک میں رُلتا ہے پھر ہوا ایمان لانے والے لوگوں میں جو تقید کرتے ہیں

بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

سہارنے کی اور تقید کرتے ہیں رحم کھانے کی یہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے اور جو منکر ہوئے

بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

ہماری آیتوں سے وہ ہیں کمبختی والے انھیں کو آگ میں موندا ہے۔

صحیح حدیثوں[۱] کے مطابق مطلب یہ ہے کہ غلام کے آزاد کرنے میں غلام کے ہاتھ پاؤں، اسی طرح ہر ایک عضو کی آزادی کا یہ اجر ہے کہ آزاد کرنے والے شخص کے سب اعضا، دوزخ کی آگ سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بھوکے کو کھلانے کا اجر ہے صحیح حدیث[۲] میں ہے کہ اطعموا الطعام تدخلوا الجنۃ بسلام۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بے کھٹکے جنت میں چلے جاؤ۔ لیکن ان نفلی کاموں کے ثواب کی توقع جب ہے کہ آدمی کے دل میں عقبیٰ کی سزا و جزا کا پورا یقین ہو اور ہر ایک نفلی عمل شریعت کے موافق اور ادائے فرائض کے بعد ہو اور اس میں دُنیا کے دکھاوے کا کچھ دخل نہ ہو۔ ورنہ اس کے برخلاف نیک عملوں کا حال سورۂ فرقان میں گزر چکا ہے کہ قیامت کے دن وہ ایسے اڑ جائیں گے جس طرح ہوا میں ریت اڑ جاتی ہے۔ اسی واسطے ان نفلی عملوں کے ذکر کے بعد فرمایا ثم کان من الذین اٰمنوا وتواصوا بالصبر جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے نفلی کاموں کا کرنے والا ایمانداروں میں سے ہو اس کے دل میں کسی شرک و بدعت و ریاکاری کا خیال نہ ہو کہ یہ باتیں ایمانداری سے بعید ہیں اور وہ ایسے لوگوں میں سے بھی ہو جن میں ادائے فرائض کی تکلیف پر صبر و تحمل کی تقید ہو۔ کیونکہ جس کے ذمہ ترک فرائض پر مواخذہ ہے اس کی نجات فقط نفلی عملوں سے مشکل ہے۔ پھر فرمایا وتواصوا بالمرحمہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسے لوگوں میں سے بھی ہو جن کی عادت خلق اللہ سے شفقت کے ساتھ برتاؤ رکھنے کی ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ خلق اللہ کے ساتھ جو لوگ ظلم و زیادتی کا برتاؤ رکھتے ہیں ان کی نیکیاں قیامت کے دن ظلم و زیادتی کے بدلہ میں مظلوموں کو بٹ جائیں گی چنانچہ ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح مسلم[۳] کے حوالہ سے اس باب میں اوپر گزر چکی ہے۔ پھر فرمایا جو اعتقاد اور عمل میں اس کے برخلاف ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ ایصاد کے معنے بند کر دینے کے ہیں اس لیے نار موصدہ کے یہ معنے ہیں کہ اس آگ سے نکل بھاگنے کا راستہ ہر طرف سے بند ہے۔

[۱] صحیح مسلم۔ باب فضل العتق ص ۴۹۵ ج ۱۔

[۲] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی افشاء السلام ص ۶۷۳۔

[۳] صحیح مسلم باب تحریم الظلم ص ۳۲۰ ج ۲۔

ایاتہا ۱۵ (۹۱) سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ (۲۶) رکوعہا ۱

سورۃ الشمس کی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ چڑھنے کی اور چاند کی جب آئے اس کے پیچھے اور دن کی جب اس کو روشن کرے اور رات کی جب

يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷

اس کو ڈھانک لے اور آسمان کی اور جیسا اس کو بنایا اور زمین کی اور جیسا اس کو پھیلایا اور جی کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰

پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا۔ اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملایا۔

۱تا۱۰۔ اس سورۃ میں قسم کھا کر جو بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی اُس کا حاصل یہ ہے کہ علم الٰہی کے موافق جو لوگ دنیا میں نیک اور عقبیٰ میں جنت کے قابل ٹھہر چکے ہیں اُن کا دل اکثر نیک کام کی طرف دوڑتا ہے اور اللہ کی طرف سے بھی ان کو نیک کام کی توفیق ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ علم ازلی میں بدقرار پا چکے ہیں ان کا دل ہمیشہ بد کام کی طرف دوڑتا ہے۔ اور اسی طرح کے اسباب بھی اُن کے لیے دُنیا میں پیدا ہو کر پھر حکم الٰہی کی کسی نصیحت کا اثر اُن کے دل پر نہیں ہوتا۔ غرض جس طرف انسان کا دل دوڑتا ہے دُنیا عالم اسباب میں ویسا ہی سبب خدا کی طرف سے موجود ہو جاتا ہے۔ اسی کو اس آیت میں جی میں ڈالنا فرمایا ہے۔ اگرچہ بعضے مفسروں نے اس آیت کی تفسیر اور طرح بھی کی ہے لیکن صحیح مسلم[۱] اور مسند امام احمد کی حضرت عمران بن حصین کی روایت میں خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس آیت کی تفسیر کی ہے اس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے اس واسطے جن مفسروں نے اس صحیح حدیث کے موافق تفسیر کی ہے وہی صحیح ہے۔ صحیح مسلم[۲] مسند امام احمد نسائی مصنف ابن ابی شیبہ کی حضرت زید بن ارقم کی اور مسند امام احمد کی حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دُعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ تو میرے دل کو پرہیزگاری کی خواہش نصیب کر اور میرے دل کو بری خواہش سے پاک کر دے۔ یا اللہ تجھ سے بہتر کوئی انسان کے دل کا پاک کرنے والا نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا بھی اس آیت کی اسی تفسیر کے موافق ہے جو تفسیر اوپر بیان کی گئی ہے۔ ان آیتوں اور حدیثوں سے اگرچہ بعضے علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ ہر ایک شخص کے نیک و بد عمل دیکھ کر دنیا میں ہی یقینی طور پر جنتی اور دوزخی کو پہچانا جا سکتا ہے۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ نیک عمل ایک ظاہری علامت نیک ہونے کی ہے۔ رہیں یہ باطنی باتیں کہ کس شخص کا خاتمہ نیک ہوگا اور کونسا عمل ریا سے پاک ہونے اور نیت کے خالص ہونے اور شریعت کے قاعدہ کے موافق صحیح ہونے کے سبب سے بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو گیا اور کونسا عمل مقبول نہیں ہوا۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے

[۱] صحیح مسلم۔ باب کیفیۃ خلق الادمی فی بطن امہ الخ ص ۳۳۴ ج ۲ [۲] صحیح مسلم باب فی الادعیۃ ص ۳۵۰ ج ۲۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ

جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے جب اٹھ کھڑا ہوا اُن میں کا بڑا بدبخت پھر کہا اُن کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اُونٹنی سے

وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾

اور اُس کے پینے کی باری سے۔ پھر انھوں نے اُس کو جھٹلایا پھر وہ کاٹ ڈالی۔ پھر اُلٹ مارا اُن پر اُن کے رب نے اُن کے گناہ سے پھر برابر کر دیا۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

اور وہ نہیں ڈرتا کہ پیچھا کریں گے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قضاء و قدر کا مسئلہ صحابہ کے رُوبرو بیان فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا تھا کہ حضرت جب جنتی اور دوزخی پہلے ہی قرار پا چکے تو اب ہم نیک عمل کیوں کریں جس فریق میں ہماری گنتی ہو چکی ہے اُسی فریق میں ہمارا انجام ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں تم نیک عمل کی کوشش کرتے جاؤ جس انجام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شخص کو پیدا کیا ہے وہ خواہ مخواہ اسی ڈھنگ پر لگ جاتا ہے۔ حاصل آپ کے جواب کا یہ ہے کہ بندہ کو بندگی کرنی چاہیئے تاکہ سرکشی نہ ثابت ہو۔ رہی یہ بات کہ وہ بندگی مولا کی مرضی کے موافق ہے یا اُس بندگی کے ظہور میں آنے سے پہلے مولا نے جن بعضے غلاموں کو اپنے ایک اندازہ سے فرمانبردار غلاموں میں لکھ لیا ہے وہ کون سے غلام ہیں۔ اس کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ جو آدمی کے قیاس سے باہر ایک بات ہے پھر ایسی قیاس سے باہر ایک بات کی بنیاد پر جو بندہ اپنے آقا کی بندگی چھوڑے گا۔ وہ فرمانبردار غلام کیونکر کہلا سکتا ہے۔ ہاں ظاہری چند روزہ فرمانبرداروں اور مرتے دم کے فرمانبرداروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اندازہ سے جان لیا ہے۔ اس لیے آخر کو ہر شخص اسی اندازہ کے ڈھنگ سے جا لگتا ہے۔ اور یہ ڈھنگ ایک غیب کی بات ہے۔ بغیر آخری وقت کے ظہور میں نہیں آ سکتی ۔

۱۱ تا ۱۶۔ یہ اونٹنی کا قصہ تفصیل سے سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ حاصل اِس قصہ کا یہ ہے کہ ثمود نے حضرت صالح سے ایک دن پہاڑ میں سے ایک حاملہ اونٹنی کے پیدا ہونے کا معجزہ چاہا اور حضرت صالح کی دُعا سے حاملہ اونٹنی پیدا ہوئی اور پھر اُس کے پیٹ سے بچّہ بھی پیدا ہوا۔ ثمود کے شہر میں پانی کی کشش تھی اس واسطے حضرت صالح نے یہ بات ٹھہرائی تھی کہ ایک روز وہ اُونٹنی پانی پیا کرے اور ایک روز لوگوں کے جانور پیا کریں۔ جس کنویں سے یہ اونٹنی پانی پیتی تھی، اُس کا نام ثمود نے اونٹنی والا کنواں رکھ دیا تھا۔ حضرت صالح نے باری جو ٹھہرائی تھی اسی باری کے دن کسی طرح کی شرارت کرنے سے حضرت صالح نے ثمود کو ڈرایا ہے جس کا ان آیتوں میں ذکر ہے۔ اُس باری کے موافق جس دن اُونٹنی اُس کنویں سے پانی پیتی تھی تو کنویں کا سب پانی پی لیتی تھی۔ اسی سبب سے اس محلہ کے لوگ اُونٹنی کو بُری نظروں سے دیکھنے لگے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ نو آدمیوں نے ایکا کر کے اُس اُونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ اُس اُونٹنی کی ہلاکت کے بعد اُس کا بچہ پہاڑ میں جا کر غائب ہو گیا۔ ایک شخص قدار بن سالف ان نو آدمیوں کا بڑا سرغنہ اور ثمود میں بڑا شریر آدمی تھا اور اُسی نے پہلا وار اس اُونٹنی پر کیا۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن زمعہ کی روایت سے یہ لفظ آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں

لہ صحیح بخاری تفسیر سورۃ والشمس ص ۷۰۷ ج ۲ و صحیح مسلم باب جہنم اعاذنا اللہ منہا ص ۳۸۳ ج ۲۔

آیاتھا ۲۱ (۹۲) سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ (۹) رکوعھا ۱

سورۃ الیل مکی ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ① وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ② وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰٓی ③ اِنَّ سَعْیَکُمْ

قسم ہے رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب روشن ہو اور اُس کی جو اُس نے پیدا کیے نر اور مادہ۔ تمھاری کمائی

لَشَتّٰی ④ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ⑥ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ⑦

بھانت بھانت کی ہے۔ سو جس نے دیا اور ڈر رکھا اور سچ جانا بھلی بات کو تو اُس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں۔

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ⑧ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ⑨ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ⑩ وَمَا یُغْنِیْ

اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو سو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے سختی میں اور کام نہ آئے گا

عَنْہُ مَالُہٗٓ اِذَا تَرَدّٰی ⑪

اُس کو مال اُس کا جب گڑھے میں گرے گا۔

فرمایا کہ ایک شریر آدمی نے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ وہ شریر آدمی یہی قدار بن سالف تھا۔ اس اونٹنی کی ہلاکت کے تین روز بعد زمین میں زلزلہ آیا اور آسمان سے ایک سخت آواز آئی جس سے سوا حضرت صالحؑ اور ان کے ساتھیوں کے اور سب مخالف غارت ہوگئے۔ ولایخاف عقبٰھا کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا کے بادشاہ کسی زبردست قوم پر ہاتھ ڈالنے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ اللہ ایسا زبردست ہے کہ ایک دم جو چاہے کردے۔ اُس کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح کسی پس و پیش کی پرواہ نہیں ✿

آتا ۱۱ ۔ رات کے اندھیرے اور دن کے اجالے اور حضرت آدم و حوا اسی طرح اُن کی اولاد میں مرد و عورت کے پیدا کرنے کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا اُس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں لوگوں کے عمل مختلف ہیں۔ کوئی عقبیٰ میں نیک کام کا بدلہ پانے کے یقین اور اسی نیت سے اچھے کام کرتا ہے۔ ایسا شخص اپنی نیکی کا پورا ثمرہ عقبیٰ میں بھی پائے گا اور دنیا میں بھی ایسے شخص کو دن بدن نیکی کی توفیق اللہ کی طرف سے دی جاتی ہے اور کوئی عقبیٰ کی جزا کے انکار کے سبب سے نیک کاموں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ نیک کاموں کے کرنے سے بے پروائی ظاہر کرتا ہے۔ ایسا شخص اپنا کیا عقبیٰ میں بھگتے گا۔ اور دنیا میں جبراً اللہ تعالیٰ اُس کو راستہ پر لانے کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ اس طرح مجبوری کی حالت میں نیک و بد کا وہ امتحان باقی نہیں رہتا جس کے لیے یہ دنیا پیدا کی گئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر ایک کام کا نتیجہ جی میں خوب جم جانے سے آدمی کو وہ کام سہل ہو جاتا ہے۔ اس لیے دنیا کے عملوں کے نتیجہ کے طور پر عقبیٰ کی سزا و جزا کا یقین جن لوگوں کے دل میں خوب جم گیا ہے اُن کو صدقہ خیرات اور ہر طرح کے نیک کام عقبیٰ کے ثواب کی امید پر سہل معلوم ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ عقبیٰ کے ثواب کے ہی منکر ہیں۔ اُن کو بغیر کسی امید کے ہر ایک نیک کام مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور جبراً اس مشکل کو حل کر دینا انتظامِ الٰہی کے خلاف ہے یہ انتظام

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا

ہمارا ذمہ ہے سوجھا دینا اور ہمارے ہاتھ میں ہے پچھلی اور پہلی سو میں نے سنا دی تم کو خبر ایک بھڑکتی آگ کی۔ اُس میں

يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي

وہی گرے گا جو بڑا بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ اور بچائیں گے اُس سے بڑے ڈرنے والے کو جو دیتا ہے

مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ

اپنا مال پاک کرنے کو اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا بدلا دے مگر چاہ کر منہ اپنے رب کا

وہی ہے جس کا ذکر آیت الذی قد رقھد ای کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ پھر فرمایا کہ جس مال کی الفت کے سبب سے لوگ صدقہ و خیرات میں بخل کرتے ہیں وہ مال قبر میں اُن کے ساتھ نہ جائے گا۔ اور اسی بے جا بخل کے سبب سے جب ایسے لوگ دوزخ میں جا پڑیں گے تو یہ مال وہاں ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ غرض مال کی اُلفت اُنہی کی سچی ہے جو اپنے مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اور ایک ایک کے دس یا سات سو کے نفع سے وہ دنیا سے اٹھتے وقت اپنا مال اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ صحیح مسلم[1] وغیرہ میں چند صحابہ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے مال کی تین حالتیں ہیں۔ جو آدمی نے کھانے پینے میں صرف کیا تو وہ گیا گزرا اور جو مرتے وقت چھوڑ گیا وہ دُوسروں کا ہے۔ ہاں جو کچھ اللہ کے نام پر دیا وہ مع نفع کے خدا کے خزانہ میں جمع ہے۔

۱۲ تا ۲۱۔ مستدرک حاکم مسند[2] بزار تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حضرت بلالؓ اور عامر بن فہیرہ اور زنیرہ وغیرہ یہ سات شخص لونڈی غلام ایسے تھے جو اسلام لے آئے تھے اور وہ مشرک لوگ جن کے یہ لونڈی غلام تھے ان پر روز طرح طرح کی سختی اور مار پیٹ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اِن ساتوں مرد و عورتوں کو اُن کے مشرک آقاؤں سے خرید کیا اور ساتوں شخصوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے باپ ابو قحافہ نے ایک روز حضرت ابوبکر صدیق سے کہا کہ تم کو اگر غلام آزاد کرنے منظور تھے تو ایسے قوی لوگ آزاد کیے ہوتے جو وقت پڑے پر تمہاری کچھ مدد کر سکتے۔ اِن عورتوں کے آزاد کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا میں نے جو کچھ کیا ہے وہ عاقبت کے فائدہ کے لیے کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں لا یصلٰھا سے آخر سورہ تک نازل فرمائیں۔ بعضے مفسروں نے اور شانِ نزول جو اِن آیتوں کی بیان کی ہے اُس کی سند قوی نہیں ہے۔ یہ جو فرمایا کہ بڑا بدبخت دوزخ میں جائے گا۔ مرجیہ فرقہ کے علماء نے اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ بڑے بدبخت مشرک لوگ ہیں وہی دوزخ میں جائیں گے۔ کوئی کلمہ گو گنہگار دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ مطلب قرآن اور حدیث کے مخالف ہے۔ قرآن میں منافق لوگوں کے دوزخ میں جلنے کا ذکر ہے صحیح[3] حدیثوں میں کلمہ گو ایماندار گنہگاروں کا دوزخ میں جانے اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا شفاعت کے سبب سے پھر اُس کے نکلنے کا ذکر ہے۔ لیکن سوا مشرکوں کے اور کلمہ گو گنہگار لوگ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے۔ دوزخ ہمیشہ کے لیے اصلی ٹھکانہ مشرکوں کا ہی ہوگا۔ اِس لئے اِس آیت میں فقط مشرکوں کا ذکر فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے

[1] صحیح مسلم کتاب الزھد ص ۴۰۷ ج ۲ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۳۵۹ ج ۶ [3] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجھمیۃ ص ۱۱۰۷ ج ۲۔

الْاَعْلٰى ۝٢٠ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝٢١

جو سب سے اوپر۔ اور آگے وہ راضی ہوگا۔

اٰیاتہا ۱۱ (۹۳) سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ (۱۱) رکوعہا ۱

سورۃ الضحیٰ مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ

قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی۔ اور رات کی جب چھا جائے۔ نہ رخصت کیا تجھ کو تیرے رب نے نہ بیزار ہوا اور البتہ پچھلا بہتر ہے تجھ کو

مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝٥ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝٦

پہلے سے۔ اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا بھلا نہ پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی۔

کہ جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے وہ لوگ بڑے بدبخت ہیں۔ ان علینا للھدیٰ سے اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا، آسمان سے کتابیں نازل فرما کر رسولوں کو بھیج کر فرمانبرداری اور نافرمانی کی سب باتیں ہر ایک زمانہ میں بتلا دیں اور اس اپنے وعدہ کو اچھی طرح پورا کر دیا۔ اب آدمی اپنے اختیار سے جو کچھ کرے گا اسی پر سزا و جزا کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا لیکن اس فیصلہ سے پہلے یہ نتیجہ علم الٰہی میں دنیا کے پیدا کیے جانے سے پہلے قرار پا چکا ہے کہ دنیا کے پیدا کیے جانے کے بعد باوجود آسمانی کتابیں نازل ہونے اور رسولوں کے سمجھانے کے ایسے بدبخت لوگ بھی دنیا میں ہوں گے کہ وہ آسمانی کتاب اور اللہ کے رسول کسی کو نہ مانیں گے اور آخر دوزخ میں جائیں گے۔ وانّ لنا للاٰخرۃ والاولیٰ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں اللہ کے اختیار اور تصرف میں ہیں۔ آدمی کو دین و دنیا ہر ایک طرح کی حاجت روائی کی خواہش اللہ سے کرنی چاہیے کہ یہ تقویٰ کا بڑا مجزہ ہے۔ ناراً تلظّٰی کے معنے خوب دہکتی آگ ہے۔

ا تا ۱۱۔ اگرچہ مفسروں نے اس سورۃ کی شان نزول میں طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ سب سے زیادہ صحیح شان نزول وہی ہے جس کا ذکر صحیحین[1] کی جندب کی روایت میں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ میں کچھ بیمار ہو گئے تھے اس بیماری کے سبب سے دو تین راتوں تک آپ تہجد کی نماز کو نہیں اٹھے۔ یہ دیکھ کر ام جمیل ابولہب کی بی بی نے کہا کہ محمد کے رب نے محمد کو چھوڑ دیا۔ اس لیے انھوں نے رات کو اٹھنا بند کر دیا۔ ام جمیل کی اس بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج رفع ہو جانے کی غرض سے یہ سورۃ نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے نبی اللہ کے نہ اللہ نے تم کو چھوڑ دیا ہے نہ وہ تم سے کچھ خفا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا رنج رفع کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ دنیا تو اسی طرح کے رنج و الم پیش آنے کی جگہ ہے۔ مگر چند روزہ دنیا گزر جانے کے بعد اے نبی اللہ کے تمھارے لیے عقبیٰ میں بڑے بڑے درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اسی طرح کی نصیحتوں کے اثر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی کسی راحت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مسند

[1] صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ والضحیٰ ص ۷۳۸ ج ۲۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾

اور پایا تجھ کو راہ بھٹکتا پھر راہ سوجھائی اور پایا تجھ کو مفلس پھر محفوظ کیا سو جو یتیم ہو اس کو نہ دبا۔

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾

اور جو مانگتا ہو اس کو نہ جھڑک اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر۔

امام احمد ترمذیؒ وغیرہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن بوریہ پر سونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر نشان پڑ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں یہ دیکھ کر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو معلوم ہوتا تو میں بوریہ پر کوئی چیز بچھونے کے طور پر بچھا دیتا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا چند روزہ ہے اس لیے مجھ کو دُنیا کی راحت درکار نہیں۔ میری اور دُنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مسافر تھوڑی دیر کسی سایہ دار درخت کے سایہ میں ٹھہر جاتا ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ آیت ولسوف یعطیك ربك فترضى کی شان نزول کی بابت صحیح سند سے تفسیر ابن ابی حاتم مستدرک حاکم بیہقی طبرانی وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روز الہام کے ذریعہ سے آئندہ زمانہ کا وہ حال معلوم ہوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے عہد میں پیش آیا کہ دُور دُور کے تمام شہر فتح ہو گئے اور اسلام کو نہایت ترقی ہوئی اور امتِ محمدیہ کو ہر طرح کی راحت نظر آئی۔ اس حال کے معلوم ہونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو زیادہ خوش کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ دُنیا کی راحت کے علاوہ اے نبی اللہ کے تمہاری امت کو اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی وہ راحت دینے والا ہے جس سے تم خوش ہو جاؤ گے اس معنے کی پوری تائید صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز قیامت کے دن کا امتِ محمدیہ کا انجام یاد کر کے رونے لگے۔ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی اللہ کے قیامت کے دن میں تمہاری امت کے ساتھ وہ برتاؤ برتوں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن احسانات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے دُنیا میں اپنے رسول پر کئے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دُنیا جیسی امتحان کی جگہ جب اللہ تعالیٰ کے احسانات کا یہ حال ہے تو عقبیٰ جیسی جگہ میں جو عین احسان کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا کیا حال ہو گا۔ پایا تجھ کو بھٹکتا کا یہ مطلب ہے کہ منصبِ نبوت قرآن کی نصیحتیں ان میں سے کوئی چیز بھی تم کو معلوم نہ تھی۔ حضرت کی پیدائش سے پہلے آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اور آپ کی عمر چھ برس کی تھی جب والدہ کا انتقال ہو گیا اور والدہ کے انتقال کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش اپنے ذمہ لی۔ جب آپ کی عمر آٹھ برس کی ہوئی تو عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کو پالا۔ اور آپ بڑے ہوئے اور حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہو جانے کے بعد آپ کی تنگدستی بھی کسی قدر دفع ہو گئی۔ ان ہی باتوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے اور

ل۵ جامع ترمذی۔ ابواب الزہد۔ ص ۷۲ ج ۲ ل۵ تفسیر الدر المنثور ص ۳۶۱ ج ۶ ل۵ صحیح مسلم باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ وبکائہ شفقتہ علیہم۔ ص ۱۱۳ ج ۱۔

آیاتھا ۸ — سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ (۹۴) (۱۲) — رکوعھا ۱

سورۃ الانشراح مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ اور اتار رکھا ہم نے تجھ سے بوجھ تیرا جس نے کڑکائی پیٹھ تیری

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦ فَاِذَا فَرَغْتَ

اور اونچا کیا ہم نے مذکور تیرا سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب فارغ ہو

اِس ذکر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کی یتیمی اور تنگدستی یاد دلا کر یتیموں اور تنگدستوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی نصیحت فرمائی ہے اور اللہ کے احسان کے بیان کرنے کا یہ مطلب ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ امّتِ محمدیہ کے ہر شخص کو اپنے نبی کی پیروی پر قائم رہنے کی توفیق دے تاکہ اللہ کے رسول کی پیروی کے طفیل سے یہ دولت قیامت کے دن حاصل ہو جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے ان کی امّت کے حق میں کیا ہے۔ صحیحین[1] میں انسؓ کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر قائم نہ رہے تو ایسے لوگوں کو فرشتے حوضِ کوثر پر سے گھسیٹ کر دوزخ میں لے جانے لگیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے یہ تو میرے طریقہ اور امّت کے لوگ ہیں۔ فرشتے کہیں گے آپؐ کے بعد یہ لوگ آپؐ کے طریقے پر قائم نہیں رہے۔ آپؐ اُن فرشتوں کے جواب میں فرمائیں گے ایسے لوگوں کا مجھ سے دور ہی رہنا بہتر ہے۔ اکثر مفسرین نے والضحیٰ سے لے کر ختمِ قرآن تک ہر سورۃ کے بعد اللہ اکبر کا کہنا ابی بن کعب کی روایت سے لکھا ہے مگر اس کی سند کا کچھ پتا نہیں لگا۔

۱ تا ۸۔ سینے کے کھول دینے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کے سینہ پر جو دل کا قلعہ کہلاتا ہے شیطان کا کسی طرح کا کچھ تسلط باقی نہیں رہا۔ چنانچہ صحیح مسلم[2] میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ اور شیطان کے شیاطینوں میں سے ایک شیطان ہر شخص کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے۔ اللہ کا فرشتہ نیک کام کی رغبت دلانے کے لیے ہے اور شیطان بُرے کام کی رغبت کے لیے مگر میرے شیطان کو اللہ تعالیٰ نے میرا ایسا فرمانبردار کر دیا ہے کہ وہ بجائے بُرے کام کی رغبت کے نیک کام کی رغبت مجھ کو دلاتا رہتا ہے۔ اسی مطلب کی صحیح مسلم[3] میں حضرت انسؓ کی وہ روایت ہے جس میں آپؐ کے سینہ کے چاک کئے جانے اور آپؐ کے دل سے حصّہ شیطانی کی ایک سیاہی کے نکال ڈالنے کا ذکر ہے۔ غرض ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ نیک بات کے قبول کرنے میں وہ تنگ دلی جس کا ذکر سورۃ انعام میں گزر چکا ہے آپ کے دل سے بالکل جاتی رہی اور

[1] صحیح مسلم باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۵۲ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب تحریش الشیطان بعثہ سرایاہ الخ ص ۳۷۷ ج ۲۔ [3] صحیح مسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۹۲ ج ۱۔

ع ۸ ۱۹

فَانْصَبْ ۝۷ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔

بجائے وسوسات شیطانی کے نور ایمانی دل میں بھر گیا جس سے احکام وحی کی پوری گنجائش آپؐ کے نورانی قلب میں پیدا ہو گئی۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر[۱] اور ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ بعضے صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ کے کھل جانے کا مطلب پوچھا تھا تو آپؐ نے یہی مطلب بیان فرمایا جو اوپر بیان کیا گیا۔ اس روایت کے چند طریقے ہیں جس کے سبب سے ایک سند کو دوسری سند سے تقویت ہو جاتی ہے۔ بعد اس کے ترک اولیٰ اور سہو سے جو دل پر کچھ بوجھ تھا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر سے وہ بوجھ بھی ہلکا کر دیا۔ اور قرآن کی چند آیتوں میں خطبہ اذان تکبیر التحیات میں اپنے نبی اللہ کے اللہ نے اپنے نام کے ساتھ تمہارے نام کا ذکر رکھا جس سے تمہارا نام مشہور ہوا۔ مکہ میں آپؐ تنگ دست رہتے تھے۔ اس لیے مشرکین مکہ آپؐ کو تنگ دستی کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ اس واسطے آیت فان مع العسر یسرا اس مکی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تنگ دستی کے رفع کر دینے کا وعدہ فرمایا اور ہجرت کے بعد وہ وعدہ پورا فرمایا کہ مدینہ میں آپ کو وہ تنگ دستی نہیں رہی۔ بیہقی مستدرک[۲] حاکم تفسیر عبدالرزاق وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے فرمایا ایک سختی دو آسانیوں پر کبھی غالب نہ آسکے گی۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ کوئی معرفہ اسم دو دفعہ بولا جائے تو وہ دو اسم ایک سمجھے جاتے ہیں مثلاً زید زید دو دفعہ بولا جائے تو ایک ہی شخص زید سمجھا جائے گا۔ اور پھر پہاڑ پہاڑ دو دفعہ بولا جائے تو وہ دو پہاڑ سمجھے جائیں گے۔ اس آیت میں عسر کا لفظ الف لام کے آنے سے معرفہ ہے اور یسر کا لفظ نکرہ۔ تو گویا ایک سختی کے ساتھ دو آسانیاں اللہ نے اس آیت میں ذکر فرمائی ہیں۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سختی دو آسانیوں پر کبھی غالب نہ آسکے گی۔ مستدرک بزار وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے سختی اگر پتھر کے اندر گھس کر رہے تو آسانی اس کا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ صحیح حدیث[۳] میں ہے کہ نماز کے وقت آدمی کے سامنے اگر کھانا آجائے تو پہلے کھانا کھانا چاہیے پھر نماز پڑھنی چاہیے تاکہ نماز کی حالت میں دل کھانے کے خیال میں نہ لگا رہے۔ یہی مطلب آیت فاذا فرغت فانصب کا ہے کہ دنیا کے ایسے ضروری شغلوں سے فارغ ہو کر عبادت کرنی چاہیے جن شغلوں میں آدمی کا دل پڑا ہوا ہے۔

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۵ ج ۴۔

[۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۵ ج ۴۔

[۳] مشکوٰۃ شریف باب فی الجماعۃ وفضلها۔ فصل اول ص ۹۶۔

آیاتہا ۸ سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ (۹۵) (۲۸) رکوعہا ۱

سورۃ التین مکی ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝۲ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝۳ لَقَدْ

قسم انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس شہر امن والے کی بیشک

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِیْنَ

بنایا ہم نے آدمی کو خوب سے خوب انداز پر پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے مگر جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۝۷

یقین لائے اور کیں بھلائیاں سو اُن کو نیگ ہے بے انتہا۔ پھر تو اس پیچھے کیوں جھٹلائے بدلہ ملنا۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ۝۸ ع

کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بہتر حاکم۔

ع ۸ / ۲۰

۱ تا ۸۔ انجیر اور زیتون یہ مشہور دونوں پیڑ ہیں۔ طور سینین اور طور سینا اس پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے باتیں کی تھیں۔ بلد امین سے مراد مکہ ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو بلکہ جانوروں تک کو ہر طرح کا امن ہے۔ اب اس قسم کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن سفیان ثوری کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ تفسیر کے باب میں جب مجاہد کا قول مل جائے تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے کسی دوسرے کے قول کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ تفسیر سیکھنے کی غرض سے مجاہد نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے تیس دفعہ قرآن شریف پڑھا ہے اور ہر ایک آیت کے معنے اور مطلب کو سمجھا اور حل کیا ہے۔ اسی سبب سے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے مجاہد کے قول پر زیادہ بھروسہ کیا ہے۔ اب مجاہد کے قول کے موافق قسم کے بعد کی آیتوں کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھی شکل میں پیدا کیا پھر اولاد آدم میں سے جو لوگ نافرمان تھے ان کو دوزخ میں ڈال دیا جہاں ان کی وہ اچھی شکل بگڑ گئی مثلاً متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں ہو گئے۔ اسی طرح بعضے اور طرح طرح کی بدشکلوں میں ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منکرین حشر کو قائل کیا ہے کہ یہ مشرکین حشر ایک دفعہ کی اپنی پیدائش کو دیکھ کر پھر دوبارہ پیدا ہونے کا انکار کیوں کرتے ہیں۔ ہر ایک دنیا کا حاکم ایک وقت اپنی کچہری کا ٹھہراتا ہے، خدا تعالیٰ تو سب حاکموں کا حاکم ہے اس نے نیک و بد کے انصاف کے لیے ایک دن جو ٹھہرایا ہے اس سے ان منکرین حشر کو تعجب کس بات کا ہے۔ اس معنے کے سوا اور معنی جو اس آیت کے اور مفسروں نے بیان کیے ہیں سب معنے مجاہد کے قول کے

۱؎ صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ والتین ص ۷۳۹ ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۷ ج ۴۔

اٰیاتها ۱۹ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۹۶) (۱) رکوعها ۱

سورۃ العلق مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا بنایا آدمی کو لہو کی پھٹکی سے پڑھ اور تیرا رب

الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ

بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا نہیں آدمی

لَيَطْغٰٓى ۝۶ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝۷ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝۸ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝۹

سر چڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے ہے آپ کو محفوظ۔ بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے تو نے دیکھا وہ جو منع کرتا ہے

مخالف ہیں اس واسطے اکثر مفسروں نے ان معنوں کو قوی نہیں قرار دیا۔ ترمذیؒ وغیرہ کی روایت اوپر گزر چکی ہے کہ اس سورۃ کے ختم کے بعد لفظ بلیٰ کہنا سنت ہے۔ اور بعض روایتوں میں بلیٰ وانا علیٰ ذٰلک من الشاھدین بھی آیا ہے۔

۱ تا ۵۔ اکثر مفسرین کے قول کے موافق سب سے پہلے اقرأ سے مالم یعلم تک یہی پانچ آیتیں نازل ہوئی ہیں پھر سورۃ نون والقلم۔ مسند امام احمد صحیح بخاریؒ و مسلم میں جو حضرت عائشہؓ سے روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ نزول وحی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچے خواب دکھانے شروع کئے۔ پھر آپؐ کو تنہائی کا شوق ہوا۔ چنانچہ غارِ حرا میں جاکر آپ ایک مہینہ تک تنہا رہے اور اللہ کی عبادت کیا کرتے۔ اسی تنہائی میں جبرئیل علیہ السلام یہ پانچ آیتیں لے کر آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے کہا پڑھو۔ آپؐ نے جواب دیا میں تو کچھ پڑھنا نہیں جانتا۔ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو تین دفعہ دبوچا اور یہ پانچوں آیتیں آپؐ کو سکھا دیں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ جتلا دیا ہے کہ جو ذات پاک ایسی حقیر چیز خون کی پھٹکی سے انسان کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انسان کی ہر طرح کی تعلیم پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ ان پڑھوں کو پڑھا دینا بے لکھے والوں کو لکھنا سکھا دینا اس کے کرم سے کچھ بعید نہیں ہے۔ یہ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو جہالت کے اندھیرے سے نکال کر علم کے نور سے روشن دل کیا اور پھر کتابت کی وہ قابلِ قدر حکمت سکھائی جس سے دنیا میں علم کے باقی رہنے کا طریقہ انسان کے ہاتھ آیا۔ اگر یہ کتابت نہ ہوتی تو نہ علم دین قائم رہ سکتا نہ علم دنیا۔

۶ تا ۱۹۔ ان آیتوں کے شانِ نزول حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں جو ہے ان روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ ابوجہل نے اپنے بتوں کی قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ حرم شریف میں آنحضرتؐ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھے گا تو پیروں سے روند ڈالے گا۔ ایک دن اس نے آپؐ کو حرم میں نماز پڑھتے دیکھ کر قدم آگے بڑھایا کہ اپنی قسم پوری کرے۔ لیکن پھر پیچھے ہٹ آیا۔ لوگوں نے اس سے پیچھے ہٹ آنے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا مجھ کو ایک آگ کی خندق اور کچھ پردار بازو نظر آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ والتین ص ۱۹۳ (۲) صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ ص ۲ ج ۱ و تفسیر سورۃ اقرأ ص ۷۳۹ ج ۲

عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ۝۱۰ اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰۤى ۝۱۱ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰى ۝۱۲ اَرَءَيۡتَ

ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر یا سکھاتا ڈر کے کام۔ بھلا دیکھ تو

اِنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۳ اَلَمۡ يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝۱۴ كَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ ۙ لَنَسۡفَعًۢا

اگر جھٹلایا اور منہ موڑا۔ یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے۔ کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا۔ ہم گھسیٹیں گے

بِالنَّاصِيَةِ ۝۱۵ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۶ فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ ۝۱۷ سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ ۝۱۸

چوٹی پکڑ کر کیسی چوٹی جھوٹی گنہگار اب بلاوے اپنی مجلس کو ہم بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو

كَلَّا ؕ لَا تُطِعۡهُ وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ ۝۱۹ السجدة

کوئی نہیں، نہ مان اُس کا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو۔

ع ۱۹

آیاتہا ۵ — (۹۷) سُوۡرَةُ الۡقَدۡرِ مَكِّيَّةٌ (۲۵) — رکوعہا ۱

سورۃ القدر مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝۱ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۝۲ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ

ہم نے یہ اتارا شب قدر میں اور تو بوجھا کیا ہے شب قدر شب قدر بہتر ہے

اُس کی یہ بات سن کر فرمایا کہ اگر ابو جہل ذرا میرے پاس آورا آتا تو فرشتے اُس کی بوٹیاں کر ڈالتے ۔اسی قصہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں اس طرح فرمایا کہ پہلے عام طور پر انسان کی عادت کا ذکر فرمایا کہ مالدار ہو کر اپنے آپ سے باہر ہو جانا یہ انسان کی ایک جبلی عادت ہے۔ پھر جو کچھ فرمایا اُس کا حاصل یہ ہے کہ ابو جہل اگر راستہ پر آجاتا تو اُس کے لیے اچھا تھا۔ جب وہ راستہ پر نہیں آیا تو اللہ اس کے کرتوت دیکھ رہا ہے۔ ایک دن اُس کا کیا اُس کے آگے آئے گا۔ پھر فرمایا کہ ابو جہل آئندہ حرم میں نماز پڑھنے کو جو منع کرتا ہے اے رسول اللہ کے تم کو اس کا کہنا نہیں ماننا چاہیے۔ اور ہمیشہ حرم میں نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے قربت ڈھونڈنی چاہیے اور حفاظت تمہاری اللہ کے ہاتھ ہے۔ اگر ابو جہل اپنے حمائتیوں اور اپنی مجلس کے لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلائے گا تو اللہ تعالیٰ بھی دوزخ کے فرشتوں کو اس کے پیچھے لگا دے گا۔

**۱ تا ۵** - صحیح معنے آیت انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر کے یہ ہیں کہ لوح محفوظ سے شب قدر میں ایک دفعہ سارا قرآن شریف اوّل آسمان پر اترا اور پھر رفتہ رفتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تئیس سال تک نازل ہوتا رہا۔ نسائی۔ بیہقی۔ مستدرک حاکم مصنف ابن ابی شیبہ طبرانی میں معتبر سند سے جو روایتیں ہیں اُن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہی معنے اس آیت کے بیان فرمائے ہیں اگرچہ مفسرین نے اس آیت کے معنے اور بھی بیان کیے ہیں لیکن وہ معنے اس قدر صحیح نہیں ہیں۔ شب قدر کی فضیلت بہت سی حدیثوں میں آئی ہے۔ اب آگے لیلۃ القدر کی یہ فضیلت بیان فرمائی کہ اس ایک رات کی عبادت اور دنوں کے

۱؎ بخاری شریف تفسیر سورۃ اقرأ ص ۷۳۰ ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۸ ج ۴ ۲؎ تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۹ ج ۴ ۳؎ تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۰ ج ۴۔

مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴

ہزار مہینے سے اُترتے ہیں فرشتے اور رُوح اُس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر،

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک۔

ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر ہے۔ ہزار مہینے کے تراسی سال چار مہینے ہوتے۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص اس رات اپنی عمر بھر میں دس راتیں بھی عبادت کرے گا تو ہزار سال سے اونچی مدت کی عبادت ہو جائے گی۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں مجاہد سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کی ہزار مہینے کی عبادت کا ذکر کیا۔ صحابہؓ نے یہ ذکر سن کر اپنے زمانہ کی عمروں کے کوتاہ ہونے کے سبب سے اس قدر مدت کی عبادت سے اپنے آپ کو عاجز گنا۔ اُس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی جس سے صحابہ بہت خوش ہوئے۔ یہی قول صحیح روایتوں کے موافق ہے۔ لیلۃ القدر ہر رمضان شریف کے آخر کی عشرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے اور قیامت تک یہی حالت رہے گی۔ اس رات کو شبِ قدر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سال بھر کے ہر طرح کے انتظامات لوحِ محفوظ سے نقل کر کے ملائکہ کو دیئے جاتے ہیں۔ سال بھر کے اِن ہی انتظامات کا نام قدر ہے۔ کیونکہ وہ قضا و قدر کے موافق ہیں۔ انہی انتظامات کو قابو میں کرنے کے لیے غروبِ آفتاب سے لے کر صبح تک اس رات ملائکہ زمین پر رہتے ہیں اور اس رات کی عبادت کرنے والوں سے سلام علیک کرتے ہیں۔ روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ وہ بھی اور ملائکہ کے ساتھ اُس رات کو زمین پر اترتے ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ بعضے صحابہؓ نے رمضان شریف کے آخری ہفتہ میں لیلۃ القدر کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ رمضان کے اخیر ہفتہ میں اس خواب کے موافق شب قدر کی تلاش اور جستجو رکھو۔ اس روایت سے اور اسی قسم کی اور روایتوں سے بعضے علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ جس کو شب قدر نظر آئے تو اس کو کوئی چیز خلاف عادت نظر آنی چاہیے تاکہ اور راتوں میں اور شب قدر میں فرق پیدا ہو اور اسی فرق کے پتے سے شب قدر کی تلاش اور جستجو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق ہو سکے۔ پھر جن لوگوں کو اس رات خلاف عادت کچھ نظر آیا ہے اُن کے حوالہ سے اس خلافِ عادت چیز کی تفصیل ان علماء نے یہی کی تھی کہ وہ ایک نور سب جگہ نظر آتا ہے اور اس وقت ہر چیز سجدہ کی حالت میں ہوتی ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی دعاء قبول ہوتی ہے۔ صحیح روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر حضرت عائشہ کو یہ دعاء پڑھنے کا ارشاد کیا ہے۔ اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی ۔

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۲ ج ۴۔ [۲] صحیح بخاری باب التمسوا لیلۃ القدر فی السبع الاواخر ص ۲۷۰ ج ۱۔ [۳] مشکوٰۃ شریف باب فی لیلۃ القدر فصل ثانی ص ۱۸۲۔

آیاتھا ۸ (۹۸) سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۰) رکوعھا ۱

حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق یہ سورۃ مکی ہے اور جمہور کے قول کے موافق مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ①

نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں کتاب والے اور شرک والے باز آتے جبتک کہ پہنچے اُن کو کھلی بات۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ

ایک رسول اللہ کا پڑھتا ورق پاک اُس میں لکھیں کتابیں مضبوط اور پھوٹے جن کو وہ

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ

ملی ہے کتاب سو جب آچکی اُن کو کھلی بات۔ اور ان کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی

صحاح کی کتابوں[1] میں مرفوع اور موقوف جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے رسول اللہ کے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ اس سورۃ کو ابی بن کعبؓ صحابی کے روبرو پڑھو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر ابی بن کعب سے کیا تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرا نام اور میرا ذکر اللہ تعالیٰ کے روبرو آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اس بات کا اثر حضرت ابی بن کعبؓ کے دل پر ایسا ہوا کہ وہ رونے لگے۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابو درداؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت زید بن ثابتؓ چھ صحابی یہ اور ساتویں حضرت ابی بن کعبؓ یہ سات صحابی قرآن شریف کے قاریوں میں مشہور ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی زبان ایسی قابو میں تھی کہ جس طرح کی قراءت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے وہی اپنی زبان سے ادا کرتے تھے۔ صحیح مسلم[2] کی حدیث میں جو قصہ ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآن شریف کی کچھ آیتیں اس طرح پڑھتے ہوئے سنا جن کی قراءت ابی بن کعبؓ کی قراءت کے مخالف تھی۔ ان کو اپنی یاد پر بڑا بھروسہ تھا اس واسطے انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جھگڑا کیا۔ جب وہ جھگڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے دونوں قراءتوں کو صحیح قرار دیا۔ اور فرمایا مجھ کو سات قراءتوں میں قرآن شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ کو قراءت کا بڑا خیال تھا اور زبان بھی اُن کی قابو میں تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنے رسول کی قراءت اُن کو سنوائی تاکہ ان کے واسطہ سے اللہ کے رسول کی قراءت لوگوں میں پھیل جائے۔ ابو نعیم[3] وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص سورۃ لم یکن الذی پڑھتا ہے تو اللہ اس شخص کو عقبیٰ میں جنت کی اور دنیا میں فارغ البالی کی خوشخبری دیتا ہے ؏

۱ تا ۸۔ شروع سورۃ سے حتّٰی تاتیھم البینۃ تک کی آیت کا مطلب اس طرح کا مشکل ہے کہ جس کے بیان کرنے میں

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ بینہ ص۷۴۲ ج۲ [2] صحیح مسلم باب بیان القرآن انزل علی سبعۃ احرف الخ ص۲۷۳ ج۱ [3] تفسیر الدر المنثور ص۳۷۷ ج۶

مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ ۞ ۵

نری کرکر اُس کے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر اور کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ اُولٰٓـئِكَ

وہ جو منکر ہوئے کتاب والے اور شریک والے دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اُس میں وہ لوگ ہیں

هُمۡ شَرُّ الۡبَرِيَّةِ ؕ ۞ ۶ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓـئِكَ هُمۡ خَيۡرُ الۡبَرِيَّةِ ؕ ۞ ۷

بدتر سب خلق کے وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے بھلے کام وہ لوگ ہیں بہتر سب خلق کے۔

جَزَآؤُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ

بدلا اُن کے رب کے یہاں باغ ہیں بسنے کے نیچے بہتی اُن کے نہریں سدا رہیں اُس میں ہمیشہ۔ اللہ اُس سے

عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ رَبَّهٗ ۞ ۸

راضی اور وہ اُس سے راضی۔ یہ ملتا ہے اُس کو جو ڈرا اپنے رب سے۔

ع ۸ / ۲۳

اکثر مفسروں نے غلطی کی ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ بیّنہ[1] سے مراد نبی آخرالزماں ہیں۔ اور یہ آیت اُن لوگوں کی شان میں ہے جو اہلِ مکّہ اور اہلِ کتاب میں سے راہِ راست پر آ گئے اور اسلام لے آئے اور حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ اگر قرآن جیسی کتاب نازل نہ ہوتی اور نبی آخرالزماں جیسے رسول نہ آتے تو اہلِ مکّہ اور اہلِ کتاب سب کے سب اسی کفر کی حالت پر رہتے۔ اور کوئی اُن میں سے راہِ راست پر نہ آتا۔ پھر فرمایا کہ یہ اہلِ کتاب جو متفرق ہو رہے ہیں کہ کوئی اُن میں سے اسلام لے آیا اور کوئی بدستور حالتِ کفر پر اڑا ہوا ہے اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ اِن کو نبی آخرالزماں کے سچے ہونے یا قرآن کے کتاب آسمانی ہونے میں کچھ شک و شبہ ہے۔ کیونکہ جو احکام قرآن میں ہیں وہی احکام اُن کی کتابوں میں ہیں۔ اور قرآن کے نازل ہونے سے پہلے انہی احکام کے بجا لانے کا اُن کو حکم تھا اور یہ لوگ اُن احکام کو احکامِ الٰہی جانتے اور نبی آخرالزماںؐ کے نام سے لڑائیوں میں فتح کی دعائیں مانگتے تھے۔ اب نبی آخرالزماںؐ کے آنے کے بعد فقط اس حسد سے یہ لوگ اسلام کے منکر ہیں کہ نبی آخرالزماں بنی اسمٰعیل میں کیوں ہوئے۔ اور ان لوگوں کو یہ بھی خیال ہے کہ نبی آخرالزماںؐ کے زیرِ حکم ہو جانے سے اُن کی ہمیشہ کی ریاست اور حکومت میں بٹا لگ جائے گا۔ دُنیا کی اِن باتوں کے خیال سے انھوں نے اپنے دین کو جو برباد کیا ہے۔ یہ حالت اُن کی خدا کی لعنت کے قابل ہے۔ اب اِن معنوں کی بناء پر آگے کی آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ ملّتِ ابراہیمی میں قریش کے بڑے بوڑھوں اور شریعت موسوی میں یہود کے بڑے بوڑھوں کو اور شریعتِ عیسوی میں نصاریٰ کے بڑے بوڑھوں کو اگرچہ توحید سکھائی گئی ہے۔ لیکن نبوّت کے زمانہ کے بعید ہو جانے سے قریش اور اہلِ کتاب سب میں اس طرح کا کفر اور شرک پھیل گیا ہے کہ بغیر نبی آخرالزماں کے پیدا ہونے کے اس کفر اور شرک کی اصلاح ممکن نہ تھی۔ اب نبی آخرالزماں کے پیدا ہونے کے بعد جو لوگ اصلاح پر آ جائیں گے اُن کے لیے جنّت ہے اور جو لوگ نبی آخرالزماں کی نصیحت کو نہ مانیں گے اُن کے لیے جہنم ہے۔ آخر پھر فرمایا کہ جن لوگوں کے دِل میں خدا کے رُوبرو کھڑے ہونے کا خوف ہے ۔ اصلاح پر وہی لوگ آئیں گے اور جو

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۷ ج ۴ ۔

آیاتہا ۸ سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ (۹۹) (۹۳) رکوعہا ۱

حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق یہ سورۃ مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَقَالَ الْإِنْسَانُ

جب ہلائی جاتے زمین اُس کے بھونچال سے۔ اور نکال ڈالے زمین اپنے بوجھ اور کہے آدمی

مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ

اس کو کیا ہوا اُس دن بتاوے گی وہ اپنی سب باتیں۔ اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اُس کو۔ اُس وقت ہو پڑیں گے

النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَنْ

لوگ بھانت بھانت کہ اُن کو دکھائے اُن کے کیے۔ سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے۔ اور جس نے

يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾

کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اسے۔

ع ۸ ۲۳

قیامت کے دن سے نڈر یا اس سے منکر ہیں، اُس دن اُن کی مٹی خراب ہے۔

**آیات ۱ تا ۸** ۔ دجال کا پیدا ہونا سورج کا مغرب سے نکلنا۔ لال آندھی کا آنا۔ جس طرح یہ چیزیں دنیا کی مدت اخیر ہونے کی علامتیں ہیں۔ اسی طرح اس وقت ایک زلزلہ بھی لال آندھی کے آنے کے بعد آئے گا جس کا ذکر ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ کی روایت سے آیا ہے اور ایک زلزلہ دوسرا صور پھونکا جائے گا جب آئے گا۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے اس آیت میں جو زلزلہ کا ذکر ہے بعضے مفسر کہتے ہیں کہ اس سے پہلا زلزلہ مراد ہے اور بعضے کہتے ہیں دوسرا زلزلہ مراد ہے۔ اس زلزلہ کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے حساب و کتاب اور زمین کی شہادت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ باتیں تو ضرور دوسرے صور کے بعد کی ہیں۔ اس لیے اِس زلزلہ سے دوسرا زلزلہ مراد لینا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس زلزلہ سے پہلا زلزلہ مراد لیا جائے گا تو "نکال ڈالے زمین اپنے بوجھ" کا مطلب زمین کے خزانوں کے باہر آجانے کا ہوگا۔ جس کا ذکر صحیح مسلم کی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے۔ اور اگر زلزلہ سے دوسرا زلزلہ مراد لیا جائے گا تو زمین کے بوجھ باہر آنے سے مُردوں کا باہر آجانا مراد لیا جائے گا جس کا ذکر قرآن میں کئی جگہ ہے۔ مسند امام احمد ترمذیؒ نسائی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر ذرہ ذرہ جو لوگ کرتے ہیں اُس سب کی گواہی قیامت کے دن زمین ادا کرے گی۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جس وقت زمین ذرہ ذرہ نیک و بد عمل کی گواہی دے گی اس وقت لوگ کہیں گے کہ زمین کو کیا ہو گیا کہ یہ اس طرح کی گواہی پر مستعد ہو گئی۔ غرض اچھے لوگ شکر کے طور پر اور برے لوگ

۵۱ جامع ترمذی باب ماجاء فی اشراط الساعۃ ص ۵۴ ج ۲ ۵۲ صحیح مسلم باب حسر الفرات عن جبل من ذھب ص ۳۹۱ ج ۲ ۵۳ جامع ترمذی۔ تفسیر سورہ زلزلت ص ۱۹۳ ج ۲۔

اٰیاتھا ۱۱ — (۱۰۰) **سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ** (۱۴) — رکوعھا ۱

حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق یہ سورۃ مدنی ہے

**بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ**

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ

قسم ہے دوڑتے گھوڑوں کی ہانپتے پھر آگ سلگاتے جھاڑ کر پھر دھاڑ دیتے صبح کو پھر اٹھاتے اُس میں

نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷

گرد پھر گھس جا ہوئے اُس وقت فوج میں بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکر ہے اور وہ یہ کام سامنے دیکھتا ہے ۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِي

اور آدمی محبت پر مال کے مضبوط ہے کیا نہیں جانتا وہ وقت کہ کریدا جائے جو قبروں میں ہے اور تحقیق ہو جو

خوف سے اس کا چرچا کریں گے۔ جو عمل اکارت ہو جائیں گے۔ اُن کو بھی اس طرح دیکھ لے گا کہ مثلاً فلاں وقت کی نماز یا فلاں وقت کا روزہ یا صدقہ فلاں ریاکاری کے سبب سے اکارت ہو گئے۔ ان کا کچھ اجر نہ ملے گا۔ ترمذی[1] وغیرہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو ایک دفعہ پڑھے اُس کو آدھے قرآن کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔ آدھے قرآن کے ثواب کی حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ لیکن پاؤ قرآن کے ثواب کے باب میں چند حدیثیں آئی ہیں۔[2]

۱ تا ۱۱۔ اللہ تعالیٰ کا دین پھیلانے کے لیے جو لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر مخالف لوگوں پر حملہ کرتے تھے۔ اُن کے گھوڑوں کے دوڑنے اور دوڑنے میں ہانپنے اور پتھر پر دوڑتے وقت اُن کے نعلوں میں سے آگ کے شعلے جھڑنے اور صبح کے وقت حملہ کرنے اور حملہ کے وقت گرد و غبار اٹھنے اور اُس گرد و غبار میں سواروں کے دشمنوں میں گھس جانے کی اِن سب باتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ انسان کی حالت اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ بڑا ناشکرا ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کو پیدا کیا۔ اُس کی زیست بھر کے سب طرح کے آرام کا بندوبست کیا۔ پھر یہ انسان اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو اپنا معبود ٹھہراتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی حالت ناشکری کی ہوگی۔ پھر فرمایا کہ دین کی باتوں سے یہ انسان اس لیے غافل ہے کہ جا و بے جا مال کے سمیٹنے میں ہر دم اس کا دل پڑا ہوا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ ایک دن خود یہ دنیا سے چل بسے گا۔ اور اس کا سمیٹا ہوا سب مال یہیں دنیا میں پڑا رہ جائے گا۔ اور جب قبروں سے اُٹھیں گے اور دل کے منصوبوں تک کی تحقیقات ہو گی۔ اُس دن جس نیت سے اس نے یہ مال جمع کیا ہے اُس کا نتیجہ اُس کے سامنے آئے گا۔ صحیح بخاری کی انس بن مالکؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کے جنازہ کے ساتھ مال اولاد اور عمل یہ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دفن کے بعد مال و اولاد تو ایسی چیزیں ہیں کہ دنیا کی دنیا ہی میں رہ جاتی ہیں۔ فقط عمل ہی ایک ایسی چیز ہے جو اُس کے ساتھ جاتا ہے۔ معتبر سند سے عبداللہ بن شخیرؓ کی ترمذی[3] کی یہ حدیث

[1] جامع ترمذی۔ باب ماجاء فی اذا زلزلت ص ۱۳۲ ج ۲ [2] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی قراءۃ اذا زلزلت ص ۲۱۴ ج ۲ [3] مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الرقاق فی التصافح۔ فصل اول ص ۴۴۰۔ [4] جامع ترمذی۔ باب ما جاء فی الزهادة فی الدنیا ص ۵۹ ج ۲۔

الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

جیبوں میں ہے بیشک اُن کے رب کو اُس دن خبر ہے ۔

بھی گزر چکی ہے کہ آدمی تمام میرا مال میرا مال کہتا کہتا مر جاتا ہے لیکن مرنے کے بعد ساتھ اُس کے وہی جاتا ہے جس کو وہ اپنی زندگی میں اللہ کے نام دے جاتا ہے ۔ اور یہ صحیح حدیث قدسی بھی گزر چکی ہے کہ بُرے کام کو جب تک آدمی ہاتھ پیر سے نہ کر گزرے تو فقط دل کے ارادہ پر نامۂ اعمال میں کچھ بُرائی نہیں لکھی جاتی ۔ ظاہر میں اگرچہ آیت وحصل مافی الصدور کا مطلب اُس حدیث قدسی کے مضمون کے مخالف معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس آیت کے مطلب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھید کے طور پر جو باتیں لوگوں کے دل میں ہوں گی ۔ وہ بھی نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی اور اُن کا بھی حساب و کتاب ہو گا ۔ علماء محدثین اور مفسرین نے اس طرح کی آیتوں اور حدیثوں کو ایک جگہ جمع کر کے جو مطلب قرار دیا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ بعضے دل کے منصوبے ایسے ہوتے ہیں کہ ہاتھ پیروں کے کام سے اُن کو تعلق نہیں ۔ محض وہ دل کے ہی منصوبے ہیں ۔ اس طرح کے منصوبے اگر توحید یا نبوت یا قیامت کے شک کے متعلق ہوں تو یہ کفر کا درجہ ہے ۔ اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جانے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور یہ آیت اسی طرح کے منصوبوں سے متعلق ہے ۔ کیونکہ آیت میں ہاتھ پیروں کے عمل کا کچھ تذکرہ نہیں ہے ۔ اور بعضے دل کے منصوبے ایسے ہیں کہ اُن منصوبوں کو ظاہر میں ہاتھ پاؤں کے کام سے بھی تعلق ہے مثلاً جس طرح زناکاری یا چوری کا منصوبہ وہ حدیث قدسی اسی طرح کے منصوبوں سے متعلق ہے ۔ کیونکہ اس حدیث میں عمل کا بھی ذکر ہے اور اس طرح کے منصوبوں کے باب میں علماء کے دو قول ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اس طرح کے منصوبوں کا فقط دل میں خیال ہی خیال ہو تو کچھ نہیں ۔ اگر دل میں مضبوط پکا ارادہ کسی بُرے کام کرنے کا جم جائے تو وہ گناہ ہے ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس طرح کے منصوبہ کے موافق جب تک ہاتھ پیر سے کام نہ ہو جائے تو خالی پکا منصوبہ کچھ گناہ میں داخل نہیں ہے ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ ۔ اور مسند امام احمد ترمذی ابن ماجہ کی ابی کبشہ انماری کی حدیث سے پہلے قول کی پوری تائید ہوتی ہے ۔ یہ وہ حدیث ہے جس کو ترمذی[۲] نے صحیح کہا ہے اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار شخصوں کا ذکر فرما کر ایک شخص کو فرمایا ہے کہ نہ اُس کے پاس کچھ مال ہو نہ اُس کو کچھ علم ہو مگر وہ دل میں منصوبے باندھے کہ میرے پاس مال ہوتا تو یوں کرتا ۔ مجھ کو علم ہوتا تو یوں کرتا ۔ اس حدیث میں بُرے کام کے منصوبے کا بُرا انجام ٹھہرایا ہے اور بھلے کا بھلا ۔ اگرچہ اس سورۃ کے مکی اور مدنی ہونے میں سلف کا اختلاف ہے لیکن مسند بزار[۳] اور مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایتیں ہیں ۔ اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو ایک لڑائی پر بھیجا تھا اور مہینہ بھر کے عرصہ سے ان لوگوں کی کچھ خبر معلوم ہونے سے آپؐ کا دل پریشان تھا ۔ ان لوگوں کے حال میں اللہ نے یہ سورۃ نازل فرمائی ۔ اس شانِ نزول سے اس سورۃ کے مدنی ہونے کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ جہاد مکہ میں کہاں تھا ۔

[۱] صحیح بخاری، باب من هم بحسنة او سيئة ص ۹۶۰ ج ۲ [۲] جامع ترمذی، باب ما جاء مثل الدنيا مثل اربعة نفر ص ۶۰ ج ۲ [۳] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۲ ج ۴ ۔

آیاتہا ۱۱ — (۱۰۱) سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۰) — رکوعہا ۱

عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق یہ سورۃ مکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ

وہ کھڑکھڑاتی — کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی — اور تو کیا بوجھے کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی — جس دن ہوویں لوگ

كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

جیسے پتنگے بکھرے — اور ہوجائیں پہاڑ جیسے رنگی اُون دھنی — سو جن کی بھاری تُلیں

مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ

تولیں — سو اُن کو گزران ہے من مانتی — اور جس کی ہلکی ہوئیں تولیں — سو اُس کا ٹھکانا

هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱

گڑھا — اور تو کیا بوجھے وہ کیا ہے — آگ دہکتی۔

ع ۱ / ۱۱ / ۲۶

آ تا ۱۱۔ قارعہ سخت آواز کو کہتے ہیں۔ صور کی آواز اُس دن بہت سخت ہوگی اس لیے قیامت کا نام قارعہ رکھا گیا ہے بعضے مفسروں نے اُمّہ ھاویہ کے معنے یہ لکھے ہیں کہ اُم دماغ کو کہتے ہیں اس لیے حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ دوزخی لوگ دوزخ میں سر کے بل ڈالے جائیں گے لیکن صحیح معنے یہ ہیں کہ ھاویہ دوزخ کا نام ہے۔ اور جس طرح بچہ کا ٹھکانا بچہ کی ماں ہوتی ہے اسی طرح دوزخیوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس واسطے اس کو دوزخیوں کی ماں فرمایا۔ اور صحیح حدیثوں کا حوالہ گزر چکا ہے کہ دوزخ کی آگ کی گرمی ایک کم ستر حصے دنیا کی آگ سے بڑھ کر ہے اور تین ہزار برس تک دوزخ کی آگ دہکائی گئی ہے[۱]۔ اسی واسطے دوزخ کی آگ کو فقط آگ نہیں فرمایا دہکتی آگ فرمایا ہے۔ جن لوگوں کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی اُن لوگوں کا ذکر اس سورۃ میں نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور اکثر سلف کا قول ہے کہ سورۃ اعراف میں اہل اعراف جن لوگوں کو فرمایا وہ یہی لوگ ہوں گے اور آخر کو یہ لوگ بھی بغیر دوزخ میں جانے کے جنت میں داخل ہوں گے۔ تفسیر ابن مردویہ میں حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث بھی اس باب میں ہے۔ لیکن اس میں کسی قدر ضعف ہے۔ قیامت کے دن کس چیز کا وزن کیا جائے گا۔ اگرچہ اس میں سلف کا اختلاف ہے۔ لیکن نامۂ اعمال کے تولے جانے کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حشر کے دن لوگ بدحواسی سے ایک پر ایک گریں گے۔ اس لیے اُن کی مثال یہاں پتنگوں کی اور سورۃ قمر میں ٹڈیوں کی فرمائی ہے۔

---

[۱] جامع ترمذی۔ ابواب صفۃ جہنم ص ۹۶ ج ۲۔

آیاتہا ۸ سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (۱۰۲) (۱۶) رکوعہا ۱

حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق یہ سورۃ مکی ہے اور اکثر سلف کے نزدیک مدنی ہے اور یہی صحیح ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸

غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے جب تک جا دیکھیں قبریں کوئی نہیں آگے جان لوگے پھر بھی کوئی نہیں آگے جان لوگے۔ کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر جاننا بیشک تم کو دیکھنا دوزخ پھر دیکھنا اس کو یقین کی آنکھ سے پھر پوچھیں گے تم سے اس دن آرام کی حقیقت۔

ع ۸
۲۷

اتا ۸۔ صحتِ بدن، وقت پر غذا کا ملنا، ٹھنڈے پانی کا ملنا، اس طرح سب چیزیں جن پر آدمی کی زیست کا مدار ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو کام میں لاتے ہیں اور اطاعتِ الٰہی سے غافل ہیں اور رات دن زیادتی مال اور اولاد کی حرص و ہوس میں ان لوگوں کی زیست کٹتی ہے۔ اس ساری سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ آدمی کے پیچھے موت ایسی لگی ہوئی ہے کہ مرتے دم تک بھی آدمی مال اور اولاد کی ہوس میں لگا ہے تو بھی دُنیا اور دُنیا میں جو کچھ ہے سب چھوڑ جانے کی چیزیں ہیں۔ جو لوگ ان چھوڑ جانے کی چیزوں میں اس طرح مصروف رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکرگزاری سے غفلت کریں گے۔ قیامت کے دن ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کام میں لانے کی جوابدہی مشکل ہو جاتے گی۔ صحیح مسلم[1] میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے دیدارِ الٰہی اور حساب و کتاب کی ایک بہت بڑی حدیث ہے اور اس حدیث کا ایک ٹکڑا گویا اس سورۃ کی تفسیر ہے۔ حاصل اس ٹکڑے کا یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں صاحبِ نعمت اور اللہ کے رُوبرو کھڑے ہونے اور حساب و کتاب سے غافل ہیں۔ اس طرح کے لوگوں میں سے ہر ایک شخص کا حساب و کتاب یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے شخص کیا میں نے تجھ کو دُنیا میں عزت دار مالدار اور ہر طرح کا صاحبِ نعمت نہیں پیدا کیا تھا۔ جب یہ شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جس خدا نے ان نعمتوں کو پیدا کیا تھا اس کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو برت کر اس خدا کی یاد بھی تُو نے کچھ دل میں رکھی تھی؟ یہ شخص جب اس سوال کا جواب پورا نہ دے سکیگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ دنیا میں جس طرح تُو نے میری یاد کو بھلا دیا اسی طرح میں نے بھی آج اپنی رحمت سے تجھ کو محروم کر دیا اور بھلا دیا۔ اگرچہ علماء[2] مفسرین کے نزدیک مشہور قول یہی قرار پایا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے کیونکہ ترمذی[3] میں حضرت علیؓ کی جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کو عذابِ قبر کی

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الزهد ص ۴۰۹ جلد ۲ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۳۸۶ جلد ۶ [3] جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ التکاثر۔ ص ۱۶۴ جلد ۲۔

آیاتہا ۳ (۱۰۳) سُوْرَۃُ الْعَصْرِ مَکِّیَّۃٌ (۱۳) رکوعہا ۱

سورۃ العصر مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْعَصْرِ ① إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③

قسم ہے اترتے دن کی مقرر انسان ٹوٹے میں ہے مگر جو یقین لائے اور کیے بھلے کام اور آپس میں تقید کیا سچے دین کا اور آپس میں تقید کیا سہارا۔

تصدیق ہوئی ہے اور حضرت عائشہ کی صحیحین کی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں ایک یہودیہ نے عذابِ قبر کا ذکر کیا۔ اس وقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذابِ قبر سے نجات کی دعا ہر نماز کے بعد مانگنی شروع کی اور فرمایا ہاں عذابِ قبر حق ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر یہ سورۃ مکی ہوتی اور عذابِ قبر کی تصدیق مکہ میں صحابہؓ کو اس سورۃ کے نازل ہونے سے ہو چکی ہوتی تو مدینہ میں عذابِ قبر کا اس طرح سے نیا ذکر کیوں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم امت کے لیے ہر نماز کے بعد نجاتِ عذابِ قبر کی دعا مانگتے اور یہ فرماتے کہ ہاں عذابِ قبر حق ہے۔ تفسیر[۲] ابن ابی حاتم میں ابن بریدہ سے روایت ہے کہ انصار کے دو قبیلوں نے کچھ حسب ونسب کے فخر کی باتیں کی تھیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔ اس شانِ نزول سے بھی یہ سورۃ مدنی معلوم ہوتی ہے کیونکہ انصار مکہ میں کہاں تھے۔

آ تا ۳۔ اگرچہ مفسرین سلف نے لفظ عصر کے طرح طرح کے معنے کیے ہیں لیکن مشہور قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہی ہے کہ عصر کے معنے اس سورۃ میں زمانہ کے ہیں۔ اسی واسطے امام بخاری[۳] نے اسی قول کو لیا ہے۔ زمانہ کے موجودات دن میں دنیا بھر کے عجائبات قدرت میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ پیدائش میں سب انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں لیکن عادت میں کوئی نیک ہے۔ دنیا کی چندروزہ زیست میں عقبیٰ کی راحت کے اسباب مہیا کرتا ہے اور دوسروں کو بھی نیک راستہ سے لگاتا ہے۔ اور کوئی لہو ولعب میں اپنی زندگی ضائع کرتا ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے اور یہی بات اس سورۃ کے معنے کا حاصل ہے۔ نیک خیال دل میں جمے رہنے کے لیے دو صحابہ جب آپس میں ملا کرتے تھے تو اس سورۃ کو پڑھا کرتے تھے حق سے مراد ایمان اور توحید اور دین کی اور حق باتیں ہیں۔ حق اور صبر پر باہمی وصیت کے معنے ادائے طاعات اور ترکِ ممنوعاتِ شرعیہ پر باہمی تاکید کا رکھنا۔ اسی تاکید کی غرض سے صحابہ باہمی ملاقات کے وقت اس سورۃ کو پڑھا کرتے تھے کہ ایک شخص سے دوسرے کو نیک عمل پر قائم رہنے اور برے کام سے بچنے کی یاد دہی ہو جائے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث[۴] میں آیا ہے کہ آدمی یا تو خاموش رہے اور اگر بات کرے تو نیک بات کرے۔ حق بات پر قائم رہنے کے لیے

[۱] صحیح بخاری باب ما جاء فی عذاب القبر الخ ص ۱۸۳ ج ۱ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۴ ج ۴ [۳] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ العصر ص ۷۴۱ ج ۲ [۴] صحیح بخاری۔ باب من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ ص ۸۸۹ ج ۲۔

## (۱۰۴) سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲)

اٰیاتها ۹ — رکوعها ۱

سورۃ الھمزۃ مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ

خرابی ہے ہر طعنہ دینے عیب چننے کی جس نے سمیٹا مال اور گن گن رکھا سمجھتا ہے کہ اُس کا مال

اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۭ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ

سدا رہے گا اُس کے ساتھ ۔ کوئی نہیں اُس کو پھینکنا ہے اُس روندنے والی میں ۔ اور تو کیا بوجھا کون ہے وہ روندنے والی ۔ آگ ہے اللہ کی

الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَي الْاَفْـــِٕدَةِ ۭ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾ ع

سلگائی جو جھانک لیتی ہے دل کو ۔ اُن کو اُس میں موندا ہے لمبے لمبے ستونوں میں ۔

## (۱۰۵) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (۱۹)

اٰیاتها ۵ — رکوعها ۱

یہ سورۃ فیل مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۭ﴿۱﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۙ﴿۲﴾

کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں سے ۔ نہ کر دیا اُن کے داؤ کو غلط ۔

اور ناحق بات سے بچنے کے لیے صبر و تحمل درکار ہے۔ اس لیے یہاں صبر کا ذکر فرمایا ۔

۱تا ۹ - دنیا میں اگر آگ آدمی کے جسم میں اس طرح لگے کہ دل تک پہنچ جائے تو آدمی فوراً مر جائے۔ کیونکہ دل پر کوئی صدمہ پہنچے تو آدمی اُس کی برداشت نہیں کر سکتا۔ دوزخ کے عذاب میں یہ ایک اور سخت تکلیف ہے کہ دوزخی شخص ناقابلِ برداشت عذاب متواتر جھیلے گا اور پھر بے حیا زیست جیتا رہے گا۔ اسی واسطے سبح اسم میں فرمایا کہ دوزخی لوگ نہ زندوں میں ہوں گے نہ مردوں میں۔ تفسیر ابن منذرؒ وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ میں بعضے شخصوں کو چغل خوری اور لوگوں کی نقلیں لگانے کی عادت تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تنبیہ میں یہ سورۃ نازل فرمائی۔ دوزخ کے دروازے اس طرح بند کیے جائیں گے کہ کہیں سے روشنی نظر نہ آئے گی اور تین ہزار برس کے سلگانے سے دوزخ کی آگ کا رنگ تو کالا ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس واسطے دوزخ میں بالکل اندھیرا ہوگا۔ اور آگ کے لمبے لمبے ایک طرح کے ستون کی صورت کے تابوت ہوں گے جن میں بعضے دوزخیوں کو بند کر کے اوپر سے کیلیں جڑ دی جائیں گی۔ وہی ذکر اس سورۃ میں ہے ۔

۱تا ۵ - اس سورۃ میں جو قصہ ہے اُس کا ذکر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بیہقی مستدرکؒ حاکم وغیرہ میں ہے۔ حاصل

ل۱ تفسیر الدر المنثور ص ۳۹۲ ج ۶ ل۲ تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۹ ج ۴ ۔

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ

اور بھیجے اڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں لے پھینکتے اُن پر پتھریاں کنکر کی پھر کر ڈالا اُن کو جیسے بھس

مَّاْكُوْلٍ ۝

کھایا ہوا۔

آیاتہا ۴ (۱۰۶) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ (۲۹) رکوعہا ۱

سورۃ القریش مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا

اس واسطے کہ ہلا رکھا قریش کو ہلا رکھنا اُن کو کوچ سے جاڑے کے اور گرمی کے۔ تو چاہیے کہ بندگی کریں اس

اس قصہ کا یہ ہے کہ جب یوسف ذونواس نے ان عیسائی مذہب کے لوگوں کو آگ میں جلا کر ہلاک کیا جن کا ذکر والسماء ذات البروج میں گزر چکا ہے تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اپنے دو امیروں کو مع لشکر کے یوسف کی سرکوبی کو یمن روانہ کیا۔ ان دو امیروں میں ایک امیر ابرہہ تھا جو یوسف کو شکست دے کر آخر کو یمن کا مستقل امیر بن گیا اور اُس نے یمن میں ایک گرجا بنا کر یہ چاہا کہ کعبہ کی طرح اس گرجا کی زیارت کو خلقت آیا کرے۔ جب یہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوا تو جل گیا اور ایک بڑا لشکر مع چند ہاتھیوں کے اپنے ساتھ لے کر کعبہ کے ڈھانے کی نیت سے مکہ کو آیا اور اس کے حدود مکہ میں پہنچتے ہی اللہ تعالیٰ نے ایک طرح کے پرند جانور پیدا کئے۔ جن کی چونچ اور دونوں پنجوں میں ایک قسم کی کنکریاں تھیں۔ اللہ کے حکم سے ان پرند جانوروں نے وہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر پھینکیں جس سے ابرہہ مع اپنے لشکر کے ہلاک ہو گیا۔ اگرچہ اس بات میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ جس سال یہ قصہ پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اسی سال کی ہے یا آپ کی پیدائش سے پہلے یہ قصہ گزرا ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور سلف نے یہی امر صحیح قرار دیا ہے[1] کہ جس سال یہ قصہ پیش آیا اُسی سال اس قصہ کے ایک مہینہ بیس روز کے بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو اپنی نعمت یاد دلائی ہے کہ یمن حبشہ کے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ غارت نہ کرتا تو جس امن سے قریش آج بیٹھے ہیں۔ وہ امن ان کو کہاں نصیب ہوتا۔ صحیحین کی حدیث مشہور ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا جس اللہ کے گھر پر ہاتھی والوں کا بس نہ چل سکا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا تسلط اس پر کرا دیا۔

اتمام۔ ابی بن کعب نے الم ترکیف اور لایلف کو ایک سورۃ شمار کیا ہے[2]۔ اس حالت میں لایلف کا لام فجعلہم کعصف ماکول سے متعلق ہو کر سورۃ کے ایک ٹکڑے کے حاصل معنے یہ ہوئے کہ قریش کی تالیف کے لیے اصحاب فیل کو ہلاک کیا گیا۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۹ ج ۴۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۴ ج ۴۔

الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

گھر کے رب کی جس نے اُن کو کھانا دیا بھوک میں ، اور امن ڈر میں

ع ۳۱

آیاتہا ۷ (۱۰۷) سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ (۱۷) رکوعہا ۱

سورۃ الماعون مکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿١﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿٢﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى

تُونے دیکھا وہ جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونا سو وہی ہے جو دھکیلتا ہے یتیم کو اور نہیں تاکید کرتا

تاکہ اصحاب فیل کے فساد کے سبب سے قریش کے قدیمی امن اور اُن کے جاڑے گرمی کے سفر میں کوئی دقت نہ پیش آئے مگر باقی صحابہ کے نزدیک یہ دونوں سورتیں جدا جدا ہیں۔ اس حالت میں لایلاف کا لا فلیعبدوا سے متعلق ہوگا۔ اور دونوں حالتوں میں حاصل معنی تمام سورۃ کے یہ ٹھہریں گے کہ جس اللہ کے گھر کے خادم ہونے کے سبب سے قریش کو یہ عزت اور امن ہے کہ جاڑے کے موسم میں ملک یمن اور گرمی کے موسم میں ملک شام کا جب یہ سفر کرتے ہیں تو ہر کہیں اُن کی عزت ہوتی ہے، اور اور لوگوں کی طرح ان کے تجارت کے مال کو راستہ میں کوئی لوٹنے کی جرأت نہیں کرتا۔ جس تجارت سے ان کی گذران چلتی ہے ورنہ مکہ جیسے کوہستان میں یہ بھوک کے مرجاتے۔ پھر ایسے گھر کے مالک کی عبادت کو چھوڑ کر اوروں کی پرستش جو یہ لوگ کرتے ہیں اُن کی یہ بڑی نادانی اور ناشکری ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں ایک شخص نضر بن کنانہ تھا۔ اس کی اولاد کو قریش اس لیے کہتے ہیں کہ قریش کے معنے ایک جا جمع ہونے کے ہیں۔ یہ بنی کنانہ حرم کی خدمت کی غرض سے سب ایک جگہ بستے تھے اس واسطے ان کا لقب قریش ہوگیا۔ اگرچہ بنی کنانہ کے اس لقب قرار پانے کی اور وجوہات بھی ہیں لیکن صاحب قاموس نے اس وجہ کو مقدم رکھا ہے۔ تاریخ بخاری مستدرک[1] حاکم تفسیر ابن مردویہ وغیرہ میں ام ہانی سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی اس میں بڑی عزت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص سورۃ لایلاف ان کے حق میں ایسی نازل فرمائی جس میں کسی دوسرے کا ذکر نہیں ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح اس سورۃ میں قریش کی عزت ہے اسی طرح نہایت ورجہ اُن کی طرف سے یہ قائل معقولی بھی اسی سورۃ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی یہ بندہ نوازی اور اُن کی طرف سے یہ ناشکری کہ انھوں نے اپنے پالنے والے کی عبادت تو چھوڑ دی اور بتوں کی پرستش اختیار کی۔

آتا ہے۔ یہ نصف سورۃ مکی ہے جو منکرین جزا و سزا کی شان میں ہے اور نصف مدنی ہے جو منافقوں کی شان میں ہے۔ نماز سے بے خبر ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وقت پر نماز ادا نہیں کرتے۔ چنانچہ مسند[2] ابویعلیٰ میں معتبر سند سے مصعب بن سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انھوں نے اپنے باپ سعد بن ابی وقاص سے آیت الذین ھم

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۳ ج ۴ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۵ ج ۴۔

طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾

محتاج کے کھانے پر۔ پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہوں۔

الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ﴿٦﴾ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴿٧﴾

وہ جو دکھاوا کرتے ہیں اور مانگے نہ دیں برتنے کی چیز۔

آیاتہا ۳ — (۱۰۸) سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (۱۵) — رکوعہا ۱

سورۃ الکوثر مکی ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿٣﴾

ہم نے دی تجھ کو کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔ بیشک جو دشمن ہے تیرا وہی رہا پیچھا کٹا۔

عن صلاتھم ساھون کے معنے پوچھے تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا ساھون سے وہ لوگ مراد لئے گئے ہیں جو وقت کو ٹال کر نماز پڑھتے ہیں۔ یہ سعد بن ابی وقاص کا قول بمنزلہ حدیث نبوی کے ہے۔ کیونکہ صحابہ کی یہ عادت نہ تھی کہ قرآن شریف کی تفسیر وہ اپنی رائے سے کریں۔ چنانچہ اس تفسیر کے مقدمہ میں اس کا ذکر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ ابن ماجہ صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں معتبر سند سے ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص دنیا کے دکھاوے کے طور پر کوئی عمل کرے گا اُس کا کچھ اجر خدا کی درگاہ سے ایسے شخص کو نہ ملے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے بیزار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز پر کچھ موقوف نہیں۔ دین کا جو کام دنیا کے دکھلانے کے لئے کیا جائے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ہرگز قبول نہ ہوگا۔ ماعون سے مراد روزمرہ کے برتنے کی چیزیں ہیں۔ جیسے آگ پانی وغیرہ قیامت کے انکار کے بعد یتیم محتاج اور ہمسایہ سے بے مروّتی کا ذکر نماز کے نقصان کے ذکر کے ساتھ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایسے کام بھی وہی لوگ کرتے ہیں جن کو عقبیٰ کی جزا و سزا پر پورا بھروسہ نہیں ہے ورنہ جن کو عقبیٰ کی جزا و سزا پر پورا بھروسہ ہے وہ ایسے کام ہرگز نہیں کرتے جن سے اُن کو قیامت کے دن پچھتانا پڑے۔

ا تا ۳۔ معتبر سند سے مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کعب بن اشرف یہودی جب مکہ میں آیا تو قریش نے اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا۔ اُس نے قریش کی خوشامد کے خیال سے جواب دیا کہ تمہارا دین قدیمی اور حق ہے۔ اور آنحضرت کی شان میں یہ بھی کہا کہ اُن کا کوئی بیٹا تو ہے نہیں۔ اُن کی زندگی تک کا شور و غل ہے اور پھر اُن کا کوئی نام بھی نہ لے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی کہ اے رسول اللہ کے جو تمہارا دشمن ہے وہی ابتر ہے۔ ابتر اس کو کہتے ہیں جس کی موت کے بعد کوئی لڑکا اُس کا نہ رہے۔ کوثر ایک تو اس نہر کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ یہ نہر جنت کے بیچوں بیچ میں ہے۔ معراج کی رات آپ نے اس نہر کو دیکھ بھی لیا ہے

لہ الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی الاخلاص والصدق الخ ۵۸ ج ۱ ۔ ۲ہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۹ ج ۴۔

آیاتھا ۶ (۱۰۹) سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ (۱۸) رکوعھا ۱

سورۃ الکٰفرون مکی ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قُلْ یٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳

تو کہہ اے منکرو میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجو اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں۔

دوسرے کوثر اس حوض کو بھی کہتے ہیں جو محشر کے میدان میں ہوگا۔ اُس حوض میں اُس نہر کوثر سے پانی آئے گا اس لیے اُس کو بھی کوثر کہتے ہیں۔ حشر کے دن آفتاب کی گرمی اور دوزخ کی گرمی کے سبب سے پیاس بہت لگے گی۔ اس لیے پل صراط پر گزرنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے فرمانبردار لوگوں کو پانی پلائیں گے۔ نہر اور حوض کے ذکر میں بہت سی صحیح[1] حدیثیں ہیں۔ فرقہ خارجیہ اور فرقہ معتزلہ کے بعضے لوگوں نے اس حوض کا انکار کیا ہے۔ کیا عجب کہ اُس کی سزا میں ایسے لوگوں کو اُس دن اُس حوض کا پانی نہ ملے۔ اوپر جو حدیث گزر چکی ہے کہ حوضِ کوثر پر سے چند آدمیوں کو فرشتے گھسیٹ کر دوزخ میں لے جائیں گے۔ وہ اسی میدانِ محشر کے حوض کا ذکر ہے۔ کیونکہ نہر کوثر تو جنت کے بیچوں بیچ میں ہے۔ پل صراط کو طے کر کے وہاں وسط جنت میں جو کوئی پہنچ گیا اُس کے پھر جنت میں سے گھسیٹ کر نکالنے اور دوزخ میں لے جانے کا کہیں حکم نہیں ہے بلکہ اُس کے لیے تو خالدین فیہا ابدًا کا حکم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جنت میں چلے گئے وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے اُن کو وہاں سے کبھی نکالا نہ جائے گا۔ یہ کعب بن اشرف یہودی وہی ہے کہ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے قتل کا حکم دیا اور محمد بن مسلمہ وغیرہ صحابہ نے ۳ھ میں اُس کو قتل کیا۔ اُس کے قتل کا قصہ صحیح[2] بخاری میں تفصیل سے ہے۔ اُس کے قتل کے بعد اس کے کسی لڑکے کا اُس کے پیچھے رہنے کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ غرض اُس نے اللہ کے رسول کو جو ابتر کہا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود کتے کی موت مارا گیا۔ اور پھر اُس کا کوئی نام لیوا دنیا میں باقی نہیں رہا۔ اللہ کے رسول کا نام قیامت تک پانچوں وقت اذان میں پکارا جاتا ہے۔ محشر میں حوضِ کوثر اور جنت میں نہر کوثر اسی نام سے مشہور ہوں گے۔ نماز کے تو اہل مکہ منکر تھے اور قربانی بتوں کے نام کی کیا کرتے تھے۔ اور ہجرت سے پہلے سوائے نماز کے روزے زکوٰۃ حج کسی چیز کے فرض ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس مکی سورۃ میں فقط نماز اور قربانی کا ذکر فرمایا تاکہ قریش کو ملتِ ابراہیمی کے موافق خاص اللہ کے آگے سر جھکانے اور اسی کے نام پر جانوروں کے ذبح کرنے کی تنبیہ ہو جائے۔ قربانی اکثر سلف کے نزدیک سنت ہے۔ اور بعضوں کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ اور یہی قول قوی معلوم ہوتا ہے ؎

۱ تا ۶۔ طبرانی[3] اور تفسیر ابنِ ابی حاتم وغیرہ میں جو حضرت عبداللہ بن عباس سے روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور چند اور مشرکوں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ محمد تم ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو اور اس طرح

[1] صحیح بخاری کتاب الحوض ص ۹۷۳ ج ۲ و مسلم شریف باب اثباتِ حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۴۹ ج ۲ [2] صحیح بخاری۔ باب قتل کعب بن اشرف ص ۵۷۶ ج ۲ [3] تفسیر الدر المنثور ص ۴۰۴ ج ۶ -

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ

اور نہ مجھ کو پُوجنا جس کو تم نے پوجا اور نہ تم کو پوجنا جس کو میں پُوجوں ۔ تم کو تمھاری راہ

وَلِيَ دِيْنِ ۝

اور مجھ کو میری راہ ۔

## (۱۱۰) سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۴)

آیاتہا ۳ ——— رکوعہا ۱

سورۃ النصر مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝

جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فیصلہ اور تو نے دیکھے لوگ داخل ہوتے اللہ کے دین میں فوج فوج ۔

ہم اور تم مل جل کر مکہ میں رہیں کہ ایک سال تم ہمارے بتوں کی پوجا کر لیا کرو، ہم دوسرے سال تمھارے خدا کی بندگی کر لیا کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔ اگرچہ اس شانِ نزول کی روایت کی سند میں ایک شخص ابوحنیف عبداللہ بن عیسٰی ضعیف ہے۔ لیکن آیت قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون کے مضمون سے اس شانِ نزول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ قریش کی جس فرمائش کا ذکر اس شانِ نزول کی روایت میں ہے۔ آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی فرمائش ضرور کی تھی۔ بعضے مفسروں نے جہاد کی آیت سے اس آیت کو اور بعضوں نے ساری سورۃ کو منسوخ لکھا ہے۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ خبر میں ناسخ اور منسوخ نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک بات کی خبر دے کر پھر اس کو پلٹ ڈالنا جھوٹ کی ایک شاخ ہے۔ ہاں ایک بات کا امر یا اس کی نہی کر کے اس امر و نہی کو پلٹ ڈالنا ممکن ہے۔ علاوہ اس کے اس سورۃ میں اوّل سے آخر تک توحید کی تاکید اور شرک کی مذمت ہے۔ اس طرح کا مضمون قیامت تک منسوخ نہیں ہو سکتا ورنہ ساری شریعت منسوخ ہو جاتی۔ صحاح کی کتابوں میں جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح اور مغرب کی رکعتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔ کہ قل یا ایھا الکفرون کے پڑھنے سے پاؤ قرآن کے پڑھنے کا ثواب ملتا ہے ؛

۱ تا ۳۔ تفسیر قتادہ اور مقاتل میں ہے کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کے دو برس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی[۱] اس سورۃ کو سورۃ تودیع اس واسطے کہتے ہیں کہ اس سورۃ کے نازل ہونے سے صحابہ سمجھ گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے وداع اور رخصت ہونے کا زمانہ قریب ہے۔ صحیح[۲] بخاری مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے ؛ سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی اس سے معلوم ہوا کہ امت میں جو شخص بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے۔ اس کو

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۹ و ۵۶۰ ج ۴ [۲] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ النصر ص ۷۴۲۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿٣﴾

اب پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اُس سے بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔

ایاتہا ۵ — (۱۱۱) سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ (٦) — رکوعہا ۱

سورۃ اللھب مکی ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ﴿١﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ﴿٢﴾ سَيَصْلَىٰ نَارًا

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ اب کام نہ آیا اُس کو مال اُس کا اور نہ جو کمایا اب پڑے گا آگ

یہ دعا کثرت سے پڑھنی چاہیے۔ مسند امام احمد مستدرک حاکم وغیرہ میں جابر بن عبداللہ اور ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو پڑھ کر فرمایا۔ اس سورۃ کے مضمون کے موافق جس طرح اب لوگوں کے جتھے کے جتھے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جتھے کے جتھے دینِ الٰہی سے خارج ہوں گے حاکم نے ابوہریرہؓ کی حدیث کو صحیح کہا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس زمانہ کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے وہ زمانہ یہی آخری زمانہ ہے کہ دین میں طرح طرح کے فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ اللہ کے رسول کے خالص طریقہ پر بہت کم لوگ ہیں [1]۔

(آتا ۵۔ صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے صفا پہاڑ پر چڑھ کر قریش کو آواز دی جس سے بہت سے لوگ قریش کے جمع ہو گئے۔ اس کے بعد اُن لوگوں کو آپ نے طرح طرح کی نصیحت کی اور شرک سے ڈرایا۔ ان لوگوں میں ابولہب بھی تھا۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت سن کر بڑی نخوت سے گھڑی گھڑی اپنے دونوں ہاتھ جھٹکے اور کہا کہ اے محمدؐ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ کیا تو نے اسی واسطے آواز دے کر اور ہاتھوں کے اشارہ سے بلا کر ہم سب لوگوں کو جمع کیا ہے [2]۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔ یہ ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سے تھا۔ اُس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔ اور اس کی اصلی کنیت ابو عتبہ ہے۔ اس کے رنگ کے سرخ و سفید ہونے کے سبب سے اس کے منہ پر ایک طرح کی خون کی جھلک اور چمک تھی۔ اس لیے اس کو ابولہب کہتے تھے۔ جس کے معنے آگ کے شعلہ کے باپ کے ہوئے۔ یہ کنیت اُس کے حق میں ایسی منحوس ہوئی کہ ہمیشہ کے لیے گویا یہ دوزخ کی آگ کا ابولہب ٹھہرا۔ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا مخالف تھا۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار وغیرہ میں لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر کچھ وعظ و نصیحت کرتے تھے تو یہ آپ کو جھٹلانے کی تقریر ضرور کیا کرتا تھا۔ ابولہب کی بی بی کا نام اروٰی تھا۔ اور کنیت اُس کی ام جمیل تھی۔ یہ ابوسفیانؓ کی بہن اور معاویہؓ کی پھوپھی ہے۔ اپنے شوہر کی امداد کے خیال سے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عداوت رکھتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں اکثر کانٹے بچھا دیا کرتی تھی کہ صبح کو اندھیرے میں

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۳ ج ۴ [2] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ اللھب ص ۷۴۳ ج ۲۔

ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۵﴾

دہکتی ہوئی۔ اور اس کی جورو سر پر لئے پھرتی ایندھن۔ اس کی گردن میں رسی ہے مونج کی۔

## (۱۱۲) سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (۲۲)

ایاتہا ۴ — رکوعہا ۱

سورۃ الاخلاص مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

تو کہہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا گیا۔ اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی۔

آپ نماز کو جائیں تو آپ کو اُن کانٹوں سے کچھ ایذا پہنچے[۱] تبت یدا ابی لہب وتب کا مطلب یہ ہے کہ ابولہب ہلاک ہو جائے عرب کا محاورہ ہے کہ آدمی کے دونوں ہاتھوں سے اُس آدمی کی ذات مراد لیا کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ابولہب نسب کا شریف اور مالدار تھا مگر اُس نے خدا اور رسول کے ساتھ اپنا معاملہ درست نہیں رکھا تو اس کی دین و دنیا دونوں خراب ہو گئیں۔ دنیا تو یوں کہ اُس کے دونوں بیٹے عتبہ عتیبہ جو گویا اُس کے دونوں ہاتھ تھے وہ یوں ٹوٹ گئے کہ عتبہ تو مسلمان ہو گئے اور عتیبہ کو شیر نے پھاڑ ڈالا۔ خود اُس کا یہ حال ہوا کہ وہ خود تو بدر کی لڑائی میں نہیں جا سکا مگر ایک شخص کو خرچ دے کر اپنی طرف سے قریش کے ساتھ اُس نے بھیج دیا تھا۔ قریش پر بدر کی لڑائی میں وہ آفت گزری کہ ستر آدمی اُن کے مارے گئے اور ستر قید ہو گئے۔ اور جس شخص بدیل نامی کو اُس نے اس لڑائی میں بھیجا تھا۔ اُس سے اور اور لوگوں سے اس ابولہب نے قریش کی مصیبت کا سب تفصیلی حال جب سنا تو اس غم میں طاعون کے مرض سے بدر کی لڑائی کے سات روز بعد مر گیا۔ عرب کے لوگ اس مرض میں جو شخص مر جائے اُس کی لاش سے بہت پرہیز کرتے ہیں۔ اس لیے تین دن تک اُس کی لاش بغیر دفن کے پڑی رہی اور جب لاش بالکل سڑ گئی تو اس لاش کے دفن کی نوبت آئی۔ تفسیر ضحاکؒ میں ہے کہ ابولہب کی بی بی ام جمیل کے گلے میں رسی کی پھانسی لگ گئی جس سے وہ مر گئی۔ قیامت کے دن وہی رسی ایک آگ کی رسی بن جائے گی۔ اور دوزخ میں ہمیشہ وہ رسی اس کے گلے میں طوق کی طرح پڑی رہے گی۔ غرض اللہ کے رسول کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی خفگی سے ابولہب اور ام جمیل دونوں کا خاتمہ کفر پر ہوا۔ اور ایسے لوگوں کا عقبیٰ میں جو کچھ انجام ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے آ جائے گا۔ ضحاک کا قول تفسیر میں معتبر ہے چنانچہ سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ مجاہد سعید بن جبیر عکرمہ اور ضحاک۔ ان چار شخصوں سے تفسیر کی روایتیں لینی چاہئیں۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اکثر جگہ ضحاک کا قول لیا ہے۔ اور یہ اوپر گزر چکا ہے کہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں صحت روایت کی پابندی زیادہ کی ہے۔

اتا ہم۔ مسند امام احمد ترمذی[۱] تاریخ بخاری ابن خزیمہ مستدرک حاکم مسند ابویعلیٰ میں ابی بن کعب اور جابر سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی صفت پوچھی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ

[۱] جامع ترمذی۔ تفسیر سورۃ الاخلاص ص ۱۶۹ ج ۲۔

نازل فرمائی۔ اس شانِ نزول کی روایتوں میں بعضی روایتوں کی سند معتبر ہے اور باقی روایتوں کی تقویت ان معتبر اسناد کی روایتوں سے ہو جاتی ہے۔ یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت عیسٰیؑ کو خدا کا بیٹا اور عرب کے مشرک لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اس لیے ان سب کو جھٹلایا اور فرمایا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ کھانے پینے، بی بی بچے کسی چیز کا وہ حاجتمند نہیں ہے۔ وہ سب چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ خالق اور مخلوق میں وہ مناسبت کہاں کہ کوئی اس کی بی بی ہو اور کوئی اُس کی اولاد۔ بعضے سلف نے لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد کو لفظ صمد کی تفسیر ٹھہرایا ہے۔ اس صورت میں معنے سورۃ کے یہ ہوتے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک صمد ہے کہ نہ تو مثلاً وہ مریم علیہا السلام کی طرح ہے جن کے پیٹ سے عیسٰی علیہ السلام پیدا ہوتے اور نہ وہ عیسٰی علیہ السلام کی طرح ہے جو خود مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں اور اُن کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ تو ایسا بے نظیر اور بے مثال ہے کہ مخلوق بھر میں نہ کوئی اس کا نظیر ہے نہ کسی میں اُس کی بی بی بچہ ہونے کی صلاحیت ہے۔ یہ تفسیر بہت صحیح ہے کیونکہ اس کی پوری تائید اس حدیث قدسی سے ہوتی ہے جو صحیح بخاری[1] کے حوالہ اور ابوہریرہؓ کی روایت سے اوپر گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے گویا مجھ کو گالی دی کہ مجھ کو صاحبِ اولاد ٹھہرایا۔ حالانکہ میں تو صمد ہوں۔ پھر صمد کی تفسیر اُن ہی لفظوں سے فرمائی جو لفظ اس صورت میں فرمائے گئے ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ کھانا پینا صاحب اولاد ہونا یہ مخلوقات کی شان ہے جن کے پیچھے انہی باتوں کی طرح موت بھی لگی ہوتی ہے۔ اور موت کے پیچھے اُن کے وارث اُن کے قائم مقام بنتے ہیں۔ اللہ کی ذات ان سب باتوں سے پاک ہے۔ چنانچہ سورۃ قصص میں فرمایا کل شیء ھالک الا وجھہ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سوا اللہ کی ذات پاک کے اور سب مخلوقات فنا ہونے والی ہے۔ اور سورۃ نحل میں فرمایا وللہ المثل الاعلیٰ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات مخلوقات کی ذات اور صفات سے بالکل نرالی اور الگ ہیں اور سورۃ مریم میں فرمایا انا نحن نرث الارض ومن علیھا والینا یرجعون جس کا مطلب یہ ہے کہ عارضی طور سے زمین کی جائداد مکانات وغیرہ کے جو لوگ دنیا کے ختم ہونے تک مالک اور وارث بن رہے ہیں۔ یہ مٹ کر خاک ہو جائیں گے اور سب مالکیت اور وراثت آخر ہماری طرف پھرے گی اور مخلوقات فنا ہو جانے کے بعد لمن الملک الیوم کے سوال کا جواب دینے والا روئے زمین پر کوئی باقی نہ رہے گا۔ غرض جبکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا حال اُس حد سے بڑھ کر کچھ معلوم نہیں ہے، جو حد ہر زمانہ کی شریعت نے ٹھہرا دی ہے۔ تو انکار شریعت کے سبب سے عرب کے مشرک لوگوں نے اور شریعت کے بدل ڈالنے کے سبب سے اہلِ کتاب نے اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد جو ٹھہرایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں اتنے بڑے ایک عیب اور بٹا لگانے کی بات تھی جیسے کسی کو گالی دی۔ اسی واسطے حدیث قدسی میں فرمایا۔ بنی آدم نے مجھے گالی دی کہ مجھ کو صاحبِ اولاد ٹھہرایا۔ اور سورۃ مریم میں فرمایا وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا لقد جئتم شیئا ادا تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اور مخلوقات کی مانند سمجھ کر صاحب اولاد ٹھہرانے کی بات کچھ ایسی چھوٹی بات نہیں تھی کہ جس کو سن کر آسمان و زمین و پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہ جاتے۔ بلکہ یہ اتنی

[1] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ اخلاص۔ ص ۷۴۴ ج ۲۔

آیاتہا ۵ —— (۱۱۳) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ (۲۲) —— رکوعہا ۱

سورۃ الفلق مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آئے۔ اور

بڑی بات تھی کہ جس کے وبال سے قیامت کی سی ہلچل پڑ کر آسمان و زمین پھٹ جاتے اور پہاڑ ٹوٹ کر چورا ہو جاتے اور تمام دنیا ادھر کی ادھر ہو جاتی تو کچھ عجب نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں دنیا کے چلنے کی ایک مدت قرار دے دی ہے۔ اس لیے اس نے اپنے تحمل سے اس بات کے وبال کو وقت مقررہ پر رکھا۔ صحیح بخاری و مسلم[1] وغیرہ میں ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جیسا تحمل اس کی سی بُردباری کسی میں بھی نہیں ہے۔ لوگوں نے اس کو صاحب اولاد ٹھہرایا، اور اس نے ان کو دنیا میں آباد رکھا اجاڑا نہیں بلکہ ان کے رزق اور ہر طرح کے آرام کی بھی وہی حالت قائم رکھی جیسے کہ تھی۔ صحیح بخاری[2] و مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ صحابہ ایک لڑائی پر بھیجے گئے تھے۔ انھوں نے اپنی واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ راستہ بھر جن صحابی کو ہم نے اپنا امام بنایا تھا وہ ہر نماز میں قل ھو اللہ احد ضرور پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے ان صحابی سے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس سورۃ میں اللہ کی توحید ہے اس لیے میں اس کی قرأت کو بہت عزیز جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو اللہ تجھ کو بھی عزیز رکھے گا۔ اسی کے قریب بخاری[3] وغیرہ میں انس کی روایت ہے۔ صحیح مسلم[4] میں ابودرداء سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو تیسرا حصہ قرآن کا فرمایا ہے۔ امام نووی[5] نے کہا کہ قرآن میں توحید احکام اور پچھلے قصے یہ تین چیزیں ہیں قل ھو اللہ میں ان تین میں سے ایک چیز توحید پوری ہے اس لیے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا تیسرا حصہ فرمایا۔ ترمذی[6] میں ابوایوب انصاری سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قل ھو اللہ احد کی سورۃ پڑھی اس نے گویا قرآن کا تیسرا حصہ پڑھا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ اسی طرح ترمذی[7] میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قل ھو اللہ احد پڑھتے ہوئے سن کر اس شخص کے حق میں فرمایا کہ اس کو جنت ضرور ملے گی۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے یہ حدیث موطا نسائی اور مستدرک حاکم میں بھی ہے اور حاکم نے بھی اس کو صحیح کہا[8] ہے۔ سوا ان حدیثوں کے اس سورۃ کی فضیلت میں اور بھی حدیثیں ہیں ❊

۱ تا ۵۔ عقبہ بن عامر سے صحیح[9] مسلم ترمذی نسائی وغیرہ میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

[1] صحیح بخاری باب الصبر فی الاذیٰ ص ۹۰۱ ج ۲ [2] صحیح مسلم باب فضل قرأۃ قل ھو اللہ احد ص ۲۷۱ ج ۱ [3] صحیح بخاری۔ باب الجمع بین السورتین فی رکعۃ الخ ص ۱۰۷ ج ۱ [4] ایضاً [5] ایضاً [6] جامع ترمذی۔ باب ما جاء فی سورۃ الاخلاص ص ۱۲۳ ج ۲ [7] ایضاً۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

وَمِن شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿٤﴾ وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾

بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونکیں اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ہونسنے ۔

کہ آج کی رات خدا تعالیٰ نے چند آیتیں نازل فرمائی ہیں، جو مجھ کو بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ پھر آپ نے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ان دونوں سورتوں کا نام بتلایا۔ اس حدیث سے ان دونوں سورتوں کی فضیلت بھی معلوم ہوئی اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرآن کی اور آیتوں کی طرح یہ دونوں سورتیں بھی قرآن کا جز ہیں۔ اسی واسطے اور حدیثوں سے یہ بھی معلوم[۵۹] ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کو صبح کی نماز میں پڑھا ہے۔ ان حدیثوں سے حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں سورتوں کو قرآن کی سورتوں میں شمار نہیں کرتے تھے۔ پھر جب اور صحابہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول کو صحیح نہیں قرار دیا تو آخر عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اپنے اس قول سے رجوع اختیار کیا۔ ترمذی[۱]، نسائی، مستدرک حاکم میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نظر لگ جانے کا علاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سورتوں کے نازل ہونے سے پہلے اور دعاؤں سے کیا کرتے تھے۔ جب سے یہ دونوں سورتیں اتری تو انہی کو نظر والے شخص پر پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ موطا وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرتؐ جب بیمار ہوتے تھے تو ان ہی دونوں سورتوں کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے تھے۔ اصل اس حدیث کی صحیحین[۳] میں بھی ہے۔ ان دونوں سورتوں کے شان نزول کی روایتیں جو حضرت عائشہؓ سے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور انسؓ سے صحیحین[۴] وغیرہ میں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ لبید بن عاصم نے جب اپنی بیٹیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دو فرشتوں نے اس جادو کا حال بتایا کہ آنحضرتؐ کے کچھ بالوں اور کچھ کنگھی کے دندانوں پر یہ جادو کیا گیا ہے اور ذروان کا کنواں جو مشہور ہے وہاں یہ جادو کی چیزیں ایک پتھر کے نیچے ہیں۔ جب یہ چیزیں منگوائی گئیں تو معلوم ہوا کہ سر کے بالوں اور ایک تانت کے ٹکڑے میں گیارہ گرہ بھی لگائی گئی تھیں۔ غرض اسی وقت یہ گیارہ آیتوں کی دونوں سورتیں نازل ہوئیں اور ہر ایک آیت کے پڑھنے کے ساتھ ہی جادو کی ایک ایک گرہ کھل گئی اور دونوں سورتوں کے ختم ہوتے ہی آپؐ سے جادو کا اثر جاتا رہا اور آپؐ تندرست ہو گئے۔ یہ لبید بن عاصم منافق تھا۔ یہود سے بھائی چارہ رکھتا تھا۔ ایک یہودی لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ یہود نے اس کو بلایا اور اس کی معرفت وہ آپ کے کنگھی کے دندانے اور بال منگوائے تھے۔ جب یہ سب حال کھل گیا تو صحابہ نے چاہا تھا کہ لبید بن عاصم وغیرہ سے اس کا بدلہ لیا جائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی۔ اب کسی سے بدلہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ جادو کا اثر حقیقی طور پر دنیا میں ہوتا ہے۔ فرقہ معتزلہ اس کا مخالف ہے کیونکہ وہ لوگ جادو کے اثر کو خیالی

(حاشیہ صفحہ سابقہ) [۵۸] الترغیب والترہیب الترغیب فی قراءۃ قل ھو اللہ احد ص ۲۲۲ ج ۲ [۵۹] صحیح مسلم باب فضل قراءۃ معوذتین ص ۲۷۲ ج ۱

(حاشیہ صفحہ ھذا) [۱] الترغیب والترہیب۔ الترغیب فی قراءۃ المعوذتین ص ۶۵۰ ج ۲ [۲] جامع ترمذی باب ما جاء فی الرقیۃ بالمعوذتین ص ۲۵ ج ۲

[۳] صحیح مسلم باب استحباب رقیۃ المریض ص ۲۲۲ و ۲۲۳ ج ۲ و صحیح بخاری ص ۸۵۴ ج ۲ [۴] صحیح مسلم باب السحر ص ۲۲۱ ج ۲ و صحیح بخاری باب السحر ص ۸۵۸ ج ۲

بتاتے ہیں مگر اہل سنت نے اپنے مذہب کو بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے ثابت کیا ہے۔ کوئی آیت پڑھ کر دم کرنے کو یا منتر کے طور پر کوئی آیت یا حدیث پڑھنے کو یا ایسا کوئی منتر جس میں شرک کے لفظ نہ ہوں عمل میں لانے کو اکثر صحابہ اور تابعین نے جائز رکھا ہے۔ صحیح حدیثوں سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے چنانچہ قل ھو اللہ احد۔ قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس یہ تینوں سورتیں پڑھ کر بیمار آدمی پر دم کرنے کی حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں عوف بن مالک کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس منتر میں شرک کا لفظ نہ ہو اس کا کچھ ڈر نہیں ہے۔ اسی طرح مسلم کی روایت میں حضرت جابرؓ سے بچھو کے ایک منتر کے لفظ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی۔ یہ بھی بعضے علماء کا قول ہے کہ سوت کے گنڈے پر کوئی مباح کلام پڑھ کر یا تعویذ کے طور سے کسی کاغذ پر کوئی مباح کلام لکھ کر گلے میں ڈالا جائے یا بازو پر باندھا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ جس کا پڑھ کر دم کرنا جائز ہے اس کا پاس رکھنا بھی جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گنڈے اور تعویذ کو منع فرمایا ہے جس میں جاہلیت کی عادت کے موافق اللہ کے نام کے ساتھ شیاطین کے نام بھی ملائے جاتے تھے اس طرح کا منتر گنڈا تعویذ سب ناجائز ہے اور کلام مباح کا منتر جس طرح اوپر کی صحیح حدیثوں کے موافق جائز ہے اسی طرح گنڈا تعویذ بھی جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ کلام مباح کے گنڈے تعویذ کی ممانعت شریعت سے پائی نہیں جاتی۔ بعضی آیتوں وغیرہ کا عدد نکال کر ہندسوں کی صورت میں جو بعضے لوگ تعویذ لکھتے ہیں ان کے جائز ہونے میں تردد ہے کس لیے کہ عددوں سے اصل چیز کا حال دریافت کرنا اور پھر اس کے معنے کا سمجھنا دشوار ہے۔ حالانکہ سلف نے یہ قید لگائی ہے کہ جس کلام کے معنے کے سمجھنے میں کچھ دشواری نہ ہو اس سے منتر وغیرہ جائز ہے۔ اور یہی مطلب عوف بن مالک اور جابر کی حدیثوں کا بھی ہے۔ صبح کے رب سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح رات کے بعد صبح کے آنے سے سب لوگ نیند سے اٹھ کر چونچال ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پناہ مانگنے والا شخص جادو اور ہر طرح کی بیماری کا اثر زائل ہو کر چونچال ہو جائے۔ ہر چیز کی بدی میں شیطان کی بدی اور ہر طرح کی موذی شے کی بدی داخل ہے۔ اندھیرے میں چاند گہن کا اندھیرا رات کا اندھیرا سب داخل ہے۔ اندھیرے میں جادو کا اثر بڑھ جاتا ہے اور طرح طرح کے موذی جانور اندھیرے میں نکلتے ہیں اس لیے اندھیرے سے پناہ مانگنے کا ذکر فرمایا گرہوں میں پھونکیں مارنے والی عورتوں سے مطلب جادوگرنیاں ہیں جیسے لبید بن عاصم کی بیٹیاں یا اور جادوگر عورتیں۔ عورتوں کا مکر اور جادو مشہور ہے۔ اس لیے ان کے جادو سے پناہ مانگنے کا ذکر فرمایا۔ یہاں حسد کرنے والوں سے خاص مراد تو یہود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو حسد سے تھے کہ بنی اسمٰعیل میں یہ نبوت کیوں آگئی۔ لیکن عام حسد کرنے اور ٹوکنے والے بھی اس میں داخل ہیں۔

---

ل۵۱ صحیح بخاری۔ باب النفث فی الرقیۃ ص ۸۵۵ ج ۲۔

ل۵۲ صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ ص ۲۲۲ ج ۲۔

ل۵۳ صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ ص ۲۲۴ ج ۲۔

آیاتہا ۶ (۱۱۴) سُورَۃُ النَّاسِ مَدَنِیَّۃٌ (۲۱) رکوعہا ۱

سورۃ الناس مدنی ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝۴

تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے پوجے کی بدی سے اس کے جو سٹکا دے اور چھپ جائے

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں جنوں میں اور آدمیوں میں۔

آنا ۶۔ یہ تین صفتیں ربوبیت بادشاہت الہیت مل کر ایسا ایک صفتوں کا مجموعہ ہے کہ دنیا کے کسی بادشاہ میں نہیں پایا جاتا اس سبب سے ان تینوں صفتوں کو ایک جا کر کے ذکر فرمایا۔ ان صفتوں کے ترتیب وار ذکر فرمانے میں یہ بھی گویا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رب الناس ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ مثلاً ایک سال اس کی پرورش نہ ہو اور مینہ نہ برسے تو قحط پڑ جاتا ہے اسی طرح اس کی بادشاہت تمام دنیا میں ظاہر ہے۔ جس بادشاہ امیر وزیر کو ایک دم میں چاہے بیمار ڈال دے مار ڈالے۔ کوئی اس میں کچھ دخل نہیں دے سکتا۔ اب آدمی کو یہ سوچنا چاہیے کہ جس کی یہ صفتیں ہیں لائق عبادت بھی وہی وحدہ لاشریک ہے کسی دوسرے کو اس کی عبادت میں شریک ٹھہرانے کا حق نہیں۔ وسواس اور وسوسہ کے معنے اس ہلکی اور دبی ہوئی آواز کے ہیں جس آواز سے شیطان آدمی کے دل کے پاس گنگناتا ہے اور آدمی کو بہکاتا ہے۔ خناس کے معنے پیچھے ہٹ جانے والے کے ہیں۔ صحیح بخاری[۱] و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اذان اور تکبیر کی آواز سے شیطان دور بھاگ جاتا ہے۔ اس صحیح حدیث کے موافق خناس کا مطلب یہ ہے کہ جو وسوسہ ڈالنے کے وقت ذکر الٰہی سن کر پیچھے ہٹ جاتا اور بھاگ جاتا ہے۔ اسی واسطے امام مفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے جو بیان کی گئی۔ صدر سے مراد یہاں دل ہے۔ اوپر صحیح[۲] حدیث گزر چکی ہے کہ جس طرح آدمی کے سارے جسم میں خون پھرتا ہے۔ اسی طرح شیطان بھی آدمی کے سارے جسم میں پھرتا ہے۔ کسی انسان کو خدا نے یہ قابو تو نہیں دیا کہ وہ شیطان کی طرح دوسرے آدمی کے جسم میں سرایت کر جائے۔ لیکن آدمی کے بعضے بدصلاح کار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی بری صلاح سے لوگوں کے دین کا نقصان ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو سورۂ انعام میں شیاطین الانس فرمایا۔ غرض ان کی بری صلاح کی برائی سے بچنے کے لیے ان سے بھی پناہ مانگنے کا ذکر اس سورۃ میں فرمایا۔ کس لیے کہ ان کی بری صلاح کا اثر بھی آدمی کے دل پر شیطانی وسوسہ سے کم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سب دیندار مسلمانوں کو اصلی شیطان کے وسوسوں اور ان نقلی شیطانوں کی بدصلاحوں سے محفوظ رکھے۔ صحیح بخاری[۳] و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان

[۱] صحیح بخاری باب فضل التاذین ص ۸۵ ج ۱ [۲] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الناس۔ ص ۴۴۴ ج ۲ [۳] مشکوٰۃ شریف۔ باب الوسوسۃ۔ ص ۱۸۔

[۴] صحیح بخاری۔ باب صفۃ ابلیس وجنودہ ص ۴۶۳ ج ۱

آدمی کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ سب چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا ایسے موقع پر آدمی کو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے تاکہ شیطان بھاگ جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ شیطانی سے بچنے کے لیے اس سورۃ کا ورد بڑا وظیفہ ہے۔ آدمی کے آخری وقت پر بھی شیطان آتا ہے۔ اور طرح طرح کے وسوسے عین قبض روح کے وقت آدمی کے دل میں ڈالتا ہے۔ ہر وقت کے ورد کے سبب سے اس آخری وقت میں یہ سورۃ اگر آدمی کی زبان پر آ گئی تو انشاء اللہ شیطان کو بڑی شکست ہوگی ۔

تمّت بالخیر!
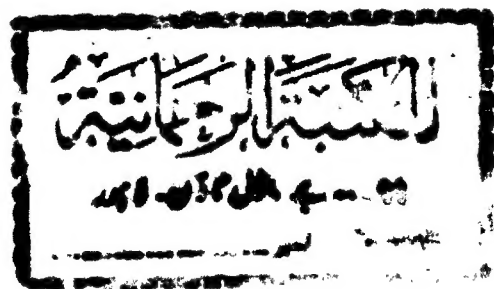
بسم الله الرحمن الرحیم

اس تفسیر کو پڑھنے اور اس سے فائدہ

اٹھانے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ

# بلال گروپ آف انڈسٹریز

کے مالکان، انکے آباؤ اجداد، آل اولاد اور اہل وعیال کو

اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں خصوصاً یہ دعا کہ اللہ تعالیٰ

انکی تمام لغزشیں معاف فرمائے اور حسنات قبول فرمائے،

اور خاتمہ بالخیر فرمائے : آمین ثم آمین

فون : 5716134-36

A-88 مین گلبرگ ـــــ لاہور

وقف

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر
غاسق إذا وقب ومن شر النفاثات
في العقد ومن شر حاسد إذا حسد